

علومِ طبعی پر مشتمل ایک لا جواب کتاب

اَنْبِیاءُ الْحَى اَنْ کَلَامُهُ الْمُصْطَوْنَ تَبْیَانٌ

لِکُلِّ شَیْ

کَا اَرْوَجُ حَبِیْبِ رِیَاضِ

قرآن مجید شے کلیان

تَضَمَّنَتْ

اَعْلَى حُرُفِ الْمَمْلُکَاتِ اَنَا اَحْمَدُ رِضَا خَانَ قَامِی رَحْمَةُ

تَرْجَمَهُ حُرُفُ الْمَمْلُکَاتِ اَنَا اَحْمَدُ رِضَا خَانَ قَامِی رَحْمَةُ



علوم مصطفیٰ پر مشتمل ایک لائحہ عمل کتاب

اِنْبَاءِ الْحَيِّ اَنْ كَلَامُهُ الْمُصَوَّنُ تَبْيَانُ لِكُلِّ شَيْءٍ

کا ترجمہ بنام

قرآن مجید کے کلیات

تصنیف

اعلیٰ حضرت اہل سنت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ الرضوان

ترجمہ

حضرت علامہ مولانا محمد عیسیٰ خاں قادری

داتا دار بار ماریٹ، لاہور
042-37247301
0300-8842540

مکتبہ اعلیٰ حضرت

مکتبہ
مکتبہ

marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

موضوع-----علم غیب مصطفیٰ ﷺ

زبان-----عربی

تصنیف-----الامام ابوالحسن علی بن احمد رضا خان قادری دہلوی مدظلہ العالی

نام اردو ترجمہ-----قرآن مجید شے کلیمان

ترجمہ-----حسین محمد علی خاں قادری دہلوی

صفحات-----696

سن اشاعت-----ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ / برطانیق مارچ ۲۰۱۱ء

قیمت-----

042-37247301
0300-8842540

مکتبہ اعلیٰ حضرت

مکتبہ
الکبریٰ

فہرست مشمولات

۱۷	● تقریب
۲۱	● مقدمہ
۲۳	● علوم القرآن اور اس کا پس منظر
۲۹	● رسالہ غایۃ المامول کی حقیقت اور اس کا رد
۳۴	● ترجمہ کا سبب
۳۷	● تشکر و اہتمام
۴۱	● قرآن روشن بیان ہے
۴۵	● فصل، عموم علم میں
۴۵	● حضرت علی کے فرمان کا مطلب
۴۵	● فصل، عموم علم کا ثبوت
۴۸	● عجائب قرآن منتہی نہیں
۵۳	● اولیائے کرام کے علوم
۵۵	● قول امام اعظم
۵۷	● منکرین کو تنبیہ
۵۸	● قرآن کے تین ہزار علم
۵۹	● حضرت علی کا فرمان کہ ابن عباس غیب پر نظر رکھتے ہیں
۶۰	● حضرت علی کا علم عرش اور قیامت تک
۶۰	● حضرت عمر کے علم کا وزن
۶۲	● فصل آخر، عموم علم میں
۶۲	● قرآن کے باطنی علوم کا ذکر

- مطلع کی تحقیق و توضیح ۶۳
- علم ظاہر و باطن کی مزید توضیح ۶۳
- قرآن عظیم کے ظاہری علوم کی کثرت ۶۵
- جملہ علوم حضور علیہ السلام کے بحار علوم کا ایک قطرہ ہے ۷۰
- رسالہ غایۃ المامول کا رد ۷۳
- مصنف غایۃ المامول کا افترا اور خود اپنے اوپر سوال ۷۳
- رد علی المفتری ۷۳
- دفع سوال اول ۷۳
- رد علی المفتری ۷۴
- دفع سوال ثانی ۷۴
- رد علی المفتری ۷۴
- اس رد کا خلاصہ ۷۴
- دفع سوال ثالث ۷۵
- دفع ثالث کا رد اول ۷۵
- رد الجواب ثانی ۷۵
- رد الجواب ثالث ۷۶
- رد الجواب رابعاً ۷۶
- رد الجواب خامساً ۷۷
- اپنے سوال مذکور کا مفتری کا آخری جواب ۷۷
- چوتھے جواب کا رد اول ۷۸
- چوتھے جواب کا رد ثانی ۷۸
- غایۃ المامول کی خیانت کا پتہ ۷۸
- رسالہ مذکورہ کی ایک اور خیانت ۷۹

- چوتھے جواب کا رد ثالثاً ۷۹
- رد الجواب الرابع رابعاً ۷۹
- رد الجواب خامساً ۸۰
- لفظ اصح حدیث، تصحیح میں صریح نہیں ہوتا ۸۰
- قرآن کے مشابہات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہیں ۸۱
- رد الجواب الحمد کورسادساً ۸۱
- مشابہات قرآن کے بارے میں دوسرے اقوال ۸۶
- چوتھے جواب کا رد ۸۶
- عقیدوں کے حل میں نفیس بیان ۹۰
- غایۃ المامول کے دفع رابع کا آٹھواں رد ۹۰
- رسالہ مذکور کے دفع رابع کا نوواں رد ۹۲
- قول بیہقی، کہ قرآن اصول علم ہیں، کی عمدہ تحقیق ۹۸
- قرآن کریم کے معانی بالفعل غیر متناہی ہیں ۱۰۸
- عدم تناہی وعدم حدوث پر دلائل ۱۰۸
- تناہی کے شبہ کا ازالہ ۱۰۹
- لزوم تناہی کا رفع ۱۱۲
- حدیث ابو عمیر کے فوائد کی بحث ۱۱۳
- فصل، عموم علم کے تقریب فہم اور کبیر کے لئے وسعت صغیر کی مثال ۱۱۵
- تفہیم غیر محسوس بالمحسوس ۱۱۵
- صاحب کشف روشنائی میں تحریر کی صورت دیکھتا ہے ۱۱۷
- قلیل زمانہ میں کثیر شئی کا آسان ہونا ۱۱۹
- واقعہ معراج سے استدلال ۱۱۹
- حضور نے ایک مجلس میں ابتدا سے انتہا تک تمام مخلوقات کے جملہ ۱۲۳

- اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی دو کتابیں ۱۲۳
- قلیل زمانہ کے پھیلنے کے بارے میں جس سے زائد روایتیں ۱۲۶
- حضرت داؤد علیہ السلام کی زیور خوانی ۱۲۶
- حضرت علی اور قرآن مقدس کی تلاوت ۱۲۸
- بعض خواص کی تلاوت قرآن ۱۲۸
- ابن سیکنہ کے ایک مرید کا واقعہ ۱۳۳
- ایک جوہری کی حکایت ۱۳۵
- ابوالحسن خرقانی کا سلوک اور تلاوت قرآن ۱۳۵
- حضرت جنید کے ایک مصاحب کا قصہ ۱۳۶
- ایک جادوگر کی حیرت انگیز بات ۱۳۸
- بسط زمان کی ایک حکایت ۱۳۹
- ایک نادور مخلوق ۱۴۱
- میر عبدالواحد بلگرامی کی کرامت و معلومات ۱۴۲
- امام عبدالوہاب شعرانی کی کرامت ۱۴۲
- خود حضرت مصنف کی کرامت ۱۴۳
- اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی دونوں کتابوں کا معاملہ بہت بڑا ہے ۱۴۷
- بغیر حساب کے جنت میں جانے والے لوگوں کی تعداد ۱۴۸
- بنی آدم کے نیک لوگوں کی تعداد ۱۵۵
- بندہ سعید و شقی کے درمیان نسبت و فرق ۱۵۷
- یاجوج و ماجوج کا نسب ۱۶۲
- اولاد آدم کے دوزخیوں کی تعداد ۱۶۹
- زبان اور دل کے علم میں فرق ۱۷۲

- مومن کو یہ بحث کافی ہے ۱۷۶
- قول خصوص کی طرف بحث کا رخ اور اس کا مطلب ۱۷۹
- خصوص کے قائل صرف بعض متاخرین ہیں ۱۸۱
- صرف ذکر میں شئی کی تخصیص کے احتمالات ۱۸۲
- قرآن ذودجود ہے اور وہ تمام ہی وجوہ سے حجت ہے ۱۸۸
- توریت میں قیامت تک رونما ہونے والے واقعات کا بیان موجود ہے ۱۹۳
- کعب کا علم بالمغیب ۱۹۳
- کعب احبار کو قیامت تک ہونے والے واقعات کا علم تھا ۱۹۳
- آیات خمس کی مراد ۱۹۳
- علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائلین عموم کا اعتراف کر گئے اگرچہ ۱۹۹
- انہیں اس کی خبر نہ ہوئی
- کل شئی کا علم علی الاطلاق علم دین ہے۔ اس سلسلے میں خلفاء اربعہ ۲۰۱
- کے اقوال و آراء
- ہر ذرہ کے علم کی دین میں ضرورت ہے۔ شئی کی ایک حالت کا ۲۰۵
- علم دوسری حالت کے علم سے بالکل بے نیاز نہیں کرتا
- ضروری تنبیہ ۲۰۷
- بعض علماء متاخرین نے علوم قرآنیہ کو تخصیص پر محمول کیا ہے اس کا سبب ۲۰۹
- اس پر تنبیہ فرض ہے ۲۱۰
- قرآن ہر شئی کا روشن بیان نبی کے لئے ہے نہ کہ امت کے لئے ۲۱۲
- آیات ۲۱۷
- احادیث ۲۲۱
- صحابہ و تابعین کے اقوال و آراء ۲۲۳
- حضرت ابو بکر صدیق کے اقوال ۲۲۹

- ۲۳۳ ● حضرت عمر فاروق کے اقوال
- ۲۳۳ ● حضرت عثمان ذوالنورین کے اقوال
- ۲۳۴ ● حضرت علی مرتضیٰ کے اقوال
- ۲۳۶ ● حضور نے حضرت علی کو ہزار ہزار ہزار علوم سکھائے
- ۲۳۸ ● حضرت عبداللہ بن مسعود کے اقوال
- ۲۳۹ ● حضرت زید بن ثابت کے اقوال
- ۲۵۰ ● حضرت عبداللہ بن عباس کے اقوال
- ۲۵۷ ● حضرت ابی بن کعب کا قول
- ۲۵۷ ● حضرت عمار بن یاسر کا قول
- ۲۵۸ ● حضرت ابودرداء کے اقوال
- ۲۵۹ ● حضرت عبداللہ بن عمر کے اقوال
- ۲۶۰ ● ابو موسیٰ اشعری و سلمان بن ربیعہ کے اقوال
- ۲۶۱ ● حضرت ابو ہریرہ کا قول
- ۲۶۲ ● حضرت جندب بن عبداللہ کا قول
- ۲۶۲ ● حضرت عمران بن حصین کا قول
- ۲۶۳ ● حضرت عقبہ بن عامر کا قول
- ۲۶۳ ● انتباہ
- ۲۶۵ ● حضرت سعید بن مسیب کا قول
- ۲۶۵ ● حضرت ابن شہاب زہری کا قول
- ۲۶۶ ● حضرت مجاہد و عطاء و رطاؤس و عکرمہ کے اقوال
- ۲۶۷ ● حضرت قاسم بن محمد بن الصدیق کے اقوال
- ۲۶۸ ● حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول
- ۲۶۹ ● حضرت امام ابراہیم نخعی کا قول

۲۶۹

● حضرت امام شافعی کے اقوال

۲۶۹

● حضرت سعید بن جبیر کا قول

۲۷۰

● حضرت حمید بن عبد الرحمن کا قول

۲۷۰

● حضرت امام ابن سیرین کے اقوال

۲۷۱

● حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے اقوال

۲۷۱

● حضرت سیدنا ربیعہ کا قول

۲۷۲

● حضرت امام مالک کا قول

۲۷۲

● حضرت سفیان بن عیینہ کا قول

۲۷۲

● حضرت امام شافعی کا قول

۲۷۳

● دیگر ائمہ و علماء کے اقوال

۲۷۶

● حاصل بحث

۲۸۶

● زعم تخصیص کا دیوالیہ۔ اس سے محذور کا ازالہ بالکل نہ ہوگا

۲۸۹

● قرآن کریم جملہ اصول دین کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

۲۹۷

● نزول تشابہات کے فوائد و حکم

۲۹۹

● قرآن کریم اصول کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

۳۰۱

● قرآن حلال و حرام وغیرہ احکام فقہیہ و مسائل ارکان اسلامیہ کا

بیان امت کے لئے نہیں

۳۰۷

● احالہ کے ذریعہ حیلہ کے بطلان پر کلام

۳۱۰

● قرآن عظیم معنی کے اعتبار سے بھی معجز ہے

۳۱۲

● منکرین قیاس کے زعم کا رد

۳۱۵

● لفظ 'کل' کے تکثیر کے لئے ہونے کا بطلان

۳۱۹

● قائلین تخصیص کے بقایا کلام کا اظہار

۳۲۲

● قرآن عظیم سے دکانیں موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہاز کا استخراج

- قائلین تخصیص کے کلام کا ترجمہ ۳۲۲
- قاضی بیضاوی پر چار اعتراضات ۳۲۵
- حضور علیہ السلام کی بعثت ہمارے دین و دنیا کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے ۳۲۲
- مومن کی دنیا سراسر دین ہے ۳۲۷
- رسالہ عالیہ المامول کی مبالغہ آرائی ۳۵۲
- پورا عالم حادث ہے عرش وغیرہ کسی غیر اللہ کو قدیم کہنا مطلقاً کفر ہے ۳۵۶
- حاشیہ نابلسی کا بلیغ رد ۳۶۰
- اس کلام کی دلیل جو اولیائے کرام سے ظاہر شرع کے خلاف ۳۶۳
- منقول ہے، اس میں چار وجوہ ہیں
- حدوث و قدم میں کلام نابلسی کی تحقیق ۳۶۶
- اس کے صفات افعال بھی قدیم ہیں ۳۶۹
- قدم زمان کے قائلین کو جس نے گمراہ کیا اس کا انکشاف ۳۷۱
- سنی کی طرف منسوب گمراہ کلمہ کے بارے میں عمل ۳۷۳
- حضور علیہ السلام کے عموم علم میں نقض کرنے والوں کا رد ۳۷۶
- آیت مبارکہ ”لا تعلمہم نحن نعلمہم“ اور تین جواب ۳۸۱
- ولو نشاء لارینا کہم فلم فہم بسیمہم“ کے تحت امام بغوی کی تعلیقات ۳۸۳
- فرمان اقدس، سلونی فواللہ لا تسالونی عن شئی الخ ۳۸۵
- آیت مبارکہ لا اعلم الغیب اور پانچ جواب ۳۹۰
- آیت ولو کنت اعلم الغیب اور سات جواب ۳۹۵
- غیب پر اطلاع کا نام نبوت ہے ۳۹۹
- حدیث ’تلقیح التمر‘ اور سات جواب ۳۹۹
- انبیاء علیہم السلام پر کسی وقت بعض اشیاء کے مخفی رہنے کا سبب ۴۰۰
- حدیث، ان اللہ تعالیٰ اطلعنی علی کل غیب ۴۰۲

- حضور علیہ السلام کو ایک شہود دوسرے شہود سے بالکل مشغول نہیں کرتا ۴۰۳
- حضور علیہ السلام کا علم عرش سے فرش تک ہر ذرہ کو محیط ہے ۴۰۵
- حضور علیہ السلام پورے ملک خدا پر اس کے خلیفہ اعظم اور قاسم رزق ہیں ۴۱۳
- وفات اقدس سے ایک مہینہ قبل علم قیامت کا سوال اور چھ جواب ۴۱۵
- ربیع بنت معوذ کی حدیث اور چھ جواب ۴۱۶
- اللہ کے بتائے سے غیر اللہ کی طرف تم غیب کی جست جانتے ہو ۴۲۵
- ایہام کے سبب سے کبھی حق بات سے روکا جاتا ہے ۴۲۶
- غیب کی خبر دینے پر حضور علیہ السلام قادر ہیں ۴۲۷
- کسی بات کے خوف سے کسی قول کے قائل پر کبھی انکار تو کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت انکار مقصود نہیں ہوتا ۴۲۹
- پوری مخلوق میں حضور علیہ السلام کا افضل ہونا مجمع علیہ اور اصول دین میں سے ہے ۴۳۳
- درود و اعمال پیش ہونے کی احادیث اور نو جواب ۴۳۷
- حضور علیہ السلام پر درود پاک دس بار اور جملہ اعمال پانچ بار پیش ہوتے ہیں ۴۴۰
- حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک فرشتہ ہے جسے پوری مخلوق کا سنا عطا کیا گیا ہے ۴۴۱
- جو میری تربت کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں ۴۵۲
- حضور کے فضائل سے متعلق کسی چیز میں دو روایتوں کی جمع و تطبیق کا ضابطہ ۴۵۶
- سمع و بصر دہیں، عربی عادی اور علوی الہی ۴۵۸
- روحانی قوتوں سے سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلنا عرش سے فرش تک ہر قریب و بعید کو محیط ہے ۴۶۰
- حضور کا غائبانہ امداد فرمانا ۴۶۳

● روح کی سماعت و بصارت

۳۶۳

۳۶۶

● عالم کے تمام حاجتمندوں کی ولی کا مدد کرنا اور ان کی آوازوں کا ایک آن میں سننا اسے کوئی چیز دوسری چیز سے غافل نہیں کرتی اور اس راہ میں حضور علیہ السلام سے اس ولی کی مدد ہوتی ہے

۳۶۸

● ~~کسی بندہ خدا کے لئے علم و سمع اور بصر اگرچہ باعطاء الہی ہو عالم کی ہر شئی کو محیط ہونا ثابت کرنے میں وہابیہ کے دعوے شرک پر برہان ربانی~~

۳۷۰

● کسی بندہ خدا کے لئے علم و سمع اور بصر اگرچہ باعطاء الہی ہو عالم کی ہر شئی کو محیط ہونا ثابت کرنے میں وہابیہ کے دعوے شرک پر برہان ربانی

۳۷۳

● وہابیہ اپنے اس دعوے شرک سے خود ہی شرک ہیں

۳۷۴

● کلیم و حبیب کی جسمانی آنکھیں

۳۷۵

● قرآن کریم سے روحانی بصر محیط کا ثبوت

۳۷۷

● جو فضیلت و معجزہ اور عزت کسی نبی کے لئے ثابت ہے وہ ہمارے

۳۸۰

● نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں اور دراصل ہر فضل حضور

۳۸۲

● دونوں جہان میں کسی کو کوئی نعمت و فضیلت حضور کے بغیر

۳۸۵

● حاصل ہوئی نہ ہو رہی ہے، نہ کبھی حاصل ہوگی

۳۸۷

● ہر فضل حضور کے فضل کا پرتو اور حضور ہی سے مستعار ہے

● حکم، حضور علیہ السلام ہی کا نافذ ہوتا ہے اور اس کا پھیرنے

والا کوئی نہیں

۳۸۹

● قرآن عظیم سے مطالب ثابت کرنے میں بہت سارے لوگ

غافل ہیں

۳۹۱

● انبیاء سابقین کے لئے جو خصائص شمار کئے گئے ہمارے

● نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ان سب کے ثبوت کا اظہار و تذکرہ

۴۹۴ ● حضور علیہ السلام کو ہر طرح سے دونوں جہان پر فضیلت حاصل ہے کسی چیز میں کسی کو حضور پر کوئی فضیلت نہیں

۴۹۶ ● صاحب قصیدہ بردہ و ہمزیہ کا تذکرہ

۴۹۷ ● ید بیضا اور عصا کا اثر دھا ہوتا، مردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد

اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرنا اور ان سب کا جواب

۴۹۹ ● حضور علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے، پہاڑوں کو ہٹانے،

نہر جاری کرنے، چٹانوں کو سونا بنانے پر قادر تھے لیکن حضور نے ایسا قصد نہیں کیا

۵۰۱ ● حضور علیہ السلام ہر ایک کے جملہ احوال کے عالم ہیں

۵۰۳ ● حضرت مسیح کا پرندہ کی شکل بنانا اور اس کا جواب

۵۰۶ ● فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور ان کا جواب

۵۰۷ ● اسم محمد کی برکت سے نوح کی کشتی جاری ہوئی اسی سے

سلیمان علیہ السلام کے لئے شیاطین مسخر ہوئے

۵۰۹ ● حضور علیہ السلام کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضور کسی کے محکوم نہیں

۵۱۱ ● حضور علیہ السلام نے بادشاہ کی صورت اپنے اختیار سے ترک فرمائی

۵۱۴ ● روز قیامت خلیل اللہ کو پترا پہنانے کی ادویت اور اس کا جواب

۵۱۹ ● اس بات کا ثبوت کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و اولیاء

اور شہداء حشر میں ملبوس ہوں گے اور عام لوگ سر با پا برہنہ

۵۲۵ ● کلیم اللہ کا ہوش میں آنا اور اس کا جواب

۵۲۸ ● صور پھونکنے کی تعداد

۵۲۸ ● عمدہ حل

۵۳۱ ● روز قیامت انبیاء و صدیقین و شہداء کو بے ہوشی و غشی طاری نہیں ہوگی

۵۳۴ ● اگر بالفرض انبیاء و صدیقین و شہداء کو صعق و غشی طاری ہو پھر بھی

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحت وفاقہ دونوں میں فضیلت حاصل ہے

● دنیاوی زندگی میں حضور علیہ السلام پر متعدد بیماریاں امت اور دیگر مخلوقات کے جملہ اعمال پیش ہوئے

● حضرت ابن مسعود کا قول ”الافتاح الغیب“ اور دو جہوں سے اس کا جواب

● جہۃ الاسلام کا قول اور پانچ جواب

● علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم

● علم الہی کی تقسیم، فعلی اور انفعالی کرنا

● انبیائے کرام جملہ مخلوقات کو ان کے اشخاص و احوال کے ساتھ جانتے ہیں اور ہر فرد کی تکلیف میں جو حکمت الہیہ ہے اسے بھی جانتے ہیں

● ہندوستانی وہابیوں وغیرہم کے شبہات کا قلع قمع

● آیات قل لا یعلم ولم یفصلہم یوفالو الا علم لنا اور جوابات کی طرف اشارہ

● آیت کریمہ فلا تعلم نفس ما اخفی اور پانچ جوابات

● آیت کریمہ وما یعلم جو درجہ کسا اور پانچ جوابات

● نمبر ۱۰ حضور علیہ السلام اور انبیاء و اولیاء سے وہابیہ کے بغض و عناد پر

● آیت کریمہ او مسہا اور پانچ جوابات

● اخت و عرف میں تسبیح و ذمہ دونوں کا معنی ایک ہے اور

● دونوں میں فرق کرنا فلا سند کی جدید اصطلاح ہے

● کیا حضور علیہ السلام پر نسیان کا اطلاق جائز ہے

● آیہ کریمہ ولا نقولن لشئ انی فاعل اور دو جواب

- آیت کریمہ ما ادری ما یفعل بی ولا یکن اور وہی جوابات ۵۹۵
- آیت امت اور یہ کہ حضور علیہ السلام لکھنا نہیں جانتے تھے اور دو جواب ۶۰۱
- آسمانوں اور عرش پر حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر کے نام ۶۰۵
- مبارک لکھے ہونے کی احادیث
- کیا حضور علیہ السلام نے اپنے دست اقدس سے لکھا ہے؟ ۶۰۸
- پورے مصحف شریف کا رسم الخط حضور علیہ السلام سے تو فیضی ہے ۶۳۰
- ہر دلی امی جس پر علم کا دروازہ کھول دیا گیا وہ آدم علیہ السلام ۶۳۲
- سے قیامت تک کے ہر علم و خط کو دنیا میں پہچانتے ہیں
- آیت ”وان تعدوا نعمة الله“ اور آٹھ جواب ۶۳۵
- آیت کریمہ ”وما علمناه الشعر“ اور چار جواب ۶۳۹
- حضور علیہ السلام کو شعر اور کتابت کی کامل معرفت تھی لیکن ۶۴۲
- حضور شعر کہنے اور کتابت سے پاک و منزہ تھے
- ٹھہرو، آیت کریمہ ”وما علمناه الشعر“ کے ٹھیس و غمہ معنی پر ۶۵۰
- دوسری ذلت و خواری کڑی مصیبت اور بڑی کڑوی ہے ۶۵۵
- وزن عروضی پر تین چہل احادیث کا بیان ۶۵۹
- شطوری کی صورت میں سوا احادیث کا بیان ۶۶۶
- بعض آیات کے شطوری کی صورت پر ہونے کا اشارہ ۶۸۰
- مصادر و مراجع ۶۸۵



اللَّهُمَّ

الحمد لله المتوحد
و صلاة مولانا علي
والآل أمطار التمدى
لا اله قد عجز العدى
لك من عبدك آمن
لا أخشى من بأسهم
يا رب يا رب يا
بك التجنى بك أرفع
أنت القوي قوني
فيا إلى العظيم وملي
وأمر صلاتك والسلام
واجعل بها أحمد رضا

بجلاله المقدر
خير الأنعام محمد
والصحب مسح غواتد
من كل شأن وأعد
إذ من دعائك يؤيد
يدنا صري أقوى يد
كتر الفقير الفساقذ
في نحر كل مهدد
أنت القدير فبايد
بكتابك وبأحمد
وعلي الخبيب الأجود
عبدنا بحسبنا السعيد

(للإمام أحمد رضا القادري قدس سره)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوانے افراد میں ایک عظیم فرد جو جذبہ جستجو اور ترویج مسلک اعلیٰ حضرت کے ہتھیار سے لیس ہے وہ دنیا نے سنیت و رضویت میں مفکر اسلام، صاحب تصانیف کثیرہ، حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گوسہائے گنج ضلع قنوج یوپی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ پر جوش آرمی (Army) اپنے جذبہ خلوص اور ایثار و لہیت سے مسلح ہو کر فکر رضا کی تحقیق و اشاعت میں سینہ سپر اور صف آرا ہیں۔ ان کے پیکر سراپا کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی چچی غلامی کا قلابہ گردن میں ڈالے ہوئے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ و استحکام کی خاطر سونے منزل خراماں خراماں چلتے نظر آتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ان کا قلم برق رفتار ہے یا صاعقہ صفت، کہ انتہائی قلیل و مختصر مدت میں شبستانِ رضا سے خوشہ چینی کر کے وہ ایک ضخیم کتاب تیار کر لیتے اور امام احمد رضا سے عشق و وارفتگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے ان کے قلم اور انگلیوں کا کمال ضرور ہے مگر میری نظر میں یہ سب فیضِ یزدانی اور فیضانِ اعلیٰ حضرت کی جلوہ سامانیاں اور رضائے مصطفیٰ کی کرم نوازیاں ہیں اور بابِ علم و فن جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے اب تک تصنیف و تالیف کی شکل میں جتنا کام کیا ہے وہ ان کی عمر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہ تو کوئی پروموشن (Promotion) نہ ایوارڈ (Award) کی فکر میں رہے نہ سرمایہ سمیٹنے کا خیال دامنگیر رہا۔ اگر ان کی کوئی خواہش رہی تو بس یہی کہ رضا کا جھنڈا ایشیا سے یورپ اور سارے عرب و عجم میں لہراتا رہے اور ایوانِ باطل لرزہ برائے نام ہو یہی خواہش ان کے لئے ایوارڈ (Award) اور انعام (Gift) ہے۔

عمدۃ المحققین، حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری ایک متدین عالم

marfat.com

Marfat.com

دین، فاضل علوم اسلامیہ اور درس نظامی کے معتبر و باصلاحیت مدرس ہونے کے ساتھ یقین محکم اور عمل پیہم کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ وہ عزم و حوصلہ سے آگے بڑھنے اور جہد مسلسل کے قائل ہیں۔ میری معلومات میں وہ چھوٹی بڑی کئی کتابوں کے مولف و مرتب ہیں۔ ان کے منشور تحقیق اور ان کے لکھنے کا محور و مرکز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور ان کی تصانیف ہیں جو پوری دنیائے سنیت کے مرکز عقیدت اور محققین کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کی جنبش قلم سے اب تک یہ علمی شاہکار وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔

- ۱۔ امام احمد رضا اور علم حدیث (۵ جلدیں) ایوارڈ یافتہ
- ۲۔ سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت (۴ جلدیں) انعام یافتہ
- ۳۔ تعارف تصانیف امام احمد رضا (۲ جلدیں) ایوارڈ یافتہ
- ۴۔ فیضان اعلیٰ حضرت
- ۵۔ فرمودات اعلیٰ حضرت
- ۶۔ قرطاس و قلم
- ۷۔ امام احمد رضا اور مسائل نکاح
- ۸۔ امام احمد رضا اور مسئلہ خضاب
- ۹۔ علوم القرآن
- ۱۰۔ امام احمد رضا اور معارف تصوف
- ۱۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں
- ۱۲۔ عظمت قرآن
- ۱۳۔ تخریج و وضاحت الملفوظ
- ۱۴۔ تخریج و وضاحت تمہید ایمان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف انباء الحی ان کلام المصون تبیان لکل شیء ”حاشیہ الدولۃ المکیہ“ در حقیقت پر مغز معلومات پر مشتمل ایسا انمول خزانہ ہے جس سے پڑھنے والے کا دل راہ حق کا تلاشی بنتا ہے۔ اور یہ ایسی معرکہ الآراو

عظیم الشان کتاب ہے جو تار یک دلوں کو روشنی، پڑ مردہ روح کو تازگی اور فکر و نظر کو بالیدگی بخشنے کے ساتھ اہل ایمان کے لئے سامان فرحت و انبساط اور انجلائے قلب و روح کی سوغات ہے۔ اس میں امام احمد رضا بریلوی نے علوم قرآن سے متعلق جن عنوانات و مضامین کو محور قلم بنایا ہے ان کے ہر گوشے اور ان سے شاخ و در شاخ نکلنے والے مختلف الانواع، ابحاث و مسائل کو کتاب و سنت اقوال صحابہ و تابعین، ارشادات ائمہ و سلاطین سے اس طرح مرصع و مدلل فرمایا ہے کہ اس کی کوئی جہت تشنہ نظر نہیں آتی۔ مگر کتاب عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام لوگ اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ ضرورت تھی کہ اسے ترجمہ و تسہیل سے عام فہم بنایا جائے۔ اسی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے حساس دل و دماغ رکھنے والے مصلح قوم و ملت حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی نے ”انباء الہی“ کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے ”علوم القرآن“ کے نام سے موسوم فرمایا۔

یہ امر مسلم ہے کہ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت ہی کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اس کا احساس و اندازہ صرف ان لوگوں کو ہے جو کام کرنے والے اور اس راہ کے مسافر ہیں۔ ایسے معتبر اور ذمہ دارانہ کام کے لئے ایک ایسے صاحب قلم کو آگے آنے کی ضرورت تھی جو اپنے سینے میں صالح دودمند دل رکھتا ہو اور جسے قرطاس و قلم کا طویل تجربہ بھی ہو۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اس اعتبار سے حضرت علامہ موصوف بہت موزوں ثابت ہوئے۔ عربی زبان کو اردو کے قالب میں ڈھالنا اگرچہ مشکل امر ہے مگر اسے فاضل مترجم نے جس خوش اسلوبی سے حل فرمایا وہ ان کی ذہانت و فطانت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے اور اس صعوبت انگیز منزل کو انہوں نے اس شان سے طے کیا کہ اس راہ میں وہ کسی طرح کی لغزش و بے اعتدالی اور آبلہ پائی کے شکار نہ ہوئے مگر اس منزل میں انہیں جتنی محنت شاقہ اور عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی وہ ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔

زیر مطالعہ کتاب ”علوم القرآن“ کی حیثیت اگرچہ ترجمہ کی ہے مگر میرے تجربے میں اس کے مطالعہ سے اس پر اصل اور مستقل کتاب کا گمان ہونے لگتا ہے اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ فکر و رضا کا ترجمان بھی ہے۔ اس کے غائر مطالعہ کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس ترجمے میں فاضل مترجم کا

خون جگر، نالہ شب، آہ سحرگاہی اور تسلسل و روانی کا وہ عنصر موجود ہے جو مخلص مطالعہ کنندگان کو حریم قدس تک پہنچانے کے لئے پل رہا ہے۔

حاصل یہ کہ علوم القرآن سے متعلق اس کتاب میں مختلف ابحاث پر جس نقطہ نظر سے گفتگو کی گئی ہے وہ امام احمد رضا بریلوی کے قلم کا خاص حصہ ہے۔ اس میں دلائل و براہین سے یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مقدس میں ہر شئی کا بیان و تفصیل ہے اور اس کے جملہ علوم و معارف حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھلائے الہی حاصل ہیں۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے عقلی و نقلی طور پر ڈھیروں دلائل و شواہد پیش کئے گئے ہیں جس سے یہ حاشیہ ایک مستقل اور ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

آخر میں ہم یہ کہہ کر گزر جانا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت تو ہمارے محسن و مدد و مددگار ہیں ہی ساتھ میں فاضل مترجم بھی قابل مبارک باد اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس قیمتی سرمایہ کو ترجمہ و تسہیل کی منزل سے گزار کر قوم کی میز پر سجا دیا۔ میری نظر میں یہ کتاب ظاہری و معنوی ہر طرح کی علمی و ادبی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے اس کے حسن اور باطن کو نکھارنے میں فاضل مترجم نے جو کاوش کی ہے اس کے لئے وہ مزید صد تحسین و تہنیک کے مستحق ہیں۔

مولائے کریم تمام ناظرین و مخلصین کو اس سے نفع تام حاصل کرنے کی توفیق رفیق عنایت فرمائے اور حضرت مترجم علامہ موصوف کو اس کے صلہ میں دنیا و آخرت دونوں میں اجر جزیل و ثواب جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

رفیع احمد منانی

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

بہار یونیورسٹی مظفر پور بہار

۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

۳/ نومبر ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

برصغیر میں مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات عالیہ محتاج تعارف و تبصرہ نہیں، آج وہ عالم اسلام میں ایک عظیم محقق، بے مثل مفکر، جلیل القدر محدث و فقیہ اور عاشق رسول کی حیثیت سے متعارف و مشہور ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی تحقیقات علمیہ اور خدمات دینیہ کا شہرہ و غلغلہ ہے، عالمی شہرت یافتہ دانشگاہوں اور معتمد تعلیم گاہوں میں ان کے علمی و تحقیقی اثاثے پر ریسرچ و تحقیق ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں علماء و محققین اور دانشوران قوم و ملت نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی ہیں جوں جوں امام احمد رضا بریلوی پر تحقیق کی جستجو میں محققین نئی منزلوں کی جانب قدم بڑھاتے ہیں فکر و نظر کے اتنے ہی دروازے کھلتے جارہے ہیں ہر سمت ایک نئی شان اور ہر طور نیا انداز ہے۔ وہ علوم و فنون کے بحر بیکراں اور ہمہ گیریت و آفاقیت کے حامل ہیں ان کی وسعت فکر و معلومات پر زمانہ حیران و ششدر ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ آسمان علم و فضل کے وہ تابندہ و درخشندہ آفتاب ہیں جس کی چمک اور عنابی شعاعوں سے علم و ادب کے ایسے بلند مینار تعمیر ہوئے جن کی ضیاء بارگاہوں سے انفس و آفاق میں اجالا پھیلا، قلوب و اذبان منور و تابناک ہوئے، جہالت و بطالت کی ظلمت و تاریکی زائل و کافور ہوئی، ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو راہ حق و ہدایت کا نشان و سراغ ملا، طغیان و سرکشی کے بے آب و گیاہ صحرا میں پھرنے والے مسافروں کو ایقان و عرفان کی منزل ملی، امام احمد رضا بریلوی کے علمی قوس و قزح سے نہ جانے کتنی دنیا رنگین و ضیاء بار ہوئی، کتنی منزلوں میں رنگ و نور کا سوریا ہوا اس کا پتہ لگانا ایک مستقل اور جداگانہ موضوع ہے۔

خالق کائنات نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ہمہ دانی و ہمہ گیریت عطا فرمائی ان کے ہمہ جہتی اور متنوع خدمات و کارناموں کو دیکھ کر حیرت و استعجاب سے آنکھیں پھیل جاتی ہیں، ذہن و دماغ کے درتے کھل جاتے ہیں اور بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ وہ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کثیرہ میں سے ایک عظیم معجزہ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ قد و قامت کے اعتبار سے ایک نحیف و نزار شخص نے بریلی کی مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھ کر وہ گراں قدر اور نمایاں دینی خدمات و کارنامے انجام دیئے جن سے دنیا و رطہ حیرت میں ڈوب گئی، ان پر زمانے کی نگاہیں مرکوز و متوجہ ہو گئیں، آفاق کی وسعتوں میں ان کا شہرہ و چہ چا ہوا، ان کے علمی ترانوں سے دلوں کی کائنات گونج گئی۔ وہ اپنے قبیلہ و خاندان اور جاگیردارانہ نظام کی بنیاد پر نہیں بلکہ دینی و علمی خدمات کی بنیاد پر ابدی شہرت و مقبولیت کے حامل ہوئے۔

سو سے زائد مختلف علوم و فنون پر امام احمد رضا بریلوی نے لگ بھگ ایک ہزار تصانیف کی عدیم النظیر سوغات قوم و ملت کو عطا کی جو قوم مسلم کے لئے نادر و نایاب لازوال قیمتی سرمایہ ہے، ان کی ہر تصنیف میں خزانہ علمیہ موجود ہے، خواہ وہ تصنیف رسالے کی شکل میں ہو یا ضخیم کتاب کی صورت میں ہر کتاب بے مثل اور علوم و معارف کا گنج گراں مایہ اور عظیم علمی شاہکار ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کو تصنیف و تالیف کی صورت میں جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید اور یادگار رہے گا، آنے والی نسلوں کو اس سے قرینہ زندگی اور حیات ابدی کا سامان ملتا رہے گا۔ فرزند ان توحید کے لئے وہ مشعل راہ اور نجات آخرت کا ذریعہ ہونے کے ساتھ محققین کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

امام احمد رضا بریلوی ایک عظیم مفکر تھے انہوں نے پندار و خیالات بدل دیئے، فکر و نظر میں انقلاب برپا کیا، قوم مسلم کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی، انہیں ان کے حسن معیشت کی تدابیر بتائیں، انہیں صلاح و فلاح کا راستہ دکھایا، انہوں نے مسلمانوں کی

خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، جمود و تغافل کی بھٹی سے ملت کے جیا لے فرزندوں کو نکالا، ان کے عزم و حوصلے میں ہمیز کی انہیں شعور و آگہی کی منزلوں سے ہمکنار کر دیا، ان کی پرواز فکر و تخیل کو فضا کے بساط کی وسعت بخشی، حقائق و معارف کے بلند آسمانوں میں انہیں اڑنا سکھایا، نغمہ لاہوتی اور لافانی نقوش کے ذریعہ ان کے لئے علمی و عملی راہیں متعین کیں، ان کے ایمان و عقیدے کی حفاظت و صیانت فرمائی، حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح و آشکارا کیا، حق و صداقت کی بالادستی قائم کی، فرقہ ہائے باطلہ کے رد و ابطال میں علمی و عملی توانائی صرف کی، زندگی کی صبح و شام اور متاع عزیز کو فروغ دین و مذہب میں قربان کیا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ علم و فن کے بحر بیکراں ہیں، فضل و کمال کے جبل شامخ ہیں۔ پندار و خیال کی بلندیوں کا نام ہے امام احمد رضا، فکر و نظر کے آسمان ہفتم کا نام ہے امام احمد رضا، ہمارے دل کی دھڑکنوں اور ہماری سانسوں کی حرارت و گرمی کا نام ہے امام احمد رضا، ان کے دو چار اوصاف و کمالات ہوں تو انہیں شمار کیا جائے، وہ تو بر میدان کے شہسوار اعلیٰ اور ہر محاذ کے مجاہد عظیم و بطل جلیل ہیں، ان کے جس وصف پر خامہ فرسائی کی جائے وہی بحر ناپیدا کنار معلوم ہوتا ہے۔ میں صرف یہ کہہ کر گزر جانا چاہتا ہوں کہ ۔

شکار ماہ کہ تسخیر آفتاب کروں
میں کس کو چھوڑوں کس کا انتخاب کروں

علوم القرآن اور اس کا پس منظر

زیر نظر کتاب ”علوم القرآن“ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی معرکہ الآراء، تصنیف ”انباء الحی ان کلامہ المصون بیان لكل شئی“ ۱۳۲۶ھ کا سنیس و با محاورہ اردو ترجمہ ہے جو ان کی مشہور زمانہ کتاب ”الدولة المکیة بالمادة العیبة“ ۱۳۲۳ھ کا عظیم و جلیل حاشیہ ہے جسے بالاستقلال کتابی شکل دی گئی الدولة المکیة کے ساتھ جو حاشیہ مطبوع ہے وہ الگ ہے اس کا نام ”فیوضات المکیة“

لمحب الدولة المكية“ ۱۳۲۳ھ ہے اور یہ حاشیہ الگ ہے اس کا نام ”انباء الحی“ ہے
 امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ جب ۱۳۲۳ھ کو دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے
 تشریف لے گئے ان کے علمی جاہ و جلال کے پیش نظر علمائے عرب نے ان کی پذیرائی
 کی اور ان کے علمی مقام و مرتبے سے مانوس و آگاہ ہوئے۔ پھر ہوا یہ کہ عرب کے چند
 مقتدر علماء نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے متعلق چند سوالات پیش کئے اور بجلت جواب کے خواستگار و آرزو مند ہوئے
 حالانکہ امام احمد رضا بریلوی کے پاس اس وقت نہ کتب خانہ تھا نہ حوالے کے لئے
 کتابیں تھیں اس کے باوجود انہوں نے ان سوالات کا ایسا مدلل و مفصل اور مسکت
 جواب تحریر فرمایا جس سے عرب و عجم کے علماء و محققین انگشت بدنداں اور حیرت زدہ رہ
 گئے۔ سرعت فکر و تحریر کا عالم یہ ہے کہ صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں ایسا
 باوقار و باوزن جواب ارقام فرمایا جس کی دھمک عرب و عجم میں آج بھی محسوس کی جا
 رہی ہے وہ جواب علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کے لئے تازیانہ
 عبرت اور سامان ہدایت ہے اس کو دیکھ کر علمائے حریم محترمین نے داد و تحسین اور
 مبارکباد پیش کی، کھلے دل سے اس کی تائید و تصدیق کی اور اس پر عظیم و جلیل تقریظات
 لکھیں۔ امام احمد رضا بریلوی کے علمی انوار و تابانیوں کو دیکھ کر علمائے حریم مکرمین نے
 ان سے اجازت و خلافت اور سندیں حاصل کیں۔ یہ بات امام احمد رضا بریلوی کے
 لئے انتہائی عزت و کرامت کی بات ہے کہ ہندوستانی ہونے کے باوجود علمائے حریم
 نے ان کی جو عزت افزائی اور قدردانی کی اس کی مثال بمشکل ملے گی۔ حریم شریفین
 میں ہندوستان اور دیگر ممالک سے نہ جانے کتنے علماء و افاضل پہنچتے ہیں مگر وہاں پر کوئی
 بات نہیں پوچھتا لیکن امام احمد رضا بریلوی کے علمی رعب و جلال کو دیکھ کر علمائے عرب
 ان کے معترف و مداح نظر آنے لگے یہی وجہ ہے کہ وہاں کے کچھ علماء نے ان سے
 شرف تلمذ حاصل کرنے کو اپنے لئے باعث فخر و کمال سمجھا، حریم مکرمین کے زمانہ قیام
 میں وہاں کے بہت سارے علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا اور علمی رہنمائی حاصل

کی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سفر حج وغیرہ سے فراغت کے بعد جب امام احمد رضا بریلوی اپنے وطن عزیز بریلی شریف ہندوستان تشریف لائے تو اقتضائے مقام اور ضرورت شدیدہ کی بنا پر ”الدولة المکیة“ کی ”نظر خاص“ کے تحت حاشیہ کی شکل میں کچھ ضروری ابحاث و مسائل کا اضافہ فرمایا مگر ان ابحاث کے طویل ہو جانے کی بنیاد پر اس حاشیہ کو مستقل اور جداگانہ کتاب کی صورت دی گئی اور اس کا نام ”انباء الحی ان کلامہ المصون بیان لکل شئی ۱۳۲۶ھ“ رکھا گیا۔ بڑے سائز میں یہ مطبوعہ کتاب ۴۷۲ صفحات پر مشتمل ہے یہ ایک خالص علمی بلند پایہ کتاب ہے اس میں علوم قرآنیہ اور تحقیقی ابحاث کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ اس کتاب میں جو بحث گردش کرتی ہے اور جو ثابت کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ قرآن عظیم میں ہر شئی کا بیان موجود ہے خواہ وہ وضاحت و صراحت کے ساتھ ہو یا اشارہ و کنایہ کے ساتھ، مگر ہر شئی کی تفصیل اور ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے اور وہ جملہ علوم حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی نے یہ آیات قرآنیہ پیش کی ہیں۔

۱۔ وَكَذَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنز الایمان)

۲۔ مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔ (کنز الایمان)

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

۳۔ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف، ۱۱۱)

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز

کا مفصل بیان۔ (کنز الایمان)

۴۔ كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَظَرٌّ (القمر، ۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔
(کنز الایمان)

۵۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ
(یس، ۱۳)

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔
(کنز الایمان)

۶۔ وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ
(الانعام، ۵۹)

اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔
(کنز الایمان)

ان آیات کریمہ میں جو بیان و تفصیل ہے اس میں عموم و تعمیم ہے کسی طرح کی کوئی تخصیص و خصوص نہیں ہے۔ بعض متاخرین ان نصوص میں تخصیص کے قائل ہیں کہ قرآن کریم مخصوص چیزوں کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان آیات کے بیان میں عموم نہیں بلکہ خصوص ہے جس کے لئے انہوں نے تاویل بے جا کی لا حاصل سعی و کوشش کی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ان آیات مقدسہ کی تفاسیر اور دیگر احادیث و آثار، اقوال صحابہ و تابعین، ارشادات ائمہ و اولیاء اور امثال و نظائر سے یہی ثابت فرمایا ہے کہ قرآن مقدس کے اندر ہر شئی کی تفصیل و توضیح موجود ہے۔ ان نصوص میں عموم ہے وہ خصوص کے متقاضی نہیں ہیں۔ اور یہ کہ قرآن عظیم کے جملہ علوم و معارف رب ذوالجلال کی عطا و بخشش سے صاحب قرآن حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اس میں کسی طرح کی کوئی تعین و تخصیص نہیں کہ بعض علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اور بعض حاصل نہیں بلکہ حضور کو جملہ علوم قرآنیہ حاصل ہیں چونکہ حضور کا ذریعہ علم وحی الہی اور قرآن عظیم ہے اس لئے نزول قرآن کی تکمیل سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین اور ماکان و مایکون کے جملہ علوم و معارف حاصل ہو گئے۔ اور اگر بظاہر کسی آیت یا حدیث سے حضور کے علم، معلومات کی نفی ہوتی ہو تو وہاں یا تو حضور سے علم ذاتی کی نفی مقصود ہوگی، یا وہ بات نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی ہوگی۔ نزول قرآن کی تکمیل کے بعد کوئی شخص ایسا ایک واقعہ

یا ایک بات بھی ایسی نہیں دکھا سکتا جس کا علم حضور کو نہ دیا گیا۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عز و جل کا علم ذاتی اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم عطائی ہے، حضور کو جو اولین و آخرین کا علم دیا گیا وہ عطائے ربانی اور فیض یزدانی ہی کا حصہ ہے اسی لئے حضور کے لئے علم ذاتی ثابت کرنے والا بھی کافر ہے اور علم عطائی کا انکار کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہے۔

قرآن عظیم ایک زندہ جاوید معجزہ ہے اس کے ابتدائے نزول سے لے کر اب تک دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے اور آئندہ بھی استفادہ کیا جاتا رہے گا یہ ایک بحرناپیدا کنار ہے۔ قرآن عظیم کے علوم و حقائق کا اندازہ ان اقوال بزمودات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من اراد علم الاولین والآخرین فليثور القرآن۔

(بیہقی شعب الایمان، حدیث ۱۹۶۰)

جو اولین و آخرین کے علوم کو جاننا چاہے وہ قرآن عزیز کے معانی پر غور و خوض کرے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں

لو شئت ان اوفر سبعین بعیرا من تفسیر القرآن لفعلت۔

(الاتقان، بحث ۷۸)

اگر میں قرآن عظیم کی تفسیر سے ستر اونٹ گراں بار کرنا چاہوں تو کر دوں۔

۳۔ لو تکلمت لکم فی تفسیر الفاتحة لحملت لکم سبعین وقرا۔

(الاتقان، بحث ۷۸)

اگر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کلام کروں تو اس سے ستر اونٹ بھر دوں۔

۴۔ لو طویت لی ومادة لقلت فی الباء من بسم الله سبعین جملا۔

(شرح المواہب لمرزقانی، خطبہ کتاب)

اگر میرا تکیہ لپیٹ دیا جائے تو میں بسم اللہ کی ب کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔

۵۔ لو شنت لا وقرت لکم ثمانین بعیراً من علم النقطة التي تحت الباء

(میزان الشریعة الکبریٰ ۱، ص ۱۰۶ فصل فی امثلة مرتبتی المیزان)

اگر میں چاہوں تو بسم اللہ کے ب کے نیچے جو نقطہ ہے اس کی تفسیر و علم سے اسی اونٹ گراں بار کر دوں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن کریم بلکہ سورہ فاتحہ بلکہ بسم اللہ بلکہ بسم اللہ کے ب بلکہ ب کے نقطہ سے ستر اسی اونٹ بھر دینے کا سچا دعویٰ ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت کے پروردہ و تعلیم یافتہ اور شہر علم کے دروازہ ہیں ان کے علوم کی کثرت و شان یہ ہے، ان کے علاوہ ائمہ امت میں ایسی بیشمار جلیل القدر ہستیاں گزری ہیں جن کے علم و فضل کا اندازہ لگانا مشکل ہے انہوں نے قرآن کریم کی ایسی باوقار و مفصل تفاسیر لکھیں جنہیں دیکھ کر یقین و احساس ہوتا ہے کہ واقعی قرآن مقدس میں ہر چیز کے علوم و بیان موجود ہیں ورنہ یہ تفاسیر کیوں اور کیسے وجود میں آئیں، علوم قرآن پر مشتمل تاسیر کی ہزاروں جلدیں ہیں مثلاً

● امام رازی کی ”تفسیر کبیر“ ۳۲ جلدوں میں

● امام حمزہ الاسلام کی ”یا قوت التاویل“ چالیس جلدوں میں

● ابن نعیم کی تفسیر سو جلدوں میں

● ابوفی کی تفسیر ایک سو بیس جلدوں میں

● ابوبکر بن عبد اللہ کی تفسیر صرف سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے شروع کی پچاس

آیات کی تفسیر ایک سو چالیس جلدوں میں

● امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر چھ سو جلدوں میں

● امام ابوالحسن کی یہ تفسیر امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کے زمانے تک مصر

کے خزانہ عامیہ میں موجود تھی۔

● امام احمد رضا بریلوی نے سورہ والضحیٰ کی تفسیر اسی جزء میں لکھی

● امام احمد رضا کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں نے سورہ الم نشرح کی

تفسیر ایک ضخیم جلد میں لکھی۔

اس کے علاوہ اور بھی تفاسیر کی کتابیں کئی کئی جلدوں میں موجود دستیاب ہیں، اس سب کے باوجود یہ مسلم ہے کہ علوم قرآن صرف انہیں تفاسیر پر محدود و منحصر نہیں جبکہ یہ قرآن کریم کے ظاہری علوم ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ جب ان ائمہ امت و علماء ملت کے علوم و معارف کا عالم یہ ہے تو پھر کیا خیال ہے مدینۃ العلم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و معارف کے بارے میں، جنہیں خالق کائنات نے تمام اولین و آخرین اور جملہ ماکان و مایکون کے علوم و حقائق عطا فرمائے۔ رب ذو الجلال نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی روشن و واضح کتاب عطا فرمائی جس میں ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا بیان موجود ہے جسے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے اٹھا لیا۔

اسی بات کے ثبوت و تحقیق میں امام احمد رضا بریلوی نے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء، ارشادات ائمہ و اسلاف اور اکابر امت کے اقوال و آراء پیش فرمائے ہیں اور جن دلائل و براہین سے مسئلہ ارزہ کی توضیح و تنقیح کی گئی ہے وہ امام احمد رضا بریلوی کی ندرت تحقیق، حسین اسلوب بیان، جودت فکر اور شان تجدید کی روشن و واضح دلیل ہے جسے دیکھ کر شعور و وجدان جھوم جھوم اٹھتے ہیں اور دل کی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں، قلوب و اذہان میں رغبت و شوق اور بحس و اشتیاق موجزن ہوتا ہے۔

رسالہ غایۃ المامول کی حقیقت اور اس کا رد

پیش نظر کتاب میں مختلف ابحاث اور متعدد مقامات پر رسالہ ”غایۃ المامول“ اور اس کے رد کا ذکر آیا ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی حقیقت پر قدرے گفتگو کی جائے تاکہ ناظرین کرام اس کی حیثیت و اقعہ اور اس کے مندرجات و مشمولات سے واقف و آگاہ ہو جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ علوم خمسہ کے بارے میں صاحب غایۃ المامول علامہ سید احمد برزنجی کا موقف و مدعا کیا ہے اور امام احمد رضا بریلوی نے ان کا رد کیوں فرمایا؟ واقعہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ۱۳۲۳ھ میں

جب حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے وہاں کے بعض مفتیان کرام نے علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق پانچ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء پیش فرمایا اور بجلت جواب کے خواستگار ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے بخار کی حالت میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں ان سوالات کے ایسے مدلل جوابات تحریر فرمائے کہ علمائے حرمین طہیین حیرت زدہ رہ گئے پھر انہوں نے ان کی تائید و توثیق کرتے ہوئے دھوم دھام سے تقریظات لکھیں اور امام احمد رضا بریلوی کو تحسین و تبریک کا ڈھیروں خراج پیش کیا۔ اس مجموعہ کا تاریخی نام ”الدولة المکیة بالمادة الغیبة“ ۱۳۲۳ھ رکھا گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس کتاب میں دلائل و براہین سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا، حضور کا علم ہر چیز کو محیط ہے یہاں تک کہ غیوب خسرہ کو بھی، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق علم کے علاوہ کوئی چیز بھی آپ کے علم سے مستثنیٰ نہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے درمیان احاطہ مذکورہ میں صرف حدود و قدم کا فرق ہے۔ اس پر آیت کریمہ ونزلنا علیک الكتاب تبیاناً لكل شئی، سے استدلال کیا گیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذریعہ علم چونکہ قرآن کریم ہے لہذا قرآن میں جو علوم و معارف ہیں وہ سب کے سب بعطاء الہی حضور کو حاصل ہیں۔ ”الدولة المکیة“ پر حرمین طہیین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ساٹھ علماء و فضلاء نے تقریظات لکھیں اور اسے اپنی توثیق و تصدیق سے نوازا۔ مگر مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ علامہ سید احمد برزنجی نے صرف اس وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی کہ اس میں حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علوم خسرہ اور قیام قیامت کا علم ثابت کیا گیا تھا اور علامہ برزنجی اس سے متفق نہ تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ تمام معلومات غیر متناہیہ کا احاطہ علمیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ائمہ دین میں سے کسی نے بھی غیر اللہ کے لئے غیر متناہی کے احاطہ علمیہ کا قول نہیں کیا۔ یہ اختلاف ایک عالمانہ اختلاف ہے جو

اپنے اندر پورا وقار اور سنجیدگی لئے ہوئے ہے۔ اس میں علامہ برزنجی نے امام احمد رضا بریلوی کے لئے قطعاً کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرح علمائے اسلام کی ایک جماعت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علوم خمسہ کی قائل ہے۔ ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

ہندوستان سے آنے والے ایک سوال کے جواب میں میں نے ایک مختصر رسالہ لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ علمائے ہند میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں جھگڑا پڑ گیا ہے کہ آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مغیبات خمسہ (جن کا ذکر آیت کریمہ ان اللہ عنده علم الساعة میں ہے) سمیت تمام مغیبات کو محیط ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت پہلی شق کی قائل ہے اور دوسری، دوسری شق کی۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اپنے اس رسالہ (غایۃ المامول فی تسمیۃ المسجۃ الوصول فی تحقیق علم الرسول) میں بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محیط ہے اور آپ کا علم جمیع دینی امور کو محیط ہے، بلکہ دنیا اور آخرت کے تمام اہم امور کو محیط ہے، لیکن قرآن و سنت اور کلام سلف کے واضح دلائل کی بنا پر مغیبات خمسہ آپ کے علم شریف میں داخل نہیں۔

علامہ برزنجی کا امام احمد رضا بریلوی سے اختلاف صرف اتنا سا تھا کہ وہ حضور کے لئے علوم خمسہ اور علم قیامت کے قائل نہیں تھے، امام احمد رضا بریلوی حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے انہیں ثابت و حاصل مانتے تھے۔ علامہ برزنجی نے اپنے چند اوراق کے رسالہ ”غایۃ المامول“ میں اس مسئلے پر بحث و تحقیق کر کے یہی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف میں علم قیامت اور علوم خمسہ داخل نہیں ہیں اور لکھا کہ یہ بات حضور کے مقام کی برتری اور بلندی مرتبت میں ذرہ بھر قاذح نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ”الدولۃ المکیہ“ کی ”نظر خامس“ کی بحث پر ”انباء الحی ان کلامہ المصنوع بیان لکل شیء“ کے نام سے ایک عظیم حاشیہ تصنیف فرمایا جس میں

تمام اولین و آخرین اور قرآن عظیم کے جملہ علوم و معارف کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حاصل ہونا ثابت فرمایا اور جگہ جگہ علامہ برزنجی کے رسالہ ”غایۃ المامول“ کا ردِ بلیغ فرمایا۔ کاش علامہ برزنجی اس حاشیہ کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں تسلیم و اقرار کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

علمائے دیوبند علامہ برزنجی کے اس اختلاف کو دیکھ کر جوش مسرت سے اچھل گئے ان کے رسالہ کو بڑے شہ و مد کے ساتھ ترجمہ کر کے شائع کیا اور اس کے سرورق پر افترا کرتے ہوئے لکھا کہ احمد رضا خاں کا گمراہ کن عقیدہ غیبیہ علمائے حجاز کی نظر میں ”کاش وہ ٹھنڈے دل سے سوچتے اور غور کرتے تو اس کا سرورق اس طرح زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا“ علمائے دیوبند کی کفریہ عبارات پر علمائے حرمین کے فتوائے کفر کی توثیق ”کیونکہ علامہ برزنجی نے ”حسام الحرمین“ کی تائید و تصدیق فرمائی ہے جس میں مرزائے قادیانی کے ساتھ کبرائے دہابیہ یعنی قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی وغیرہم کو توہین رسالت کی بنا پر کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔

علامہ برزنجی موصوف ”غایۃ المامول“ میں تحریر فرماتے ہیں

علمائے ہند میں ایک شخص جسے احمد رضا خاں کہا جاتا ہے مدینہ منورہ آیا، جب وہ مجھ سے ملے تو بتایا کہ ہندوستان میں کفر و ضلال میں سے کچھ لوگ ہیں جن میں سے ایک غلام احمد قادیانی ہے جو صحیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل ہونے اور اپنے لئے وحی اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ انہیں میں سے ایک فرقہ امیریہ ہے، ایک نذیریہ ہے، ایک قاسمیہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی نبی فرض کر لیا جائے بلکہ اگر آپ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تب بھی آپ کی خاتمت میں کوئی فرق نہیں آتا، انہیں میں سے ایک فرقہ دہابیہ ہے جو رشید احمد گنگوہی کا پیرو ہے جو اللہ تعالیٰ سے بالفعل کذب کے وقوع کا قول کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیتا اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ وسعت علم شیطان کے لئے ثابت ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت نہیں۔ انہیں میں سے ایک اشرف علی تھانوی ہے جو کہتا

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر علم مغیبات کا حکم لگانا بقول زید صحیح ہو تو سوال یہ ہے کہ اس کی مراد بعض مغیبات ہیں یا سب؟ اگر بعض مراد ہیں تو اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا تخصیص؟ ایسا علم غیب تو زید عمرو بکر بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے۔

اور مولانا احمد رضا خاں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ان فرقوں کے رد اور ان کے اقوال کو باطل کرنے کے لئے ایک رسالہ ”المحمد المستند“ کے نام سے لکھا ہے پھر انہوں نے مجھے اس رسالے کے خلاصہ (حسام الحرمین) پر مطلع کیا۔ اس میں صرف ان فرقوں کے اقوال مذکورہ کا بیان اور ان کا مختصر رد تھا، انہوں نے اس رسالہ پر مجھ سے تصدیق و تقریظ طلب کی ہم نے اس پر تصدیق و تقریظ لکھ دی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں سے یہ مقالات شیعہ ثابت ہو جائیں تو یہ لوگ کافر و گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں اجماع امت کے خلاف ہیں اور اپنی تقریظ کے ضمن میں ہم نے ان کے اقوال کے ابطال کے لئے بعض دلائل کی طرف اشارہ بھی کیا۔

اب مخالفین نے آؤ دیکھنا تاؤ علوم خمسہ کی ایک شق کے بارے میں علامہ برزنجی کے عالمانہ اختلاف کو دیکھ کر اس قدر بے خود ہو گئے کہ انہیں یہ تک یاد نہ رہا کہ اپنی اس تحریر میں وہ حسام الحرمین والے فتویٰ کی دوبارہ شد و مد سے تائید کر رہے ہیں اور ان کی کفریہ عبارات کے قائلین پر فتوے کفر دے رہے ہیں۔ یہ تو علامہ برزنجی کی کمال دیانت تھی کہ جہاں انہیں معمولی سا اختلاف ہوا اسے انہوں نے انتہائی مہذب انداز میں بیان کر دیا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ اس اختلاف سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب ”حسام الحرمین“ پر جو تصدیق و تقریظ لکھی وہ اس سے کالعدم ہو گئی، نہیں نہیں بلکہ وہ اپنی جگہ قائم ہے اور ان لوگوں کے لئے ہمارا فتویٰ آج بھی وہی ہے جو شروع میں تھا۔ (دعوت فکر)

مفتی شافعیہ علامہ سید احمد برزنجی نے حسام الحرمین پر جو تقریظ لکھی وہ مبسوط و مفصل اور مدلل تھی، امام احمد رضا بریلوی سے انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب کی تائید

میں اسے ہمارا مستقل رسالہ کر کے شائع کیجئے گا لہذا ان کی خواہش کی تکمیل کی گئی اور ”الکلمۃ العلیۃ لمفتی الشافعیۃ“ کے تاریخی نام سے اسے بھی شائع کیا گیا۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر مفتی شافعیہ علامہ برزنجی کو امام احمد رضا بریلوی سے عقائد کے معاملے میں کچھ بھی اختلاف ہوتا تو وہ ”حسام الحرمین“ کی تصدیق نہ کرتے نہ اس پر زبردست تقریر لکھ کر اسے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کرتے۔ ان کے حزم و احتیاط کا عالم تو یہ ہے کہ علوم خمسہ کے مسئلے میں انہیں ذرا سا شبہ ہو یا ان کی نظر وہاں تک نہ پہنچی جہاں امام احمد رضا بریلوی کی پہنچی تھی تو انہوں نے ”الدولۃ المکیۃ“ کی تصدیق نہ کی اور اس پر تقریر لکھنے سے انکار کر دیا۔ مگر ساٹھ جلیل القدر علماء کے مقابلے میں ایک شخص کے انکار کو اس بات کی دستاویز بنالینا کہ امام احمد رضا نے نا درست لکھا ہے سراسر جہالت اور کج فہمی ہے۔ اس مسئلے کے ثبوت و تحقیق میں امام احمد رضا بریلوی نے انباء النبی حاشیہ الدولۃ المکیۃ (پیش نظر کتاب علوم القرآن جس کا اردو ترجمہ ہے) میں جو دلائل و براہین پیش کئے ہیں ان سے ان کے وفور علم اور وسعت معلومات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ ان پر عنایت ازلی کا فیضان اور رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص عطیہ ہے۔

ترجمہ کا سبب

”سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ (۴ جلد) جو تصانیف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے ماخوذ و مستخرج مضامین سیرت کا حسین و جمیل مجموعہ ہے اس کی تالیف و ترتیب کے دوران میں جب زیر نظر کتاب ”انباء النبی ان کلامہ المصون تبیان لکل شیء“ میری نگاہ سے گزری تو اس میں سیرت الرسول کے ان گنت و بے شمار مضامین نظر آئے مجھے خیال ہوا کہ پوری کتاب یا اس میں موجود منتخب مضامین سیرت کا ترجمہ کر کے ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت“ میں شامل کر دیا جائے۔ اسی فکر و خیال میں جب میں نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا تو محسوس ہوا کہ یہ کتاب خالص علمی مباحث اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے اگر اسے سیرت کی کتاب میں شریک کیا جائے تو عوام و

خواص دونوں طبقے کے لئے یہ کتاب یکساں مفید نہ ہوگی، اس کے اباحت زیادہ تر علمی ہونے کے سبب سے عوام اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکیں گے اس لئے اسے سیرت کی کتاب میں شامل نہ کر کے علیحدہ رکھا اور اب اس کے ترجمہ کو ”علوم القرآن“ کے نام سے پورے سو سال کے بعد پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا انتہائی صعوبت انگیز اور مشکل کام ہے، یہ پرخطر وادی ہے اس راہ سے گزرتے وقت مترجمین و محققین کو جن دشوار گزار اور سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اس سے وہ لوگ بخوبی واقف و آشنا ہیں جو اس راہ کے مسافر ہیں۔ مجھے بھی ان مراحل کا سامنا ہوا میں بھی ان حقائق سے دوچار ہوا اس کے باوجود بفضلہ تعالیٰ جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا، کسی قسم کی کوئی بے اعتدالی کا شکار نہ ہوا، آغاز سے اختتام تک اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ترجمہ اصل عبارت کے مطابق و موافق ہو اور ترجمہ کے سبب سے اصل مضمون مختل نہ ہو، اس کا نظام تحریر بگڑ نہ جائے، ترجمہ سے اصل عبارت کی روح متاثر نہ ہو، ان ساری پابندیوں کے ساتھ ترجمہ کو سلیس اور با محاورہ بنانے کی حتی الامکان سعی و کوشش کی گئی ہے۔ اس راہ میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ اہل علم اور قارئین ہی فرمائیں گے۔ ہم اس منزل کے ایک نئے اور اجنبی مسافر ہیں اس لئے اس میں فروگزاشتوں کا قوی امکان ہے اگر اس کی کسی خامی یا غلطی پر قارئین مطلع ہوں تو اس سے آگاہی و اطلاع پر ہم ان کے ممنون و مشکور ہوں گے۔

پہلے پہل یہ خیال ہوا تھا کہ ”الدولۃ المکیۃ“ کی طرح عبارات کے سامنے بالقابل ترجمہ کیا جائے تاکہ ترجمہ کے ساتھ قاری کو اصل عبارات کی بھی زیارت ہو مگر یہ سوچ کر عربی عبارات کو ترجمہ کے ساتھ نہیں رکھا گیا کہ اس انداز کی کتاب میں رغبت و دلچسپی کم ہوتی ہے اور مطالعہ میں وہ شوق و شغف پیدا نہیں ہوتا جتنا خالص اردو یا عربی کی کتابوں کے مطالعہ میں ہوتا ہے، اسی لئے اس کو ایک الگ مستقل جداگانہ کتاب کی حیثیت دی گئی۔ پھر یہ کہ اگر عربی عبارات کو بھی ترجمہ کے ساتھ برقرار رکھا

جاتا تو کتاب اور زیادہ ضخیم ہو جاتی، آج کی اردو دنیا میں اردو کے ساتھ عربی عبارات کو باقی رکھنے کی چنداں حاجت بھی نہیں۔ عربی کے شائقین عربی نسخہ سے اکتساب و استفادہ کریں گے اور اردو داں طبقہ اردو نسخہ سے مستفید و مستفیض ہوگا۔

ترجمہ کرتے وقت ”انباء الحی“ کا جو نسخہ میرے پیش نظر رہا وہ برکات رضا پور بندر کا طبع شدہ انتہائی صاف ستھرا اور جدید نسخہ ہے اس میں جس حسن سلیقہ مندی اور نظیف کارکردگی کا مظاہرہ ہے وہ پاکستان کے چند مخلص و مقتدر علماء کی کدو کاوش اور ان کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ و ثمرہ ہے ورنہ اس سے پہلے اس کتاب کے جو نسخے طبع ہوئے ان میں ہر طرح کی عبارات مسلسل تھیں ان میں کوئی رموز و علامات نہ تھیں۔ اس طرح کی مسلسل عبارات کو سمجھنے میں کافی دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کو دارین میں برکت و سعادت عطا فرمائے جن کی مساعی جیلہ سے یہ مشکل سہل و آسان ہو گئی۔ مزید یہ کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جن کتابوں سے استفادہ فرمایا جن کے حوالے دیئے ہیں کتاب کے حاشیہ پر بڑی محنت و عرق ریزی سے ان کی تخریج بھی کی گئی ہے اور قرآن کریم کی آیات کو بھی سورۃ اور آیت نمبر کی تعیین سے مزین و آراستہ کر دیا گیا ہے۔ اصل کے مطابق اس کے ترجمہ میں بھی ہم نے ان تمام حوالوں کو درج کر دیا ہے تاکہ کتاب کی ثقاہت و استناد مسلم رہے اور آیات قرآنیہ کا ترجمہ کنز الایمان سے نقل کر کے آخر میں اس کا حوالہ دے دیا ہے۔ مصادر و مراجع کی حیثیت سے جن کتابوں سے اصل کتاب کی تالیف و ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے کتاب کے آخر میں ان کتابوں کی ایک فہرست بھی دے دی گئی ہے، اسماء کتب کے ساتھ ان کے مصنفین کے نام اور ہر ایک کا سن وفات ہجری بھی درج کر دیا گیا ہے۔ غرضیکہ کتاب کو ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اب اس کا فیصلہ اہل علم ہی فرمائیں گے کہ ہم اس راہ میں کتنے کامیاب ہوئے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے پیش نظر کتاب ”انباء الحی“ کے اندر بہت سارے مقامات پر لفظ ”اقول“ اور لفظ ”قلت“ کہہ کر کسی مسئلہ کا اثبات یا منکر کا رد

ترجمہ میں ہم نے دونوں لفظ کو اسی حال پر باقی رکھا ہے یعنی جہاں پر ”اقول“ یا ”قلت“ کہہ کر بات شروع کی گئی ہے اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ بذات خود یہ امام احمد رضا بریلوی کا قول ہے۔ یوں ہی مسائل و ابحاث کی تفریع و توضیح کرتے ہوئے انہوں نے لفظ ”اولاً، ثانیاً، ثالثاً وغیرہ کہیں پر الاول، الثانی، الثالث وغیرہ اور کسی جگہ پر ۱-۲-۳ وغیرہ رقوم کا استعمال فرمایا ہے، رقوم کی تعداد کسی مقام پر ۹۰ تک پہنچ گئی ہے ہم نے اصل کے مطابق ترجمہ میں بھی وہی نسخ اختیار کیا اور ان الفاظ و رقوم کو بعینہ اسی ترتیب سے برقرار رکھا ہے تاکہ مضامین و مسائل کا تسلسل قائم و باقی رہے اور اس کے نظام تحریر میں کوئی نقص و کمی واقع نہ ہو۔

کتاب ”انباء الحی“ کے آغاز میں ”الدولۃ المکیۃ“ کے دو تین صفحات کی عبارت من وعن نقل کی گئی ہے چونکہ ”الدولۃ المکیۃ“ کی اسی ”نظر خامس“ کی بحث کے پیش نظر ”انباء الحی“ وجود میں آئی۔ امام احمد رضا بریلوی کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب نے ”الدولۃ المکیۃ“ کا اردو ترجمہ فرمایا ہے اس منقولہ عبارت کا ترجمہ ہم نے یمن و برکت کے لئے بعینہ اسی سے نقل کیا ہے۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔

تشکر و امتنان

اپنے مقدمہ کا اختتام یہ لکھنے سے پہلے ہم اپنے شفیق استاذ حضرت مولانا محمد صالح صاحب قادری بریلوی شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کی بارگاہ میں ہدیہ تبریک و تحسین پیش کر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے میرے ترجمے پر نظر ثانی فرمائی اور جگہ جگہ مفید مشورے دیئے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

اور مجبان گرامی حضرت حافظ وقاری اسرار الحق صاحب سعیدی و حضرت حافظ وقاری محمد نسیم احمد صاحب برکاتی مدرسین الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے حنبلیہ ضلع

قنوج یوپی اور ولدی الاعز نور نظر حافظ وقاری محمد دانش رضا قادری میرے لئے صد شکر یہ اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے پروف ریڈنگ میں میری معاونت فرمائی۔ مولا تعالیٰ انہیں دارین کی سعادت و برکت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

آخر میں ہم برادر طریقت محیر قوم و ملت الحاج محمد جیلانی صاحب رضوی اشرف نگر ناندیڑ مہاراشٹر کی خدمت میں ہدیہ تشکر و تحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا بارگراں اٹھایا۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے میری کئی کتابیں منظر عام پر لانے میں مالی معاونت فرمائی اور نازک وقت میں میرا ساتھ دیا۔ خالق کائنات ان کی دینی حمیت و پاسداری، مذہبی جذبہ و شوق اور خلوص و للہیت کو تادیر سلامت و برقرار رکھے اور ان کے اس کار خیر کو سعادت دارین و نجات آخرت کا ذریعہ بنائے۔ مزید انہیں دینی کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد عیسیٰ رضوی قادری

خلیفہ حضور تاج الشریعہ و خادم الحدیث

والافتاء الجامعہ الرضویہ

مظہر العلوم گرہائے گنج ضلع قنوج (یوپی)

متوطن

کٹم پوسہ پوسٹ ڈمرولہ

واہ اسلا پور

ضلع اتر دینا چپور (بنگال)

۱۴۲۶ھ ۲۶ مارچ ۲۰۰۵ء

موبائل: 09956027182

علوم القرآن

ترجمہ

انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لكل شئی

۱۳۲۶ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ (النحل، ۸۹)
- مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۚ (الانعام، ۳۸)
- مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيلٌ كُلِّ شَيْءٍ ۚ (يوسف، ۱۱۱)
- كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌّ (القر، ۵۳)
- وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ (يس، ۱۲)
- وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ
(الانعام، ۵۹)

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نصلى و نسلم على رسوله الكريم

قرآن روشن بیان ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اپنی کتاب ”الدولة المكية بالمادة الغيبية“ کے ”نظر پنجم“ میں فرماتے ہیں: وانا نقول و بالله التوفيق
یعنی ”اور میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ یہ ہے ہمارے رب
کا کلام فیصلہ کن بات اور حاکم عادل فرماتا ہے اور اس کا فرمان حق ہے۔

● وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹)

ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا ہر چیز کا روشن بیان۔

● اور فرماتا ہے:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ

(یوسف: ۱۱۱)

قرآن بناوٹ کی بات نہیں بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شئی کی تفصیل۔

● اور فرماتا ہے:

مَا فَزَّلْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

تو قرآن عظیم گواہ ہے اور اس کی گواہی کس قدر اعظم ہے کہ وہ ہر چیز کا بیان ہے
اور قبیان اس روشن اور واضح بیان لکھو کہتے ہیں جو اصلاً پوشیدگی باقی نہ رکھے کہ زیادت

۱۔ بعض معاصرین (مصنف غایہ المامول یعنی سید احمد برزنجی) نے کہا کہ ”مراد قبیان (روشن
بیان) سے ذکر کیے ہوئے قضایا کی کثرت ہے تو مراد مبالغہ ہے باعتبار کثرت کے۔ نہ باعتبار
کیفیت اور کہا کہ اس کی نظیر ان کا یہ قول ہے کہ ”فلاں اپنے غلام کے لیے غلام ہے“ اور ”اپنے

لفظ زیادت معنی پر دلیل ہوتی ہے اور بیان کے لیے ایک تو بیان کرنے والا چاہیے وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے اور دوسرا وہ جس کے لیے بیان کیا جائے اور وہ وہ ہیں جن پر قرآن اتر اہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور اہل سنت کے نزدیک شئی ہر موجود کو کہتے ہیں تو اس میں جملہ موجودات داخل

(بقیہ) غلاموں کے لیے ظلام ہے۔ اور اسی پر محمول کیا بعض نے آیہ کریمہ و ما ربک بظلام للعبید کو

احول، تیری جان کی قسم یہ تاویل نہیں بلکہ تحویل شدید ہے۔ قرآن عظیم کے معنی الٹ پلٹ کر دینا ہے اور ظلام للعبید پر قیاس مردود و بعید، کیونکہ بیان کی اضافت ہر فرد کی جانب سے ہر چہ وہ احکام دینی میں سے ہوں برائے زعم تخصیص، تو وہ کثرت حاصل نہ کرے گا، متعلقات کی کثرت سے۔ جیسے ظلم نے ظلام للعبید میں حاصل کر لی کثیرین کے تعلق سے تو ”ما نحن فیہ“ ظلام للعبید جیسا نہیں بلکہ یوں کہے جانے کے مثل ہے کہ ”ظلام لكل منهم“ اور اس میں اس موعوم کی منجائش نہیں جیسا کہ نقل نہیں۔

پھر جب بیان میں مبالغہ کا تعلق فرداً فرداً ہر ایک سے ہوا تو کم و کیف کا فرق مفید نہ ہوا اور کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ”ہر شئی“ یا ”ہر حکم دینی“ جب اس سے بیانات کثیرہ کا تعلق ہو تو لازم کر دے گا اس کے لیے نہایت ایضاح کو۔ اور یہی مقصود ہے۔

پھر علاوہ بریں ایک اور بات تھی جس کی طرف اس کا ذہن راسخ نہ ہوا اور نہ وہ اسے ہرگز پسند نہ کرتا۔ وہ یہ کہ اس صورت میں عیاذ اللہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ پر افترا کی طرف رجوع کر جائے گا کہ ”اس نے قرآن عظیم میں بار بار اس لیے بیان کیا تاکہ بیان کو کثرت کی عارض ہو جائے“ اور یہ آنکھوں دیکھا صریح غلط۔

پھر یہ مراد باطل ہونے کے ساتھ کسی روایت میں اصلاً نہیں اور نہیں ہے اعتبار اس لغزش کا جو قریب میں پیدا ہوئی تو یوں حکم کرنا کہ اللہ کی بھی مراد ہے وہی تفسیر بالرائے اور وہی ہر حکم سے ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کی شہادت ہے کہ اس نے اس لفظ سے بھی معنی مراد لیے باوجودیکہ بطلان پر دلیل قائم ہے۔ کجا دلیل قطعی کا بھی اس کی صحت پر قائم نہ ہوتا بجائے قیام دلیل قطعی کے تو اسے چاہیے کہ اسی مصداق قول امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سخت سے سخت تر بنائے۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سب اپنوں کے لیے بخشش و عافیت کا۔

ہو گئے فرش سے عرش تک اور شرق سے غرب تک ذاتیں اور حالتیں اور حرکات اور سکناات اور پلک کی جنبش اور نگاہیں اور دلوں کے خطرے اور ارادے اور ان کے سوا جو کچھ ہے اور انہیں موجودات میں لوح محفوظ کی تحریر ہے تو ضرور ہے کہ قرآن عظیم میں ان تمام چیزوں کا بیان روشن اور تفصیل کامل ہو اور یہ بھی ہم اسی حکمت والے قرآن سے پوچھیں کہ لوح میں کیا کیا لکھا ہوا ہے۔

● اللہ عزوجل فرماتا ہے:

كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَظَرٌّ

(القدر: ۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

● اور فرماتا ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ عَالِمٌ خَصِيصَةٌ فِيْ اِمَامٍ مُّبِينٍ

(یس: ۱۳)

ہر چیز ہم نے ایک روشن پیشوا میں گن دی ہے۔

● اور فرماتا ہے:

وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِينٍ

(الانعام: ۵۹)

زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر خشک مگر ایک روشن کتاب میں ہے۔ اور بیشک صحیح حدیثیں بیان فرما رہی ہیں کہ روز اول سے آخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب لوح محفوظ میں لکھا ہے بلکہ یہاں تک ہے کہ جنت و دوزخ والے اپنے اپنے ٹھکانے میں جائیں۔ اور وہ جو ایک حدیث میں فرمایا کہ ابد تک کا سب حال اس میں لکھا ہے اس سے بھی بیک مراد ہے اس لیے کہ کبھی ابد بولتے ہیں اور اس سے آئندہ کی مدت طویل مراد لیتے ہیں جیسا کہ بیضاوی میں ہے ورنہ غیر متناہی چیز کی تفصیلیں متناہی چیز نہیں اٹھا سکتی۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور اسی کو ماکان وما یکون کہتے ہیں۔ اور اے دیکھو یہ صریح تصریح اور اس سے صحیح تر وہ کہ نظر اول میں گزر چکی کہ عرش و فرش دو کھیرنے والی حدیں ہیں اور پہلے دن سے پچھلے دن تک دو دوسری حدیں ہیں اور جو کھرا ہوا دو کھیرنے والوں میں

بے شک علم اصول میں بیان کر دیا گیا کہ (۱) نکرہ مقام نفی میں عام لہوتا ہے تو جائز نہیں کہ اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیان سے چھوڑ دی ہو اور کل کا لفظ تو عموم پر ہر نص سے بڑھ کر نص ہے تو روا نہیں کہ روشن بیان اور تفصیل سے کوئی چیز چھوٹ گئی ہو۔

(۲) اور یہ کہ عام، افادہ استغراق میں یقینی ہے اور یہ کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنا واجب ہے جب تک کوئی صحیح دلیل اس کو نہ پھیرے (۳) اور یہ کہ جب تک کوئی دلیل مجبور نہ کرے اس وقت تخصیص و تاویل، بات کا بدلنا اور پھیرنا ہے۔ ورنہ شرع جلیل سے امان اٹھ جائے (۴) اور یہ کہ حدیث آحاد اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ صحت پر ہو عموم قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی بلکہ اس کے سامنے مضحمل ہو جائے گی۔ پھر حدیث کے نیچے اور کسی قیل و قال کی کیا گنتی ہے (۵) اور یہ کہ جو تخصیص کلام سے جدا ہو وہ اس کا نسخ ہے۔ اور خبر قابل نسخ نہیں ہوتی (۶) اور یہ کہ تخصیص عقلی عام کو اس کی قطعیت سے نہیں اتارتی (۷) اور یہ کہ جو چیز تخصیص عقلی کے سبب عام کے کلیہ سے نکل جائے اسے سند بنا کر کسی ظنی دلیل سے تخصیص نہیں کر سکتے۔ تو اب بحمد اللہ تعالیٰ تحقیق کے عرش نے اس پر قرار پکڑا۔

(الدولۃ المکیہ کی یہ عبارت ختم ہوئی) (ترجمہ از الدولۃ المکیہ)

(بقیہ) وہ متناہی ہی ہوگا تو اگر تجھے تعجب ہو تو تعجب ان پر کر جنہوں نے اس پر دو وجہ سے یورش کی۔

● ایک یہ کہ ”قرآن باعتبار الفاظ متناہی ہے، ہو نہیں سکتا کہ وہ غیر متناہی کو محیط ہو“ الخ۔ اور تم خود دیکھ رہے ہو کہ یہ رد ہے ایک وہم کا جس کا انہوں نے تخیل کیا بلکہ اپنی گڑھی ہوئی خود ساختہ تصویر کا۔

● دوسرے زعم کیا کہ ”قرآن مجید اگر غیر متناہی بالفعل پر تفصیلاً نص نہ فرماتا تو اس میں غیوب خسرہ یقینی طور پر داخل نہ ہوتے۔“ الخ اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا مقصود ماکان و مایکون کا احاطہ ہے جو تحریر ہے لوح محفوظ میں ہے وہ متناہی چیز ہے اور آیات نے دلالت کی اوپر محیط ہونے بیان اور تفصیل کے واسطے ہر موجود کے نوعیت نزول اور وہ قطعاً اسی میں سے ہے تو کس لئے اس کا شمول غیر متناہی بالفعل کے شمول پر موقوف ہوگا وہ اپنے آپ بھی غیر متناہی ہے۔ یا آیات کی دلالت، اشیاء مبہمہ غیر معینہ پر ہے۔ غیر متناہی میں سے تو علم ان کے دخول کا نہ ہوگا جب تک غیر متناہی کا تفصیل وار بیان نہ ہووے اور اپنی جان کی قسم یہ محتاج بیان نہ تھا۔ لیکن کم فہمی سے اللہ کی پناہ۔ ۱۲ منہ

۱ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فصل، عموم علم میں

حضرت علی کے فرمان کا مطلب

اس سے پہلے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گزرا کہ اگر وہ چاہیں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دیں۔ (الاتقان ۲، ص ۲۶، نو ۶۵)

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ اس کا بیان یہ ہے کہ جب کسی

فصل، عموم علم کا ثبوت

اقول خلاف ہم پر مخفی نہیں لیکن جب اللہ کی نہر آئی تو نہر معقل باطل ہو گئی اور سخت قصور نظر ادعائے اتفاق ہے تخصیص پر۔ تو یہ اس کی بات ہے جس نے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی اس سے غائب ہو گئیں۔ امام جلیل القدر سمین نے اپنی تفسیر میں، پھر علامہ جمل نے فتوحات الہیہ میں زیر آیت کریمہ صافرطنا فی الكتاب من شنی، فرمایا جس کی عبارت یہ ہے ”کتاب سے مراد میں مفسرین مختلف ہوئے، کسی نے لوح محفوظ کہا اور اس قول پر عموم ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ماکان و مایکون (جو ہوا اور جو ہوگا) سب تحریر فرمایا۔ اور کسی نے قرآن کہا، تو کیا اس قول پر عموم باقی ہے بعض نے کہا ہاں اور بلاشبہ جمیع اشیاء قرآن کریم میں مکتوب ہیں یا صراحۃً یا اشارۃً۔ اور بعض نے کہا مراد خصوص ہے اور شنی سے مراد مکلفون کو جس کی حاجت ہو۔“ اھ

اور تفسیر خازن کے لفظ یہ ہیں کہ ”مراد کتاب سے قرآن ہے یعنی یہ کہ قرآن عظیم جمیع احوال پر حاوی ہے“ اھ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا يَرِيكَ فِيهِ

(یونس، ۳۷)

marfat.com

نے الحمد للہ رب العالمین کہا تو حمد کا معنی بیان کرنے کی ضرورت ہوگی، اسم جلالیت اور جس سے وہ تنزیہ کا مستحق ہے اس کے معانی و حقائق بیان کرنے کی حاجت ہوگی پھر عالم اور اس کی کیفیت اس کے تمام اقسام و تعداد کا بیان ہوگا۔ چار سو عالم خشکی میں ہیں اور چھ سو دریا میں، پھر ان سب کے بیان کی ضرورت ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطی نے پوری سورہ فاتحہ کا ذکر اسی طرح کیا اور فرمایا کہ ایسے ہی طریقوں پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کا مطلب ہوگا۔

(الاتقان ۲، نوع ۸۷ فی معرفۃ شروط المفسر و آدابہ)

امام فخر الدین رازی نے بھی، مفاتیح الغیب، کے آغاز میں اسی طرح فرمایا بلکہ انہوں نے اپنی عادت و طرز کے مطابق امام جلال الدین سیوطی سے زیادہ اسے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اقول، یہ امام جلال الدین سیوطی و امام فخر الدین رازی کی لوگوں کے حسب مراتب باتیں ہیں ورنہ امیر المومنین کے فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے اگر یہ بات ہوتی تو جلالین میں فرمایا کتاب کی تفصیل بیان روشن ہے اس کا جسے اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا احکام و غیر احکام سے، جمل میں کہا فلولہ نبین ما کتب اللہ تعالیٰ، یعنی نوح محفوظ میں۔ اھ

اور روایت کیا ابن جریر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی یہ کتاب ہر شی کا روشن بیان اور جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا اس میں سے ہمیں اسے حصہ کا علم ہوا جس کا بیان فرمادیا پھر یہ آیت تلاوت کی

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف، عبداللہ بن امام احمد اپنے باپ کی کتاب الترمذی کے زوائد میں اور ابن خریس نے فضائل القرآن اور ابن نصر مروزی نے اپنی کتاب فی کتاب اللہ میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا تو چاہے کہ تفتیش کرے قرآن سے کہ اس میں سب اگلے پچھلوں کے علم ہیں۔

اور ان کے ارشاد میں، فلیشور میں کیا ہی رد ہے ان اندھوں کا جو کہتے ہیں کہ ہم قرآن میں تھوڑے سے حروف ہی چند اوراق میں دیکھتے ہیں وہ کہاں ماکان وما یکن کے حامل ہونے

سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی تفسیر اس سے زیادہ نہیں ہوتی جبکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہر کلام میں ہے اگرچہ وہ دس حرفوں کا ایک جملہ بھی نہ ہو جیسے (لله الخلق) کا کلمہ، اس میں خالق اور اس کی مخلوق کا ذکر ہے لہذا یہاں ان تمام چیزوں کا بیان ضروری ہے جو ازل سے ابد تک موجود ہیں۔ اور ان معانی کو ہزاروں ہزار لوح محفوظ کے مثل بھی ہوں پھر بھی وہ کافی نہیں ہیں جبکہ لوح محفوظ میں تمام ماکان و مایکون کے علوم ہیں اس لئے کہ متناہی کتنی ہی عظیم و کثیر ہو وہ غیر متناہی کا مقام و مرتبہ نہیں پاسکتی تو اس کے سامنے ستراونٹ یا سات لاکھ اونٹ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

جب یہی بات ہے تو اس میں قرآن کریم کی کون سی مدح اور سورۃ فاتحہ کی کون سی تخصیص و تعین ہے؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ بالذات سورۃ فاتحہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے یہ علوم ظاہر و باہر کر دیئے اگر علیؑ انہیں تحریر و کتابت میں ظاہر کرنا چاہیں تو ان کے قائل ہے اور اپنی جان کی قسم ان حد سے گزر جانے والے محترضوں کا کہنا ویسا ہی ہے جیسے ان سے پیشتر مشرکین کا کہنا کیف یسع العلمین الہ واحد۔ کیسے وسعت رکھے گا سارے جہان کی ایک خدا۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ میں نے اوہام دور کرنے اور جلد سمجھ میں آ جانے کے لئے یہ بیان کر دیا ہے اپنے رسالہ "انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی" ۱۳۲۶ھ میں۔ وہ تجھے بس ہے۔

● جو کہ علامہ علی قاری نے مرقاۃ میں نقل کیا کہا کہ بعض علماء نے فرمایا ہر آیت کے لئے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔

● حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے مروی ہے کہ اگر میں چاہوں کہ ستراونٹ تفسیر قرآن کریم سے بھر دوں تو ایسا کر دوں۔ (مرقاۃ علی قاری کتاب العلم، حدیث ۲۳۸)

● علامہ ابراہیم بجوری کی شرح بزدہ کی ابتدا میں الفاظ یہ ہیں ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور جو مفہام باقی رہے وہ بہت زائد ہیں اور ان کے الفاظ اثر امیر المومنین میں یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تفسیر فاتحہ سے ستراونٹ بھر دوں۔ (شرح البردہ، ابراہیم بجوری، ص ۶۳)

● الیواقیت والجواہر مولفہ سیدنا امام عبدالوہاب شمرانی میں امام اجل ابو تراب نخشی سے ہے کہاں ہیں منکرین قول مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اگر میں تم سے تفسیر فاتحہ بیان کروں تو تمہارے لئے ستراونٹ بار آور کر دوں۔ (الیواقیت والجواہر، فصل ۳ فی اقامۃ العذر)

علوم سے ستر اونٹ بھر دیں۔ سورہ فاتحہ کے یہ علوم اس کی نظم و ترتیب میں شامل ہیں۔ یہ علوم بالذات اسی سورہ سے مستخرج و ماخوذ ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ خارج سے دوسرے علوم اس میں داخل کر دیئے گئے ہوں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی اور امام فخر الدین رازی نے سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم دوسری کتابوں سے ممتاز و منفرد ہے۔

عجائب قرآن منتہی نہیں

داری و ترمذی کی حدیث میں یہی مفہوم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کتاب اللہ میں تمہارے اگلوں کے احوال، تمہارے پچھلوں کی خبریں اور تمہارے درمیان حکم و فیصلہ کی باتیں ہیں، (یہاں تک فرمایا) علماء اس سے سیراب و آسودہ نہیں ہوں

● عثمانی کی شرح صلاۃ سیدی احمد کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، ہمارے سردار عمر مٹھار سے مروی اگر میں چاہوں کہ تمہیں زبانی بتا کر لکھا دوں کچھ تفسیر مائتسخ من آیۃ کی تولد جائیں ایک لاکھ اونٹ اور اس کی تفسیر ختم نہ ہو تو یقیناً میں ایسا کر دوں۔ اور اسی میں خلیفہ ابو الفضل کے گھرانے کے بعض اولیاء سے ہے، کہ ہم نے قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت میں چالیس کڑور معانی پائے اور اس کے ہر حرف کے ایک مقام میں جو معانی ہیں وہ ان معانی کے سوا ہیں جو دوسرے مقام میں ہیں۔

● اور فرمایا کہ ہمارے سردار علی خواص نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا سورہ فاتحہ کے معنی پر تو مجھے ان سے ایک لاکھ چالیس ہزار نو سو نوے علم منکشف ہوئے۔

● زرقانی میں مواہب لدنیہ سے علامہ غزالی نے اپنی کتاب میں دربارہ علم لدنی قول مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر فرمایا اگر لپیٹ دیا جائے میرے لئے تکیہ تو میں بسم اللہ کی ب کی تفسیر میں ستر اونٹ بھر دوں۔

● امام شعرانی کی میزان الشریعہ الکبریٰ میں ہے میرے بھائی افضل الدین نے سورہ فاتحہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو نوے علم استخراج کئے پھر ان سب کو بسم اللہ کی طرف راجع کر دیا، پھر بائے بسم اللہ کی جانب، پھر اس نقطہ کی جانب جو ب کے نیچے ہے۔ اور وہ فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک مقام معرفت میں مرد کامل نہیں ہوتا تا آنکہ استنباط اور اس کے تمام احکام کا اور مذاہب مجتہدین کا حروف ہجا کے جس حرف سے چاہے کہے۔ فرمایا کہ اس میں ان کی تائید قول سیدنا

گے اور بار بار پڑھنے کے باوجود یہ کہتے نہیں ہوگا یعنی اس پر حوادث زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اور قرآن کے عجائب منتہی نہیں ہوں گے۔ (سنن دارمی حدیث ۳۳۳۲)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں (اس سے علماء آسودہ نہیں ہوں گے) یعنی اس کی کنہ و حقیقت کے احاطہ تک نہیں پہنچیں گے یہاں تک کہ اس کی طلب و تلاش میں توقف فرمائیں جس طرح کھانے والی چیز کے کھانے سے آسودگی ہو جاتی ہے اس طرح علماء کو قرآن سے سیرابی و آسودگی نہیں ہوگی بلکہ جب وہ اس کے حقائق و معارف میں سے کسی چیز پر مطلع ہوں گے تو ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ اشتیاق بڑھے گا اسی لئے انہیں آسودگی نہیں ہوگی اور نہ یہ شوق و اشتیاق کبھی ختم ہوگا۔ (اور قرآن کے عجائب منتہی نہیں) یعنی اس کے غرائب ختم نہیں ہوں گے جن سے حیرت یا تعجب ہوتا ہے اس لئے کہ عجائب کا ظہور غیر متناہی حیثیت رکھتا ہے۔ (مرقاۃ، فضائل القرآن، فصل ۲ حدیث ۲۱۳۸)

امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اسی اونٹ اس نقطہ کے علم سے جو بائے بسم اللہ کے نیچے ہے بھر دوں۔ (میزان الشریعہ الکبریٰ ۱، ص ۱۰۶، فصل فی مسئلہ مرتبہ الخیر ان)

اقول، اور ایسے ہی اقوال سے کھل جاتی ہے حقیقت ارشاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کہ اگر گم ہو جائے میرے اونٹ کا دھنکنا تو میں یقیناً اسے کتاب اللہ سے پالوں۔ ابوالفضل مری نے ان سے اسے روایت کیا جیسا کہ تفسیر اتقان میں ہے کہ کوتاہ دستی و کم مائیگی ہی نہیں بلکہ بدظنی سے اس کی تحویل و تبدیل ہے اس جانب کہ معنی یہ ہیں کہ البتہ قرآن میں وہ ہے جو اس کے پانے کی راہ بتائے اور یہ امام جلیل القدر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر اتقان کی تینتالیسویں نوع میں فرما رہے ہیں۔ امام ابو محمد مفسر جوینی نے کہا استنباط کیا بعض ائمہ نے آیہ کریمہ "الم غلبت الروم" سے یہ کہ بیت المقدس کو مسلمان ۵۸۳ھ میں فتح کریں گے اور انہوں نے جیسا کہا ویسا ہی ہوا۔ ۱ھ (الاتقان ۲، ص ۱۰۱-نوع ۴۳-ص ۱۲۶-نوع ۶۵)

میں کہتا ہوں ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کا فتح ہونا معلوم ہے اور مورخین نے اسی سن میں اس کا ذکر کیا جیسے تاریخ کامل میں ابن اثیر نے، لیکن جوینی کا انتقال اس کی فتح سے ڈیڑھ سو برس کے قریب پیشتر ہے۔ کجاوہ امام جن سے جوینی نے اس استخراج کی حکایت کی۔ ابن خلکان نے کہا ابو محمد جوینی نے ذی القعدہ ۴۳۸ھ میں وفات پائی۔ علامہ سمعانی نے کتاب الذیل میں ایسا ہی کہا۔ اور انساب میں ۴۳۳ھ میں بمقام نیشاپور لکھا۔ (وفیات الاعیان ۳، ص ۲۷ ترجمہ الشیخ ابو محمد الجوینی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعة اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ علماء کرام قرآن کے علوم و معانی کا احاطہ نہیں کر سکیں گے تو توقف کریں گے اور اس کے معانی و معارف منتہی نہیں ہوں گے اس لئے اس سے علماء آسودہ و سیراب نہیں ہوں گے اور نہ یہ بار بار پڑھنے کے سبب سے بوسیدہ و پرانا ہوگا۔ (اشعة اللمعات، کتاب فضائل القرآن)

امام ابن حجر مکی "شرح ہنزیہ" میں فرماتے ہیں کہ وہ علوم و معارف جو قرآن عظیم سے مستنبط و مستخرج ہوتے ہیں ان کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورہ والضحیٰ کی تفسیر سے ایک اونٹ بھر دوں۔ (فتوحات احمدیہ)

ابن ابی حاتم ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی

تو جملہ "ووقع كما قال" (جیسا کہا ویسا ہی ہوا) کلام امام سیوطی ہے نہ امام جوینی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو غریق رحمت کرے۔ تو پاکی ہے اسے جس نے اس امت مرحومہ کو عزت و کرامت بخشی اس کے نبی کے صدقہ میں اللہ کا درود ان پر اور ان کی ساری امت پر اور اس کی برکت اور سلام اور اپنی جان کی قسم اگر ان لوگوں سے کہا جائے بتاؤ یہ کیسے نکالا اللہ غلبت الروم سے تو ضرور کہے کہے بغیر ان رہ جائیں اور کچھ جواب نہ دے سکیں تو ہم کیسے حکم لگا دیں جہالت سے حیر الامۃ (استاذ امت) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر جن کے لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اللہم اے اپنی کتاب کا علم دے"

● روایت کیا ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں امام ابو بکر بن مجاہد سے فرمایا، نہیں ہے کوئی چیز عالم میں مگر یہ کہ وہ کتاب اللہ میں ہے۔ اھ (الانعام، ۲، ص ۱۲۶۔ نوع ۶۵)

● طبقات کبریٰ ذکر حالات سید ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، فرمایا کرتے اگر حق تعالیٰ تمہارے دلوں کے قفل کھول دے تم ضرور مطلع ہو جاؤ اس پر جو قرآن میں عجائب اور حکمتیں اور معانی اور علوم ہیں اور بے پردا ہو جاؤ اس کے ماسوا میں نظر کرنے سے کہ صفحات ہستی میں جو کچھ مرقوم ہے وہ سب اس میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(الانعام، ۳۸)

مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

ہم نے کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔ (طبقات کبریٰ للشعرانی، ترجمہ شیخ ابراہیم الدسوقی)

marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم مختلف علوم و فنون اور ظاہر و باطن والا کلام ہے اس کے عجائب و غرائب ختم نہیں ہوں گے اور نہ کوئی اس کی انتہا کو پہنچ سکتا۔

(الافتان ۲، ص ۱۸۵-نوع ۷۸)

امام بوصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”قصیدہ بردہ شریف“ میں آیات قرآنیہ کے بارے میں فرماتے ہیں

لها معان كموج البحر في مدد وفوق جوهره في الحسن والقيم
فما تعد ولا تحصى عجائبها ولا تسام على الاكثار بالسام
قرآنی آیات کے معانی موج دریا کی مانند ہیں اور حسن و راستی میں اس کے

● روایت کی ابن جابر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے تفسیر آیہ کریمہ ماطر طنا فی الكتاب من حسی میں فرمایا ہم کتاب سے غافل نہ ہوں گے، کوئی شئی ایسی نہیں کہ اس کتاب میں نہ ہو۔

(جامع البیان، ابن جریر، ص ۱۱۱)

● روایت کی دیلمی نے مسند الفردوس میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو علم اولین و آخرین چاہے تو علم قرآن میں تفتیش کرے۔ اور پہلے ہم نے اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ تو اسی سے ہم نے ابتدا کی اور اسی پر انتہا۔

بلاشبہ آپ پر ظاہر ہو گیا دعویٰ اتفاق تخصیص کا باطل ہونا، رہا یہ کہ تم اگر مطلع خلاف پر ہو اور جب کوئی قول تم پر قرأت کیا جائے اور وہ تمہاری خواہش کے موافق نہ ہو اور اسے اپنے اوپر جھکتا دیکھو تو اسے حتی الوسع تم دفع کرتے ہو اور ہر عموم کو خصوص کی جانب پلٹتے ہو اور عموم تسلیم کر کے کہہ دیتے ہو کہ اس کا خصوص پر حمل واجب ہے تو یہ ہے خواہش نفس کا حکم اور نصوص کے ساتھ ظلم اور جو یہ روا ہو تو عموم اور خصوص میں اصلاً کوئی خلاف باقی نہ ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں اور اللہ ہی ہدایت فرمانے والا ہے۔

(ترجمہ از حاشیہ الدولۃ المکیۃ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ”الدولۃ المکیۃ“ پر حاشیہ آرائی کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے عموم علم کے ثبوت کی اس فصل کو اپنے رسالہ ”اتباء الحی“ سے شخص کیا ہے اور اب اس پر کچھ یادتی و اضافے کا ارادہ ہے اس لئے کہ موقع محل کا تقاضا بھی ہے۔

جو ہر سے بڑھ کر ہیں۔

ان کے عجائب و غرائب کا شمار نہیں۔ ان کی کثرت و زیادتی کے سبب سے کوئی ان کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

یعنی بکثرت پڑھنے کے باوجود ان معانی قرآن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ امام بوسری نے حدیث مذکور کے مفہوم کو اس میں اخذ فرمایا ہے۔

(الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ)

ملا علی قاری قصیدہ بردہ کی شرح ”الزبدۃ العمدۃ“ میں پہلے مصرع کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کے کثیر معانی ہیں جیسے سمندر کی موجیں کبھی ختم نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ زیادہ ہی ہوتی ہیں اسی طرح قرآن کریم کے معانی و بیان ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِذًا اِلٰکَلَمٰتِ رَبِّیْ لَکُنَّ الدَّیْنُ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ

(الکھف، ۱۰۹)

تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

کلمات سے یہاں پر معانی مراد ہیں اور اس سے وہ قوی شبہ بھی زائل ہو گیا جو اس سے پہلے کی آیت میں بظاہر وارد ہوتا تھا جیسا کہ میں نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ)

”پھر اس سے ان معانی کا متناہی ہونا لازم آئے گا جو نظم قرآن میں داخل ہیں جبکہ اس سے کلمات باری تعالیٰ کا متناہی ہونا لازم نہیں آتا۔“

اتھول، کلمات باری تعالیٰ کے ختم ہونے سے پہلے سمندر کے ختم ہو جانے سے یہ صادق آتا ہے کہ کلمات باری تعالیٰ بالکل ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ اَوْ اَفْلَکٍ مِّنَ الْبَحْرِ يَمْدُ فَ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ

(لقمان، ۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے بیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

ملا علی قاری نے اوپر کے دوسرے مصرع کی شرح میں فرمایا کہ آیات کے معانی شمار میں نہیں آسکتے اور معانی عجیبہ کو حد و حساب میں ضبط نہیں کیا جاسکتا۔

(الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ، ملا علی قاری)

امام قاضی عیاض ”شفا شریف“ میں اعجاز قرآن کی پہلی وجہ میں فرماتے ہیں کہ کلام عزیز کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے، فصلیں اور علوم کے ذخیرے پوشیدہ و پنہاں ہیں اور جس سے غواصی کر کے غوفتروں کی صورت میں علمی کارناموں کے انبار لگے ہوئے ہیں اور اس سے مسائل اخذ کر کے کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

(شفا شریف، فصل فی اعجاز القرآن)

ملا علی قاری نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مثل ”علم کے ذخیرے“ فرمایا

جميع العلم فی القرآن لكن

تفاصر عنه الہام الرجال

(شرح شفا، ملا علی قاری۔ فصل فی اعجاز القرآن)

قرآن عظیم میں جملہ علوم موجود ہیں مگر ان کے سمجھنے میں لوگوں کی سمجھ قاصر ہے۔ امام خفاجی فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم کا بعض لفظ چند دفتروں کو بھر سکتا ہے تو پورے کا حصہ و استقصاء کیونکر ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے معانی کو کوئی کتاب اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی اور نہ کوئی انسان انہیں بیان کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِذَاذًا لَّكَانَتْ رِزْقِي لَقَدْ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتِي رَبِّي

(الکھف، ۱۰۹)

تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو

جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

(شرح شفاء، للخفاجی، فصل فی اعجاز القرآن)

اور تفسیر نیشاپوری میں آیہ کریمہ قل لو کان البحر مدادا کے تحت ہے کہ یہ حال قرآن کے کمال پر تنبیہ ہے۔ (تفسیر غرائب القرآن، نظام الدین الحسن القمی)

اقول: لفظ 'حال' سے مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ قرآن عظیم صفت قدیمہ ہے تحول و انتقال سے پاک و منزہ ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کا وصف درجہ کمال پر کامل و مکمل ہے تو بجا ہے۔

اور اتقان میں ہے، ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ علوم قرآنیہ اور اس کے مستخرجہ مسائل ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، وہ بحر بیکراں ہے۔

(الاتقان ۲، نوع ۷۸)

اور امام شعرانی کی 'طبقات کبریٰ' میں سیدی ابراہیم دسوقی کے حالات زندگی میں یہ بیان ہے آپ فرماتے ہیں کہ علم توحید و تفسیر میں تمام معرین، موولین، مشکلمین قرآن عظیم کے ایک حرف کی حقیقت و کنہ کی معرفت و ادراک کے عشر عشر (دسواں حصہ) کو بھی نہیں پہنچے ہیں اور نہ کوئی پہنچ سکتا ہے۔ (طبقات کبریٰ، للشعرانی۔ ترجمہ ۲۸۶)

اولیائے کرام کے علوم

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ کی "الحدیقة الندیة شرح الطریفة المحمدیة" میں ہے شیخ محی الدین بن عربی، فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۴ میں فرماتے ہیں

جب اولیائے کرام باریک بینی اور نگاہ توجہ سے علوم کا جائزہ لیتے ہیں تو اسماء الہیہ تک ان کے علوم کی انتہا ہو جاتی ہے اور یہی ان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے پھر جب اولیائے کرام اسماء الہیہ کے معارج و بلندی میں سیر و سیاحت کرتے ہیں تو ان کی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان پر علوم و انوار کا فیضان ہوتا ہے۔ اولیاء کرام کی فہم و

فراست کے انوار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وحی کا صدقہ ہیں کیونکہ کسی بھی ولی کا علم رسول پر نازل شدہ کتاب و صحیفہ کے علوم سے باہر نہیں ہے یہ ہر ولی کے لئے ضروری ہے جو اپنے رسول کا صدیق و ساتھی ہو یہ سلسلہ امت سابقہ سے اس امت مرحومہ تک ہے کیونکہ اولیاء کرام کی صدیقیت ہر نبی و رسول کے توسط سے ہے۔ اولیاء کرام کو جو بھی علم و فتوحات اور الہی فیضان حاصل ہے وہ سب کے سب نبی کی وحی کا اقتضا و صدقہ ہے اسی وجہ سے تمام اولیاء امت پر اس امت کو فضیلت دی گئی ہے۔ ولی کو جو کشف ہوتا ہے وہ اس کے کتاب عزیز میں فہم و فراست کا نتیجہ و ثمرہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا كُنَّا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔ (الحمد للہ اللہ یہ باب الفصل ۲) کتاب 'الیواقیت' و 'الجواہر فی عقائد' الا کا بڑے میں فتوحات شریف باب ۳۶۶ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی مجالس اور اپنی تالیفات میں جو بھی گفتگو کی ہے وہ قرآن عظیم ہی کی بارگاہ فیض سے ہے کیونکہ قرآن کریم میں علم کی کنجیاں رکھی گئی ہیں اور میں ہر علم میں قرآن عزیز ہی سے مدد حاصل کرتا ہوں۔ (الیواقیت و الجواہر، فصل ۴)

قول امام اعظم

اور اگر تمہیں یقین نہ ہو تو یہ ہمارے سردار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ درحقیقت قیاس نہیں وہ تو قرآن عظیم ہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا كُنَّا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔ تو ہم نے فی الواقع قیاس سے کچھ نہیں کہا ہاں یہ اس کا قیاس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سمجھنے کی لیاقت عطا نہیں فرمائی۔ اسے امام عبدالوہاب شمرانی نے 'میزان

الشریعہ الکبریٰ کے آغاز میں نقل فرمایا ہے

اور تمہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کافی ہے کہ ”ہمیں کتاب اللہ کافی ہے“ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

(بخاری، کتاب الرضی، باب قول الرضی)

نیز میزان الشریعہ میں ہے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عالم کا مقام و مرتبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ مجتہدین و مقلدین کے اقوال کو ہر زمانے میں کتاب و سنت پر پیش نہ کرے اور جب وہ پیش کرے ان میں سے کوئی قول ان کی نظر سے مجہول و مخفی نہ رہے۔ جب عالم ایسا کرنے لگے گا تو وہ عوام کے مقام سے نکل جائے گا اور عالم کہلانے کا مستحق ہو جائے گا یہ علماء کا پہلا مرتبہ ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ رحمت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر درجہ بدرجہ انہیں ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ قرآن عظیم کے تمام احکام و آداب صرف سورۃ فاتحہ سے استخراج و استنباط کرنے کے لائق و اہل ہو جاتے ہیں اور جب سورۃ فاتحہ کی وہ نماز میں تلاوت کرتے ہیں تو انہیں پورے قرآن کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کے جملہ معانی و بیان کا احاطہ کر لیا ہے۔ (ان کا پورا کلام آگے آئے گا)

(میزان الکبریٰ، فصل ممالک علی صحت ارتباط جمیع اقوال علماء الشریعہ)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے اور عقول عوام کے مبلغ و رسائی کی رعایت میں امام عبدالوہاب شعرانی و سیدی علی خواص جس کی طرف گئے ہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے اور امام ابو تراب نخشی کا قول گزرا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے منکرین کو امام شعرانی و سیدی علی خواص کے ذکر کردہ اقوال کی طرف دعوت دی ہے اگر ایسا ہے بھی تو اس میں انکار کا کیا مقام ہے مولیٰ تعالیٰ تجھے حقیقت کا راستہ دکھائے۔

منکرین کو تنبیہ

امام ابو تراب بخشی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنی کتاب پاک میں یہ نص مقرر فرمادے، اہل اللہ وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں اس کے باوجود رب تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فہم خالص اور غماص الحاصل معانی کے علوم کو کلمات الہیہ میں داخل فرمادیا اور اگر یہ منکرین انصاف و دیانت سے کام لیتے تو جب اپنے سر کی آنکھوں سے آیت کو دیکھتے تو خود اعتبار و اعتماد کر لیتے جبکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ علوم میں اہل اللہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور آیت کے معانی و حقائق پر کلام کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں اس کے باوجود اہل اللہ جب کوئی ایسی چیز لاتے ہیں تو منکرین ان کا رد و انکار کرتے اور ان کے ادراک و علوم سے چشم پوشی کرتے ہیں اور منکرین کہاں ہیں کیا وہ امیر المومنین علیؑ کے اس فرمان سے غافل ہیں؟ ”کہ اگر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لب کشائی کروں تو ستر جانور گراں بار کر دوں“ یہ تو صرف علم لدنی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ودیعت فرمایا ہے محض فکر کی رسائی ایسے علوم تک نہیں ہو سکتی نہ عقلی جستجو سے وہ علوم حاصل ہو سکتے ہیں

(الواقیت والجواہر، فصل ۳ فی بیان اقامۃ الخ)

غور کرو کہ تم کس وادی میں کلام کر رہے ہو؟ میں نے بعض اہل علم کا قول سنا ہے جنہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوض کے چند چھینٹے ملے ہیں جیسے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام الکاشغین محی الدین بن عربی۔ اور میں نے بعض علماء کا قول سنا ہے کہ ہر آیت میں ساٹھ ہزار علم و فہم ہیں۔ اور اگر سب منکرین جمع ہو جائیں تو اکثر آیات میں ساٹھ علوم کے استخراج پر قادر نہیں ہوں گے بلکہ چھ علم بھی نہیں نکال سکیں گے اور میں نے سیدی عمر محصار عم سید عبد اللہ میدروس و سید جلیل فضل سیدی علی خواص کے اقوال بھی سنے ہیں اور سیدی افضل الدین کا حیرت انگیز استخراج بھی سامنے ہے اور عارف کامل کے بارے میں ان کا فرمان بھی، اسی طرح سیدی افضل الدین کے شیخ

سیدی علی خواص نے بھی فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے نفع عطا فرمائے)۔
سیدی علی خواص کی عبارت ابھی اوپر مذکور ہوئی اس کے بعد کی عبارت کا خلاصہ
یہ ہے۔

پھر عالم کامل درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ حروف ہجاء کے ایک حرف
سے پورے قرآن عظیم اور شریعت مطہرہ کے احکام و قوانین اور قیامت تک کے جملہ
مجتہدین و مقلدین کے اقوال نکالنے کا اہل ہوتا ہے۔ پھر اس سے زیادہ بلند و بالا مرتبہ پر
فائز ہو جاتا ہے۔ سیدی علی خواص فرماتے ہیں کہ یہی وہ مرتبہ علیا ہے جب عالم ہمارے
نزدیک کامل ہوتا ہے، اسی مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد اسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔
(الہیوائت والجواہر، فصل ۱۳ قلمۃ العذر)

قرآن کے تین ہزار علم

سیدی عبدالوہاب شعرانی تلمیذ امام جلال الدین سیوطی اہل اللہ میں سے ایک
عظیم شخص ہیں ”میزان الشریعہ الکبریٰ“ میں فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب ”
الجواہر المصنوعہ فی علوم کتاب اللہ المکتون“ کے نام سے لکھی ہے اس میں ہم نے تین
ہزار علوم قرآن ذکر کئے ہیں۔ اور مشائخ اسلام نے ایمان و تسلیم کے طور پر اسے اہل
اللہ کے لئے لازم قرار دیا ہے اور ان مشائخ میں سے ایک شیخ ناصر الدین لقانی مالکی
ہیں، ان سے عالم زمانہ شیخ شہاب الدین بن شیخ عبدالحق نے ایک مہینہ رہ کر اخذ فرمایا
ہے۔ شیخ شہاب الدین نے، شیخ ناصر الدین کے علوم و معارف کا جائزہ لیا تو ان کے
علوم میں سے ایک علم کے مقام استخراج کی معرفت و پہچان سے وہ عاجز و حیران رہ
گئے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ شہاب الدین نے فرمایا کہ میں اپنے دل
میں سوچتا تھا کہ میں مصر، شام، حجاز، روم اور عجم کا یکتائے روزگار عالم ہوں اور ان کے
علوم قرآن میں سے ایک علم کی نظیر کی معرفت و استخراج سے عاجز و قاصر ہوں اور میں
نے علم قرآن کو کچھ بھی نہ سمجھا۔
(میزان الشریعہ، فی بیان امثلہ)

امام عبدالوہاب شعرانی، میزان الشریعہ کے اوائل میں فرماتے ہیں کہ ہماری ایک اور کتاب ”الجواهر المصنوع والسر المرقوم“ کے نام سے ہے اس میں بھی ہم نے قرآن عظیم کے تین ہزار علوم کا ذکر کیا ہے۔ عارف کامل جب قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو یہ علوم اس پر نازل ہوتے ہیں اس کی بات چیت ان علوم سے خالی نہیں ہوتی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ علوم ان کی روزمرہ کی بات چیت ہو جاتے ہیں اور اگر گفتگو میں یہ علم شامل نہ ہو تو وہ اہل اللہ کا علم نہیں بلکہ وہ اس کا نتیجہ فکر اور ذہنی اختراع ہوگا۔ (میزان الشریعہ، فی المقدمۃ)

یہ بلند و بالا شان جب ان اولیاء کرام کی ہے جو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتب کے بچے ہیں تو اس خاص کامل طالب علم کی کیا شان ہوگی جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ ”اے اللہ اسے کتاب مجید کا علم عطا فرما“ (وہ خوش نصیب طالب علم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں)

(بخاری کتاب الاعتصام)

حضرت علی کا فرمان کہ ابن عباس غیب پر نظر رکھتے ہیں

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ایک بار یک پردے سے غیب کو دیکھتے ہیں۔

(منتخب کنز العمال، حاشیہ منہاج احمد)

دینوری، مدائنی سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن سے پالوں گا“

(اتحاف السادة المتقين، باب ۳۲ فی فہم القرآن)

اس پر نقص و عیب جوئی کرنے والوں کی کثرت ہو جائے گی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو مراد لیا اس سے اس کو بدل دیں گے اور اس کے علاوہ دوسرا طریقہ

مراد لیں گے اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ قرآن میں رسی پانے کے طریقے کا بیان کہاں ہے تو وہ لا جواب و خاموش ہو جائیں گے اور افسوس کریں گے۔ لہذا اللہ کی پاکی ہے ان لوگوں سے جو بادشاہوں کو جرداہوں پر یا فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس کرتے ہیں۔

حضرت علی کا علم عرش اور قیامت تک

شہر علم کے دروازہ کے بارے میں کیا خیال ہے جو فرماتے ہیں کہ مجھ سے سوال کرو مجھے گم کرنے سے پہلے کہ عرش سے نیچے کی جس چیز کے بارے میں مجھ سے سوال ہوگا میں اسے بتا دوں گا۔ اسے ابن نجار نے ابو معمر سے روایت کیا۔

(کنز العمال، حدیث ۳۶۵۰۲)

مسلم بن اوس اور جاریہ بن قدامہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مجھ سے سوال کرو ”قسم خدا کی قیامت تک کی جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے میں وہ تمہیں بتا دوں گا۔“ (جامع بیان العلم، قرطبی)

ابن الانباری، کتاب المصاحف، اور ابو عمر بن عبد البر، کتاب العلم میں روایت کرتے ہیں کہ ابو الطفیل عامر بن واہلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ میں حاضر تھا، انہوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ مجھ سے سوال کرو قسم خدا کی میں قیامت تک کی ہر چیز بتا دوں گا۔

حضرت عمر کے علم کا وزن

کیا خیال ہے اس عبقری شخص کے بارے میں جس کے لئے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ جبکہ بذات خود خلفاء اربعہ کے بعد صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے اور علم کی ایک گٹھری ہیں) فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کو ایک ترازو میں رکھا جائے اور روئے زمین کے لوگوں کا علم دوسری ترازو میں تو ان کے علم کے مقابلے میں حضرت عمر کے علم کی ترازو

وزنی ہو جائے گی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم کے نوحے حاصل کئے ہیں۔ اسے طبرانی اور حاکم نے روایت کیا۔

(مستدرک حاکم، باب فی رویا النبی فی فضیلہ علم عمر)

پھر کیا خیال ہے ان کے بارے میں جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلق خدا میں سب سے زیادہ علم و فضل والے ہیں جن کے بارے میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”کاش میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کا ایک بال ہوتا۔“ اسے امام بخاری کے استاد مسدد نے روایت کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(کنز العمال، حدیث ۳۵۶۲۶)

پھر کیا خیال ہے اس ذات گرامی کے بارے میں جس پر قرآن عظیم نازل ہوا جس میں ہر چیز کا روشن و واضح بیان موجود ہے اور ان کے رب نے انہیں سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتے تھے اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک وسلم تسلیما
فالیہ منتهی الرغبات و نہایۃ النہایات و الحمد لله رب العلمین۔

فصل آخر، عموم علم میں

قرآن کے باطنی علوم کا ذکر

فریابی حسن سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آیت کا ظاہر و باطن ہے اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کی مطلع ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، باب ۴، فی فہم القرآن)

شرح السنۃ میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم بندوں سے حجت کرے گا، قرآن کے ظاہر و باطن ہیں۔ (شرح السنۃ، حدیث ۳۴۳۳)

اور مسند الفردوس کے لفظ یہ ہیں کہ قرآن مجید عرش کے نیچے ہے، اس کے ظاہر و باطن ہیں وہ بندوں سے حجت و محاسنت کرے گا۔ (مسند الفردوس، حدیث ۴۶۷۳)

امام طبرانی کبیر میں اور امام بغوی کبیر و معالم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مبین سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، ہر آیت کے ظاہر و باطن ہیں اور ہر حد کی مطلع ہے۔

(بغوی معالم التنزیل فی المقدمة)

عزیزی نے سراج منیر میں فرمایا کہ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(سراج المنیر، عزیزی ۲ تحت حرف الالف)

marfat.com

طبرانی و ابویعلیٰ و بزار وغیرہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس قرآن کے ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے مطلع ہے۔
(معجم کبیر، ۹، حدیث ۸۶۶۸)

مطلع کی تحقیق و توضیح

طیبی ”شرح مشکوٰۃ“ پھر طاہر فتنی ”مجمع بحار الانوار“ میں فرماتے ہیں کہ ظاہر و باطن دونوں کے لئے مطلع (طاء مشدود، لام مفتوح) ہے یعنی بلند ہونے کی جگہ یا ایسا مقام جس کی ترقی سے اس پر اطلاع ہوتی ہے۔ ظاہر کا مطلع علوم عربیہ و اسباب نزول اور تاریخ وغیرہ ہیں۔ اور باطن کا مطلع نفس کی ریاضت و صفائی۔ اور قلوب و اذہان کی تطہیر و تزکیہ ہے۔ (شرح مشکوٰۃ، طیبی۔ کتاب العلم، فصل ثانی)

اور شیخ محقق عبدالحق دہلوی کی ”اشعۃ اللمعات“ میں بھی ایسا ہی ہے کہ باطن کا مطلع ریاضت و بندگی، ظاہر کا اتباع، اس کے مقتضیات پر عمل کرنا، نفس و روح کی پاکیزگی، قلوب و اذہان کی صفائی اور اندرونی کیفیت کو نکلی کرنا ہے۔ ان احساسات و کیفیات کے حاصل ہونے کے بعد بطون قرآن پر اطلاع حاصل ہو جائے گی۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

جمال شاہد قرآن نقاب آنگاہ بکشايد

کہ دارالملک ایمان را بیايد خالی از غونا

یعنی قرآن کے حسن و جمال سے جب نقاب کشائی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو انسانی شور و غل سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب العلم، فصل ۲)

علم ظاہر و باطن کی مزید توضیح

افہول، ملا علی قاری کی مرقاۃ کے لفظ سے یہ زیادہ حسن و عمدہ ہے۔ مرقاۃ میں ہے کہ ”قرآن کے لئے ظاہر ہے“ یعنی ایسے معنی ظاہر جن میں غور و تامل کی حاجت نہیں۔

انہیں اکثر لوگ سمجھتے ہیں جن کو فہم قرآن کا شعور و سلیقہ ہے اور ”قرآن کے لئے باطن ہے“ یعنی ایسے معنی خفی جن میں اشارات خفیہ سے تاویل کی ضرورت ہو، ان معانی خفیہ کو صرف وہ خواص مقررین سمجھتے ہیں جو زمانے کے علمائے قبحر ہیں اور ان معانی کا فہم و ادراک انہیں حسب استعداد و لیاقت اور امداد الہی کے حصول ہی سے ہوتا ہے۔

(مرقاۃ، حدیث ۲۱۳۳)

ہاں معنی ظاہر میں تامل و غور نہ ہونے کا مطلب تامل ظاہری ہے اس لئے کہ بہت سارے ظاہری معنی ایسے ہیں جن کی طرف رسائی تامل بالغ کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اکثر لوگوں کے سمجھنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ معنی ظاہر کے سمجھنے میں بہت سارے لوگ کامیاب نہیں ہوتے ہیں لیکن علماء ظاہر کے جو مشہور و نامور افراد ہیں انہیں اس میں کامیابی ملتی ہے۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ ظاہری معنی میں ہر مومن فہم قرآن اور اس پر عمل کرنے میں شریک و برابر ہے۔ اور باطنی معنی کی طرف صرف فہم خواص کی رسائی ہوگی۔

اور اشعۃ اللمعات میں یہ بھی ہے کہ ظاہر سے مراد وہ ہے جسے سب اہل زبان سمجھ سکیں۔ اور باطن پر صرف اللہ کے مخصوص بندے ہی مطلع و آگاہ ہوتے ہیں۔ ہر شخص اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب العلم، فصل ۲)

قرآن عظیم کے ظاہری علوم کی کثرت

قرآن کے علوم ظاہری و باطنی کے درمیان اور بھی بہت سارے علوم موجود ہیں جو ان دونوں علموں کے علاوہ ہیں۔ علامہ باجوری نے شرح بردہ شریف میں اس مصرع کے تحت فرمایا:

لها معان كموج البحر في مدد

آیات قرآنیہ کے معانی ایسے ہی بکثرت ہیں جس طرح سمندر کی موجیں علامہ باجوری نے اس سے بعض کے قول کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن کریم کے وہ علوم جو ظاہری معنی پر محمول ہیں ان میں سب سے کم تعداد کا قول یہ ہے کہ ان علوم کا مجموعہ قرآن کے اندر چوبیس ہزار آٹھ سو ہے۔ (شرح البردة، باجوری)

کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ان ظاہری معنی کے استخراج پر ہر عالم کامیاب ہو جائے گا جب ایک عالم ان علوم کا مستقصا نہیں کر سکتا ہے تو عام مومن اور اہل زبان انہیں کیسے نکال سکیں گے؟ اور اگر ان علوم کے غور و فکر میں عالم کامل کی عمر ختم ہو جائے پھر بھی وہ ان کے مطلع تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب غور و فکر سے یہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے تو کامل سے مستغنی ہو کر ان کا ادراک کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے

یا ابا عمیر ما فعل نغیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچے کا کیا ہوا؟

امام جلال الدین سیوطی حاشیہ صحیح بخاری میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے

marfat.com

Marfat.com

ہیں کہ ابن القاص نے اس حدیث کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اس مختصر حدیث سے ساٹھ سے زیادہ فوائد کا استخراج و استنباط کیا ہے۔

(حاشیہ سیوطی علی البخاری، کتاب الادب ۵، ص ۷۲ باب الکدیۃ للصبی)

میں تم سے اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ حدیث اصول دین کے بارے میں نہیں ہے اور نہ اسے اظہار حکم کے لئے بیان کیا گیا ہے اس کے باوجود علماء ظاہر کے ایک شخص کو ساٹھ سے زیادہ فوائد کے سمجھنے کی توفیق دی گئی۔ کیا اس میں غور و تامل کی ضرورت نہیں؟ یا اس میں ہر شخص کامیاب ہو جائے گا؟

تو پھر قرآن عظیم کے ظاہری علوم کے بارے میں کیا خیال ہے۔ انہیں علوم پر مشتمل تفاسیر کی ہزاروں جلدیں ہیں۔ مثلاً

● امام حجۃ الاسلام کی ”یا قوت التاویل“ چالیس جلدوں میں۔

● ابن نقیب کی تفسیر سو جلدوں میں۔

● ادنوی کی تفسیر ایک سو بیس جلدوں میں۔

● ابوبکر بن عبداللہ کی تفسیر صرف سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے شروع کی چھاس

آیات کی تفسیر ایک سو چالیس جلدوں میں۔

● امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر چھ سو جلدوں میں۔

امام ابوالحسن کی یہ تفسیر امام جلال الدین سیوطی کے زمانے تک مصر کے خزانہ علیہ

میں موجود تھی۔

کیا ان علوم کا ادراک بغیر غور و فکر کے ہو سکتا ہے؟ یا اس پر ہر عالم کامیاب ہو سکتا

ہے اگرچہ وہ عالم مشہور و نامور ہی کیوں نہ ہو۔ اور میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ مفسرین کرام

اب تک مکمل طور پر ظاہر کو بھی نہیں پاسکے ہیں اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔

پھر ملا علی قاری نے زین العرب سے بیان سابق کے مثل نقل کیا اور فرمایا کہ

ظاہر سے مراد معنی جلی اور باطن سے مراد معنی خفی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مخصوص

و مختار بندوں کے درمیان ایک راز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کھل فقیر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کے علوم کو چند وجوہ سے متعین و مقرر نہ کرے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب العلم۔ حدیث ۲۳۸)

ابن سعد طبقات، ابو نعیم حلیہ، ابن عساکر تاریخ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مقاتل بن سلیمان اپنی کتاب ”وجوہ القرآن“ کے آغاز میں مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آدمی کھل فقیر اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ وہ علوم قرآن کو بہت سارے وجوہ سے نہ دیکھ سکے۔ (حلیہ الاولیاء، ابو نعیم)

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی جب ایک لفظ کو دیکھے تو وہ اس میں معانی متعددہ کا احتمال پائے اگر وہ احتمالات متضاد نہ ہوں تو اس ایک لفظ پر ان سب احتمالات کو محمول کر دے اور صرف ایک معنی پر اقتصار نہ کرے۔ دوسرے لوگوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس سے مراد اشارات باطنہ کا استعمال اور ظاہری تفسیر پر اقتصار و اکتفا نہ کرنا ہے۔

(الاتقان، نوع ۳۹)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ حد اور مطلع کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ حد و مطلع کی غایت و انتہا عارف باللہ کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء و اولیاء کے درمیان راز و نیاز ہے۔ یہی امام طبری کی بھی تحقیق ہے۔ (علیہم الصلاۃ والسلام و رحمہم اللہ تعالیٰ)

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب العلم حدیث ۲۳۸)

یہ عمدہ تحقیق ہے اور لمعات میں ابام تور پشتی سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کی ہر حد کے مطلع کی طرف پرواز کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا اور اسے حاصل کرنے کی دعوت فرمادی ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عام سنتیں قرآن عظیم سے ماخوذ و مستفاد ہیں اور اس میں علماء کے مختلف طبقات و منازل اور جداگانہ مقام ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کے معانی سے ان علوم کا

ادراک و احساس کرتے جہاں دوسرے کی فہم و دانائی نہیں پہنچ سکتی۔

(لمعات التنقیح، کتاب العلم حدیث ۲۳۸)

اور امام شعرانی کی ”الیواقیت والجوہر“ میں ہے کہ ایک حدیث پاک میں ہے کہ ہر آیت کا ظاہر و باطن اور حد و مطلع ہے اور بطن کی تعداد سات سے لے کر ستر تک ہے۔

(طبقات کبریٰ، للشعرانی۔ فی المقدمة)

فصل، اور بعض محققین کے کلام سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اولیائے کرام کے علوم بطن ثالث تک منتہی ہو جاتے ہیں اور ان علوم میں اولیائے کرام کے درمیان عظیم تفاوت و فرق ہے۔ اور بطن ثالث کے بعد جو علوم و معارف ہیں وہ سب کے سب حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔

سیدی حافظ احمد سہلما سی رحمہ اللہ تعالیٰ ابریز شریف میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی بصیرت کے دروازے کھول دیتا ہے پھر جب وہ معنی قدیم کو دیکھتا ہے تو انہیں غیر متناہی پاتا ہے، یہی قرآن کا باطن ہے اور جب وہ صورت کو دیکھتا ہے تو وہ اسے دو پٹھوں کے درمیان محصور و گمراہ پاتا ہے، یہی قرآن کا ظاہر ہے۔ اور جب وہ قرأت قرآن کے لئے خاموش و ساکت ہوتا ہے تو معانی قدیمہ کو الفاظ کے سائے میں صف آراد دیکھتا ہے اور یہ معانی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے ہیں جیسا کہ آنکھوں سے دیکھنے والی محسوس چیزیں اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں رہتیں۔

(ابریز، فصل ثالث فی ذکر بعض الکرامات)

یہ امام عبدالوہاب شعرانی کے قول کی تصدیق میں ہے ”کہ فہم قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آپسی بات چیت میں وہ علوم اس کے ساتھ رہیں وہ ان علوم سے کبھی غافل و بے توجہ نہ ہو۔

حافظ احمد سہلما سی نیز فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا اس باطن کو پہچاننے اور معلوم کرنے کا کوئی سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ

اس کا ادراک و علم تو صرف کشف و مکاشفہ سے ہی ہوتا ہے ہاں جو سریانی زبان اور حروف کے اسرار و رموز جانتا ہے اسے باطن قرآن کے سمجھنے میں بہت زیادہ مدد ملے گی۔ اور عالم ارواح کے علوم، دنیا و آخرت کے علوم، آسمانوں اور زمینوں کے علوم، عرش و غیرہ کے علوم اور قرآن عزیز کے معانی کے علوم جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ان کی کوئی انتہا نہیں وہ غیر متناہی ہیں۔ یہی اس آیت کریمہ کے علوم کا مطلب ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۝
(الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

(ابریز، باب ثانی، فی بعض الایات القرآنیہ)

جملہ علوم حضور علیہ السلام

کے بحار علوم کا ایک قطرہ ہیں

سید احمد جلماسی اپنے شیخ سید عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر معنی حقیقی کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کی جائے تو اس کے علم باطن سے معلوم ہو جائے گا کہ روحیں جسموں میں داخل ہونے سے پہلے کس حالت پر تھیں اور جسموں سے جدا ہونے کے بعد کس حالت و ہیئت پر رہیں گی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مقدس سے تمام علوم و معارف کا استخراج کس طرح کیا جاتا ہے جن کا ادراک آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کے علوم سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ شریعت کے مسائل کس انداز سے اخذ کئے جاتے ہیں بلکہ قرآن عظیم سے سابقہ شریعتوں کے مسائل بھی معلوم ہوں گے اور علوم سابقہ کے اجزاء اور آخرت کی معرفت وغیرہ سب معلوم ہو جائیں گے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور وہ علوم جو دونوں جہان، انسان و جن اور تمام لغات و زبان وغیرہ کے احوال سے متعلق ہیں وہ سب کے سب حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ (ابریز، باب اول)

اور سید احمد جلماسی نے اس سے پہلے تذکرہ فرمایا کہ بعض وہ علوم جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطن قرآن کے علوم سے حاصل ہیں وہ سات اجزاء میں سے ایک جزء اور سات حرفوں میں سے ایک حرف ہیں جو منصوص ہیں۔ اور علوم و معارف کے میدان میں اروج میں سے سب سے قوی تر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

روح مقدس ہے اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے عالم کی کوئی چیز مخفی و محبوب نہیں ہے اور حضور عرش و کرسی، عالم علوی و سفلی، دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ پر آگاہ و مطلع ہیں اس لئے کہ ان سب کی تخلیق و پیدائش حضور اقدس باعث کن فکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب سے ہوئی ہے، ان تمام عالم کے لئے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتیاز و انفرادیت ایک خارق عادت اور معجزہ ہے تو حضور کے پاس اجرام فلکی کی تمیز ہے کہ وہ کہاں سے اور کب بنائے گئے؟ اور ہر آسمان کا جرم کہاں تک ہے؟ اور حضور ہی کے پاس ہر آسمان کے فرشتوں کا امتیاز ہے کہ وہ کہاں اور کب اور کیوں پیدا کئے گئے؟ اور کب تک رہیں گئے؟ اور حضور کو فرشتوں کے اختلاف مراتب اور انتہائے درجات کا امتیاز و فرق معلوم ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ستر حجابات کے اندر کا بھی علم و امتیاز حاصل ہے اور ہر حجاب کے فرشتوں کا امتیاز صفت سابقہ پر معلوم ہے۔ اور حضور کو عالم علوی کے روشن کرنے والے اجرام و اجسام کا حال معلوم ہے جیسے ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور ارواح، جو عالم علوی میں وصف سابق پر موجود ہیں۔ ایسا ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیاتوں زمین اور ہر زمین کے مخلوقات اور جو بحر و بر میں ہیں ان سب کا حال معلوم ہے، ان سب کا امتیاز اسی صفت سابقہ پر ہے۔ ایسا ہی حضور کو جنتیں اور ان کے درجات اور جنتیوں کی تعداد اور جنت میں ان کے مقامات اسی طرح جتنے بھی عالم ہیں سب کا امتیاز و علم ہے۔ اور اس میں علم قدیم ازلی کی کوئی مزاحمت نہیں کہ اس کی معلومات غیر متناہی ہیں۔ ایسا اس لئے کہ جو علم قدیم میں ہے اس عالم میں اس کا انحصار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ربوبیت کے اسرار اور الوہیت کے اوصاف جو غیر متناہی ہیں اس عالم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہی وہ علوم و معارف ہیں جن کی میں نے تحقیق کی ہے۔

(ابریز، باب اول)

اہول، علوم قرآن کے سلسلے میں یہ سید احمد سحلماسی کی ذاتی تحقیق یا ذہنی اختراع نہیں بلکہ یہ تو من جانب اللہ اور اللہ کے کلام سے ماخوذ ہے اس لئے کہ جو بھی ذکر کیا گیا وہ سب شئی میں داخل ہے اور قرآن عظیم نازل ہوا ہے ہر شئی کے روشن و واضح بیان کے لئے۔ ہر چیز کی تفصیل کے لئے، اس میں کسی چیز کو بیان کرنے سے اٹھا نہیں رکھا گیا، کتاب تفصیل میں کوئی شک و ریب نہیں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ علوم کے ان دریائے زخار و ناپیدا کنار کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ اہل رسم و اثر کے نزدیک اس کا کوئی اثر ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن کریم کے باطنی علوم ہیں جیسا کہ اس سے پہلے اہم ابوتراب بخشی کا کلام مذکور ہوا، تو قرآن عظیم کے باطنی علوم سے ایمان جدا نہیں ہوگا ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے اگرچہ آثار و احادیث میں اس کی تصریح موجود نہیں جبکہ حدیثیں مروی ہیں اور ایسی مشہور و معروف ہیں جیسے چوتھے پیردن کا سورج مشہور و روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کے لئے موقوف و منحصر نہیں کہ ہم ان ساتوں حروف کے معانی جان لیں جن پر قرآن مقدس نازل ہوا ہے اس لئے کہ قرآن کا باطن قرآن ہی سے ثابت ہے ایسے ثبوت کے ساتھ کہ جس میں کوئی شک و تردید نہیں ہے۔ اور ہم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ”ہر آیت کے لئے ظاہر و باطن ہیں“ خواہ اس کا نزول ایک حرف پر ہو یا چند حرفوں پر، خواہ ہمارے لئے ان حرفوں کی مراد ظاہر ہو (جیسا کہ لوگ اس کے بیان کرنے میں مشقت میں پڑ گئے) یا نہ ہو جیسا کہ علماء اعلام اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ اور مناوی نے تیسیر میں فرمایا کہ ائمہ و علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اس میں تقریباً چالیس اقوال ہیں، مذہب مختار یہ ہے کہ یہ حدیث (ان لكل آية ظهرا و بطنا) تشابہات کی قبیل سے ہے اس کے مرادی معنی کا ادراک ہمارے لئے ممکن نہیں۔

(اتحاف السادة المتقين ۴، باب ۴، فی فہم القرآن۔ تیسیر المناوی، تحت حرف الالف)

رسالہ غایۃ المامول کا رد

مصنف غایۃ المامول کا افتراء اور خود اپنے اوپر سوال

اللہ کا شکر ہے، اس سے پہلے ہم نے جو ثابت کیا اس سے اس افتراء پر داز رسالے کی جہالت و بطالت ظاہر و آشکارا ہو گئی جبکہ اس خود ساختہ رسالے نے یہ حدیث ”انزل القرآن علی سبعة احرف لكل حرف منها ظہر و بطن“ (قرآن عظیم سات حرفوں پر نازل ہوا اور ہر حرف کے لئے ظاہر و باطن ہے) ذکر کر کے خود اپنے ہی اوپر سوال کیا اور کہا کہ یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ غیوب خمسہ کا علم بطون حرف میں داخل ہو، ان غیوب خمسہ میں سے وقت قیامت کی تعیین بھی ہے۔ مولانا احمد رضا کو اس کا دعویٰ ہے کہ حرف کے باطن میں غیوب خمسہ داخل ہیں۔

رد علی المفتوی

اقول، من جملہ افتراءات کے فقیر پر یہ دوسری تہمت ہے کیونکہ میں نے یہ جزم و یقین کے ساتھ بالکل نہیں کہا کہ غیوب خمسہ میں وقت قیامت کی تعیین داخل ہے۔ میرا پورا کلام متن و شرح کے ساتھ عنقریب آئے گا۔ بلکہ میری یہ کتاب (الدولۃ المکیہ) تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اس میں میں نے حدیث بطون کو ذکر ہی نہیں کیا چہ جائیکہ غیوب خمسہ میں علم قیامت شامل ہونے کا دعویٰ ہو۔

دفع سوال اولاً

پھر اس خود ساختہ رسالہ نے چار طریقوں سے جواب دینے کا قصد کیا ہوں: (اس رسالہ کا جو بیان اس سے پہلے گزرا اس کا حاصل یہ ہے کہ) ”قرآن متناہی

ہے تو وہ غیر متناہی کی تفصیل نہیں ہوگا جب یہ بات ہے تو غیوب خمسہ کی تفصیل شامل ہونے کا اذعان و یقین بھی نہیں ہوگا۔“

رد علی المفتری

اور تمہیں اس کا رد و ابطال معلوم ہو گیا کہ ہم نہ دعویٰ کرتے نہ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ مخلوق کا علم غیر متناہی بالفعل کو محیط ہے اور ماکان وما یکون اور روز اول سے روز آخر تک کی تمام تفصیلات معین و محصور چیزیں ہیں، غیر متناہی کی تفصیل کے شمول پر محصور و معین کا شمول موقوف نہیں ہے۔

دفع سوال ثانیاً

قلنی: ”حروف کی مراد میں علماء نے اختلافات کئے ہیں جو چالیس اقوال پر مشتمل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حدیث مشکل ہے، ان اختلافات کی موجودگی میں استدلال کس طرح درست ہوگا کہ حروف مذکورہ میں غیوب خمسہ کا بیان تفصیلی طور پر ہے۔“

رد علی المفتری

اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ اس کا کلام ہے جو خوشہ انگور کو نہیں پہنچا اور نہ مقصود و مدعا کو پہچانا، ان حروف کی مراد کے ادراک پر ہمارا دعویٰ موقوف نہیں اور نہ سات حرفوں پر نزول کی خبر پر، نہ چند حرفوں کے نزول پر، اور نہ اس حدیث سے ہمارا استدلال و تمسک ہے اور نہ ہم نے اسے اپنی کتاب (الدولۃ المملکیۃ) میں ذکر کیا ہے۔ اور اب جبکہ ہم نے اسے ذکر کیا تو اس لفظ سے ذکر کیا ”لکل آیۃ ظہر و بطن“ ہر آیت کا ظاہر و باطن ہے اور ہم نے اسے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ ”بطون“ آیات کے ہیں اور ہمارا یہ مقصود نہیں کہ حروف کی مراد کی بحث سے اس کا تعلق ہو۔

اس رد کا خلاصہ

حاصل گفتگو یہ ہے کہ قرآن سے کہاں جائے فرار ہے کہ قرآن عظیم نے یہ کہہ دیا

ہے کہ وہ ہر چیز کا روشن و واضح بیان ہے اس پر ایمان و یقین رکھنا واجب و لازم ہے،
حروف کی مراد جو بھی ہو۔

دفع سوال ثالثاً

فالت: اگر ہم یہ کہیں کہ حروف کے بطون میں غیوب خمسہ کا بیان موجود ہے
اگرچہ رمز و اشارے کے طریقے پر، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مطلع ہیں۔
تو ہم ثبوت تناقض کے بھی قائل ہو جائیں گے اس کے اور ان آیات کے درمیان جو
مراحۃ دلالت کرتی ہیں کہ غیوب خمسہ کا علم ذات باری تعالیٰ پر مقصور ہے اور اختلاف
و تناقض اللہ کے کلام میں محال ہے۔“

دفع ثالث کا رد اولاً

اقول، اولاً، ہم نے اپنے رسالہ میں ائمہ کرام کے اقوال اور دلائل قاطعہ
سے ان آیات کے درمیان جمع و تطبیق کے وجود بیان کر دیئے ہیں جس کے بعد کلام
باری میں تناقض و اختلاف کا وہم و گمان نہیں ہوتا مگر دو شخصوں میں سے ایک کو۔ ان
میں سے ایک وہ جس نے سنا اور سمجھا نہیں۔ تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو سنتے ہیں
اور دھیان و توجہ نہیں دیتے۔ اور ایک وہ جس نے سمجھا اور قبول نہیں کیا تو یہ انہیں لوگوں
میں سے ہے جو پہچاننے کے باوجود انکار کرتے ہیں۔ اور مجھ سے اس بیان کو سید
شریف مکہ نے سنا جس کی طرف اس افترا پرداز رسالہ نے وہابیت کی نسبت کی ہے۔
انہوں نے میری کتاب (الدولۃ المکیہ) کی قسم اول تمام و کمال سنی ہے ان کی شان
اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ ان دو شخصوں میں سے ایک ہوں۔ جس نے یہ افترا کیا وہ تو
نرا جھوٹا فریبی وہابی ہے۔

رد الجواب ثانیاً

فالت: اس رسالہ نے جن آیات کا ذکر کیا ان میں سے کوئی بھی اللہ علیم و خیر کے

بتانے اور خبر دینے پر مانع نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تناقض کا وہم کرنا بڑی چیز اور بڑی جرأت مندی ہے۔

ردالجواب ثالثاً

ثالثاً: اس رسالہ نے جن آیات کا تذکرہ کیا ان میں ایک آیت یہ ہے وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو۔ (الانعام، ۵۹) اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔ (کنز الایمان) اگر یہ آیت سلب اعلام (خبر دینے کی نفی) پر دلالت کرے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیوب میں سے کچھ نہیں بتایا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے نبوت کا انکار ہو جائے گا جیسا کہ یہ بیان گزر چکا ہے اور ہم نے اپنی کتاب (الدولۃ المکیہ) میں تحقیق کی ہے کہ حدیث مبارک ”مفاتيح الغيب خمس“ (غیب کی کنجیاں پانچ ہیں) کی غیب کے پانچ چیزوں میں منحصر ہونے پر دلالت نہیں ہے اور اگر غیوب کا پانچ میں انحصار مان بھی لیا جائے پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ حضور کے بہت سارے غلام اور خدام کو غیوب خمسہ کا کثیر علم حاصل ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں بیان کیا ہے اور اس رسالہ (غایۃ المامول) نے بھی خود اس کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اور اگر عموم سلب اعلام مراد لیا جائے تو تناقض سے رستگاری نہیں ہوگی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر سلب عموم مراد لیا جائے تو تناقض نہیں ہوگا اور اس سے کوئی نقصان و ضرر بھی نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے علم ما کان وما یكون کو جس معنی میں ذکر کیا ہے وہ تو غیوب کا بلکہ غیوب خمسہ کا بعض اور بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہے ہم اس کی تحقیق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آئندہ کریں گے۔

ردالجواب رابعاً

رابعاً: اس رسالے کے قول میں التباس و اشتباہ ہے جن آیات کا رسالہ نے ذکر کیا وہ آیات پانچ چیزوں کے حصر پر دلالت کرتی ہیں پھر اس رسالہ نے چار آیات کا

ذکر کیا جو قیامت سے مخصوص و متعلق ہیں اور ان آیات میں سے کوئی آیت بھی اللہ تعالیٰ کے اعلام و بتانے پر مانع نہیں ہے جو اس کے بعد ہے اسے تم آئندہ دیکھو گے۔ اور اس رسالہ نے اس آیت ”ان الله عنده علم الساعة“ (اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے) کا ذکر کیا ہے، ہم نے اس کتاب میں اس آیت کے بارے میں یہ بیان کیا کہ حصر پر اس کی صریح دلالت نہیں ہے ہاں حصر صرف آیہ کریمہ، مفاتیح الغیب میں ہے اس کا جواب ابھی ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے اور تمہارے پاس یہ بیان بھی آئے گا کہ ذات باری تعالیٰ میں جس علم کا حصر ہے اس میں بندوں کو بتانے کی نفی نہیں ہے ورنہ یقینی طور پر تناقض لازم آئے گا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ پھر آیہ کریمہ ”مفاتیح الغیب“ اگر غیوب خسر کے ساتھ خاص بھی ہو جائے تو آیہ کریمہ ”قل لا يعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله“ (تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ کنز الایمان، النمل، ۶۵) میں کوئی خصوص نہیں ہے تو عموم سلب اعلام لازم آئے گا جو قرآن و ایمان کے منافی و مناقض ہے۔ لہذا ہماری تحقیق کی طرف رجوع لازم و واجب ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر و واضح ہو گیا کہ ان میں سے کسی کی دلالت اعلام کی نفی عام پر نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اللہ جل شانہ کے مقدس کلام میں تناقض و اختلاف لازم آنے کا وہم و گمان زائل ہو گیا۔

ردا جواب خامسا

خلاصہ۔ اس رسالہ نے جن آیات کی تناقض سمجھ کر چھوڑ دیا ہے جیسا کہ اس کا بیان گزرا، تو یہ اس مشہور مثل کا مصداق ہے کہ ”اس نے بیماری مجھے دے دی اور چپکے سے نکل لیا“ اور اس رسالہ میں جن کذبوں و بہتانوں کا بیان ہوا وہ سب اس بات کی علامت و نشانی ہیں کہ یہ رسالہ ہی افترا پرداز ہے یا پھر اس میں تحریف و ترمیم کر دی گئی ہے۔

اپنے سوال مذکور کا، مفتری کا آخری جواب

دابع: ائمہ کے کلام اس بات پر صریح دال ہیں کہ قرآن میں جو علوم غیبیہ ہیں

انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ کیا مشابہات کے علم پر اطلاع ممکن ہے یا انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے؟ بہت کم لوگ یہ کہتے ہیں کہ مشابہات کے علم پر اطلاع ممکن ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کی ضعیف روایت سے ہے۔ اور زیادہ تر لوگ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جوان کے بعد ہیں خصوصاً جمہور اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ مشابہات قرآن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سب سے صحیح روایت ہے۔ (یہ اس رسالہ غایۃ المامول کا خود اپنے سوال کا چوتھا اور آخری جواب ہے)

چوتھے جواب کا رد اولاً

اقول، اولاً۔ رسالہ ”غایۃ المامول“ نے اتقان کے کلام سے ”طائفة یسیرة“ کے بعد لفظ ”منہم مجاہد“ کو ساقط کر دیا۔

(الاتقان، نوع ۳۳ فی المحکم و المشابہ)

چوتھے جواب کا رد ثانیاً

ثانیاً۔ رسالہ نے ”وہو رواية عن ابن عباس“ کے بعد قول ”فماخرج ابن المنذر من طریق مجاہد عن ابن عباس فی قوله“ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم“ انا ممن یعلم تاویلہ۔ (یعنی ابن منذر بطریق مجاہد ابن عباس سے اس فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں، اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والوں کو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جو اس کی تاویل جانتے ہیں) کو حذف کر دیا۔

غایۃ المامول کی خیانت کا پتہ

اور عبد بن حمید امام مجاہد سے آیہ کریمہ ”الراسخون فی العلم“ کے بارے میں روایت کرتے ہیں، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے اس کی تاویل جانتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔

ابن ابی حاتم ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ پختہ علم والے ان (مقشبات) کی تاویل جانتے ہیں۔ اگر علماء ان کی تاویل نہ جانیں تو وہ 'ناخ' و 'منسوخ' حلال و حرام اور محکم و مقشبات کو نہیں جان سکیں گے۔ اور احکام کا استخراج ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔
(حوالہ مذکور)

رسالہ مذکورہ کی ایک اور خیانت

کاش رسالہ "وہود و اوبہ" کے مؤلف ابن عباس کے اثر پر اکتفا کرتا اور مجاہد کا اثر "منہم مجاہد" ساقط کر دینے کی بجائے۔ اسے داخل کیا جاتا تو بہتر ہوتا پھر ضحاک کا اثر حذف کر دینا بیشک دوسری خیانت ہے۔

چوتھے جواب کا رد، ثالثا

ثالثا: رسالہ نے "قول الاتقان" کے بعد "واختار هذا القول النووي وقال في شرح مسلم انه الاصح لانه يبعد ان يخاطب الله تعالى عباده بما لا سبيل لاحد الى معرفته" اس عبارت کو ساقط کر دیا ہے۔ یعنی امام نووی کا یہ مختار قول ہے انہوں نے شرح مسلم میں فرمایا کہ یہ اصح ہے اس لئے کہ یہ (عقل و نقل سے) بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز سے مخاطب کرے جس کی معرفت و پہچان کا کوئی سراغ و راستہ کسی کو نہ ملے۔

(الاتقان، نوع ۴۳۔ فی المحکم و المتشابہ)

رد الجواب الرابع رابعا

رابعا: رسالہ نے اس کے بعد "وقال ابن الحاجب انه الظاهر" کی عبارت بھی ساقط کر دی ہے۔ یعنی ابن حاجب نے فرمایا کہ یہ ظاہر ہے۔

(حوالہ مذکور)

رد الجواب خامسا

خامسا: رسالہ نے دعویٰ کیا کہ ابن عباس کی وہ روایت ضعیف ہے اور اتقان کے قول کے خلاف ”اصح الروایات“ کہہ کر حوالہ دے دیا حالانکہ یہ حوالہ رائج و مشہور نہیں ہے۔ اس لئے کہ ”اصح الروایات“ ابن عباس کی روایت ضعیفہ کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ”اصح الروایات“ سے اس کی صحت پر دلالت ہے۔ بسا اوقات ضعیف چند ضعاف کے درمیان اقل ضعف کے معنی میں آتا ہے اور کبھی صحیح چند صحاح کے درمیان اقویٰ صحت کے معنی میں آتا ہے بلکہ یہ لفظی اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے اور رسالہ کو یہاں پر (ص: ۱۸) کا اپنا قول مذکور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ذکر کرنا چاہیے تھا کہ علم عربیہ میں یہ ثابت و مقرر ہو چکا ہے کہ اسم تفضیل کا معنی یہ ہے کہ مفضل، مفضل علیہ میں شریک ہوتا ہے اس معنی میں زیادتی کے اختصاص کے ساتھ جو اسم تفضیل کے مصدر سے مشتق و ماخوذ ہوتا ہے۔

لفظ اصح حدیث، تصحیح میں صریح نہیں ہوتا ہے

امام ترمذی ’علل کبریٰ‘ میں فرماتے ہیں عمرو بن عوف مزی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدین میں تکبیر کہی، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس باب میں اس سے زیادہ اصح حدیث نہیں ہے۔

(ترمذی، علل الکبریٰ، باب ۷ فی النوافل)

ابن قطان ”کتاب الوہم والایہام“ میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تصحیح میں صریح نہیں ہے۔ امام بخاری کا قول ”اصح شئی فی الباب“ کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں یہ حدیث صحیح سے زیادہ مشابہ ہے اور ضعف میں کم درجہ پر ہے۔

(کتاب الوہم والایہام، ابن قطان، حدیث: ۲۶۲)

قرآن کے متشابہات

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہیں

رد الجواب المذکور سادساً

سادساً: امام ہمام فخر الملة والاسلام علی بزودی قدس سرہ اپنے ”اصول بزودی“ میں: ”باب شرايع من قبلنا“ سے پہلے بحث سنت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علوم و معارف میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ حضور کے لیے متشابہات قرآن واضح و عیاں ہو گئے جبکہ دوسرے پر مخفی و پوشیدہ ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام پر معانی نص کا مخفی رہنا محال ہے ورنہ نزول وحی کا فائدہ مرتب نہ ہوگا۔ (اصول المزدی، تقسیم السنۃ فی حق النبی)

امام عبدالعزیز بخاری اصول بزودی کی شرح ”کشف الاسرار“ میں فرماتے ہیں کہ شیخ بزودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں پر ذکر فرمایا ہے کہ متشابہات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے واضح و روشن ہیں غیر کے لئے نہیں۔ اسی طرح امام شمس المائتہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ظاہر کتاب کے خلاف ہے اس لئے کہ اگر ”وما یعلم تاویلہ الا اللہ“ پر وقف واجب ہو جیسا کہ یہ سلف و شیخین کا مختار ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ متشابہات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں جانتے ہیں جس طرح حضور کے علاوہ دوسرے لوگ انہیں نہیں جانتے اور اگر ”والسرا سخون فی العلم“ پر وقف ہو جیسا کہ یہ خلف کا مختار ہے تو

اس سے یہ لازم آئے گا کہ مشابہات کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ انہیں دوسرے علماء راسخین بھی جانتے ہیں۔ بہر دو صورت اگر مشابہات کا علم حضور علیہ السلام کو ہو اور دوسرے راسخین کو نہ ہو تو ہر اعتبار سے یہ دلالت نص کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ”الا اللہ“ پر وقف کی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تعلیم الہی کے بغیر مشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے اللہ کے سوا، اس کی نظیر یہ آ یہ کریمہ ہے

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل، ۶۵)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(کنز الایمان)

یعنی تعلیم الہی کے بغیر غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔ اس وقت لفظ ”الا“، ”غیر“ کے معنی میں ہو جائے گا۔ جب معاملہ ایسا ہوگا تو یہ جائز ہے کہ تعلیم الہی حضور علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسرے کے لیے بیان کی اجازت نہ ہو لہذا دوسرے کے حق میں مشابہات غیر معلوم ہی رہیں گے۔

اعتراض

آیت یہ چاہتی ہے کہ اللہ عزوجل پر ہی مشابہات کا علم مقصور ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الہی سے مشابہات کے عالم ہوں گے جبکہ آیات مشابہات اس آیت (لا يعلم تاویلہ الا اللہ) کے نزول سے پہلے نازل ہوئی ہیں تو حصر درست نہ ہوگا اس لئے یہ کہا مناسب و بہتر ہوتا ”و ما يعلم تاویلہ الا اللہ و رسولہ“ مشابہات کی تاویل اللہ و رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جواب

یہ جائز ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعلیم الہی حاصل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام تشابہات کو نہیں جانتے تھے اس اعتبار سے ذات باری تعالیٰ میں علوم تشابہات کا حصر و ما یعلم تاویلہ الا اللہ میں درست و صحیح ہو جائے گا۔
اور آیت دلالت کرتی ہے کہ علم تشابہات کا حصر ذات باری تعالیٰ پر اور ان پر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تاویل کا علم عطا فرمایا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علماء راہ حقین کو۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ وہ آیت

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ پر علم غیب کا حصر ثابت کرتی ہے جبکہ یہ ممنوع نہیں ہے کہ تعلیم الہی سے غیر اللہ کو علم غیب حاصل ہو جائے جس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے۔
عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ

(الحج: ۲۶)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔
(کنز الایمان)

اللہ عزوجل کے ساتھ علم غیب کی تخصیص کے باوجود یہ ثابت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے برگزیدہ رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے اسی طرح علم تشابہات اور ان کی تاویل کی ذات باری تعالیٰ سے تخصیص کے باوجود یہ جائز ہے کہ وہ حضور سرور کو نبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علماء راہ حقین کو ان کا علم و تاویل عطا فرمائے۔

(کشف الاسرار عن اصول البر و دنی، باب تقسیم النہ فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ان روشن و خوشگوار کلمات کو دیکھو جو تمہیں تمام مباحث دائرہ میں فائدہ دیں گے اور نظر گہری رکھو اور غور و فکر کرو تمہاری فہم و فراست درست ہو جائے گی اور تمہارا دہم ظاہر ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ اپنی کتاب ”المطالب الوفیہ“ جو عقائد اسلامیہ

marfat.com

کے احکام و مسائل پر مشتمل ہے اس میں فرماتے ہیں کہ تشابہات میں سے بُد اور عین وغیرہ ہیں، لہذا تمام تشابہات پر ایمان و یقین رکھنے اور تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ لفظ سے جو ہماری سمجھ میں آئے اسے ہم ظاہر پر محمول نہ کریں اور نہ ان کا معنی حقیقی مراد لینے سے ان کی کوئی تاویل ہو جن کا معنی حقیقی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اللہ کے بتانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔

علامہ مدق صاحب در مختار ”اقاضۃ الانوار علی متن المنار“ میں فرماتے ہیں کہ تشابہات کی تاویل و مراد جاننے کی امید ہمارے حق میں ختم ہو چکی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں نہیں۔ (اقاضۃ الانوار، رقم الكتاب ۹۲)

اور ”نور الانوار“ میں ہے کہ قرآن عظیم کے تشابہات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہیں انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ جل جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(نور الانوار، بحث المتشابہات)

فاضل محمد از میری ”مرواۃ الوصول الی مرآۃ الاصول“ میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الہی سے تشابہات کو جانتے ہیں تو یہ کہنا مناسب و بہتر ہے کہ اس میں حضور سے کوئی نقص نہیں ہے اور اس میں کوئی نزاع بھی نہیں لہذا عدم علم کی دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں جاری نہیں ہوگی۔

قاضی بیضاوی ”انوار التنزیل“ میں سورتوں کے ابتدائیہ یعنی حروف مقطعات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ تقریباً ایسی ہی روایت خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ہے۔ اور شاید صحابہ نے یہ مراد لیا کہ یہ حروف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان راز و نیاز ہیں اور یہ ایسے رموز و اسرار ہیں جنہیں دوسرے کو سمجھنا مقصود نہیں۔ اگر یہ راز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہوں تو پھر خطاب و مخاطب غیر مفید ہو جائے گا۔ (انوار التنزیل، البقرة آیت ۱)

امام خفاجی فرماتے ہیں کہ بعض نسخے میں ”استائرہ اللہ بعلمہ“ ہے اور ضمیر (ح) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اور (با) مقصود پر داخل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے علم سے مکرم و معزز فرمایا دوسرے کو نہیں یعنی مقطعات کا علم صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس معنی کو اکثر سلف اور محققین نے پسند کیا ہے۔ (عنایۃ القاضی، تحت الم) ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالحی کی ”فوائد الرحمت شرح مسلم الثبوت“ میں ہے کہ

امام فخر الاسلام بزودی اور امام شمس الائمہ دونوں نے مسئلہ تاویل کے علم کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے لئے خاص کر دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ لائق و درست ہے ایسا اس لئے ہے کہ فہم مخاطب کے خلاف خطاب کرنا جناب باری تعالیٰ کے لائق شان نہیں ہے۔

(فوائد الرحمت شرح مسلم الثبوت ۲، بیان مسئلہ فیہ ۱، الفہم)

متشابہات قرآن کے بارے میں دوسرے اقوال

چوتھے جواب کا رد

سابعاً: امام ابن الھمام کی ”تحریر الاصول“ اور اس کی شرح ”التقریر والتحیر“ تصنیف امام ابن امیر الحاج رحمہما اللہ تعالیٰ میں ہے کہ اکثر شافعیہ ادراک متشابہ کے امکان پر اس بات پر متفق ہیں کہ وہ دنیا میں متشابہ ہے، احناف اس کے خلاف ہیں۔
(شرح التحریر، القسم الثالث مقابل القسم الثانی)
اسی میں اور ”کشف البرز ودی“ اور امام (عبدالعزیز حنفی) بخاری کی ”تحقیق علی الحسامی“ میں ہے

اکثر متاخرین اس بات پر ہیں کہ علماء رافضیہ متشابہ کی تاویل کو جانتے ہیں۔
کشف بزودی میں یہ اور زائد ہے کہ کیا یہ کہنا درست و جائز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متشابہات کو نہیں جانتے تھے؟ اور فرمان الہی، ”وما یعلم تاویلہ الا اللہ“ کے باوجود جب یہ کہنا جائز و درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متشابہ کو جانتے تھے تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ صحابہ کے علماء ربانین بھی اسے جانتے تھے۔
(کشف الاسرار، ص ۲۱۲ تعریف المتشابہ)

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں متشابہ کے بیان میں ہے۔
متشابہ کی مراد کا ادراک نہ عقل سے ہوگا نہ نقل سے بلکہ اگر کسی کو اس کا علم ہوگا تو

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے مشاہدہ سے ہوگا جیسے حروف مقطعات، یس، عین، نزول کے معانی مراد۔ (فواح الرحمن ج ۲ ص ۲۲ تقسیمات فی ان نظم القرآن)

امام محمد بن سلیمان قدسی جو ابن نقیب حنفی سے مشہور ہیں کی تفسیر ”مقدمۃ التحریر والتحیر“ سے اتقان میں منقول ہے کہ علوم قرآن تین نوعوں پر ہیں۔

نوع اول: ایک علم وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی اور یہی وہ علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے لئے مخصوص فرمایا ہے جیسے اسرار کتاب کے علوم، کمنہ ذات کی معرفت، حقائق اسماء و صفات کی معرفت، ان علوم غیبیہ کی تفصیلات جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان علوم الہیہ میں کسی کو کسی اعتبار سے اجماعاً کلام کرنا جائز نہیں۔

نوع ثانی: کتاب کے اسرار و رموز میں سے کچھ علم وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا اور یہ علم حضور ہی کے ساتھ خاص ہیں حضور کے علاوہ دوسرے کو ان علوم میں کلام کرنا جائز نہیں یا جس کو ان پر کلام کرنے کی اجازت مل جائے۔ اور حروف مقطعات اسی قسم ثانی سے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حروف مقطعات قسم اول سے ہیں۔

نوع ثالث: کچھ علوم وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے اور یہ جلی و خفی معانی کے وہ علوم ہیں جو کتاب مقدس میں بطور ودیعت موجود ہیں۔ اور ان کی تعلیم کا بھی حکم ہے اور یہ دو قسموں پر ہیں۔

قسم اول: وہ علم ہیں جن میں مع کے خلاف کلام کرنا جائز نہیں وہ علم یہ ہیں جیسے اسباب نزول، نسخ و منسوخ، قرأت و لغات، اہم سابقہ کے حکایات اور قصے، آئندہ ہونے والے حوادث کی خبریں، حشر و معاد۔

قسم دوم: وہ علم ہیں جو الفاظ سے نظر و استدلال کے طریقے سے ماخوذ ہوں اور ان میں استنباط و استخراج کے طریقے کا بھی دخل ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ علم ہے جس کے جواز میں اختلاف ہو جیسے صفات کے بارے میں جو آیات متشابہات ہیں ان کی تاویل کا علم۔

دوسری قسم: وہ علم ہے جس پر اتفاق ہو جیسے احکام اصلیہ و فرعیہ اور اعرابیہ کے استنباط و استخراج کا علم، ان کی اساس و بنیاد قیاسات پر ہے۔ اسی طرح فنون بلاغہ، مواعظ و حکم اور اشارات کی قسمیں ہیں مجتہد کے لئے ان علوم کا استنباط و استخراج ممنوع نہیں۔

(الاتقان ۲ نوع ۳۷۲ فی معرفۃ شروط المفسر و آداب)

اتقان میں صراحت ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور امام سیوطی کا یہ مختار و پسندیدہ ہے کہ مقطعات وہ اسرار و رموز ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ امام شعی کے قول سے استدلال و استشہاد کرتے ہیں کہ ہر کتاب کا ایک راز ہے اور اس قرآن کا راز حروف مقطعات ہیں۔ (الاتقان ۲ نوع ۴۳)

اقول، تم جانتے ہو کہ متشابہات کی دلالت اعلام عام کے عدم پر ہے نہ کہ اعلام کے عدم عام پر۔ اور جو رموز محبت و محبوب کے مکتوبات میں جاری و رائج ہیں ان کو اسرار کہتے ہیں یعنی ان اسرار پر محبت و محبوب کے علاوہ کوئی آگاہ و مطلع نہیں ہوتا نہ کہ محبوب بھی انہیں نہ سمجھے جن سے اس کو خطاب کیا گیا ہے یعنی ان رموز و اسرار کو محبوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے انوار التزیل، نور الانوار اور فواحی الرحمن کا بیان گزرا۔

پھر امام سیوطی فرماتے ہیں کہ متشابہات کے معنی میں دوسرے لوگوں نے بھی غورو خوض کیا ہے اور اکثر نقلیں جو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول و مروی ہیں وہ دس قسموں پر نمایاں ہیں اور روایات کی کثرت ہی سے ابن عباس کی ان روایات و نقول کی تضعیف زائد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کی روایتیں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور کچھ صحابہ اور حسن، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، محمد بن کعب قرظی، ربیع بن انس اور سفیان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں اور امام مجاہد کا ذکر تو اوپر گزرا ہی ہے۔ پھر ان روایات و نقول کی موجودگی میں ان سب لوگوں کی طرف یہ اختساب کیسے

کیا جائے کہ یہ لوگ مذہب اہل سنت سے غافل رہے اور بدعت کا قول اختیار کیا؟
 والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ لوگ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہیں اور ائمہ و اکابر میں سے وہ
 لوگ ہیں جن کا ذکر وجوہ سابقہ میں گزرا جیسے ائمہ شافعیہ میں سے امام نووی، امام
 بیضاوی اور مالکیہ کے امام ابن حاجب۔ اور ائمہ احناف میں سے امام فخر الاسلام وشمس
 الائمہ اور صاحب کشف اور وہ تمام جلیل القدر علماء و جمہور تابعین جن کے اقوال ہم نے
 نقل کئے اور امام ہمام عالم قریش امام (مطہبی) شافعی نیز دیگر اکثر شافعیہ ہیں۔ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہم۔
 (الاتقان ۱۔ نوع ۴۳)

عقدوں کے حل میں نفیس بیان

غایۃ المامول کے دفع رابع کا آٹھواں رد

ثامنا: جمہور سلف نے فرمایا کہ قشایہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جمہور نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا اور اب امام سیوطی اور امام بدرالدین زرکشی رحمہما اللہ تعالیٰ سے جمہور کے قول کا مطلب و معنی سنو۔

امام سیوطی اتقان میں نوع ۸ کے آخر میں فرماتے ہیں ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تفسیر چار طریقوں پر ہے۔

- ایک تفسیر وہ ہے جسے عرب والے اپنے کلام سے جانتے ہیں۔
 - دوسری تفسیر وہ ہے جس کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں۔
 - تیسری تفسیر وہ ہے جسے علماء کرام جانتے ہیں۔
 - چوتھی تفسیر وہ ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔
- اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک مرفوع روایت سند ضعیف سے ان لفظوں میں ہے کہ قرآن مقدس چار حرفوں پر نازل ہوا ہے۔
- ۱۔ حلال و حرام کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں۔

۲۔ عرب والوں کی تفسیر۔

۳۔ علماء کی تفسیر۔

۴۔ قشایہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔

امام بدرالدین زرکشی ”برہان“ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم درست و صحیح ہے مگر جسے اہل عرب جانتے ہیں وہ علم لغات اور علم اعراب ہیں اور جس کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی فہم و دانائی ان نصوص کے معنی کی معرفت کی طرف سبقت کرے جو نصوص شریعت کے احکام اور توحید کے دلائل پر مشتمل ہیں اور ہر وہ لفظ جس کا ایک ہی واضح معنی ہو اور معلوم ہو کہ یہی معنی اللہ کی مراد ہے، یہ وہ قسم ہے جس کی تاویل میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے۔ اور وہ تفسیر جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ علوم غیبیہ کے قائم مقام ہے جیسے وہ آیات جو قیام قیامت پر مشتمل ہیں اور روع و حروف مقطعات کی تفسیر اور اہل حق کے نزدیک قرآن عظیم میں جو قشایہات ہیں ان کی تفسیر میں اجتہاد کا کوئی پہلو نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی راستہ ہے مگر قرآن یا حدیث کی کوئی نص اس کے بیان پر موجود ہو یا اس کی تاویل پر اجماع امت ہو۔ اور وہ تفسیر جسے علماء کرام جانتے ہیں وہ احکام و مسائل کا استخراج و استنباط ہے۔ (الاتقان ۲، ص ۱۸۲۔ نوع ۷۸)

اور عالم قریش سیدنا امام مطہری شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”مختصر بوہلی“ میں واضح فرمادیا ہے کہ روایات ماثورہ اور توقیفی بیان کے بغیر قشایہات کی تفسیر کرنا حلال نہیں۔ اور اس سلسلے میں ایک صحابی سے مروی ایک حدیث کا اضافہ بھی کیا ہے جیسا کہ اتقان میں ہے۔ (الاتقان ۲، ص ۱۸۲۔ نوع ۷۸)

پھر دیکھو کہ جس علم کو صرف اللہ عز و جل ہی جانتا ہے اس کے حصول کا طریقہ ائمہ کرام نے یہ مقرر کیا ہے کہ اللہ و رسول کی طرف سے اس کا بیان وارد ہونا ضروری ہے۔

ورنہ صرف طلب و جستجو سے امت کو وہ علم حاصل نہ ہوگا۔ اگر کسی علم کی تاویل پر اجماع امت ثابت ہو تو اس سے بھی مدعا حاصل نہ ہوگا کیونکہ اجماع کاشف ہے مثبت نہیں۔ اور ائمہ کے لئے ایسے مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں جس میں اجتہاد کا کوئی پہلو اور راستہ نہ ہو۔ اور اگر ”لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ“ کا مطلب اعلام کی نفی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا بیان اور عدم اعلام دونوں کیسے جمع ہوں گے؟ یہ تو خالص اجتماع نقیضین ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس چیز کو بیان کرنا کیسے درست و صحیح ہوگا جس میں رب تعالیٰ کا اعلام نہیں ہے پھر تو یہ قول صادق آئے گا کہ عطاء رب کے بغیر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم میں مستقل ہیں اور یہ کفر ہے۔ اور اللہ و رسول کی طرف نسبت کئے بغیر امت کا اجماع وہاں کیسے ممکن ہوگا جہاں پر رائے کا کوئی دخل نہیں پھر تو پوری امت فرمان الہی ”ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون“ (یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کنز الایمان) کے تحت داخل ہو جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر جمع ہونے سے اس امت کو محفوظ فرمایا ہے۔ اور نیز امت مرحومہ جب اجماع کرے گی تو اس کا اجماع حجت و سند ہوگا۔ لہذا یہ فرض کر لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعلام کی نفی منقول نہیں، تو اعلام حاصل ہو جائے گا اب یہ کہنا واجب و لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر مشابہات کی مراد کوئی بھی اپنی عقل و فکر اور قیاس و نظر سے نہیں جان سکتا، تمام غیوب کی یہی شان ہے۔ لہذا مقصد و مدعا واضح ہو گیا اور ادھام زائل و باطل ہو گئے۔ والحمد للہ الملک العلام۔

رسالہ مذکور کے دفع رابع کا نواں رد

تاسعاً: ہم نے امام سیوطی سے جو نقل کیا وہ تمہارے لئے ظاہر ہے کہ ابن جریر کی یہ مرفوع روایت ”انزل القرآن اربعۃ احرف الخ“ (قرآن چار حرفوں پر نازل ہوا ہے) ضعیف ہے۔ (الاتقان ۲، ص ۱۸۴، نوع ۷۸)

لیکن اس افترا پرداز رسالہ نے اس پر پردہ پوشی کی کوشش کی ہے، اس کی پردہ پوشی محض سے یہ ہے کہ اس نے (ص ۱۳ پر) امام سیوطی کا وہ قول حذف کر دیا جسے ابن جریر نے روایت کیا ہے تاکہ ابن جریر کی روایت کی طرف کوئی شخص رجوع نہ کر سکے اور اس رسالہ کے خوف کی عجلت اور اس کا عیب ظاہر نہ ہو جائے، حالانکہ ابن جریر (اس رسالہ کے ایراد و اظہار سے) پہلے ہی اس سے بری الذمہ ہو گئے ہیں اور فرمایا کہ اس کی سند میں نظر ہے۔

اور میں نے صرف امام سیوطی کے کلام میں لفظ "بسنده ضعیف" دیکھا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القا فرمایا کہ یہ ابوصالح سے مروی، کلبی کی روایت ہوگی پھر جب میں نے تفسیر ابن جریر کی طرف رجوع کیا تو وہ روایت بعینہ ویسی ہی تھی۔ واللہ الحمد اور ابوصالح جرح کے فساد و ہلاکت سے محفوظ نہیں ہیں اور کلبی کا حال مکشوف و معروف ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب ابوصالح و کلبی دونوں سے تیسرا آدمی صدی صغیر مل جائے تو وہ جھوٹ کا تسلسل ہو جاتا ہے۔ علی بن مدینی صحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو ذکر کرتے ہوئے سنا کہ سفیان نے فرمایا کہ، کلبی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوصالح نے یہ کہا کہ میں جو تم سے بیان کروں وہ جھوٹ ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی، یحییٰ، سفیان فرماتے ہیں کہ کلبی نے ہم سے یہ کہا کہ میں جو تم سے ابوصالح کی روایت بیان کروں تو وہ کذب ہے۔ اور اس سند کو جو تم دیکھ رہے ہو کہ وہ انتہائی صحیح اور عمدہ ہے، کلبی سے اس کے ثبوت میں کوئی شخص نہیں ہے پھر اگر وہ جھوٹا ہو تو وہ تو جھوٹ ہے ہی اور اگر اس میں وہ صادق ہو پھر بھی وہ جھوٹ ہے، جو بھی ہو گا وہ سب کا سب ساقط ہو جائے گا۔ لہذا عالم کے لئے ایسی تدلیس کس طرح حلال و جائز ہوگی اور ایسی روایات قرآن عظیم کے مسمولات کے معارض ہو جائیں گی۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

عاشرا: انسان جب نظر و فکر کے طریقے میں خطا و غلطی کرتا ہے تو وہ ایسی چیز

لاتا ہے جیسے گھیرا بنانے والے کی بچی ہوئی گھاس سوچی روندی ہوئی۔ بات یہ ہے کہ قرآن مقدس ہر چیز کا واضح بیان ہے اور لوح محفوظ کے مکتوبات و مندرجات شکی ہیں تو قرآن ان سب کا بیان ہوگا اور لوح کے مکتوبات میں ماکان و مایکون بھی ہیں۔ اس رسالہ نے اس سے نکلنے کا حیلہ تراشا اور بہانہ بنایا اس سے پہلے تم نے جو سنا کہ ”قرآن متناہی ہے تو وہ غیر متناہی کی تفصیل تو کیسے محیط ہوگا اور جب پورا قرآن تفصیل نہیں تو اس میں غیوب خمسہ کے داخل ہونے کا یقین کیسے ہوگا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن میں ہر ایک شے کی تفصیل ہے پھر بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کے تمام علوم کو جانتے ہیں کیا تم نے مشابہات کے بارے میں اقوال نہیں دیکھے؟“ یہ اس کلام کا خلاصہ ہے جو یہاں پر طوالت کے ساتھ مذکور ہے۔

یہ سب کا سب ندائے بعید کے مانند ہے، ذات و صفات کی کنہ و حقیقت اور وہ تمام غیوب جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور جملہ غیر متناہی جیسا کہ ابن نقیب کی روایت سے گزرا اور آئندہ اس کی تائید آئے گی۔ ان سب کو اگر قرآن کریم کے بطون شامل ہوں پھر بھی اس بات میں شک و شبہ نہیں کہ قرآن مقدس میں ایسے علوم ہیں جنہیں خلق خدا میں کوئی نہیں جانتا، اگر چاہو تو ان علوم کی شرف مشابہات کی نسبت کر دو اور اگر یہ کافی نہ ہو تو مشابہات کے علاوہ دوسرے کو ملانا چاہو تو ملا لو پھر اس کے بعد جو بھی ایسا ہو اسے علوم غیر معلومہ سے ملا لو۔ اس وقت یہ ثابت و حاصل ہوگا کہ قرآن کے بعض علوم معلوم نہیں ہیں لیکن اس سے جائے فرار نہاں جس کی شہادت قرآن عظیم نے دی ہے کہ قرآن کریم نے حضور سرور کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لوح محفوظ کے تمام مکتوبات و مشمولات بیان کر دیئے ہیں۔ اب یہ ثابت و واضح ہو جائے گا کہ یہ سب قرآن کے قدر معلوم میں داخل ہیں مشابہات کا تمہیں علم ہو یا نہ ہو۔

حاصل یہ کہ اس رسالہ (غایۃ المامول) پر یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ روز اول سے روز آخر تک کی بعض ہونے والی چیزوں کا ذکر صرف مشابہات میں ہے اور مشابہات

معلوم نہیں ہیں لہذا ان ہونے والی چیزوں سے علم کا احاطہ نہ ہونا لازم آئے گا، لیکن اس رسالہ نے یہ ثابت نہیں کیا اور ہرگز ثابت نہیں کرے گا اور نہ ثابت کر سکتا ہے، تو پھر سید کائنات علیہ علی آلہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کے احاطہ علم سے مقشابت کو نکالنے سے کیا فائدہ ہوا؟

اور اس سے تمہارے لئے اس کا سقوط ظاہر ہو گیا جو اس رسالہ نے (ص ۱۳ پر) تفسیر مری کے قول سے استدلال کیا کہ قرآن نے اولین و آخرین کے علوم کو جمع کر لیا ہے اس طرح سے کہ درحقیقت قرآن ان علوم کو محیط نہیں ہے مگر جس نے قرآن نازل فرمایا اس کے علوم سب کو محیط ہیں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم بھی سب کو محیط ہیں ان علوم کے علاوہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے لئے مخصوص فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن علوم کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے یہ ان علوم کے علاوہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بیان فرما دیا ہے یہی علوم لوح محفوظ میں ہیں۔ ہم نے تمہیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے علوم جو ہر ذرے ذرے سے متعلق ہیں غیر متناہی ہیں چہ جائیکہ جو تمام اولین و آخرین سے متعلق ہیں۔ اور لوح محفوظ میں ہر شئی ودیعت ہے اور شئی موجود کو کہتے ہیں۔ اور وجود، غیر متناہی بالفعل کو حاوی نہیں ہے۔

اور اس رسالہ کا وہ استناد (ص ۱۳ پر) ضعیف ہو گیا جو قاضی ابوبکر بن عربی کی ”قانون التاویل“ کے اس قول سے کیا ہے کہ قرآن کے علوم کلمات قرآن کے عدد کے مطابق ۴۵۰۷۷ ہیں انہیں جب چارہ میں ضرب دیا جائے (اس لئے کہ ہر کلمہ کا نکاح، باطن، حد، مطلع ہے ہر کلمہ کے چاروں علوم کو ۴۵۰۷۷ میں ضرب دیا جائے) تو ۳۰۹۸۰۰ حاصل ہوں گے اور یہ تعداد تو مطلق ہے ترکیب اور کلمات کے درمیان روابط کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، ان کا تو شمار ہی نہیں اور نہ اللہ کے سوا انہیں کوئی جان سکتا ہے۔“

اس کا جواب، و طریقے سے دیا گیا ہے۔

اول۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو ہم نے ”لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ“ کے معنی کی

توضیح میں امام شافعی، امام زرکشی اور امام سیوطی کے کلام سے بیان کیا۔ اور دوسری بات یہ ہے جو ابھی ابھی تمہیں معلوم ہوئی کہ جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے مخصوص فرمایا ہے وہ قطعاً بیان شدہ نہیں ہیں تو ان علوم میں سے کچھ بھی ماکان و مایکون میں سے نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس رسالے کی بیماری ہی یہ ہے کہ اس نے ہمارا مقصود و مدعا سمجھا ہی نہیں تو اس کا حال تو ایسا ہو گیا جیسے کوئی اپنے ساتھی سے تیر اندازی کا مقابلہ کرے پھر وہ اپنے ساتھی کے پیچھے کی طرف تیر پھینکے اور سامنے کی طرف تیر پھینکنے سے انجان بنا رہے تو کیا اس کے تیر اس کے ساتھی سے دوری میں اضافہ کر دیں گے، ہرگز نہیں، (یعنی اس رسالہ میں یہ مثال بھی درست نہیں) بلکہ اس رسالے کے تیر اسی کی کوہان میں لگتے ہیں جیسا کہ ابھی عنقریب توفیق الہی سے دیکھو گے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

من اراد العلم فعليه بالقرآن فان فيه خبر الاولين والآخرين۔
جو علم کا ارادہ کرے وہ قرآن کو لازم کر لے اس لئے کہ قرآن میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں

امام بیہقی نے اس قول کے لفظ ”العلم“ کی تفسیر ”اصول العلم“ سے کی ہے۔
اس سے اس رسالہ نے (ص ۱۳ پر) یہ استدلال کیا کہ قرآن کریم ایسے علوم پر مشتمل ہے جن کا حصر و احاطہ نہیں اور یہ علوم بعض میں تفصیلی ہیں اور بعض میں اجمالی۔

اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس رسالہ نے جس لغو و فضول کلام کا دعویٰ کیا اس کا اس مقام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اجمال و بیان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں حالانکہ قرآن بر شکی کا روشن بیان ہے تو قرآن میں لوح محفوظ کی کوئی بھی ثابت شدہ وہ شئی نہیں ہوگی جس کے لئے سوچا گیا ہے کہ وہ اجمال کے دامن میں داخل ہے بلکہ اگر یہ اجمال مان بھی لیا جائے تو وہ دوسرے علوم میں ہوگا مگر یہ کہ بیہقی نے ”اصول“ سے جس کی تخصیص کی ہے اس سے اس نے استدلال کرنا چاہا ہے۔ اور جب ”العلم“ سے

اصول علم مراد لیا جائے تو قرآن فروعیات کو شامل نہ ہوگا یا فروعیات کو قرآن مستوعب نہ ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ فروعیات کا علم، اصول کا محتاج ہوتا ہے بلکہ فروعیات کے علم کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر فروعیات ہی قرآن کی تفصیل کو مستوعب ہو جائیں تو اصول کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ رہے گی جب تو فروعیات اجمال میں داخل ہو جائیں گے جو اصول کے تحت درست و ثابت ہیں پھر تو قرآن ہر شئی کا بیان نہیں ہوگا۔ اگر اس کی یہ مراد ہے تو یہ اس ابہام کا بیان ہے یا جس کی فکر اس کی مراد تک نہ پہنچے اور جسے نہ جانے اس کے لئے اعلام ہے۔

قول بیہقی، کہ قرآن میں اصول علم ہیں، کی عمدہ تحقیق

اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں، میری عمدہ تحقیق کو غور سے سنو اس کو سمجھنے سے سینے کے درجے کھل جائیں گے اور قدرت کی توفیق سے پردے ہٹ جائیں گے۔
علم سے مراد فنون ہیں یا ماضی و مستقبل کے اعیان خارجیہ کا ادراک۔
اور اصل وہ ہے جس پر غیر کی بنیاد رکھی جائے۔

● تکوین میں ہے کہ اصل، قانون اور دلیل کو کہتے ہیں۔

● احیاء میں ہے کہ اصل، کثیر غالب کو کہتے ہیں۔

اقول، حکم اولیٰ، جیسے ہمارا قول، اشیاء میں اصل بابت ہے اور وضع میں اصل تحریم ہے۔
اور مطلوب اولیٰ، جیسے ان کا قول، قسم میں اصل پورا کرنا ہے اور طہارت میں اصل پانی ہے۔

اور عارض اول، جیسے ان کا قول، اصل بکارت ہے اور اولاد آدم میں اصل افلاس و

محتاجی ہے۔

اور اگر شئی اپنی طبیعت سے جدا ہو جائے تو وہ اسی پر رہے گی، جیسے تیرا قول، اجسام میں اصل سکون ہے لیکن اجسام کی حرکت تو حیز و مقام کے نہ ہونے یا کسی کے مجبور کرنے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ نفس متعلقہ سے ہے جیسے حرکت ارادیہ۔

اور یہ معلوم ہے کہ شئی کی حالت کا علم اس علم کی فرع ہے اس لئے کہ اس علم پر فرع کی بنیاد ہے۔ اور کثیر غالب یعنی مخلوق کے علم میں اصل شئی کے احوال سے ان احوال کا

علم ہے جو بالفعل موجود ہیں۔ اور ان احوال میں سے لوازم وجود ہیں۔ اور ان میں سے عوارض اولیہ ہیں اگرچہ متفرق و علیحدہ ہوں۔ اور ان احوال میں سے طبیعتوں کے مقتضیات ہیں، اور کبھی حالت ممکنہ موجود استعداد کی فرع ہوتی ہے۔ اور اگر موجود، حالت موجودہ سے متصف نہ ہو تو اس حالت کا اتصاف حالت ممکنہ سے ممکن نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ممکن کے کسی حالت سے خالی ہونے کا امکان نہیں اور واجب میں کسی حالت کا امکان نہیں۔ تو ظاہر ہو گیا کہ اصول علم، اعیان کے ادراک میں ان کی ذوات اور ان اعیان کے احوال موجودہ کا ادراک ہے۔ علم شئی کی حالت کا ہوتا ہے نہ علم شئی کی حالت ہے، علم جو ایک شئی ہے اس میں شئی کی حالت داخل نہیں۔ یہ مراد تین قسموں پر منحصر ہے۔

۱۔ اصول فنون، جیسے اصول فقہ، حدیث اور اصول عربیہ وغیرہ۔

۲۔ ذوات اشیاء کا علم۔ یا

۳۔ ذوات اور ان کی بالفعل موجود حالات کا علم۔

اور قرآن سے مراد صرف اس کا ظاہر ہے یا باطن کے ساتھ ظاہر مراد ہے۔ اور اصول کی تخصیص اس لئے ہے کہ قرآن عظیم میں یہی واضح ہیں فروع نہیں۔ تو فروع میں عموم سلب ہوگا اور اصول میں ایجاب جزئی۔ خواہ یہ اصول ایجاب جزئی میں پائے جائیں یا سلب جزئی کے ساتھ۔ یا اصول کی تخصیص اس لئے ہے کہ کتاب عزیز میں اصول ہی مستوعب ہیں فروع نہیں۔ تو فروع میں سلب عموم ہوگا جو عموم سلب اور ایجاب جزئی سے عام ہے اور اصول میں ایجاب کلی ہے۔ یہ بارہ صورتیں ہیں تینوں میں سے ہر ایک میں چار صورتیں ہیں مگر شق اول یعنی اصول فنون مراد لینا دو وجہوں سے باطل ہے۔

اول، کلام اس بات پر ہے کہ قرآن عظیم میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں جیسے عادیثہ اور یا جوج و ما جوج کے نکلنے کی خبریں۔

ثانی، اصول فنون کی مراد مذکورہ چاروں وجہوں سے درست نہیں اس لئے کہ قرآن کریم کا ظاہر تمام اصول کو مستوعب نہیں ہے اور فروعات سے خالی بھی نہیں۔ اور

قرآن مقدس کا باطن غیب ہے اور غیب پر اس چیز کا حکم لگایا نہیں جاتا جو ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھنا ہو جائے گا اور فروع کا عموم سلب خود ہی باطل ہے ان کے سلب عموم پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔ اور وہ حوادث جو حکم شرعی کے محتاج ہوتے ہیں وہ ختم دنیا سے منتہی ہو جائیں گے بلکہ اس قول پر اس سے پہلے ہی کہ، کفار فروعیات کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور ان علوم کے غیر متناہی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کے علاوہ غیر متناہی ہیں کہ افراد کا غیر متناہی ہونا ان احکام کے غیر متناہی ہونے کو مستلزم نہیں جو افراد سے متعلق ہیں۔ کیونکہ احکام کلیہ وہ قوانین ہیں جو جزئیات غیر متناہیہ پر عقلی احتمال میں متفرع ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يُؤْصِيكُمْ اللَّهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْكَرِ مِثْلُ عَظَا الْاُنْثٰىنِ (النساء۔ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔

(کنز الایمان)

یہ آیت شامل ہے اس کو جبکہ بیٹا ایک اور بیٹی ایک سے زائد ہو یا بیٹی ایک اور بیٹا ایک سے زائد یا اس اختلاط کے ساتھ کہ لڑکے یا لڑکیوں میں جو بھی عدد ہو وہ دوسرے فریق میں تمام اعداد کے ساتھ ہو۔ یہ غیر متناہی صورتیں ہیں۔

ان صورتوں میں ہر صورت کا حکم اس خدائی قانون سے ایسا واضح و ظاہر ہو گیا کہ اس میں بالکل خفا و پوشیدگی نہیں ہے۔

اسی طرح شق ثانی یعنی ذوات کا علم ہے اسی کے مثل جو مذکورہ دونوں وجہوں میں گزرا۔ کیونکہ اولین و آخرین کی خبروں سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ ان کے احوال کا بیان ہے نہ کہ صرف ان کی ذوات کی تعداد۔ اور اگر حقیقت مراد لیا جائے تو وہ تو اولین و آخرین کے تمام لوگوں میں ایک ہی ہے۔ اور ظاہر قرآن بھی ذوات کو مستوعب نہیں اور نہ ان کے بیان احوال سے خالی ہے اور باطن قرآن کے تمام احوال موجودہ کو مستوعب نہ ہونے کی دلیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ عموم ممکنہ کی نفی سے ہمیں کوئی ضرر و نقصان نہ ہوگا

جیسا کہ عنقریب سنو گے اور ابھی ہم وجہ اول سے یہ مراد نہ ہونے پر اکتفا کرتے ہیں۔
 ثابت ہو گیا کہ مراد شق ثالث یعنی ذوات اور ان کے احوال موجودہ کا علم ہے۔
 لفظ اولین و آخرین میں ذوی العقول کے غلبہ کے سبب سے سب کو جمع کر دیا گیا ہے
 جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔ کنز الایمان) میں ہے۔
 اور فروعات ہی احوال ممکنہ ہیں جو پردہ عدم سے نہیں نکلے ہیں۔ اور صرف ظاہر کا
 مراد لینا جائز نہیں اس لئے کہ ظاہر ذوات اور احوال موجودہ کو مستوعب نہیں ہے اور بعض
 احوال ممکنہ کے بیان سے خالی بھی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے یہ فرمودات

● وَلَوْ رَدُّوْا الْعَادُوْا اِلَيْنَا لَنُهَوِّعَنَّهُ

(الانہزم ۲۸)

اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے۔

(کنز الایمان)

● وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنْ اَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوْ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ
 مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ

(النساء۔ ۶۶)

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے گھریلو چھوڑ کر نکل جاؤ تو
 ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے۔
 (کنز الایمان)

● وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ ثَبَاتًا

(النساء۔ ۶۶)

اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا
 اور ایمان پر خوب جمنا۔
 (کنز الایمان)

● وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
 وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ

(الانفال۔ ۲۳)

اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار

منہ پھیر کر پلٹ جاتے۔ (کنز الایمان)

● وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ
عَلَيْنَا غَيْرَةً ۚ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا (الاسراء-۷۳)

اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم
ہماری طرف کچھ اور نسبت کرو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ (کنز الایمان)

● وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتُمْ تَمُوتُونَ فِيهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا (الاسراء-۷۴)

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔

(کنز الایمان)

● إِذَا لَذَقْنَكَ - (الاسراء-۷۵)

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دو فی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا
کوئی مددگار نہ پاتے۔ (کنز الایمان)

● وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ (الحاقة-۴۴)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان
کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا۔ (کنز الایمان)

● وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزِمَامًا وَاجِلٌ مَقْسُومًا (طہ-۱۲۹)

اور اگر تمہارے رب کی ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں پلٹ جاتا
اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا۔ (کنز الایمان)

● لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَّا أَخَذْتُم مِّنْ عَذَابٍ عَظِيمٍ (الانفال-۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے بدلے کا
مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (کنز الایمان)

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں۔

marfat.com

ان توضیحات کے بعد اب باطن قرآن میں عموم سلب کی مراد قاسد و باطل اور سلب عموم مراد لینا درست و صحیح ہے اس لئے کہ احوال ممکنہ غیر متناہی ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ تو سورج سے زیادہ روشن بیان سے مقصود مدعا ظاہر ہو گیا۔ واللہ الحمد

● تردید اول سے مراد ثقی ثالث یعنی ذوات اور حالات موجودہ کا علم ہے۔

● اور تردید ثانی سے مراد قرآن کریم کا ظاہر و باطن ہے۔

● اور تردید ثالث سے مراد اصول کی تخصیص برائے استیعاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے تمام ذوات اور اول سے آخر تک کے حالات موجودہ کے بیان پر حاوی ہے اور یہی اولین و آخرین کے اصول علم ہیں۔ اور فروع مستوعب نہیں ہیں یعنی تمام احوال ممکنہ کا وہ بیان جو معدوم ہے اور جنہیں غیر متناہی فرض کیا گیا ہے اس لئے کہ بالفعل غیر متناہی کو بیان حاوی نہیں ہوتا، ایسی ہی تحقیق مناسب ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ ولی التوفیق۔

پھر اس رسالہ نے (ص ۱۳ پر) استدلال و تمسک کیا جن بعض میں اس نے اجمال کا دعویٰ کیا اس طور سے کہ امام سیوطی نے جب مشمولات قرآن کا ذکر فرمایا کہ قرآن کریم علوم اوائل پر مشتمل ہے مثلاً طب، جدل، ہیأۃ، ہندسہ، جبر، مقابلہ، نجوم وغیرہ تو امام سیوطی نے یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے علم طب کی طرف اس آیت کریمہ سے اشارہ فرمایا

● وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَائِمًا

(الفرقان ۶۷)

اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

(کنز الایمان)

● اور، فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ

(النحل ۶۹)

شہد جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔

(کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے، جدل کی طرف اشارہ فرمایا اس چیز سے جس پر براہین و دلائل

حاوی ہیں۔

● اور ہیأۃ کی طرف اشارہ فرمایا "الْصَّغُورِ وَالْأَرْضِ" سے (البقرة ۳۳)

● ہندسہ کی طرف اشارہ فرمایا "ظِلِّي ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ" سے

marfat.com

یعنی چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں۔

(کنز الایمان) (المرسلات - ۳۰)

● علم نجوم کی طرف اشارہ ہے، اَوْ اَشْرَاقٍ مِّنْ عَلَمٍ سے (کچھ بچا کھچا علم)۔

(کنز الایمان) (الاحقاف - ۴)

● علم خیاطت کی طرف اشارہ ہے، وَ طِفْقًا يَخْصِفُنَّ، سے (جنت کے

پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ کنز الایمان) (طہ، ۱۳۱)

● لوہاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اَنْثُوْنِ زَبَرًا حَدِيدًا، سے (میرے پاس

لوہے کے تختے لاؤ۔ کنز الایمان) (الکھف - ۹۶)

● نجاری (برہمنی) کی طرف اشارہ ہے، وَاصْنَعِ الْفُلْكَ، سے (اور کشتی بناؤ۔

کنز الایمان) (هود - ۳۷)

● غزل (تاگا کاتا) کی طرف اشارہ ہے، نَقَضَتْ غَزَلَهَا، سے (یعنی جس نے

اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔ کنز الایمان) (التخل - ۹۲)

● نسج (کپڑا وغیرہ بننے) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ،

سے (العنكبوت - ۴۱)

● فلاح و زراعت کی طرف یہ آیت ”اَقْدَرَاءُ يَتَمَّمَا تَحْذَرُونَ“ مشیر ہے (تو

بھلا بتاؤ تو جو بولتے ہو۔ کنز الایمان) (الواقعة - ۶۳)

● غواصی کی طرف ”كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوَاصٍ“ مشیر ہے (ہر معمار اور غوطہ خور۔

کنز الایمان) (ص - ۳۷)

● وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً، سے بھی غواصی کی طرف اشارہ ہے (اور اس

(دریا) میں سے گہنا نکالتے ہو۔ کنز الایمان) (التخل - ۱۳)

● اور زرگری و سناری کی طرف اشارہ ہے، وَاتَّخَذَ قَوْمٌ مِّنْهُ مَوْسًى مِّنْ بَعْدِهِ مِّنْ

حُلِيِّهِمْ عِجْلًا، سے

(اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچہ پڑا بیٹھی۔

(کنز الایمان) (اعراف۔ ۱۴۸)

اسی طرح کی اور بھی آیات ہیں، اور یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں کہ قرآن عظیم کے مذکورہ جملوں میں جن علوم کا ذکر ہے ان میں ان علوم کی تفصیلات نہیں ہیں۔

اقول، بیشک میں چراگاہ کی تلاش میں دور نکل گیا یہ کیوں نہ کہا جائے کہ قرآن کریم میں ضروریات دین، ارکان اسلام، حلال و حرام کے اہم مسائل اور جو علوم اوائل میں فرض کیا گیا ان کا اجمالی بیان ہے جیسے

● **وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ**

(البقرة۔ ۴۳)

نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔

● **وَيَنْهَى عَلَى النَّاسِ حِجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**

(آل عمران۔ ۹۷)

اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔ (کنز الایمان)

● **وَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبْعَ**

(النساء۔ ۳)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔

(کنز الایمان)

● **وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزُّبْنَ**

(البقرة۔ ۲۷۵)

اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔

قرآن عظیم کے یہ جملے تفصیلات سے مخفی نہیں ہیں، نماز، زکوٰۃ، حج، نکاح، بیع میں تفصیلات کی ضرورت ہے ان کی تفصیلات میں ہزاروں ہزار بڑی بڑی، بلکہ سب لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاسکتی ہیں اور ان میں سے سب سے کم تفصیل مناسب گاہ میں ہے۔

امام ذہبی میزان میں محمد بن شجاع تلمیذ امام نسائی بن زیاد تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں فرماتے ہیں کہ حاکم نے فرمایا کہ میں نے محمد بن احمد بن موسیٰ قمی (یہ روایت احمد بن موسیٰ اور محمد بن شجاع سے مروی ہے) کے پاس ”کتاب المناسک“ دیکھی جو ساٹھ سے زائد بڑی جلدوں میں باریک خط میں تھی۔

(میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۰۳۔ رقم الترجمہ: ۷۶۶۳)

اور حاصل یہ ہے کہ جو اوپر ذکر کیا گیا ان میں سے کسی شئی کا تعلق بطون قرآن سے نہیں اور نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ظاہر قرآن میں ہر شئی کی تفصیل و تشریح موجود ہے مگر تعجب ہے کہ اس رسالہ نے اس کلام کا لفظ کیا جسے امام سیوطی نے ابو الفضل مری کے کلام سے ایک ورق سے زیادہ میں مختصر بیان کیا۔ اس رسالہ نے اس عبارت ”خلاصہ استنائر صحابہ“ کو اخذ کیا اس کا بیان اوپر گزر چکا ہے اور جو عبارت اس سے متصل تھی اس کو چھوڑ دیا یعنی ”ثم ورت عنه الخ“ پھر بڑے بڑے سادات صحابہ اور علمائے صحابہ مثلاً خلفاء اربعہ، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قرآن کے وارث ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں۔ پھر تابعین کرام، صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بھائیوں کے ساتھ وارث و امین ہوئے۔ پھر ہستیں پست اور عزائم ست ہو گئے الخ۔ (الانقان ۳، ص ۱۲۶، نوع ۶۵)

بیشک رسالہ اسے قطع کر دینا چاہتا ہے جس کے ابن عباس اور علمائے صحابہ حضور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارث و جانشین ہوئے۔ صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے جو قرآن کریم میں مجتمع ہیں اور قرآن میں اولین و آخرین کے علوم موجود۔ جب تم نہر کو کاٹ دو گے جس سے پانی حاصل کیا جاتا ہے پھر تو اس کے بعد تم سے اپنے ارادے کے مطابق جدھر چاہو گے پھر دو گے جیسا کہ تم نے سنا کہ یہ ایک مخفی چیز تھی لیکن اس رسالہ نے کلام مری کے آخر سے ان جملوں کو اخذ کیا اور جس سے مری کا کلام ختم ہوتا ہے اس کو ساقط کر دیا۔ مری کے کلام کا اختتام یہ ہے ”وفيه من اسماء

الح یعنی قرآن مقدس میں آلات کے نام، ماکولات و مشروبات کی قسمیں اور منکوحات کے نام ہیں اور قرآن میں وہ سب چیزیں ہیں جو واقع ہوئیں یا کائنات میں واقع ہوں گی یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ - (الانعام-۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھانہ رکھی۔ (الانعام ۲، ص ۱۲۶-نوع ۶۵)

یہ تو واضح شئی ہے مگر جب اس رسالہ نے دیکھا کہ ان نے جو سوت کاٹا تھا اسے ادھیڑ دیا گیا تو اسے صحیفہ سے خارج کر دیا اور چپکے سے نکل لیا۔ نَسَا لَہُ الْعَفْوُ وَالْعَافِيَةُ۔

قرآن کریم کے معانی بالفعل غیر متناہی ہیں

تنبیہ

ملا علی قاری کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ قرآن عظیم کے معانی متناہی ہیں اور ہم نے اس جگہ بیان کیا تھا کہ جس پر انہوں نے اپنے کلام کی حد مقرر کی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں اور ملا علی قاری کا اپنا قول یہ گزرا ہے کہ قرآن کے غرائب منتہی نہیں۔ اور انہیں کا قول ہے کہ حد و مطلع کی کوئی انتہا نہیں اور اشعۃ الملمعات میں مروی ہے کہ قرآن عظیم کے معانی منتہی نہیں۔ اور شرح ہمز یہ میں مروی ہے کہ قرآن کریم سے جو علوم نکلتے ہیں ان کی حد و انتہا نہیں اور ابریز میں مروی ہے کہ قرآن کے معانی کی انتہا نہیں جن معانی میں تاویل کا احتمال ہے۔ ہاں ابریز کے قول کا مطلب یہ ہے کہ قدیم معنی غیر متناہی ہیں۔

عدم تناہی وعدم حدوث پر دلائل

امام نجم الدین رخی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ ”تاویلات نجمیہ“ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ
أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ

(اتقان، ۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس

کے پیچھے سات سمندر اور اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

(۱) یہ آیت مبارکہ نص صریح ہے کہ معانی قرآن غیر متناہی ہیں جس کی تفسیر یہ ہے

کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم ہو جائیں اور سمندر سیاہی ہو جائیں اور اتنی ہی چیزیں کاغذ ہو جائیں اور لکھنے کا حکم دیا جائے تو قلم ٹوٹ جائیں اور سمندر ختم ہو جائیں اور کاغذ بھر جائیں، لکھنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں پھر بھی کلام اللہ کے معانی ختم نہیں ہوں گے اس لئے کہ یہ چیزیں اگرچہ کثیر و عظیم ہیں پھر بھی متناہی ہیں اور معانی قرآن غیر متناہی اس لئے کہ وہ قدیم ہیں، اور محصور، غیر محصور کے برابر و مساوی نہیں۔

(۲) روح البیان میں آیت مذکورہ نقل کرنے کے بعد صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں اشارہ یہ ہے کہ قرآن مقدس قدیم ہے کیونکہ غیر متناہی ہونا قدیم کی خاصیت ہے۔ (روح البیان ۷ تحت آیت مذکورہ، سورہ لقمان)

(۳) عارف باللہ سیدی علی مہامی قدس سرہ کی ”تبصیر الرحمن“ میں ہے قرآن عظیم غیر متناہی علوم پر مشتمل ہے اس لئے کہ اگر رب کی باتوں کے لئے سمندر سیاہی ہو یعنی کلمات باری کا مفہوم لکھنے کے لئے تو ”سمندر ختم ہو جائیں“ کیونکہ یہ متناہی ہیں رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے یعنی کلمات باری تعالیٰ کا مفہوم ختم ہونے سے پہلے اس لئے کہ یہ کلمات غیر متناہی ہیں۔ تو متناہی کے ختم ہونے سے یہ کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ اگرچہ اسی کے مثل دوسرے سمندر کو سیاہی بنالیں۔ اس لئے کہ اگر ایک متناہی دوسرے متناہی سے مل جائے تو یہ متناہی دوسرے کو غیر متناہی نہیں بنا سکتی اور نہ دونوں متناہی مل کر غیر متناہی کے برابر ہوں گی۔

(تبصیر الرحمن، علی بن احمد۔ تحت آیت مذکورہ)

متناہی کے شبہ کا ازالہ

اقول، کلمات باری تعالیٰ کا غیر متناہی ہونا اس کے متناہی نہیں جو امام فخرالہ یں رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ ”غیر متناہی کا اظہار محال ہے اور وہ جو اوپر گزرا کہ غیر متناہی کو بیان حاوی نہیں ہوتا کیونکہ تنصیص اور بیان، اظہار کو کہتے ہیں اور بیان، ہمیشہ متناہی ہی کا ہوگا اگر وہ کسی حد پر ختم نہ ہو تو اسے شمار ہی نہ کر سکیں۔ تم کو اس سے شبہ نہیں

ہونا چاہئے کہ قدیم کی شان غیر متناہی ہے اور تم اس سے بھی فکر مند نہ ہو کہ قدیم کی شان غیر معقول ہے۔

حدیث میں ہے اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اللہ کی ذات میں فکر نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ابوالشیخ نے اسے ابو ذر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا اور طبرانی نے اوسط میں، ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

رہا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان، اوتیت القرآن و مثله معہ۔

(معجم اوسط ۷ حدیث ۶۳۱۵)

میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مثل دیا گیا ہوں۔

تو میں کہتا ہوں کہ یہ لوگوں کی سمجھ کی رسائی کے حساب سے ہے، پوری حدیث کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی جسے ابو داؤد و ابن ماجہ وغیرہما مقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں الا انی اوتیت القرآن و مثله معہ الا یوشک رجل شعبان علی اریکنہ متکنا یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوه و ما وجدتم فیہ من حرام فاحرموه و انما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

(ابن ماجہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ)

”سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی“

ابو داؤد کی روایت میں یہ زیادہ ہے

الا لا یحل لکم الحمار الاہلی ولا کل ذی ناب من السباع، الحدیث

۱۱۱
من لو پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں نہ کوئی کیلے والا درندہ۔

(ابوداؤد، باب فی لزوم السنۃ)

احمد وائمہ اربعہ (سوانحی کے) اور بیہقی دلائل النبوة میں ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا الفین احدکم متکسنا علی اربکته یا تیہ الا مر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجد نافی کتاب اللہ اتبعناہ خبردار میں نہ پاؤں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگانے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی ہو تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

(ابوداؤد، باب فی لزوم السنۃ)

یہ تو وہ چیزیں ہیں جو قرآن عظیم میں موجود ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے حرمت میں زائد نہیں ہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے احکام کتاب اللہ کے احکام کے مثل ہیں حضور کا کوئی حکم کتاب اللہ سے خارج و باہر نہیں۔

اتقان میں ہے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا وہ قرآن ہی سے سمجھ کر فرمایا۔ نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام نے جو فرمایا ہے وہ سنت و حدیث کی شرح ہے اور جملہ سنن و احادیث قرآن کی شرح ہیں۔ (اتقان ۲، رقم الکتاب ۱۲۶-نوع ۶۵)

طبرانی اوسط میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسی چیز کو حلال ٹھہرایا جسے اللہ عزوجل نے قرآن میں حلال فرمایا اور میں نے اسی چیز کو حرام کیا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا۔ اسے امام شافعی نے بھی کتاب الام میں روایت کیا۔

(طبرانی معجم اوسط ۶ حدیث ۵۷۳۷)

لیکن امام ابن حجر مکی کی ”افضل القرنی“ کا بیان گزرا ہے کہ دونوں جہان انسان، فرشتے اور جن کے علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں سمائے ہوئے ہیں اس لئے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عالم پر مطلع فرمایا تو حضور کو اولین و آخرین، ماکان و مایکون کے علوم حاصل ہو گئے جیسا کہ مابقی میں گزرا۔ اس سلسلے میں تمہیں قرآن کافی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے برابر و مثل عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَأَقْرَبُنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

(الانعام۔ ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم قرآنیہ اور ان کے مثل جو عطا ہوا ان کے احاطہ سے لازم آتا ہے کہ حضور کو اولین و آخرین کے علوم کا احاطہ حاصل ہے اور اولین و آخرین کے علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم میں داخل و شامل ہیں۔ (کتاب الام للشافعی، کتاب صلوٰۃ النبی علیہ السلام)

لزوم تنابہی کا رفع

مناقضات، احاطہ علوم سے مراد بتوں قرآن کے وہ علوم ہیں جو اولین و آخرین کے علوم کو حاوی ہیں لیکن قرآن عظیم میں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی کثرت و حقیقت اور تمام غیر تنابہی غیوب کے علوم ہیں وہ اولین و آخرین کے علوم میں سے نہیں ہیں جیسا کہ امام ابن نقیب کی روایت گزری اس مقام کو اسی طرح سمجھنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث ابو عمیر کے فوائد کی بحث

تنبیہ آخر

تو شیخ سے مذکور ہوا کہ ابوالعباس نے ابو عمیر کی حدیث میں ساٹھ سے زائد فوائد بیان کئے۔ ابو عمیر کی حدیث یہ ہے۔

یا ابا عمیر ما فعل النغیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچہ کو کیا ہوا۔

اس سلسلے میں ہم نے فتح الباری کی طرف رجوع کیا تو اس میں لکھا ہوا دیکھا کہ بعض لوگوں نے محدثین پر عیب لگایا ہے کہ وہ ایسی چیزیں روایت کرتے ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں اور اس کی مثال میں اسی حدیث ابی عمیر کو پیش کیا۔

صاحب فتح الباری نے فرمایا کہ جس حیلہ و تدبیر سے بھی ہو یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں فقہ اور فنون ادب کے وجوہ اور ساٹھ طرح کے فوائد ہیں پھر انہوں نے ان فوائد کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور سیدی حافظ ابن حجر نے صاحب تو شیخ کے کلام سے ان فوائد کی تلخیص کی تو اسی حدیث سے اکا دن فائدے اخذ کئے اور طرق حدیث کی تلاش و جستجو کے فوائد میں باضابطہ ایک فصل مقرر کی جس میں پانچ فائدے ذکر کئے تو کل فوائد چھپن ہو گئے۔ فائدہ اہم (فتح الباری، کتاب الادب، باب الکلیۃ للنعمانی)

کیا فقیہ طبری نے ساٹھ فائدے مراد لئے یا حافظ ابن حجر نے ان کے بعض کلام کو ساقط کر دیا؟ پھر حافظ ابن حجر نے ابن بطال وغیرہ کی روایت سے بارہ فائدے زائد کئے تو اب یہ کل فائدے از سٹھ ہو گئے۔

اقول لیکن اکثر فوائد، حدیث میں مذکور قصہ سے نکالے گئے ہیں اس قصہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام سلیم کی زیارت کی اور ان کے گھر میں جماعت سے نماز پڑھی اور میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ فوائد مخفی نہیں ہیں اور نہ

ان کا انکار کیا جاسکتا اور نہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین پر عیب لگانے والوں نے ان فوائد پر عیب کا قصد کیا ہے بلکہ عیب لگانے والوں کا مقصود صرف محدثین کی روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچے سے فرمایا کہ

یا ابا عمیر ما فعل النعیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچہ کو کیا ہوا

عیب لگانے والوں نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ تو صرف تفریح اور مزاح کے لئے ہے اس کے تحت میں کوئی حکم نہیں اور نہ اس کی روایت کرنے میں اور کوئی فائدہ ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، حرکات و سکنات میں سے کسی شئی کا کثیر فوائد اور اہم حکمتوں سے خالی ہونا بعید ہے لہذا ان فوائد کا اہتمام کرنا مناسب ہے جو اس حدیث کے الفاظ مکرمہ کے دامن میں مخفی و پنہاں ہیں۔

امام ترمذی نے شامل میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں درست کہا ہے کیونکہ ان دونوں محدثین نے صرف ان فوائد کو جمع کیا جو حدیث کے صرف اس جملے ہی سے نکلتے ہیں۔ پھر میں نے اس کی تلخیص کی جو ابن قاص نے ذکر کیا ہے تو میں نے اس میں اٹھارہ فائدے پائے جو حدیث کے اسی جملے سے متعلق ہیں اور حافظ ابن حجر نے آٹھ فوائد کا اضافہ کیا مگر میرے نزدیک دو فائدے مکمل نہیں ہیں۔ اور امام نووی نے میرے لئے چار کا اور اضافہ فرمایا، میں نے ایک کا اور استفادہ کیا اس سے جو امام ابن حجر کی شرح شامل میں موجود ہے۔ اور رب ذوالجلال نے اس فقیر بندہ کے دل پر گیارہ فوائد کا فیضان فرمایا لہذا یہ چالیس فائدے مکمل ہو گئے اور مجھے ان سے زیادہ فوائد کی بھی امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس وقت میرا ارادہ یہ ہے کہ اس سلسلے سے فارغ ہونے کے بعد ایک رسالہ لکھوں گا جس کا نام ”منبت الخیر فی حدیث یا ابا عمیر“ (۱۳۲۳ھ) رکھوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ تاکہ اس کا جزء اول اس کی تاریخ تصنیف پر دلالت کرے، اللہ تعالیٰ ہی سے ہر عظیم و کثیر خیر کی توفیق ہے۔

فصل

عموم علم کے تقریب فہم میں اور کبیر کے لیے وسعت صغیر کی مثال

ابھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے ان عموم علم کا ذکر کریں جو فہم کے قریب ہوں اور انتہائی صغیر کی وسعت میں کبیر کثیر چھپ جائے۔ یعنی صغیر میں اتنی وسعت و گنجائش ہو کہ کبیر کثیر اس میں سما جائے۔

تفہیم غیر محسوس بالمحسوس

مذہبوں: تم اپنی آنکھ کی پتلی کو دیکھو وہ تو صرف ایک سیاہ نقطہ ہے جس میں آسمان، سورج، پہاڑ، درخت، صحرا ہر ایک کی صورتیں آن واحد میں چھپتی ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ انطباع کی صورت وسعت کی مقدار و حساب سے ہے تو سیاہ نقطہ میں آسمان کی صورت صرف اسی نقطہ کی مقدار سے ہوتی ہے باقی چیزوں کا قیاس اسی پر کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ رائی یا اس سے چھوٹا دانہ بھی اسی کالے نقطہ کے برابر ہوتا ہے۔ پھر تم لگا تار ان چھوٹی لطیف صورتوں کو دیکھتے ہو ان کے باوجود جب آنکھ والا اپنی نگاہ باطن سے دیکھتا ہے تو آن واحد میں آسمان، سورج، پہاڑ، درخت، صحرا اور رائی کے درمیان روشن و واضح اور بلیغ امتیاز کر لیتا ہے جس میں کوئی خفا و پوشیدگی نہیں اور دیکھنے والا ہر ایک کو اسی کی مقدار پر دیکھتا ہے اس پر ان میں سے کسی چیز کا التباس و اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ان کا ہجوم و ازدحام اسے عاجز و پریشان کرتا ہے۔ اور انطباع کا قول وہی

ہے جسے ہمارے ائمہ نے اختیار کیا جیسا کہ اسے میں نے اپنی کتاب ”حیات الموات فی بیان سماع الاموات“ وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ باہر سے دیکھنے والا اگر آنکھ کی پتلی دیکھے تو اسے صرف ایک کالانقطہ نظر آئے گا اس میں ڈھیروں باریک عکس ہیں بہت سارے بڑے عکس کا امتیاز نہ ہوگا ان میں بعض، بعض سے بڑے ہیں چہ جائیکہ اس کا کیا امتیاز ہوگا جو جزء الذی لا تجزی ہے۔ یعنی ایسا جزء جس کی تقسیم و تفریق نہ ہو اور جن اجزاء و عکس کا امتیاز ہوگا تو وہ صرف اسی مقدار پر نظر آئیں گے جو نقطہ میں منطبع ہیں نہ کہ اس مقدار پر جو واقعی موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم کے کلمات چشم ایمان کی پتلی ہیں اور کلمات کے معانی جو ان میں ضبط کیے گئے ہیں وہ صورتیں ہیں اور انہیں کلمات قرآن میں تمام ماکان و مایکون مجتمع ہیں، اور اللہ کے مخلص بندے نگاہ باطن سے دیکھتے ہیں تو ہر چیز کے مابین فرق و امتیاز کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو اسی حالت میں دیکھتے ہیں جو واقعی اس کی حالت ہے اور اے قرآن کے معانی کو کم کرنے والے، انکار کرنے والے تم کلمات قرآن کو خارج سے دیکھتے ہو تو تمہیں تو وہ صرف سیاہ نقوش معلوم ہوتے ہیں جو سفید ٹکڑے پر منقوش ہیں ان میں کچھ معنی ہیں جو تمہاری نظر میں نہ صاف ہیں نہ کافی ہیں۔ آنکھ کی پتلی کی مثال فہم سے زیادہ قریب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمایا مجھے امید ہے کہ تمہیں اپنے اور اولیاء کے درمیان قرآن سمجھنے کا فرق و اختلاف معلوم ہو گیا ہوگا۔

پھر کیا خیال ہے اس ذات گرامی کے بارے میں جس پر قرآن عظیم نازل ہوا جس میں ہر شئی کا واضح بیان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کیونکہ نگاہ باطن سے دیکھنے والوں کی قوتیں مختلف ہوتی ہیں اور وہ ایسی قوتیں ہیں جن کی پرواز کا اندازہ لگایا نہیں جاسکتا۔

۲۔ ایک دانہ جب بویا جاتا ہے تو وہ ناخن بھر سے زیادہ نہیں ہوتا مگر وہ ایک بڑے درخت کی شکل میں زمین پھاڑ کر نکلتا ہے جس کی لمبائی سو گز ہوتی ہے اور اس کی ٹہنیاں سو سو گز پر سایہ کناں ہوتی ہیں اور ان سینکڑوں ٹہنیوں میں ہزاروں شاخیں ہوتی

ہیں اور ان گنجان شاخوں میں ہزاروں لاکھوں پتے ہوتے ہیں جیسے اُملی کا درخت۔ یہ ٹہنیاں، شاخیں، پتے سب کے سب اس دانہ کے بطن میں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کی آنکھیں کھول دی ہیں وہ اس دانہ کے پھٹ کر پودا نکلنے سے پہلے ہی اس کے باطن کو دیکھ لیتا ہے اور وہ اس بیج میں ایک بڑا درخت، تنے، شاخیں، پتے اور اس کے پھل دیکھتا ہے۔ حالانکہ باہر سے دیکھنے والا پورے دانے کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ نہ آدھے کو نہ چوتھائی کو بلکہ اس کے پورے چھلکے کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہاں وہ اس کے سطح ظاہر کا نصف حصہ دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہوتا ہے۔ تو کیا اندھا اور انکھیا را دونوں برابر ہیں؟ یا نور و ظلمات دونوں یکساں ہیں؟۔

صاحب کشف و شنائی میں تحریر کی صورت دیکھتا ہے

۳۔ ”ایواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر“ میں ہے صاحب کشف و شنائی ہی میں دیکھ لیتا ہے کہ اس کی صورت ایسی ہے اور فلاں کی صورت ویسی، پھر جب ثابت و رسم کا وقت آتا اور اس روشنائی سے لکھا جاتا ہے تو صاحب کشف نے جو کہا اس سے ایک حرف نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اسے شیخ محی الدین ابن عربی نے باب ۳۷۳ میں بیان فرمایا ہے۔ (ایواقیت والجواہر، ج ۱، ص: ۶۳)

۴۔ ابریز شریف۔ میں ہے: شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے گر جاتا ہے تو عارف کامل اسی حالت میں اسے اس حالت پر دیکھتا ہے جہاں تک وہ اپنی عمر میں پہنچتا اور وہ وہاں تک اسے دیکھتا ہے جس عمر تک اس کی موت ہوتی اور ان تمام چیزوں کو وہ دیکھ لیتا ہے جن کا بچہ کو ادراک ہوتا خواہ وہ چیزیں خیر ہوں یا شر۔ یہاں تک کہ جس نے عارف کے مشاہدہ کو دیکھا اور اس کے تمام مشاہدات کو قلم بند کر کے اس نسخہ مشاہدہ کو عارف کے پاس رکھا اور اس کی ذات سے اس نسخہ کا مقابلہ کیا اور اس نسخہ کو ہر وقت دیکھتا رہا تو وہ عارف کی ذات اور نسخہ مشاہدہ دونوں کو اس طور پر پانے لگا کہ دونوں کسی ہی چیز میں کبھی ایک دوسرے سے مختلف و جدا

نہیں ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ابریز باب ۷ فی تفسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۵۔ اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ انسان تمام عالم وجود کا جامع نسخہ ہے اور یہ (انسان) عالم صغیر ہے اس عالم صغیر میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو عالم کبیر میں ہیں، جس نے انسان کے باطن کو دیکھا اور اسے پہچان لیا جیسا اس کے پہچاننے کا حق ہے تو اس نے انسان کے جامع نسخہ میں ان تمام چیزوں کو پڑھ لیا جو وجود کے اوراق و صفحات میں لکھی ہوئی ہیں۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَخَّرْنَاهُمْ لِيَتَنَافَى الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتٰى يَتَّبِعْنَ لَهْمُ اِنَّهٗ الْحَقُّ

(حم سجد، ۵۳)

ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپ میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے۔

● اور فرماتا ہے:

(الذاریات، ۲۱)

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ

(کنز الایمان)

اور خود تم میں۔ تو کیا تمہیں سو جھتا نہیں۔

اور علماء کاملین کا اس مقام پر ایسا کلام ہے جو اسے با ادب مطالعہ کرے گا اسے تعجب و حیرانی ہوگی۔ علماء کاملین میں صاحب ”اعجاز البیان فی تفسیر ام القرآن“ شیخ امام صدر المملۃ والدین قونوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

قلیل زمانہ میں کثیر شئی کا آسان ہونا

واقعہ معراج سے استدلال

۶۔ باطنی علوم میں سے بہت ہی عظیم و کبیر اور کثیر شئی کا انتہائی قلیل و کم ترددت میں بآسانی و سہولت پورا ہو جاتا ہے اس سلسلے میں معراج کا واقعہ کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کے تھوڑے حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے پھر مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک، وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک، سدرہ سے مقام مستویٰ تک، مقام مستویٰ سے عرش اعظم تک عروج فرمایا عرش سے وہاں تک تشریف لے گئے جہاں پر جہت و سمت اور کہاں و کدھر ختم ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ زمین سے آسمان دنیا تک پانچ سو برس کا راستہ ہے، ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مقدار کے برابر ہے تو شب معراج آنے جانے میں چودہ ہزار سال کا راستہ ہوا۔ اور ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک، اور سدرہ سے مقام مستویٰ تک، مقام مستویٰ سے عرش تک کتنا فاصلہ اور کتنی مسافت ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگرچہ ہماری نظر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مرفوع ہے جو امام ابوالربیع کی ”شفاء الصدور“ میں اس طرح منقول ہے کہ

پھر مجھے نور میں دوڑایا گیا، اور میرے لئے ستر ہزار پردے پھاڑے گئے ان پردوں میں کوئی پردہ ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہے اس کے بعد میرے کانوں میں

کسی فرشتہ اور انسان کی حرکت و آواز نہیں آئی۔ (الی آخر الحدیث)

اور دوسری حدیث میں اس طرح ^۱سُروِی ہے: حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، ہر حجاب کے دربان فرشتے حضور سے ملتے تھے۔ ان حجابات میں ایک پردہ سونے کا اور دوسرا موتیوں کا تھا میں لگاتار ایک پردہ سے دوسرے پردہ تک جاتا رہا یہاں تک کہ میں ستر حجاب پار کر گیا۔ ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ کے برابر تھی، جب اس مقام پر پہنچے تو مجھ سے جبریل امین نے کہا کہ یا رسول اللہ آگے بڑھئے میں آگے بڑھا پھر مجھے ایک فرشتہ لے گیا اور میرے لئے رُفرف حاضر کیا گیا۔ (الی آخر الحدیث)

اور دوسری روایت میں سات سو حجابات کا ذکر ہے۔

(مواہب اللدنیہ ۶ مقصد خاص فی المعراج)

ستر حجاب اور سات سو حجاب والی دونوں روایتوں کے درمیان علامہ برہان نعمانی تلمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تطبیق دی ہے کہ ستر سات آسمانوں کی نسبت سے ہے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ حجابات کے پاس فرشتوں کا موجود رہنا معلول ہے کیونکہ احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ سدرۃ المنتہی سے آگے کوئی نہیں گیا۔

(امام نووی نے اسی پر جزم کیا ہے۔)

اقول، عرش کے ارد گرد گھیرا ڈال کر فرشتوں کا موجود رہنا یقیناً بے معلوم ہے، عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہیں یا ان کی آٹھ صفیں یعنی طور پر معلوم ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی بھی ان حجابات کے آگے نہیں گیا، پھر یہ کہ حدیث میں عقل و نقل کی کوئی مخالفت بھی نہیں ہے جس نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے اسے اس کا رد معلوم نہیں حالانکہ حدیث ضعیف باب فضائل میں مقبول و معتمد ہے اس لئے اس حدیث کو ابوالحسن علی بن غالب، نعمانی اور قسطلانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور اس کی تکذیب و تردید سے خاموش رہے۔ لہذا شامی کا قول محض بغیر شہادت کے قابل توجہ اور لائق قبول نہیں۔ ۱۲ منہ

اور سات سو، کرسی اور اس کے ارد گرد کے عالم کے اعتبار سے ہے اور ستر ہزار عرش اور اس کے ارد گرد کے اعتبار سے ہے۔ علامہ برہان نعمانی نے اس سلسلے میں شرح و بسط سے کلام کیا اور فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں کا رات کے تھوڑے حصے میں واقع ہونا مستبعد نہیں۔ (مواہب اللدنیہ ۶، مقصد خامس فی لیلۃ المعراج)

جب تجابات، آسمانوں کی تعداد کے حساب سے سات ہزار سات سو ستر ہوں اور ہر دو حجاب کے درمیان پانچ سو برس کا راستہ ہو تو آسمانوں کے اوپر عرش اعظم تک جانے آنے کی مسافت ستر ہزار، ہزار سال اور سات سو ستر ہزار برس کی راہ ہوگی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جانا صرف گزرنا نہ ہوا بلکہ حضور نے آسمان، کرسی، عرش، جنت و دوزخ اور ان میں جو کچھ ہے سب پر غور و فکر اور سب کا مشاہدہ و معائنہ فرمایا اس طرح سے کہ حضور کو ان سب چیزوں کے حقائق و معارف کا ادراک و علم حاصل ہو گیا اور حضور کو ان کی باریکیاں معلوم ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعا کی قبولیت کو مکمل فرما دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی۔

اللهم ادنی حقائق الاشياء

اے اللہ مجھے چیزوں کے حقائق دکھا دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے قدم کو وہاں تک پہنچایا جہاں تک خلیل جلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر پہنچتی تھی۔ اور اگر وہاں پر مسافت نہ بھی ہوتی پھر بھی ہر ایک کے مطالعہ و مشاہدہ کے لیے ہزار ہزار سال سے زیادہ کی ضرورت ہوتی، تو وہ ذات جس نے ان تمام چیزوں کو چند لطیف ساعتوں میں بہل و آسان فرما دیا یہاں تک کہ رات کو ان تمام مقامات کی سیر ہوئی اور مسجد حرام میں صبح ہوئی تو یا کہ حضور حرم کے آس پاس بستیوں میں گئے تھے پھر اس ذات پر یہ کیونکر کثیر ہوگا کہ وہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ماکان و مایکون کا علم قرآن کریم کے بطون میں جمع فرما دے بلکہ سورۃ فاتحہ میں، بسم اللہ میں، بلکہ ایک حرف میں سارے علوم جمع کر دے اور وہ اپنے

حبیب کو عطا فرما دے تو کیا مستبعد ہے۔ اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم مجھے (کم از کم اتنا ہی) بتا دو کہ تم نے یہ کیسے سمجھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین ساعت میں زمین سے لامکان تک کی مسافت طے فرمائی۔ اگرچہ تمہیں آسمانوں سے اوپر کی مسافت میں شک و تردد ہوگا لیکن چودہ ہزار سال کی راہ طے کرنے میں تو کوئی شک و ریب نہیں ہے۔ اگر تم اس پر بغیر سمجھے ایمان و یقین رکھتے ہو تو اللہ کا کلام تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے تم اپنی ناقص، قاصر، سقیم عقل کی ترازو میں نہ تولو۔ سیر کرانا تو اس کا فعل ہے اور کلام اللہ اس کی صفت اور صفت کی شان یہ ہے کہ وہ نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات۔

معجزات

حضور نے ایک مجلس میں ابتداء سے انتہا تک تمام مخلوقات کے جملہ احوال کی خبر دی

۷۔ اس سلسلے میں اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں بخاری سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں ایک مقام پر (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور ابتداء، آفرینش سے لے کر جنتوں کے جنت میں، دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی خبر دی جس نے اس کو یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اس کو بھلا دیا وہ بھول گیا۔

(بخاری، باب ماجاء فی قول اللہ وهو الذی یبدأ الخلق الخ)
عسقلانی، یعنی، قسطلانی اور علی قاری فرماتے ہیں (لقد حافظ ابن حجر کے ہیں) یہ حدیث اتم واکمل ہے، اور اس بات پر یہ دلیل ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں ابتدائے عالم سے فنا ہونے اور (قبروں سے) اٹھائے جانے تک کے تمام احوال مخلوقات کی خبر دی۔ لہذا یہ حدیثیں مبدء او معاد اور معاش سب کو شامل ہیں اور ان سب احوال کو ایک مجلس میں بہل و آسانی کے ساتھ بیان کر دینا امر عظیم اور عادت کے برخلاف کام ہے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات سے قریب تر بات ہے بلکہ معجزہ ہی ہے معجزات کی کثرت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو ام الکلم کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اس باب میں حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شاہد ہے عنقریب کتاب القدر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث احمد و مسلم نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آگیا منبر سے تشریف لائے اور نماز ظہر پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ ارشاد کیا پھر نماز عصر پڑھائی اسی طرح حضور غروب آفتاب تک خطبہ ارشاد فرماتے رہے اس میں حضور نے جو ہوا اور جو ہوگا سب کچھ بیان فرمادیا۔

ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جس نے زیادہ یاد رکھا۔ یہ احمد کے لفظ ہیں، ابوسعید کی حدیث سے بھی مختصر او مطولاً مروی ہے۔

(مسلم، باب اشراط الساعة، کتاب الفتن، ترمذی، کتاب الفتن)
امام ترمذی نے ابوسعید کی حدیث طویل سے ان لفظوں میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن نماز عصر پڑھائی پھر کھڑے ہو کر خطبہ بیان فرمانے لگے قیامت قائم ہونے تک کی کئی چیز نہیں چھوڑی حضور نے سب کی ہمیں خبر دے دی۔ پھر ترمذی نے حدیث کو آخر تک بیان کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس باب میں حذیفہ، ابوزید بن اخطب، ابو مریم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ (ترمذی، کتاب الفتن)

اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی دو کتابیں

۸۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کے مثل دوسرے طریق سے بھی حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں تشریف لائے حضور کے دست مبارک میں دو کتابیں تھیں حضور نے داہنے ہاتھ کی کتاب کے لیے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی جانب سے یہ کتاب ہے اس میں جنتیوں اور ان کے باپ و قبائل کے نام درج ہیں پھر حضور نے اجماعاً ان کا بیان فرمایا نہ ان میں کبھی زیادہ کیا جائے گا نہ کم۔ پھر بائیں ہاتھ کی

کتاب کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپ و قبائل کے نام درج ہیں، آخر حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کتابوں کو ہاتھوں سے نیچے رکھ دیا اور فرمایا کہ تمہارا رب بندوں کے حساب سے فارغ ہو گیا لہذا ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں گیا۔ اس کی سند حسن ہے۔

(فتح الباری، باب ما جاء فی قول اللہ ہو یبدأ الخلق)

پہلی حدیث (جس میں احوال مخلوقات کی خبر دی گئی ہے) اور اس حدیث کے درمیان مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں، قلیل زمانے میں قول کثیر کو آسان کر دیا گیا ہے اور اس حدیث میں وسیع و کشادہ جرموں کو تنگ ظرف یا چھوٹی چیز میں آسانی سے سمودیا گیا ہے۔

حدیث کا لفظ ”فنبذہما“ لفظ حدیث ”وفی یدہ کتابان“ کے بعد ہے یعنی حضور کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں حضور نے ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا اس سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں صحابہ کرام کو نظر آرہی تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

توراة کسی نے نہیں پڑھی) سے مراد یہ ہے کہ اسے کسی نے حفظ نہیں کیا اور یہی چار اشخاص اس کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ قرآن کو حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام زبانی پڑھتے تھے۔

حضرت علی اور قرآن مقدس کی تلاوت

۱۰۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے سبب سے قرآن عظیم کو چند لمحوں میں پڑھنے کی کرامت و سعادت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں بھی آئی ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جانور پر سوار ہوتے وقت قرآن کو پڑھنا شروع کرتے اور جب قدم کو دوسری رکاب میں رکھتے تو قرآن عظیم ختم کر لیتے تھے۔ (ردۃ المفاتیح و کتاب الفتن باب بدء الخلق - حدیث ۵۷۱۸)

فت، ایک روایت میری یادداشت میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن پڑھنا شروع کرتے تو دہنا قدم رکاب میں نہیں پہنچتا کہ آپ قرآن مقدس ختم فرما لیتے۔

۱۱۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت علی ہی سے دوسری روایت یہ مذکور ہے کہ وہ قرآن عظیم کو ملتزم سے باب کعبہ تک جانے میں ختم کر لیتے تھے۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الفتن باب بدء الخلق)

بعض خواص کی تلاوت قرآن

۱۲۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں مجھے جو کثیر روایتیں پہنچیں وہ یہ ہیں کہ بعض لوگ رات کو چار مرتبہ اور دن کو چار مرتبہ قرآن عظیم ختم کرتے تھے۔ (عمدة القاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ و آتینا داؤد زبوراً)

۱۳۔ امام عینی عمدة القاری میں امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حافظ شخص کو دیکھا کہ اس نے شب قدر میں نماز وتر میں تین بار قرآن ختم کیا یعنی ہر رکعت میں ایک ختم کیا۔ (حوالہ مذکور)

۱۴۔ امام قسطلانی بھی ارشاد الساری میں امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالطاہر کو ۸۶۷ھ میں بیت المقدس کے اندر دیکھا اور وہیں پرانے سنا کہ دو رات دو دن میں دس سے زیادہ ختم قرآن کرتے تھے۔

۱۵۔ پھر مجھ سے شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف (ان کے علوم کی برکتیں ہمیشہ باقی رہیں) نے فرمایا کہ ابوالطاہر رات اور دن میں پندرہ ختم قرآن فرماتے تھے۔ یہ وہ باب ہے کہ فیض ربانی کے بغیر جس کے ادراک و معرفت کی کوئی صورت و سبیل نہیں ہے۔

(ارشاد الساری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ و آتینا داؤد زبوراً)

اقول، ظاہر یہ ہے کہ ”عندہ“ کی ضمیر شیخ ابوطاہر قدس سرہ کی طرف لوٹتی ہے اس صورت میں یہ پندرہ ختم ”دس سے زیادہ ختم“ کا بیان ہو جائے گا۔ اور شیخ الاسلام برہان کی طرف بھی یہ ضمیر لوٹنے کا احتمال ہے یعنی وہ خود حکایت بیان کرتے ہیں۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے ”حدیقہ ندیہ“ میں اسی کو درج فرمایا اور یہ کہا کہ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ الاسلام برہان ابن ابی شریف نے خبر دی کہ ابو طاہر شب و روز میں پندرہ ختم قرآن پڑھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(المحرقۃ الندیۃ، فصل ثالث فی بیان الاقتصار فی العمل)

۱۶۔ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں اور ارشاد الساری میں بھی ہے کہ نجم الصبانی نے یمن کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے طواف کعبہ کے ایک چکر یا سات چکروں میں قرآن عظیم کو ختم کر لیا، ایسا کرنا مدد رحمانی اور فیض ربانی کے بغیر آسان نہیں۔

۱۷۔ پھر عارف نابلسی نے فرمایا کہ مجھے بعض معتبر راوی نے خبر دی کہ ہمارے شیخ عارف عبدالوہاب شعرادی مغرب و عشاء کے درمیان دو ختم قرآن کرتے تھے۔

(حوالہ مذکور)

۱۸۔ سیدی مولانا جامی قدس سرہ السامی کی ”فتحات الانس“ میں ہے شیخ سعید الدین فرغانی ”شرح تائید“ میں فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ثقلہ بن عبد اللہ بن طلحہ تسری

عراقی سے ۶۶۵ھ میں سنا کہ شیخ عماد الدین احمد بن شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ حج میں تھا دوران طواف میں نے ایک مغربی شخص کو دیکھا جو طواف کر رہا تھا اور لوگ اس سے فیض و تبرک حاصل کر رہے تھے میرے بارے میں لوگوں نے اس شخص سے بتایا کہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے لڑکے ہیں اس شخص نے مجھے تہنیت و مبارک باد دی، میرے سر پر بوسہ دیا اور میرے لئے حسن و بھلائی کی دعا کی، جب سے اب تک برابر میں اس دعا کی برکت و فیض اپنے آپ میں پاتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس کی برکت آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوگی۔ پھر میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ یہ شیخ موسیٰ سدرانی یعنی سیدی ابودین مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اکابر اصحاب میں سے ہیں۔ میں طواف سے فارغ ہو کر اپنے والد بزرگوار کے پاس آیا اور بتایا کہ میں نے شیخ موسیٰ سدرانی کو دیکھا انہوں نے مجھے دعائیں دیں، اس بات کو سن کر میرے والد گرامی بہت زیادہ مسرور و خوش ہوئے۔ پھر لوگ شیخ موسیٰ سدرانی کے مناقب و فضائل بیان کرنے لگے اور ان کی ایک فضیلت یہ ذکر کی گئی کہ وہ روزانہ ستر ہزار ختم قرآن کرتے ہیں، اس بات کو سن کر میرے والد خاموش رہے۔ (روح البیان، تحت سورۃ الاسراء)

۱۹۔ شیخ عماد الدین احمد فرماتے ہیں کہ میرے والد کے اکابر اصحاب میں سے ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ لوگ شیخ موسیٰ سدرانی کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ سچ کہتے ہیں۔ شیخ عماد الدین احمد نے فرمایا کہ اس سے پہلے جب میں اس بات کو سنتا تھا تو میرے دل میں عجیب خیال پیدا ہوتا یہاں تک کہ شیخ موسیٰ سدرانی مجھے ایک رات حالت طواف میں ملے میں ان کے پیچھے لگ گیا، میں نے انہیں رکن اسود سے پہلے دیکھا کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ سے پڑھنا شروع کیا وہ طواف میں عام لوگوں کی طرح چل رہے تھے اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے لگے میں ان کی تلاوت کا ایک ایک حرف سمجھ رہا تھا جب وہ حجر اسود سے کعبہ شریف کے دروازہ تک پہنچے جبکہ دونوں کے

درمیان صرف چار قدموں کا فاصلہ ہے تو انہوں نے قرآن کریم کو مکمل طور پر ختم فرمایا اس طرح سے کہ میں نے ایک ایک حرف کو سنا، میرے والد اور ان کے جملہ اصحاب نے اس واقعہ کی تصدیق و تائید کی۔ (نجات الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

پورا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اختصار کے ساتھ نقل کیا اور فرمایا ہے کہ مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی قدس اللہ سرہ السامی نے اپنی کتاب ”نجات الانس فی حضرات القدس“ میں بعض مشائخ سے نقل کیا کہ شیخ موسیٰ سدرانی نے حجر اسود (مقام استیلام) سے دروازہ کعبہ کے سامنے پہنچنے تک قرآن عظیم کو پڑھ لیا اور ان سے شیخ شہاب الدین سہروردی کے بیٹے شیخ محمد الدین احمد نے شروع سے آخر تک ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف کو سنا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو پاک کرے اور ان کے انوار و تجلیات کی برکتوں سے ہمیں نفع دے۔

(مرقاۃ کتاب النتن باب بدو الخلق، حدیث ۵۱۸-۵)

اقول: آمین، اور ہم سب کو بھی ان کے انوار و اسرار کی برکتیں حاصل ہوں، شیخ شہاب الدین سہروردی کے بیٹے کی طرف سماع کی نسبت میں سہو ہے ہاں سامع شہاب اکابر اصحاب کا وہ آدمی ہے اور شیخ کے بیٹے اس کے راوی ہیں جیسا کہ میں نے سنا ہے۔

۴۰۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کی ”میزان الشریعہ الکبریٰ“ میں ہے کہ سیدی علی مرصنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مرتبہ قرآن عظیم ختم کرتے تھے، یہ علی مرصنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام ہے۔

(میزان الشریعہ الکبریٰ، فصل فی بیان بعض ما اطلعت علیہ من کتب الشریعہ)

سیدی استاذ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شعرانی کی پیروی کرتے ہوئے حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ علی مرصنی اپنے ایام سلوک میں روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مرتبہ قرآن ختم کرتے یعنی ہر درجہ سلوک میں ایک ختم کرتے تھے۔

(حدیقہ ندیہ، فصل ثالث فی بیان الاقتصار فی العمل)

اقول، روزانہ سے مراد اکثر اوقات ہیں اس لئے کے پانچوں نمازوں کے اوقات کا استثناء ضروری ہے۔ پھر امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ ان اولیاء اللہ پر مستبعد نہیں جن کی روحانیت ان کی جسمانیات پر غالب آگئی ہے اور روح، اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا حکم نگاہ اٹھانے کے مثل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پورے کلمات قرآن اور ان کے معانی و مفہیم کو ولی کی زبان میں پیش کرنا نگاہ اٹھانے کے مثل ہے اور یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (حوالہ مذکور)

اقول، لمح بصر (نگاہ اٹھانے) کا ذکر، سمجھ سے قریب کرنے کے لیے ہے اس لئے کہ وہ حرکت ہے اور حرکت زمانہ کو چاہتی ہے، اور اللہ کے حکم میں زمانہ اور ٹھہراؤ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ”ہو جا“ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے، نگاہ اٹھانے کی کیفیت بولنے سے زیادہ جلدی نہیں ہوتی یعنی جب تم بغیر مد کے ایک حرف مفتوح کا تلفظ کرو گے تو لمح بصر سے پہلے اس ایک حرف کا تکلم و تلفظ ہو جائے گا۔ علم حیاۃ والوں نے بیان کیا ہے کہ بغیر مد کے ایک حرف مفتوح کا تکلم ایک سکند کے تہائی حصہ میں ہو جاتا ہے۔ لہذا تین حرف کا تلفظ کرنے کے لیے ایک سکند درکار ہوگا جیسے لفظ نصر، ایک سو اسی حروف ادا کرنے کے لیے ایک منٹ اور سات سو بیس حروف کے لیے چار منٹ چاہئے تو نگاہ اٹھانے کی مدت میں شروع سے آخر تک ایک ہزار ختم قرآن کیونکر ہو سکتا ہے؟

پاکی ہے اس قدر و قیوم ذات کو جو ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ کو پاکی ہے ان لوگوں سے جو اپنے رب کے کلام میں ماکان و مایکون کے علوم جمع ہونے کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔

عارف نابلسی کے کلام سے دوسرا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ ان بزرگان دین کا قلیل سی مدت میں قرآن عظیم کا پڑھنا تیز رفتاری سے نہیں تھا نہ شعر کی طرح گھاس کاٹنے کی مانند جلدی جلدی نہ سوکھے چھوہاروں کی طرح جھاڑتا تھا (جس طرح ڈالیاں ہلانے سے خشک کجھواریں جلد جلد جھڑ پڑتی ہیں) بلکہ وہ معانی و مفہیم کو سمجھ کر پڑھتے تھے۔

جس طرح وہ روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم کرتے اسی طرح اتنی ہی مرتبہ چوبیس گھنٹے سے کم مدت میں قرآن کے معانی پر گزرتے یعنی معانی قرآن پر غور و فکر کرتے تھے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔

۲۱۔ عارف جامی قدس سرہ السامی روایت مذکورہ کے ترمیم و مکملہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ عماد الدین احمد قدس سرہ نے فرمایا کہ لوگوں نے میرے والد شیخ شہاب الدین سہروردی سے قلیل مدت میں قرآن عظیم ختم کر لینے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بسط زمان کے سبب سے ہوا جو بعض اولیاء اللہ کے لئے واقع ہوتا ہے۔ پھر شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس بات کی تصدیق و تائید کے لیے ایک حکایت بیان کی:

ابن سکینہ کے ایک مرید کا واقعہ

شیخ الشیوخ ابن سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک سنا مرید تھا ان کا کام یہ تھا کہ وہ صوفیاء کرام کے مصلے جامع مسجد کو لے جاتے اور انہیں بچھاتے تھے، جب نماز جمعہ ہو جاتی تو ان مصلوں کو وہ خانقاہ لے آتے۔ ایک جمعہ کو ایسا ہوا کہ انہوں نے مصلوں کو جامع مسجد لے جانے کے لیے اکٹھا کر کے باندھ دیا اور دریائے دجلہ میں غسل جمعہ کے لئے گئے اور پٹرے اتار کر کنارے پر رکھ دیئے اور پانی میں غوطہ لگایا جب سر نکالا تو انہوں نے اپنے کو دجلہ میں نہیں بلکہ دوسری جگہ پایا پھر لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ مصر ہے ان کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور وہ پانی سے نکل کر شہر میں آئے، ایک سار کی دکان کے پاس کھڑے ہو گئے ان کے جسم پر صرف ایک ازار تھا جو ستہ پٹی کو کافی تھا، صاحب دکان نے سمجھ لیا کہ یہ آدمی سار ہے دوکاندار نے ان کی آزمائش کی تو انہیں اس فن میں بہت ہی عمدہ و ماہر پایا دوکاندار نے ان کی عزت و تکریم کی اور اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا پھر سات سال میں ان کے تین بچے ہوئے۔

اتفاق سے ایک دن وہ مرید اسی پانی کے پاس سے گزرے تو نہانے کے لیے

انہوں نے اس پانی میں غوطہ لگایا جب پانی سے سر نکالا تو اپنے آپ کو دریائے و جلد کے اسی مقام پر پایا جہاں پر سات سال پہلے انہوں نے ڈبکی لگائی تھی اور اپنے کپڑوں کو کنارے پر اسی طرح رکھے ہوئے دیکھا جیسا انہوں نے رکھا تھا پھر وہ کپڑوں کو پھین کر خانقاہ آئے تو مصلوں کو بھی اسی حال پر پایا، ان سے ان کے بعض ساتھی نے کہا کہ بھی جلدی کرو کیونکہ کچھ لوگ صبح سویرے ہی جامع مسجد جا چکے ہیں، پھر وہ مصلوں کو جامع مسجد لے گئے نماز پڑھی اور خانقاہ واپس ہوئے وہاں سے تعجب و حیرانی کے عالم میں بوجلت گھر آئے ان سے ان کی بیوی نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے لئے آپ نے مچھلی بھوننے کے لیے کہا تھا، مچھلی تیار ہو چکی ہے وہ مہمانوں کو لے کر آئے اور سب نے مچھلی کھائی۔

پھر اپنے شیخ ابن سلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے پورا واقعہ بیان کیا اور مصر کی اولاد کا بھی ذکر کیا ان کے شیخ نے انہیں اہل و عیال کو لانے کا حکم دیا وہ مصر گئے اور سب کو لے آئے جب شیخ نے ان کے اہل و عیال کو دیکھا تو ان کے واقعہ کی تصدیق کی اور پوچھا کہ آج تمہارے دل میں کیا وسوسہ و خیال گزرا تھا مرید نے عرض کیا کہ ہاں میرے دل میں اس آیت کریمہ کے بارے میں خلجان ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج: ۴)

وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)
شیخ نے فرمایا کہ یہ تم پر اللہ کی رحمت و عنایت ہے کہ تمہارے اشکال و خلجان دور ہو گئے اور تمہارا ایمان صحیح و سالم رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے زمانہ کو پھیلا دیتا اور دوسرے کے لیے کم کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے زمانہ کو روک دیتا اور طویل مدت کو کم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر قادر ہے یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے۔

(تحفۃ الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

ایک جوہری کی حکایت

۲۲۔ عارف جامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اسی سے ملتا جلتا واقعہ وہ ہے جسے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات میں بیان فرمایا ہے کہ ایک جوہری اپنے گھر سے خیرے کرتنور کے پاس روٹی پکوانے کے لیے گیا انہیں غسل کی حاجت تھی وہ دریائے نیل کے کنارے گیا اور پانی میں ڈبکی لگائی، ڈبکی لگاتے ہی وہ اپنے آپ سے غائب ہو گیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے خواب دیکھ رہا ہو کہ وہ بغداد میں ہے وہاں اس نے شادی کی اور اس کے بچے ہوئے اسی حال میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ چھ سال رہا پھر جب اپنے ہوش میں آیا اپنے کو اسی پانی میں دیکھا جہاں اس نے چھ سال پہلے غسل جنابت کے لیے غوطہ لگایا تھا غسل مکمل کر کے کپڑے پہنے اور تنور کے پاس سے روٹیاں لے کر گھر کو آئے۔

جوہری نے یہ قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا جب چھ مہینے گزر گئے ان کی دوسری بیوی بغداد سے اپنے بچوں کے ساتھ جوہری کا گھر پہنچتے ہوئے آگئی جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو جوہری نے عورت اور بچوں کو پہچان لیا۔ جوہری کی پہلی بیوی نے اپنی سوکن سے پوچھا کہ تم سے انہوں نے کب نکاح کیا تھا اس عورت نے کہا کہ میرے نکاح کو چھ سال ہو گئے۔ امام عبدالرحمن جامی قدس سرہ کی نجات الانس کے واقعات کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ (اور پیش نظر تحریر عربی کا ترجمہ ہے)

(نجات الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

ابوالحسن خرقانی کا سلوک اور تلاوت قرآن

۲۳۔ سید عبدالواحد بلگرامی کی مبارک کتاب ”سبع سنابل شریف“ میں مروی

ایہ نصیحتیں و محمد کتاب ہے اس کے مصنف خیر السید امام زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بلگرامی ہیں یہ دسویں صدی کے اکابر علماء اور سادات اولیاء میں سے ہیں ان کی سوانح زندگی سید غلام علی کی ”ماثر الکرام“ شیخ عبدالقادر کی ”مختب التواریخ“ اور شیخ

ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رات فرمایا کہ مجھے مضبوطی سے پکڑو کیونکہ مجھ پر طویل راستے حاضر کیے گئے جب تم نے مجھے اپنی حالت پر لوٹایا تو میرا وضو خشک نہیں ہوا تھا۔
(سبع سنابل، سنبہ ۶)

۲۴۔ اسی مبارک کتاب ”سبع سنابل شریف“ میں ہے شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون ہے جو ایک گھنٹہ سے کم مدت میں قرآن کریم کے ایک ایک حرف کو سو مرتبہ پڑھ کر ختم کرے؟ اس کے بعد فرمایا کہ ان سے بارہا ایسا ہوا ہے۔
(سبع سنابل، سنبہ ۶)

حضرت جنید کے ایک مصاحب کا قصہ

۲۵۔ سبع سنابل شریف میں ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص دریائے دجلہ میں غسل کرنے کے لیے گیا اس نے کپڑے اتار کر ڈبئی لگائی جب پانی سے سر نکالا تو اپنے کو ہندوستان میں پایا یہاں اس نے شادی کی اس کے بچے ہوئے اور یہاں پر وہ کئی سال رہے۔ پھر ایک مرتبہ اس نے غسل کے ارادے سے پانی میں غوطہ لگایا تو اپنے آپ کو دریائے دجلہ میں پایا اس کے کپڑے اسی حال پر رکھے

بقیہ - علاء الدین قزوینی کی ”نفاکس الماثر“ میں ہے، ان کی متعدد تصانیف جلیلہ ہیں۔ شیخ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی نے مدینہ منورہ میں خواب میں دیکھا کہ وہ اور سید صبیحہ اللہ بھڑوچی دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہیں اور حضور کے ساتھ صحابہ کرام و اولیاء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک جماعت بھی ہے انہیں میں ایک شخص ہے جس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے تکلم فرما رہے ہیں اور اس پر لطف و نرمی کر رہے ہیں شیخ کلیم اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید صبیحہ اللہ سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی رمت و مہربانی فرما رہے ہیں، سید صبیحہ اللہ نے فرمایا کہ وہ سید عبدالواحد بلگرامی ہیں ان کے احترام و تکریم کی زیادتی کا سبب یہ ہے کہ ان کی تصنیف کردہ کتاب ”سبع سنابل“ بارگاہ رسالت میں مقبول ہو چکی ہے۔ ان کی وفات ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ شب جمعہ کو ہوئی۔ (مزار شریف تہذیب بلگرام ضلع بہاولپور ہندوستان میں ہے) ۱۲ منہ

ہوئے تھے وہ کپڑے پہن کر خانقاہ آیا اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ لوگ اسی نماز کا وضو کر رہے ہیں جس میں وہ انہیں چھوڑ کر غسل کے لیے گیا تھا۔ جب حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص نے واقعہ بیان کیا تو شیخ نے ایک دوسرے شخص کو ان کے اہل و عیال کو لانے کے لیے ہندوستان بھیجا اس نے ان کے بیوی بچوں کو لا کر ان کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طی مکان اور امکنہ خمسہ (عموم خمسہ) کے اقسام کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا یہاں تک فرمایا کہ اسی سے لوگ کہتے ہیں کہ عالم میں جو بھی چیز ہے وہ سب کے سب قرآن عظیم میں مذکور و مستور ہے۔ اور جو علم قرآن مقدس میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو علم سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے، جو علم بسم اللہ میں ہے وہ بسم اللہ کی ب میں ہے، جو علم بسم اللہ کی ب میں ہے وہ ب کے نقطہ میں ہے۔ اور فرمایا کہ نقطہ ایسا نہیں جسے کاغذ پر پھیلا کر رکھا جائے بلکہ نقطہ تو ایسا ہے جس میں طول، عرض، عمق، بعد، مسافت، فوق، تحت، یمن، یسار، خف، قدام یعنی لبائی، چوڑائی، گہرائی، دوری، فاصلہ، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، پیچھے، آگے نہیں ہے۔ اور یہی نقطہ وہ ہے جس کے لئے کہا گیا کہ علم نقطہ میں ہے۔ اور اس نقطہ کے علم کو نہ جاننے والے بہت ہیں۔

۲۶۔ پھر میر عبد الواحد بگرامی نے ان معارف و حقائق کا ذکر فرمایا ہے جو بسط زمان و طی مکان سے متعلق ہیں یہاں تک کہ انہوں نے آیات سے استدلال کیا اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس سلسلے میں شک و ریب میں ہو تو قرآن عظیم سنو کہ قرآن نے ایک مقام پر روز قیامت کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ

كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

(المعارف ۴)

روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

دوسرے مقام پر قرآن فرماتا ہے

وَمَا أَضْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ - (النحل ۷۷)

اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک کا مارنا بلکہ اس نے بھی قریب۔

(کنز الایمان)

ایک جادوگر کی حیرت انگیز بات

صاحب سبع سنابل نے پھر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ہندوستان کے بادشاہ ہمایوں کے زمانے میں شمس آباد (ضلع فرخ آباد یوپی) میں ایک جادوگر رہتا تھا جو لوگوں کو عجیب و غریب حیرت انگیز باتیں دکھایا کرتا ایک دن شیخ احمد فرطی اور شیخ احمد استاذ (یہ علماء میں سے تھے اور استاذ سے مشہور تھے) دونوں اس جادوگر کے پاس گئے اور اسے کچھ تعجب خیز بات دکھانے کے لیے کہا جادوگر نے دونوں شیخ کو ایک گھر میں بٹھایا اور گھاس کا ایک چھپر بنا کر گھر کے ایک گوشے میں کھڑا کر دیا، اس کے بعد جادوگر نے شیخ احمد فرطی سے کہا کہ اس چھپر کے نیچے آئیے جب شیخ نے اس چھپر کے اندر قدم رکھا جو خیالات ان کے دل میں تھے وہ سب کے سب زائل و محو ہو گئے اور ان کے دل میں اب یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے گھر سے گجرات جانے کے ارادے سے نکلے تھے پھر وہ مرحلے طے کرتے رہے اور منزلوں میں اترتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک مدت کے بعد گجرات پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک باغ دیکھا جس سے کچھ پھل پھلنے اسی وقت اس باغ کا باغبان ان پر چلانے اور کہنے لگا کہ یہ تو بادشاہ کا باغ ہے تم نے بغیر اجازت کے پھل کیسے چن لئے پھر اس باغبان نے ان سے پھل لے لئے اور انہیں بادشاہ کے پاس لایا اور شکایت کی، جب بادشاہ نے شیخ احمد کو غور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ شریف و معزز لوگوں میں سے ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ نے باغبان کو منع کیا اور سختی سے ڈانٹا اور شیخ سے فرمایا کہ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں ایک فرطی (پرل اور چنے بیچنے والا) آدمی ہوں میرا وطن قنوج ہے میں تو بادشاہ کے پاس ملازمت کے ارادہ سے آیا تھا، بادشاہ نے کہا مبارک ہو مجھے آپ کی ملازمت قبول ہے اس کے بعد بادشاہ نے انہیں دو گھوڑے، کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور رہنے کے لیے ایک گھر دیا۔

شیخ احمد فرملی وہاں پر کئی سال رہے وہاں انہوں نے شادی کی جس سے بچے بھی ہوئے اور وہ بادشاہ کے ساتھ رہنے لگے جب بادشاہ شکار کے لیے جاتے یا چوگان کھیلا جاتا تو یہ بادشاہ کے ہمراہ ہوتے یہاں تک کہ پچاس سال گزر گئے وہ بوڑھے اور عمر رسیدہ ہو گئے، شیخ اسی حالت میں تھے کہ انہوں نے ایک چھپرہ دیکھا اس کے اندر داخل ہوئے پھر چند ہی قدم چلے تھے کہ چھپرے سے باہر نکل گئے تو دیکھا کہ شیخ احمد اسٹاذ وہاں موجود ہیں ان سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا کہ آپ گجرات سے کب آئے؟ شیخ احمد اسٹاذ نے کہا کہ بھی گجرات کہاں ہے؟ ہم تو شمس آباد میں جادوگر کے گھر میں ہیں اور آپ ابھی اس چھپرے کے اندر گئے تھے اور ابھی واپس آئے ہیں۔ اب شیخ احمد فرملی کو جادوگر کے پاس آنا اور اس سے تعجب خیز بات کے بارے میں پوچھنا یاد آیا پھر انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ اسی طرح نو جوان ہیں جس طرح پہلے تھے، جب انہیں مکمل ہوش آیا تو پوری سرگزشت انہوں نے شیخ احمد اسٹاذ کو بتائی، وہ جب تک زندہ رہے یہ تعجب انگیز واقعہ انہیں یاد رہا اور اس پر اظہار حیرت کرتے رہے۔

(سبع سائل ”سنبہ ۶“)

بسط زمان کی ایک حکایت

۱۲۷۰ھ: ابریز شریف میں ہے صاحب ابریز حافظ احمد بن مبارک نے میر عبد الواحد بلگرامی سے پوچھا کہ ایک آدمی دریا میں اترا پھر ایک ساعت کے بعد باہر آیا ان کے ساتھی نے ان سے کہا کہ تم نے بڑی تاخیر کی یہاں تک کہ مجھے جمعہ کی نماز فوت ہونے کا خوف ہونے لگا، جو آدمی دریا میں اترا تھا اس نے کہا کہ میں مصر سے آ رہا ہوں میں وہاں اتنی مدت اور اتنے مہینے رہا میں نے وہاں پر شادی کی جس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں پر جو زمانہ جو وقت گزرا وہ تو ایک ساعت ہی ہے تو ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس پر ایک ساعت گزرے اور اس پر چند مہینے؟ کیونکہ آسمان میں سورج تو ایک ہی ہے جس سے ساعت، زمانہ اور مہینے کا وجود

ہوتا ہے۔ کرامات اولیاء میں سے یہ مشکل و مشتبہ خبر ہے اور طلی مکان، طلی زمان کے مثل نہیں کیونکہ طلی زمان میں محذور سابق لازم آئے گا یعنی زیادہ تر وسط زمان ہوتا ہے۔ اور طلی مکان صرف کرامت سے ہوتا ہے اس میں کوئی محذور و ممنوع بات نہیں۔ اس حکایت کو دوسرے لوگوں نے بھی بیان کیا ہے۔

صاحب ابریز کے سوال کے جواب میں میر عبد الواحد بلگرامی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز مشکل و دشوار نہیں وہ کسی چیز سے عاجز و قاصر نہیں، وہ اس بات پر قادر ہے کہ صاحب حکایت (جس سے واقعہ سرزد ہوا) کے لیے دوسرا زمانہ پیدا فرما دے اور صاحب حکایت جب تک دریا میں ہو دوسرے لوگوں کے لیے دوسرا زمانہ پیدا کر دے اور اس کے دریا میں موجود رہنے کے باوجود دریا کے مشاہدہ سے اس کو روک دے جس طرح اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اسے کرانا کاتبین دونوں فرشتوں کے مشاہدہ سے روک دیتا ہے، فرشتوں کو پوشیدہ رکھتا ہے حالانکہ فرشتے ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب وہ دریا میں چھپ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ زمانہ اور ان لوگوں کو موجود فرما دیتا اور اہل مصر وغیرہ میں سے جن کی چاہتا ہے ہو بہوان کی صورت بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اس حکایت سے جو مقصود و مدعا ہوتا ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس زمانہ اور ان لوگوں کو ختم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ یا اس کے مثل اس چیز کے لیے کرتا ہے جو صاحب حکایت کو درپیش ہوتی ہے، میں نے کہا کہ ہاں تم لوگ درست و سچ کہتے ہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ صاحب حکایت بعض کرامات کا منکر تھا حالانکہ وہ اولیاء کرام کی بکثرت خدمت انجام دیتا تھا۔ (ابریز شریف، باب ۷)

۱۔ یہ واقعہ الگ ہے اور اس سے پہلے کا الگ، یہاں پر چند مہینوں کا ذکر ہے اور وہاں پر چھ سال کا، یہاں پر ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہاں پر تین بچے ہوئے، یہاں پر اس کا ساتھی کنارے پر انتظار کر رہا تھا اور وہاں پر اس کے ساتھی خانقاہ میں تھے، یہاں پر بعض کرامات کا انکار تھا اور وہاں پر آیت کریمہ (کان مقداره خمین الف سنة) کے حجت ہونے میں خدشہ و خلجان تھا، ان قرآن سے معلوم ہوا کہ دونوں واقعے جدا گانہ ہیں ۱۲ منہ

اقول : جس ذات نے آدمی کو اس زمانے سے غائب کر دیا جس میں وہ تھا اور اس کے لیے دوسرا زمانہ موجود فرما دیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس معاملے میں عورت کو بھی مرد کے شریک فرما دے اور عورت اپنے زمانے سے غائب ہو کر اس زمانے میں موجود ہو جائے جس میں مرد موجود ہے، پھر مرد و عورت دونوں ایک زمانہ میں جمع ہوں، شادیاں کریں اور اولاد پیدا ہو جائے۔ یہ صرف ایک خیال و قیاس یا وہم نہیں کیونکہ اولاد کا لانا اس حقیقت کی حقیقت پر شاہد و ناظر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک نادر مخلوق

صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ میر عبد الواحد بلگرامی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس سے بھی زیادہ نادر و حیرت انگیز بات دیکھی ہے وہ یہ کہ میں نے ایک شخص کو چاشت کے وقت دیکھا جس کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ کنوارا تھا، جب ظہر کے وقت میں دوبارہ اسی جگہ آیا تو اس شخص کو مردہ پایا اور اس کے بیٹے کو اس کے کام میں مشغول و مصروف پایا اس کا یہ بیٹا جوان ہو چکا تھا، یہ بیٹا اس باپ کا تھا جس نے چاشت کے بعد شادی کی اور ظہر سے پہلے اس کا بیٹا بھی پیدا ہوا اور وہ بالغ و جوان بھی ہو گیا۔ صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ لوگ جن ہیں یا انسان؟ میر عبد الواحد بلگرامی نے فرمایا کہ یہ نہ جن ہیں نہ انسان، بلکہ اللہ کی ایسی مخلوقات ہیں جن کا شمار و حساب نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اپنی فوج کا حال جانتا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر: ۳۱)۔ اور تمہارے رب کے لشکر وہاں کو اس کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔ (کنز الایمان)

(ابریز شریف باب ۷)

اقول : شمار میں ہم نے اس کو علیحدہ نہیں کیا ہے اس لئے کہ حمل و بلوغ کی مدت جنس کے اختلاف سے متفاوت و مختلف ہوتی ہے جیسا کہ جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ (چاشت کے بعد جس کی شادی ہو اور ظہر سے پہلے اولاد) انسان کے

علاوہ دوسری جنس سے ہوں تو ہمیں ان کا حال معلوم نہ ہوگا اور نہ ہم انہیں جان سکیں گے ہو سکتا ہے یہ ان کی عادت ہو کہ ان کے یہاں حمل، ولادت اور بلوغ ایک ہی ساعت میں ہو جاتی ہو، جیسا کہ اہل جنت کے لیے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جنتی کی خواہش اگر اولاد کی ہوگی تو اس کا سارا عمل ایک ہی ساعت میں پورا ہو جائے گا۔

میر عبد الواحد بلگرامی کی کرامت و معلومات

۲۸۔ پھر صاحب ابریز نے فرمایا کہ میر عبد الواحد بلگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کے انتقال کے بعد گیارہ سال ایسے گزرے جن میں نادرو حیرت انگیز باتیں بہت ہوئیں۔ ایک سال تو ایسا گزار جس میں ہم نے اپنی موت تک کے تمام واقعات دیکھ لئے، میں نے ان شیوخ کو دیکھا جن سے میں نے بعد میں ملاقات کی، اس عورت کو دیکھا جس سے میں نے بعد میں نکاح کیا اور اپنے لڑکے عمر کی پیدائش تک کا زمانہ دیکھا اور ساتویں دن عمر کا عقیقہ بھی کرایا پھر عمر کی پیدائش کے بعد اپنے لڑکے اور لیس کی پیدائش تک کے سارے واقعات و حالات دیکھے، اور لیس کا عقیقہ بھی ساتویں دن کرایا پھر اپنی بیٹی فاطمہ کی ولادت تک کے سارے احوال و کوائف دیکھے، فاطمہ کی ولادت کے بعد میں نے اس رزق و روزی کو دیکھا جو بعد میں مجھے میسر و دستیاب ہوئی اور جن چیزوں کا میں نے ادراک کیا ان میں سے کوئی چیز مجھ سے غائب و پوشیدہ نہ رہی اور یہ چیزیں وہ ہیں جو میری زندگی میں واقع ہوئیں یا واقع ہوں گی یہ سارے احوال و واقعات کا علم رفتہ رفتہ نہیں بلکہ بہت ہی جلدی ہوا اور میں سویا ہوا نہیں تھا کہ یہ واقعات خواب میں ہوئے بلکہ میں بیدار تھا میرے ہوش و حواس بحال و قائم تھے۔

(ابریز، حوالہ مذکور)

امام عبد الوہاب شعرانی کی کرامت

۲۹۔ سیدی عبد الوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب ”الیواقیت والحواہر“ کے خاتمہ میں فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس کتاب کو ایک مہینہ سے کم مدت

میں تالیف کیا ہے، میں نے اس کی بحث کی تعداد کے برابر ”فتوحات“ کا مطالعہ کیا، مناسب نقل و اقتباس کے لیے ہر بحث پر میں پوری فتوحات کا مطالعہ کرتا تھا، علماء نے اس بات کو امام شعرانی کی کرامات میں شمار کیا ہے کیونکہ فتوحات دس ضخیم جلدوں میں ہے اس حساب سے ہر دن فتوحات کا اڑھائی مرتبہ مطالعہ ہوتا تھا جس کی مقدار روزانہ پچیس جزء ہوتے ہیں۔ کرامات اولیاء کی بحث میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ صاحب کرامت کا اپنی کرامت پر یقین و اعتماد رکھنا لازم و ضروری ہے جس طرح دوسرے ولی شرع کی کرامت پر یقین کرنا ضروری ہے۔ مؤلف (امام احمد رضا) سب سے پہلے اس کرامت کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ اول و آخر ہر حال میں اللہ ہی کا شکر احسان ہے۔ (الیواقیت: الجواہر، خاتمہ: کتاب ۱)

خود حضرت مصنف کی کرامت

۳۰۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہاں پر بارگاہ قادری کے بعض فقیر کے لیے دو مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ وہ نماز فجر کے لیے آخر وقت میں بیدار ہوئے انہیں احتلام ہوا تھا غسل کی حاجت تھی انہوں نے نجاست کو پاک کیا استنجاء کیا، دانتوں میں خلال کیا غسل خانہ میں ان کے لیے پانی رکھا گیا، غسل خانہ میں داخل ہو کر کپڑے اتارنا چاہا کہ جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا تو معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب میں صرف دس منٹ باقی ہیں اس لیے کہ اس فقیر کو عظم توقیت میں کمال مہارت، معرفت حاصل ہے گھڑی زمین پر رکھ کر غسل خانہ میں گئے اور مارے کپڑے اتارے کیونکہ یہ سردی کا زمانہ تھا، اس کے بعد فقیر کو خیال ہوا کہ وقت ابھی کافی ہے اطمینان سے تین تین مرتبہ پانی ڈال کر سنتوں کی ادائیگی کے ساتھ غسل نیا پھر سر کے بالوں کا پانی تولیہ سے خشک کرنے میں خوب مبالغہ کیا، کیونکہ پانی خشک نہ کرنے کی صورت میں ضعف دماغ کے سبب سے مرض پیدا ہونے کا خوف و اندیشہ ہوتا ہے پھر کپڑے باندھ کر غسل خانہ سے باہر آئے تو زمین سے گھڑی اٹھ کر دیکھا تو انہیں اتنا ہی وقت تھا جتنا

پہلے تھا اس سے ایک سکنڈ بھی زیادہ نہیں ہوا تھا اس سے یہ وہم ہوا کہ گھڑی رکھ دینے سے بند ہو گئی تھی اور اٹھانے سے چلنے لگی شاید وقت ختم ہو چکا ہے کیونکہ غسل وغیرہ میں دس منٹ سے زیادہ وقت لگا تھا پھر افق کی طرف نظر پڑی تو وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ وقت ابھی باقی ہے اس میں صرف فرض کی نہیں سنت کی بھی گنجائش ہے پھر فقیر نے سنت پڑھ کر فرض باجماعت ادا کیا، گھر واپس آ کر جیسی گھڑی کو گھر کی بڑی عمدہ و درست گھڑی سے ملایا تو دونوں گھڑیاں برابر و مساوی تھیں اگر یہ گھڑی بند ہو جاتی تو دونوں کے وقت میں ضرور اختلاف و فرق ہوتا، فقیر اس بات پر اللہ کا شکر بجالایا اور اس سے یہ یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فقیر قادری کے لیے ایک سکنڈ سے کم زمانہ کو پھیلا دیا یہاں تک کہ اس وقت میں اتنے کام ہو گئے جو دس منٹ سے زیادہ وقت میں بھی نہیں ہوتے۔ ہو بہو ایسا ہی واقعہ فقیر سے دو مرتبہ واقع ہوا ہے، اس قسم کے واقعات کو علماء کی اصطلاح میں معونت^۱ کہتے ہیں۔ والحمد لله رب العلمین وهو المعین فنعیم المعین

بسط زمان میں کلام اگرچہ طویل ہو گیا لیکن اس سے رب تبارک و تعالیٰ کی وسعت قدرت کا شافی و کافی بیان و اظہار ہو گیا جب تم ان سب کا تصور کرو گے تو تمہارے ذہن و دل سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کا بعید از قیاس ہونا نکل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دو پتھوں کے درمیان جس کتاب مجید کو نازل فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ علوم مآکان و مایکون کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ کیونکہ بسط زمان و طی مکان کے واقعات کی وسعتیں جب فانی مخلوقات کے لئے ثابت ہو سکتی ہیں تو پھر کیا خیال ہے تمہارا اس ذات واجب الوجود قدیم کے بارے میں جواز لی غیر مخلوق ہے؟ بلکہ مومن کا قلب بھی وسیع

۱۔ خارق عادت بات نبی سے اگر ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہو تو اسے ارباب کہتے ہیں اور اگر ظہور نبوت کے بعد ہو تو معجزہ، اور اگر وہ بات ولی سے واقع ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اور اگر عام مسلمان سے ہو تو معونت، خرق عادت بات اگر کسی کافر سے اس کی مراد مرضی کے مطابق ہو تو وہ

استدراج ہے ورنہ بات ۱۲ منہ۔

ہے اس میں عظیم و جلیل چیزیں سما جاتی ہیں جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گزرا کہ میں بسم اللہ کی ب کے علم کی تفصیل سے ستر اونٹ بھر دوں گا۔ اور انہیں سے یہ بھی گزرا کہ بسم اللہ کی ب کے نیچے جو نقطہ ہے اس کے علوم سے اسی اونٹ گراں بار کر دوں گا۔ اس سے پہلے یہ بھی گزرا ہے کہ قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت چالیس ہزار ہزار معنی ہیں لفظ ہزار تین مرتبہ۔ (یعنی چالیس ارب)

اور یہ بھی گزرا چکا ہے کہ مرد کامل، تمام احکام شرعیہ، مجتہدین و مقلدین کے جملہ اقوال و آراء قرآن عظیم کے جس حرف سے چاہے نکال لے۔ جب یہ بات ہے تو غیر منسوخ تفسیر سے ایک لاکھ اونٹ گراں بار کر دینے کا قول کیسے تنگ نظری کا شکار ہو گا یا ہر آیت کے تحت ساٹھ ہزار علم ہونے سے اس کا دامن کیونکر تنگ ہو جائے گا یا سورہ فاتحہ پھر بسم اللہ پھر بسم اللہ کی ب پھر ب کے نقطہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو تانویں (۲۳۷۹۹۹) علوم کا استخراج ہو گا تو کوئی شکوہ کیوں ہو گا یا اس سے گلہ کیوں ہو گا جو سید عثمانی کے دادا سید عبداللہ عیدروس قدس سرہما سے منقول ہے کہ اگر میں چاہوں تو قرآن مقدس کے ایک حرف ”الف“ سے ہزار جلدیں لکھ دوں۔

علوم قرآنیہ کے بارے میں جب ائمہ و اکابر کے یہ اقوال ہیں تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو کثیر کیوں سمجھا جائے کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن سے پالوں۔

یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو بہت کیسے سمجھا جائے کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر سے میں ستر اونٹ بھر دوں گا۔

۱۔ الف تمام علم احکام کو شامل ہے اس لئے کہ یہی شریعت کبریٰ کا بیضہ منیع ہے شریعت کبریٰ خدا کا ایجاد کردہ قانون ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے پھر یہ بات تمام حروف میں جاری ہوتی ہے تمام حروف کا مرجع ذات واحد ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ”جملی العروت و مراد النفوس“ میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس طرح جملہ احکام و اصول کا استخراج جس حرف سے چاہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری سمجھ کے اعتبار سے ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر حرف تمام احکام و قوانین پر مشتمل ہو۔ ۱۲ منہ

یا خود قرآن عظیم پر اسے زیادہ کیسے سمجھا جائے کہ قرآن کریم لوح محفوظ کے تمام مکتوبات اور تمام ماکان و مایکون کے علوم پر مشتمل ہے۔

اور قرآن عظیم کا نازل کرنے والا فرماتا ہے کہ قرآن کی تفصیلات میں کوئی شک و ریب نہیں یعنی قرآن کریم میں ان تمام چیزوں کی تفصیل و توضیح ہے جو لوح محفوظ میں مکتوب و منقوش ہیں، یہ بات اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ جب یہ افراد امت کے علوم ہیں تو خود سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کا کیا حال ہوگا جن پر قرآن نازل ہوا۔

جس نے قرآن کی تفصیلات سے انکار کیا اس کا مکرو حیلہ معلوم نہیں مگر یہ کہ ائمہ و اولیاء نے اسے شعراء کے مثل قرار دیا ہے۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں و پشیمان پھرتے ہیں، اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے اور ہر لغو و باطل میں خن آرائی کرتے ہیں، جھوٹی مدح کرتے ہیں، جھوٹی ہجو کرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ ایسے وقت میں خطاب ساقط ہو جاتا ہے نہ وہ مخاطب ہوتا ہے نہ جواب کا مستحق، اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

نَسَاں اللہ العفو والعافۃ

تمکمل جمیل

اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی

دونوں کتابوں کا معاملہ بہت بڑا ہے

ان دونوں کتابوں کا بیان گزر چکا ہے جن میں جنتیوں اور دوزخیوں کے نام ہیں اور حافظ ابن حجر کا یہ قول بھی گزرا ہے کہ تنگ ظرف میں وسیع و کشادہ جسم کا سنانا آسان ہے لیکن یہ مجمل شئی ہے عام لوگوں کے لئے اجمال سے محال کی مثال دینے میں حالت مشکف و واضح نہیں ہوتی اور یہ مقام تو رب تبارک و تعالیٰ کی وسعت قدرت پر تنبیہ کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ وہ کرتا ہے جس سے وہم و خیال کا بند تنگ ہو جاتا ہے۔ اسی کے بیان کے لئے میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی جلد فرض کی جائے جس میں جہازی سائز کے پانچ سو اوراق ہوں اس کے ہر صفحے میں پچاس سطریں ہوں جیسے ہمارے اس صفحہ کی لمبائی ہے ہر سطر میں دس جنتی اور ان کے باپ و قبائل کے نام بار یک خط میں ہوں مثلاً وہ سطر سلجوا حاشیہ پر مرقوم ہے لہذا اس ضخیم بڑی لمبی چوڑی بھاری جلد میں پانچ لاکھ نام سما جائیں گے۔

۱۔ ابو بکر بن ابی قحافہ التیمی، عمر بن الخطاب العدوی، عثمان بن عفان الاسوی، علی بن ابی طالب البہاشی، طلحہ بن عبید اللہ التیمی، زبیر بن العوام الاسدی، عبدالرحمن بن عوف الزہری، سعد بن ابی الوقاص الزہری، سعید بن زید العدوی، ابو عبیدہ بن الجراح القہری یا عامر بن عبد اللہ۔ ۱۳۱ھ

بغیر حساب کے جنت میں جانے والے لوگوں کی تعداد

پھر تمہیں معلوم ہو کہ بخاری و مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا 'میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے، فال و شگون نہیں لیتے اپنے خالق و مالک پر توکل و یقین رکھتے ہیں۔

(بخاری، باب ومن یتوکل علی اللہ)

بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن و چمک دار ہوں گے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لوگوں میں سے ہیں۔

(بخاری، باب ومن یتوکل علی اللہ)

اس سے وہ لوگ متعین ہو گئے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

نیز بخاری و مسلم حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ لوگ جنت میں ضرور جائیں گے وہ ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوں گے یہاں تک کہ ان کے اول و آخر سب داخل جنت ہو جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے۔ (مسلم، باب الدلیل علی دخول الخ)

امام نووی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایک صف ہو کر ایک ساتھ چوڑائی میں داخل ہوں گے یعنی سب کے سب یکبارگی داخل ہوں گے اور ان پر اولیت و آخریت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ وہ لوگ یکے بعد دیگرے صراط سے گزریں گے۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب)

اقول، دخول جنت میں ان کی اولیت و آخریت کا اعتبار و اطلاق دروازہ کے ایک پٹ کی طرف سے شمار کرنے میں ہے مثلاً جو لوگ ایک پٹ سے قریب ہوں گے وہ اول ہیں اور جو دوسرے پٹ سے قریب ہوں گے وہ آخر ہیں مطلب یہ ہے کہ سب کے سب ایک ساتھ داخل ہوں گے۔

امام احمد و ترمذی و امام ابن ماجہ سنن میں، طبرانی کبیر میں، ابن حبان صحیح میں، دار قطنی کتاب المضعفہ میں اور ضیاء مقدسی صحیح مختارہ میں ابو امامہ باہلی سے، بخوی ابو سعید زرقی سے، طبرانی و ابن عساکر ابو سعد خیر سے، احمد و طبرانی و ابو نعیم ابو ایوب انصاری سے، ابن عساکر حذیفہ بن یمان سے، طبرانی ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عتبہ بن عبد اللہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں یہ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان پر کوئی حساب و عذاب نہ ہوگا ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور میرے رب عزوجل کی منہی سے تین منہی بھر لوگ ہوں گے۔ (رب کی لب یا منہی سے مراد جو اس کی شان کے لائق ہے) جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ چار ہزار ہزار اور نو لاکھ ستر ہزار ہیں اور حثیات (منہی) کا حال و شمار تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی منہی میں کتنے لوگ ہوں گے۔

(ابن ماجہ، باب صفة منہی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، احمد، مرویات ابی امامہ)

ملائی قری "ثلاث حثیات" (تین منہی) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اشرف نے فرمایا کہ یہ لفظ "سبعین الفا" پر عطف ہونے کی صورت میں نصب کا احتمال رکھتا ہے اور "سبعون الفا" پر عطف کی صورت میں رفع کا، مقدم مبالغہ میں رفع

مراد لینا زیادہ درست اور ظاہر کے مطابق ہے اس صورت میں محذوف و تقدیری عبارت یہ ہوگی ”مع کل الف سبعون الفا و ثلاث حیات“ یعنی ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین مٹھی بھر، بخلاف نصب کے کہ وہ مبالغہ میں ظاہر نہیں ہے۔ (مرقاۃ ۹۶ حدیث ۵۵۵۶)

اقول، یہاں پر رائے و مبالغہ اور ادعاء کا دخل نہیں ہے اور نہ ”سبعون“ کے زیادہ قریب ہونے کا اثر، بلکہ مرجع اس میں روایت ہے۔ پھر اگر نصب ثابت ہو یا کچھ ثابت نہ ہو تو ہمارے لئے مبالغہ کرنا یا یہ کہنا جائز نہیں کہ ہر ہزار کے ساتھ تین مٹھی بھر لوگ ہوں گے اور اگر رفع ثابت ہو تو زیادتی میں اضافہ ہوگا یہ بات امت کے لئے زیادہ فائدہ مند و نفع بخش ہے لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی رحمت زیادہ وسیع ہے اور حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدر و شرف بارگاہ عزت میں ارفع و اعلیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پوری مخلوق کو ایک ہی ہاتھ سے جنت میں داخل کر دے جیسا کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق و تائید فرمائی۔

ابوسعید زرقی و ابوسعید خدری کی حدیث کے لفظ یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ان میں سے ہر ہزار دوسرے ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کریں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے تین مٹھی لے کر داخل جنت فرمائے گا۔ (معجم کبیر ۲۲ حدیث ۷۷۱)

لفظ ”ثلاث حیات“ یہاں پر بھی رفع و نصب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اگرچہ ذہن کی رسائی و جاہول یعنی رفع کی طرف ہے۔

امام احمد و امام حکیم ترمذی و ابویعلیٰ اور دیلمی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے یہ فضیلت دی گئی کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند اور ان کے دل ایک آدمی کے دل پر ہوں گے یعنی ان میں کوئی بغض و عناد اور اختلاف و افتراق نہ ہوگا پھر میں نے اپنے رب سے اور زیادہ

مانگا تو میرے رب نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمادیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد اول مرویات ابو بکر صدیق)

امام احمد و امام حکیم ترمذی، و طبرانی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب تبارک و تعالیٰ نے مجھے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے داخل جنت ہوں گے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اور زیادہ کیوں نہیں مانگا؟ حضور نے فرمایا ہاں میں نے زیادہ مانگا ہے تو مجھے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور عطا فرمائے عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اور مزید کیوں نہیں طلب فرمایا؟ حضور نے فرمایا ہاں میں نے اور مزید طلب کیا ہے تو مجھے اسی کے مثل اور عطا ہوئے پھر دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر حضور نے ان کی کثرت مقدار کی طرف اشارہ فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

ابن سعد طبقات میں عمرو بن عمیر سے، طبرانی کبیر میں عامر بن عمیر نمیری سے۔ بیہقی کتاب البعث والنشور میں عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے، قال و شگون نہیں لیتے، داغ نہیں کرتے اور اپنے خالق و مالک پر یقین و توکل رکھتے ہیں میں نے عرض کیا اے رب میرے اور زیادہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ دوسرے ستر ہزار ہوں گے۔ میں نے عرض کیا اے رب میرے ان اوصاف کے لوگ اتنے نہیں ہوں گے وہ تعداد پوری نہیں ہوگی رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا جب تو ہم دیہاتیوں اور گنواروں سے ان کی تعداد پوری کر دیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ عمرو بن عمیر)

علامہ ذرقانی نے شرح مواہب میں امت کی توضیح امت اجابت سے کی ہے۔

(زرقانی علی المواہب، مقصد رابع)

سوال، امت کی توضیح و تفسیر امت اجابت سے کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ کفار کا تو جنت میں کچھ حصہ ہی نہیں، انہیں جنت سے محروم ہی رکھا گیا ہے۔

جواب، **اقول**، یہ توضیح و تشریح ظاہری حاجت و ضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ جب مطلقاً امت اجابت بولا جائے تو خاص طور سے اہل سنت و جماعت مراد ہوتے ہیں اور اہل سنت ہی اس نعمت کبریٰ یعنی دخول جنت سے مخصوص ہیں دوسرے کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ دیکھو ملا علی قاری کی مرقات۔

بزار نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان (جو لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کا وصف خاص یہ ہے) **ہم الذین لا یسترقون الخ** یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے الخ۔ (کشف الاستار ۴ حدیث ۳۵۳۵)

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ ضمیر (ہم) ہر ایک کے لئے ہے اور فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں گزرا ہے کہ ستر ہزار کے اوصاف بھی ایسے ہی ہوں گے لہذا سب کے سب انہیں اوصاف سے متصف ہوں گے۔ یعنی ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ جو دوسرے ستر ہزار ہوں گے وہ بھی انہیں اوصاف و خصائل کے ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

(زرقانی علی المواہب ۵، مقصد رابع، ومنہا انہ یدخل منہم الجہنم الخ)

اقول، یہ ضروری نہیں کہ تمام لوگوں کے یہ اوصاف ہوں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے بلکہ ضمیر (ہم) اصول کے لئے ہے یعنی ان ستر ہزار کے لئے جن کا ذکر پہلے ہے اور یہ ستر ہزار وہ لوگ ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ستر ہزار ہوں گے، اس سے پہلے کی روایت سے یہی وضاحت و صراحت ہوتی ہے اور اس میں ان لوگوں کی ناامیدی و مایوسی پر دلالت نہیں ہے جن کے یہ اوصاف و خصائل

نہیں وہ لوگ بھی رحمت کردگار سے ان ستر ہزار کے پیچھے ہوں گے انہیں شفیع الہمذ نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی اور رحمت باری ان کے شامل حال ہوگی۔

حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مثل بیہتی کی ”کتاب الاسماء والصفات“ میں بھی ہے جو اسماعیل بن عیاش کے طریق سے محمد بن زیاد سے مروی ہے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور رب کی مٹھی سے تین مٹھی بھر لوگ ہوں گے۔

(کتاب الاسماء والصفات، بیہتی، باب ما ذکر فی اسمین والکف)

بعض نسخے میں یہ ہے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور ایک نسخہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ لفظ ”حبیات“ کا عطف پہلے ستر ہزار پر ہونا متعین ہے۔

امام بغوی نے معالم التنزیل میں سورۃ حج میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا نیز عمران بن حصین و ابو سعید خدری وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صرف ستر ہزار؟ حضور نے فرمایا ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔

(معالم التنزیل، تحت آیۃ یوم ترونا)

بحمدہ تعالیٰ یہ لوگ چار ہزار ہزار ہزار، نو لاکھ ہزار اور ستر ہزار ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ایسے مقام میں عدد کا بیان زائد کی نفی نہیں کرتا (یعنی جنتیوں کی جو تعداد مذکور ہوئی صرف وہی لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے کیونکہ دوسرے لوگ بھی رحمت ذوالجلال سے جنت میں جائیں گے) بلکہ اکثر تواتر کو پورا کر دیتا ہے کیونکہ اکثر اقل کو شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر گھر میں قادی ہوں اور یہ کہ

جائے کہ گھر میں دس آدمی ہیں تو بات سچی اور درست ہوگی لیکن اگر دس ہوں اور یہ کہا جائے کہ سو آدمی ہیں تو ایسا کہتا جائز نہیں اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز، ہر وصف، ہر کمال کو روز افزوں اور زیادہ ہی فرماتا ہے کم نہیں کرتا لہذا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ستر ہزار کا وعدہ فرمایا پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمایا پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کر دیا پھر تین مٹھی بھر کا اور اضافہ فرمایا اور حضور کی خواہش و مرضی کو مکمل فرمادیا، جس کی کثرت مقدار کی طرف حضور نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اشارہ فرمایا۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَاَعْلٰی حَمْدُہِ الصَّلٰۃُ وَاَلَسْلَامُ اَبَدًا مَّتَوٰفِرًا۔**

یہ عدد تو ان جنتیوں کے ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کے نام اس طرز سے لکھنے کے لئے جو طریقہ بتایا گیا آٹھ سو نو ہزار بڑی بڑی ضخیم مجلدات کی ضرورت ہوگی، پھر ان کے بارے میں کیا خیال ہے جو رب تعالیٰ کی تین مٹیوں میں ہیں۔ پھر تمام جنتیوں کے بارے میں کیا خیال ہے، ان کے نام کتنے دفتر میں آئیں گے۔

بنی آدم کے نیک لوگوں کی تعداد

امام عبدالوہاب شمرانی قدس سرہ نے ”الیواقیت والجواہر“ کی بحث ۳۲ میں فرمایا کہ مجھے میرے بھائی الفضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نیک لوگوں کے عدد سے آگاہ و مطلع فرمایا جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت انور میں ہیں، بد بختوں کی اطلاع نہیں دی گئی، اور ان کی تعداد کے بارے میں فرمایا کہ نو سو ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار (نو مرتبہ) اور نو سو ننانوے ہزار اور اس کے نصف و ثلث سب کو اصول میں ضرب دیا جائے اس کا جو حاصل ضرب ہو وہی ان نیک لوگوں کی تعداد ہے جو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت مبارک میں ہیں ان میں نہ کوئی زیادہ ہوں گے نہ کم۔ یہ ایسا حساب ہے جو عقل و سمجھ سے ماوراء ہے ہاں اس کے جاننے اور معلوم کرنے کا طریقہ صرف کشف و مکاشفہ ہے۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲)

حاصل یہ کہ تم تین صفر لکھو، پھر نو سو ننانوے، پھر ۲۳ صفر، پھر ۹ لکھو، کل میں رقم ہوں گے یہ اصول ہیں ان میں ان کے نصف و ثلث کو ملاؤ تو ایک دوسرا مجموعہ ہوگا جس میں اکتیس رقم ہوں گے یعنی دو صفر پھر اٹھارہ ہزار تین سو پندرہ اور میں صفر لکھو اس کے بعد ایک سو پینسٹھ، پھر اس مجموعہ کو اصول میں ضرب دو جس کے اکسٹھ رقوم ہوں گے یعنی پانچ صفر پھر پچاسی، چھیاسٹھ، اکتیس، اٹھارہ اس کے بعد انیس صفر پھر بیس ہزار نو سو سٹھ لکھو پھر بیس صفر اس کے بعد ایک ہزار چار سو پچاسی لکھو۔ اس حساب کو ہندسوں میں لکھنے کی صورت یہ ہے۔

۱۔ بھائی سے مراد یہاں پر دینی بھائی ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکابر اصحاب میں سے ہیں۔ ۱۲ منہ

marfat.com

Marfat.com

بندہ سعید و شقی کے عدد کے درمیان نسبت و فرق

جب سعید کے عدد کا یہ حال ہے کہ وہ عقل انسانی سے باہر دماورا ہے تو اشقیاء کے عدد کی کثرت و زیادتی کا کیا حال ہوگا کیونکہ سعید سو میں ایک یا ہزار میں ایک ہے بلکہ سعید، اشقیاء میں ایسا ہے جیسے کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال، یہ روایتیں صحیح حدیثوں میں مروی ہیں اور محدثین نے ان روایات کی جمع و تطبیق میں کلام بھی کیا ہے اور مجھے ایک بات یہ سمجھ میں آرہی ہے ویسے اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اولاد آدم میں سعید سو میں ایک ہے اور جب اولاد آدم کو یا جوج و ما جوج کے ساتھ ملا کر شمار کیا جائے تو ہزار میں ایک سعید ہوگا اور جب اولاد آدم کو جن سے ملایا جائے تو سعید ایسا ہوگا جیسے کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارا جائے گا آدم کی ذریت انہیں دیکھے گی ان کی ذریت سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے باپ آدم ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ رب کی پکار پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب دیں گے لیک و سعیدیک، اے رب میں تیرے حضور حاضر ہوں حاضر ہوں رب تعالیٰ فرمائے گا اپنی ذریت میں سے جہنم میں جانے والے لوگوں کو نکال لو حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے میں کتنا نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ برسو میں سے ننانوے کو نکالو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

جب ہم میں سے ہر سو سے ننانوے کو لے لیا جائے گا تو پھر ہم میں کیا باقی رہے گا؟ حضور نے فرمایا کہ میری امت کی تعداد دوسری امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کالے نل کے بدن میں ایک سفید بال۔ (بخاری باب کیف الحشر)

امام احمد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل قیامت کے دن ایک منادی کو بھیجے گا وہ پکارے گا کہ اے آدم اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی ذریت میں سے ایک جماعت کو دوزخ میں بھیج دیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے اے رب میرے وہ لوگ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ حضرت آدم سے کہا جائے گا کہ ہر سو میں سے ننانوے کو دوزخ میں بھیج دو۔ (مسند احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن مسعود)

امام بغوی معالم التنزیل میں اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل قیامت کے دن حضرت آدم سے فرمائے گا کہ اے آدم اٹھو اور ”بعث نار“ (دوزخ میں جانے والے لوگوں) کو دوزخ میں بھیجو، حضرت آدم عرض کریں گے لیک و سعیدیک والخیر فی بدیک یا رب میں تیرے حضور بار بار حاضر ہوں اے رب میرے بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے، بعث نار، کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار ہیں۔ لوگ کہیں گے ہم میں وہ ایک کون ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نو سو ننانوے یا جوج و ما جوج میں سے ہیں اور تم میں سے صرف ایک ہے۔ (معالم التنزیل تحت آیت یوم ترونا تذہل)

امام احمد، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائے گا اے آدم، وہ عرض کریں گے میں تیرے حضور میں حاضر ہوں ساری بھلائیاں تیرے ہی

دست قدرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بعث نار کو نکالو حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے بعث نار کیا ہے؟ رب فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار یعنی دوزخی ہیں، یہی وہ وقت ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

امام مسلم عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خروج دجال و نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا لوگ کھڑے ہو کر حکم الہی کا انتظار کریں گے پھر ان سے کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کے پاس آؤ اور انہیں روک کر ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ بعث نار کو نکالو فرشتے عرض کریں گے کس کو اور کتنوں کو نکالا جائے؟ ان سے کہا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخی ہیں ان کو نکالو، یہی وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہی وہ وقت ہے جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے) جمہور کے نزدیک کشف ساق شدت و معوبت امر سے عبارت ہے جو روز قیامت حساب و جزاء کے لئے پیش آئے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں وہ بڑا سخت وقت ہے۔ (مسلم باب ذکر الدجال)

سعید بن منصور، احمد، عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور حاکم عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور تید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائے گا اے آدم بعث نار (دوزخیوں) کو دوزخ میں بھیجو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے اے رب میرے بعث نار کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، یہ سن کر مسلمان رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میانہ روی و درستی اختیار کرو اور راہ راست

کی طرف گامزن و متوجہ ہو جاؤ کیونکہ جونہی بھی آیا اس کے سامنے جاہلیت کے طریقے اور جاہلیت کی باتیں تھیں یعنی ہر نبی جاہلیت کی باتیں منانے آئے، پھر حضور نے فرمایا کہ نو سو تنانوے جاہلیت میں سے لئے جائیں گے جاہلیت سے اگر تعداد پوری ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تعداد منافقین کو ملا کر پوری کی جائے گی، تمہاری اور دیگر امتوں کی مثال ایسی ہے جیسے جانور کے دست میں جتنی کا نشان یا جیسے اونٹ کے پہلو میں تل کا داغ۔ (ترمذی ابواب التفسیر)

اور ترمذی وغیرہ کے لفظ یہ ہیں، عمل کرو اور خوشخبری دو، قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے بیشک تم دو مخلوق کے ساتھ ہو وہ دونوں مخلوق جس چیز کے ساتھ رہے گی اس میں کثرت و زیادتی ہی ہوگی، ایک مخلوق یا جوج و ما جوج ہیں اور دوسری مخلوق وہ انسان و جن جو حالت کفر میں مرے۔

(ترمذی کتاب التفسیر)

بزار، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم اٹھو اور "بعث ناز" کو دوزخ میں بھیجو، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے اے پروردگار وہ کتنے ہیں؟ رب تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو تنانوے۔ اس کے بعد اس حدیث میں دونوں مخلوق اور تل کے نشان کا ذکر ہے اور آخر میں یہ ہے کہ میری امت ہزار جزء کی ایک جزء ہے۔ امام طبرانی و ابن مردویہ نے اس حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کیا اور وہ ضعیف ہے۔

(مستدرک حاکم، کتاب الاحوال، مجتم کبیر حدیث ۱۲۰۳۴)

عبد بن حمید، عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابن مردویہ اور حاکم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث مذکور کے مثل عدد اور نشان تل کا ذکر کر کے فرمایا بیشک تمہارے ساتھ

دو مخلوق ہیں یہ دونوں مخلوق جس چیز میں رہتی ہے اس میں کثرت و زیادتی ہی ہوتی ہے ایک مخلوق یا جوج و ما جوج ہیں اور دوسری مخلوق وہ لوگ جو کفر پر مرے۔

(التلخیص علی المستدرک للذہبی، کتاب الاہوال)

ابن مردویہ ابو موسیٰ سے، طلحہ بن الصقر ابو درداء سے اور ابن جریر حسن سے مرسل روایت کرتے ہیں اور یہ سب کے سب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، اس حدیث میں بھی عدد مذکور ہے اور حسن کی حدیث مرسل میں دونوں مخلوق کے ذکر کے بعد یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج ہی دوزخی ہیں، اور ان کی تعداد منافقین سے پوری کی جائے گی۔

(طبری جامع البیان، فی تفسیر سورۃ الحج تحت آیت یا ایہا الناس اتقوا ربکم)

ابن منذر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن رب تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا فرمائے گا کہ اے آدم! بعث نار کو نکالو۔ حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے مجھے تو وہی علم ہے جو تو نے سکھایا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار کو نکالو۔

(درمنثور، للسیوطی، سورۃ مزل)

پہلی تین حدیثوں کو دیکھو ان میں ذریت آدم کے سو میں سے ایک کا تذکرہ ہے اور باقی حدیثوں میں ایسا نہیں ہے، ابوسعید خدری کی دونوں حدیثوں میں بھی ذریت آدم کے سو میں سے ایک کا ذکر ہے یہ ہزار میں سے ایک والی روایت کے قائل نہیں ہیں اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں سو میں سے ایک اور لفظ ذریت مروی ہے اور ان کی روایت میں ہزار میں سے ایک کا ذکر نہیں ہے۔

یا جوج و ماجوج کا نسب

اوپر یہ بیان ہوا کہ ہزار میں نو سوتنا نوے دوزخ میں جانے والے لوگ یا جوج و ماجوج ہیں یہ بات اس پر مبنی ہے کہ یا جوج و ماجوج بروجہ مشہور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت نہیں ہیں کیونکہ علماء کے مابین اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ اولاد آدم میں سے ہیں یا نہیں؟ وہب وغیرہ نے فرمایا کہ یا جوج و ماجوج اولاد آدم میں سے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔

(فتح الباری، باب یا جوج و ماجوج، کتاب المغن)

اقول، وہب ہی اپنی ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ یا جوج و ماجوج میں انسانوں سے مشابہت ہے اور وہ جانوروں کے ہم شکل ہیں۔۔۔ الخ

محمد بن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن عدی، ابن عساکر اور ابن التجار بروایت وہب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا جوج و ماجوج کی تین قسمیں ہیں

- ایک قسم درخت صنوبر کے مانند ہے یہ درخت ملک شام میں زیادہ پایا جاتا ہے اس کی لمبائی ایک سو بیس گز اوپر کی جانب ہوتی ہے۔
- دوسری قسم کی لمبائی ایک سو بیس گز اور چوڑائی بھی ایک سو بیس گز ہے ان کے بوجھ سے نہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ قائم و برقرار رہتا ہے نہ کوئی لوہا۔
- تیسری قسم ایسی ہے کہ وہ اپنا ایک کان بچھاتے اور دوسرا اوڑھتے ہیں

(کامل ابن عدی، ترجمہ محمد بن اسحاق)

اور کعب کہتے ہیں کہ یا جوج و ما جوج صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں حضرت حواء کی نہیں، یہ اس اعتبار سے ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں آنے کے بعد سوئے تو ان کو احلام ہوا ان کا یہ نطفہ مٹی سے مل گیا پھر اسی نطفہ سے اللہ تعالیٰ نے یا جوج و ما جوج کو پیدا فرمایا۔

(شرح مسلم نووی، باب بیان کون هذه الامة الخ)

اقول، اس روایت کی تطبیق ممکن ہے لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ یا جوج و ما جوج آدم کی اولاد ہیں اس لئے کہ وہ انہیں کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس کی نفی بھی جائز ہے اس لئے کہ بچہ وہ ہے جو عورت سے پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

أَنِّي يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً

(الانعام۔ ۱۰۱)

اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں

(اور بے عورت اولاد نہیں ہوتی اور زوجہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ کوئی شئی اس کے مثل نہیں)

یہ بات اس کے منافی نہیں جو عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن سلام، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قتادہ و خالد الج سے مروی ہے کہ یا جوج و ما جوج حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔

بلکہ ابن حمید، ابن منذر، طبرانی، بیہقی کتاب البعث والنشور میں، ابن مردویہ،

اس سلسلے میں جو احادیث مرفوعہ یا مقطوعہ ہیں ان میں سے کوئی حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی اگرچہ وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ نہیں، حافظ ابن حجر نے اس قول کو ذکر کر کے فرمایا کہ اس پر جزم کیا گیا ہے اور وہب وغیرہ نے بھی جزم کیا ہے اور وہب نے صحابی کی تکریم نہیں کی اس کے باوجود حافظ عسقلانی وہب کی نصرت چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر اگر احادیث مرفوعہ سے کوئی حدیث درجہ صحت کو پہنچ جائے اس کے باوجود جمہور علماء کا مسلک مسلم رہے گا اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی جیسا کہ ماقبل میں معلوم ہوا ہے۔

marfat.com

ابن عساکر ابن عمر سے اور طبرانی وابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، (یہ ابن عمر کی حدیث مرفوع ہے) کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی نہیں مرتا مگر یہ کہ وہ اپنی ذریت میں سے ایک ہزار یا اس سے زیادہ افراد کو چھوڑتا ہے اور ان کے بعد تین گروہ ہیں (۱) تاویل (۲) تاریس (۳) نیک۔

(معجم کبیر طبرانی، حدیث ۱۲۰۳۳)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو احتلام نہیں ہوتا، اس بات سے اوپر کی روایات کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اس احتلام کی نفی کی گئی ہے کہ شیطان خواب میں ان کے لئے متمثل ہو اور وہ جماع کی صورت دیکھیں، لیکن جو برتن کے بھر جانے اور فضلہ کے دفاع کے طور پر ہو وہ پیشاب کے مثل ہے۔ لہذا اس قسم کا احتلام انبیاء کو ہو سکتا ہے۔ فتح الباری کی عبارت کا یہی مطلب ہے اور اسی قول کو شیخ الاسلام امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں مقبول و معتمد ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں حضرت حواء کی نہیں یہی جمہور علماء کا مذہب ہے لہذا وہ ہمارے علانی یعنی باپ شریک بھائی ہوئے۔

(کنز العمال، حدیث ۳۸۸۷۲)

اس قول کے معتمد ہونے کی وجہ فتح الباری میں یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج یا فت بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں ورنہ (اگر وہ اولاد آدم ہوں اور حواء کی نہیں تو) وہ طوفان نوح کے وقت کہاں رہے؟ (فتح الباری، باب یاجوج و ماجوج)

اقول، اولاً۔ یاجوج و ماجوج کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نطفہ سے ہونے کے لئے طوفان نوح کے وقت ان کا موجود رہنا ضروری نہیں، ہمیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ آدم کو زمانہ دراز تک پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ طوفان نوح کے بعد اسی نطفہ سے یاجوج و ماجوج کو پیدا فرمایا ہو۔

شانہا۔ ممکن ہے کہ یاجوج و ماجوج کے ایک جوڑے نے اسلام قبول کیا اور وہ کشتی نوح پر سوار ہو گئے اور باقی لوگ غرق ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں سے جتنا چاہا ان کی نسل کو پھیلا دیا اور ان کا اسلام قبول کرنا کوئی ممنوع یا غیر واقعی بات نہیں اس معنی کے اعتبار سے کہ ان میں سے کم لوگ ہی مسلمان ہیں۔

ابن ابی حاتم امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج روزانہ صبح کو پہاڑ (جس کے درمیان سکندر ذوالقرنین نے کاسہ اور تانبے کی دیوار بنوائی) پر جاتے ہیں اسے چاٹ چاٹ کر انڈے کے چھلکے کے مثل باریک کر دیتے پھر یہ کہہ کر شام کو واپس چلے جاتے ہیں کہ کل آ کر اس کو کھول دیں گے جب دوسرے دن صبح کو آتے ہیں تو وہ دیوار اپنی اصلی حالت پر ہو جاتی ہے جس پر وہ چائے جانے سے پہلے تھی ہمیشہ وہ ایسا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں ایک مسلمان لڑکا پیدا ہوگا، اس کے بعد جب صبح سویرے وہ لوگ دیوار کو چاٹنے جائیں گے تو یہ مسلمان لڑکا ان سے کہے گا کہ ”بسم اللہ“ کہو، جب وہ لوگ بسم اللہ کہہ لیں گے اور چاٹنے کے بعد شام کو واپس ہونے کا ارادہ کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کل آ کر اسے کھول دیں گے تو وہ لڑکا کہے گا کہ کہو انشاء اللہ ہم کل اسے کھول دیں گے وہ سب کے سب انشاء اللہ کہیں گے پھر جب صبح کو آئیں گے تو وہ دیوار انڈے کے چھلکے کی مانند باریک ہی رہے گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث ۱۲۹۸۸)

اور اسی کے مثل ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اس میں یہ ہے کہ جب دوبارہ وہ لوگ صبح کو دیوار کے پاس آئیں گے تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط قوی پائیں گے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ فرمانا چاہے گا تو انہیں میں سے ایک آدمی مسلمان ہو جائے گا یہی مومن کہے گا کہ کل ہم اسے کھول دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ (فتح الباری، کتاب الفتن باب یاجوج و ماجوج)

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام نووی کا قول،، کہ جمہور علماء کے نزدیک یاجوج

و ماجوج آدم کی اولاد ہیں حواء کی نہیں“ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ کعب احبار کے علاوہ ہم نے کسی سلف کی کوئی روایت ایسی نہیں دیکھی اور حدیث مرفوع سے اس کا رد ہو رہا ہے کہ یاجوج و ماجوج نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام حواء کی ذریت ہیں (تہذیب جوج و ماجوج آدم و حواء اور نوح کی اولاد ہوئے۔) (حوالہ مذکور)

اقول، امام نووی کے بارے میں علماء نے فرمایا کہ ان کے بعد ان کا ہم مثل و ہم پلہ علم حدیث میں کوئی نہیں آیا۔ حافظ ابن حجر کا کوئی روایت نہ دیکھنا امام نووی کی نقل کے معارض و منافی نہیں اور جس نے جانا اس نے نہ جاننے والے کی کمی پوری کر دی۔ چند سطر پہلے جس حدیث مرفوع کا ذکر ہوا اس سے ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوع مراد لی ہے ”کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین لڑکے ہوئے (۱) سام (۲) حام (۳) یافت

● عرب، فارس اور روم سام کی اولاد ہیں

● قبط، بربر اور سوڈان حام کی اولاد ہیں

● ترک، یورپین اور یاجوج و ماجوج یافت کی اولاد ہیں

ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس حدیث کو بزار و حاکم نے روایت کیا۔ (حاکم مستدرک ۴، کتاب الفتن والملاحم)

اقول، ابن حجر کا قول کہ اس کی سند ضعیف ہے ہمارے لئے کافی ہے پھر یہ حدیث صحاح اور خود ابو ہریرہ کی حدیث کے مخالف ہے۔

امام احمد و حاکم حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ثابت رکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح کے تین لڑکے ہوئے سام، حام اور یافت جو ابوالروم ہے۔ (یہ حدیث ابو ہریرہ کی حدیث کے مخالف ہے) (حاکم مستدرک ۴، کتاب التاریخ)

طبرانی کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سرہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح کے تین لڑکے ہوئے۔

● سام، ابوالعرب ہے

● حام، ابوالخشبہ ہے

● یافث، ابوالروم ہے

(معجم کبیر ۱۸ حدیث ۳۰۹)

ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین لڑکے ہوئے

● ابوالعرب، سام ہوا

● ابوالخشبہ، حام ہوا

● ابوالروم، یافث ہوا

(کنز العمال ۱۱ حدیث ۳۲۳۹۳)

(یہ دونوں روایت بھی حدیث ابو ہریرہ کے مخالف ہیں) لہذا اس قسم کی روایات سے جمہور علماء کا قول کینے مسترد کیا جاسکتا ہے۔ دونوں عددوں یعنی سو میں سے ایک اور ہزار میں سے ایک کے درمیان جمع و تطبیق میں میرے لئے یہ توضیح ظاہر ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ اس سے احسن و عمدہ ہے جو ابن حجر نے اس کی جمع و توفیق کے وجوہ میں بیان فرمایا ہے ان کا اور ان وجوہ پر اعتراضات کا اعادہ کر کے ہم کلام کو طویل نہیں کریں گے۔ اور اس کے بعد معاملہ جو بھی ہو ایک اور ایک ہزار کی نسبت متحقق ہونے میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اس لئے کہ عدد، زائد کی نفی نہیں کرتا۔ اسے کرمانی اور عینی نے بھی بیان کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس اختلاف روایت کا اقتضاء یہ ہے کہ ابوسعید کی حدیث پر ابو ہریرہ کی حدیث مقدم ہو کیونکہ ابو ہریرہ کی حدیث زیادہ تعداد پر مشتمل ہے ابوسعید کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر ہزار میں سے ایک

جنتی ہے اور یہ اہل جنت کا حصہ ہے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہزار میں سے دس جنتی ہیں، لہذا حکم زائد کے لئے زیادہ درست و صحیح ہے۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق باب ان زلزلة الساعة شئ عظیم)

اقول، اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے بلکہ اس اختلاف روایت کا اقتضاء اس کے برعکس ہے یعنی ابو ہریرہ کی حدیث پر ابو سعید کی حدیث مقدم ہو کیونکہ کلام کا سیاق و سباق اہل جنت کا حصہ بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ بعثت مار (دوزخ میں جانے والے لوگوں) کے لئے ہے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث کا معاملہ یہ ہے کہ یا جوج و ماجوج ہزار میں سے نو سو نوے ہیں۔ اور ابو سعید کی حدیث کا حال یہ ہے کہ وہ ہزار میں سے نو سو ننانوے ہیں۔ لہذا حکم زائد کے لئے زیادہ بہتر و صواب ہے۔

اگر فرض کیا جائے کہ حدیث ابو ہریرہ کی دلالت اس بات پر ہے کہ دوزخ سے نجات پانے والے دس لوگ ہیں تو یہ اس کا مفہوم ہی ہوگا اور حدیث ابو سعید کا منطوق یہ ہے کہ ہلاک ہونے والے نو سو ننانوے ہیں اور مفہوم، منطوق کے معارض و منافی نہیں ہے۔

اولاد آدم کے دوزخیوں کی تعداد

بنی آدم کے سعداء (خوش نصیب گروہ) کی تعداد کا بیان ماقبل میں جو مذکور ہوا اسے ۹۹۹ میں ضرب دیا جائے تو اشقیاء (بد بختوں) کی تعداد حاصل ہو جائے گی اسے ہندسوں میں اس طرح لکھا جائے گا۔

.....۳۲۹۳۳۰۳۳۰.....۱۸۲۷۸۳۸۸۳۱۵.....

۱۲۸۳۵۱۵.....

یہ کل چونسٹھ عدد ہیں انٹالیس صفر اور پچیس رقوم
اور اشقیاء کے نام لکھنے کے لئے بڑی ضخیم اتنی مجلدات کی ضرورت ہوگی۔

.....۶۵۸۶۸۰۶۶۰.....۳۶۵۵۶۷۷۶۶۳

۲۹۶۷۰۳۰.....

یہ کل اٹھاون عدد ہیں چھتیس صفر اور بائیس رقوم اور یہ ہزار ہزار ہزار۔۔۔ الخ
(انیس مرتبہ) ہے ان سب کو اللہ سبحانہ نے چھوٹی کتاب میں جمع فرما دیا ہے جسے مصطفیٰ
جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائیس باتھ سے اٹھا لیا۔

یہ تعداد تو بیان کردہ عدد کی بنا پر ہے۔ اور جب ہم اسے اس حیثیت سے دیکھیں
گے کہ ایک بال کو نیل کے بدن کے بالوں سے کیا نسبت ہے تو اس کی تعداد کی تعبیر
ہمارے لئے ممکن نہیں اسی لئے سیدی افضل الدین قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
انہیں سعداء کے عدد پر مطلع فرمایا ہے اشقیاء کے عدد پر نہیں۔

(البراقیت والجوہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالہ نبینا الخ)

marfat.com

Marfat.com

الیواقیت والجواہر کے باب ۳۶۵ میں فتوحات شریف سے شیخ ابن عربی قدس
 لہرہ کا قول منقول ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ نبوت کا
 مشاہدہ کیا اور حضرت آدم سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہم وبارک وسلم تک
 جملہ انبیاء کرام کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مومنین کو بھی دکھایا جو انبیاء کرام پر
 ایمان لائے یہاں تک کہ جو موجود ہیں اور جو قیامت تک موجود ہوتے رہیں گے ان
 میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا میں نے سب کو دیکھا۔ اور میں نے خواص و عوام سب کو
 پہچان لیا اور ان تمام نیک لوگوں کو جان لیا جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت
 مبارک میں تھے۔ اب ان میں سے کسی بھی جنتی و دوزخی کا حال مجھ سے مخفی و پوشیدہ
 نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخیوں کی کثرت کے سبب سے ان کی تعداد کا علم
 نہیں دیا، کیونکہ دوزخیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (حضور کے علاوہ
 دوزخیوں کی تعداد کا علم کسی کو نہیں دیا گیا) (حوالہ مذکور)

لامحالہ شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۵ میں دوزخیوں و
 جنتیوں کے ناموں کی دونوں کتابوں کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ ان دونوں
 کتابوں میں جو نام مذکور ہیں ان کو اگر پوری مخلوق لکھنے لگے تو انہیں نہ لکھ سکے اور دنیا
 بھر کے پتے، کاغذ وغیرہ ان کے برابر نہ ہوں گے۔ اور فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہو گیا

۱۔ شیخ ابن عربی نے اس کے بعد ایک انتہائی نفیس حکایت بیان کی ہے کہ ایک سیدھا بھولا شخص حج
 سے فارغ ہو کر طواف و داع کر رہا تھا اس سے ایک شخص ملا جس نے ازراہ مذاق اس سیدھے
 بھولے شخص سے کہا کہ ارے بھئی کیا تم نے اللہ سے دوزخ سے نجات کا پروانہ لے لیا اس نے کہا
 نہیں، کیا اور لوگوں نے لے لیا ہے اس نے کہا ہاں لوگوں نے لے لیا ہے وہ ابلہ (بھولا) شخص
 رونے لگا اور حطیم کعبہ میں جا کر غلاف کعبہ سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور اللہ تعالیٰ سے دوزخ
 سے اپنی آزادی کا پروانہ مانگنے لگا، دوسرے لوگ اور اس کے ساتھی اس کو ملامت کرنے لگے اور
 بتانے لگے کہ فلاں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے اس شخص کو یقین نہ آیا وہ برابر پروانہ رہائی طلب
 کرتا رہا وہ اسی حال پر تھا کہ اچانک آسمان سے میزاب کی جانب سے ایک پرچہ گرا جس میں لکھا ہوا

کہ اللہ کی کتابت اور پوری مخلوق کی کتابت میں کیا فرق ہے، یعنی دونوں میں نمایاں اور واضح فرق ہے۔ (فتوحات مکیہ ۳ باب ۳۱۵)

اب وقت آگیا ہے کہ خدا کی نوشتہ دونوں کتابوں کا تصور کریں اور چھوٹے تنگ ظرف میں عظیم و کبیر جسم کے سما جانے کے معنی و مطلب کو جانیں اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ بے فائدہ اور حیرت انگیز و تعجب خیز امور کا بیان نہیں ہے کیونکہ قدرت خداوندی کی وسعت و فراخی ثابت شدہ امر ہے جس کا کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور صاحب ایمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

بقیہ تھا کہ ”وہ دوزخ سے آزاد ہے“ وہ ابلہ اس پرچہ سے بے پناہ خوش ہوا اور اس پرچہ کو دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اس پرچہ کے من جانب اللہ ہونے کی علامت یہ تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر دیکھاں پڑھا جاتا تھا پرچہ کے پلٹنے سے اس کی تحریر بھی پلٹ کر اسی جانب سے ہو جاتی جس طرف سے دیکھنے والا دیکھتا۔ اس علامت سے لوگوں کو یقین آگیا کہ یہ پرچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس کے بعد اسی سے ملتا جلتا اس زمانے کی ایک نیک عورت کا واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲۰

فائدہ جلیلہ

زبان اور دل کے علم میں فرق

اہول، ہاں اے میرے بھائی علم کی دو قسمیں ہیں

۱۔ علم باللسان، یعنی زبان کا علم

۲۔ علم فی البھان، یعنی دل کا علم

زبان کے علم سے میری مراد وہ نہیں جو بظاہر اقرار کرے اور باطن انکار (والعیاذ باللہ) کیونکہ یہ منافقین کی عادت و علامت ہے۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ

● بعض علم وہ ہے جسے دل کی رائیوں سے لیا جاتا ہے وہ دل میں گھر کرتا، اس سے سینہ مطمئن اور دل ٹھنڈا ہوتا، اور اس سے باطن میں رنگ بھر جاتا ہے، لہذا جب جب ایسے علم کی تلاش جستجو کی جائے گی تو اس کی وسعت و کشادگی ہی بڑھے گی اور اسے درجہ قبول پر فائز دیکھو گے، اس سے خوشی و مسرت حاصل ہوگی، یہی دل کا علم ہے۔

● اور بعض علم وہ ہے جس پر قلب ابھارتا اور ایکساتا ہے دل میں اس کی کشش و جاذبیت ہوتی ہے ایسی صورت میں دل ناپسندیدہ بات کو مان لیتا ہے اور کبھی دل کو اجمالی حالات کی تابعداری منظور ہوتی ہے کیونکہ اس کو آسان بات پر ابھارتا ہے اور اس کا قبول کرنا بھی آسان ہے مگر جب دل کو اس کے خیالوں سے جدا کر دیا جائے تو اس کا اندھا پن ظاہر ہونے لگتا اور اس کا انکار شروع ہو جاتا ہے اور اگر قبول کرے تو اس کہات کے مثل قبول کرتا ہے کہ ”جس ہاتھ کو وہ کاٹ نہ سکا اس کو چوم لیا“ اور اگر عدول و اعراض کرے تو راہ راست سے بہک جائے گا۔ یہ وہ بات ہے جس کے رد و انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

پہلی قسم یعنی علم باللسان کی مثال میں یہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جسے حاکم نے مستدرک میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج میں زمینی سیر سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے (اور عرش و کرسی وغیرہ کی سیر کر کے رات ہی کو واپس تشریف لائے) صبح کو لوگ اس سلسلے میں مختلف قسم کی باتیں کرنے لگے اس واقعہ سے کچھ مسلمان مرتد ہو گئے اور کچھ مشرکین دوڑتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنے ساتھی (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس چلے، وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے تھے، ابوبکر نے کہا کیا ہمارے حضور ایسا فرماتے ہیں مشرکین نے کہا ہاں، وہ ایسا کہتے ہیں ابوبکر نے کہا کہ اگر انہوں نے ایسا کہا تو حج کہا مشرکین نے پھر کہا کہ اے ابوبکر کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے تھے اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ ابوبکر نے فرمایا کہ میں تو اس سے زیادہ بعید بات میں بھی ان کی تصدیق و تائید کرتا ہوں میں تو ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح و شام ان کے پاس آسمان کی خبریں آیا کرتی ہیں۔ اسی سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”صدیق“ مشہور ہوئے۔

اور یہ ان کا لقب قرار پایا۔ (حاکم مستدرک، کتاب المعرفة۔ ذکر الاختلاف فی امر الخلافہ)

علم باللسان کی مثال میں دوسری حکایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ابلیس انسانی شکل میں ایک جاہل عابد کے پاس آیا اسے ایک بہت ہی چھوٹی شیشی دکھائی اور پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس شیشی میں آسمان و زمین دونوں کو داخل کر سکتا ہے؟ جاہل عابد نے اسے ہار بار دیکھا اور غور کیا پھر کہا کہ یہ تو ایسی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس چھوٹی شیشی میں آسمان و زمین کو داخل نہیں کر سکتا، اسی وقت ادھر سے ایک عالم صاحب کا گزر ہوا ابلیس لعین نے وہی شیشی عالم صاحب کو دکھا کر پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس میں آسمان و زمین کو داخل کر سکتا ہے؟ عالم نے فرمایا کہ ہٹ یہاں سے۔ تو تو

شیطان معلوم ہوتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو صرف آسمان و زمین نہیں بلکہ عرش و کرسی وغیرہ کو بھی سوئی کے ناکام میں داخل فرما دے۔ (لفظ المرجان باحکام الجان، للسیوطی)
یعنی اللہ تعالیٰ اسم قابض (اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام) سے کائنات پر تجلی فرمائے گا تو اسے سمیٹ کر سوئی کے ناکام سے چھوٹا کر دے گا، یا اسم باسط (اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام) سے سوئی کے ناکام پر تجلی فرمائے گا تو اسے پھیلا کر کائنات سے زیادہ وسیع و فراخ کر دے گا۔

جو لوگ (واقعہ معراج سے) مرتد ہو گئے انہوں نے یا اس عابد جاہل نے اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان رکھا وہ لوگ اس بات پر ایمان و یقین نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے۔ ہاں کیوں نہیں لیکن ان پر اجمالاً یہ تسلیم کر لینا آسان و سہل تھا۔ مگر جب ان کے سامنے بعض کی تفصیلات آئیں تو ان کے اپنے دھوکہ و فریب کو ان کی عقلیں پہچان نہ سکیں اور وہ خوفزدہ و متحیر ہو کر اس کے منکر ہو گئے یا شک و تردد میں مبتلا ہوئے۔

ہمارے دینی بھائیوں کو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ و مامون رکھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے یہ آیت کریمہ

• وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل - ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنز الایمان)
تلاوت کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے قبول کیا۔

اور جب ان سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ روایت
تجلی لی کل شئی و عرفت (درمنثور ۵، تحت آیت قل صوباً عظیم)

مجھ پر ہر چیز روشن ہوئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔
بیان کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں

لیکن ان سے جب اجمال کی بعض تفصیلات کا ذکر کیا جائے تو ان پر خوف و گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی عقلیں اس بات کو تسلیم کرنے کی عادی نہیں ہیں جیسے ان سے اگر یہ کہا جائے کہ ایک ذات اقدس کو ماکان و مایکون کے علوم و

معارف عطا کئے گئے تو وہ اس میں تاویل میں کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ اگر ان سے کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو قرآن عظیم سے اپنے اونٹ کی گمشدہ ری پالیتے ہیں تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ اور اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

لہذا اگر ان کے دلوں میں تفصیلات کا بعید از قیاس ہونے کا معاملہ باقی نہ رہتا اور وہ بادشاہ جلیل پر اس کو زیادہ نہ سمجھتے تو انہیں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح یہ کہتے کہ ”جو تم کہتے ہو وہ ہمارے رب ذوالجلال پر کچھ مشکل نہیں ہے اور میں تو اس سے زیادہ مشکل و بعید بات کی تصدیق کرتا ہوں۔“

اے بھائی! اسی سبب سے میں نے وہ باتیں زیادہ بیان کر دیں جو متردد انسان کو تصدیق و تسلیم کی منزل سے قریب تر کرویتیں اور قبول و تحقیق کے گھاٹ اتار دیتی ہیں کیونکہ کانوں سے جب کوئی آواز بار بار ٹکراتی ہے تو دل کی نفرتیں کم ہو جاتی ہیں اور اس کا قبول کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔

واللہ یقول الحق و یہدی الی السبیل و حسبنا اللہ و نعم الوکیل

فائدہ جلیلہ مومن کو یہ بحث کافی ہے

قدرت باری تعالیٰ کے منکرین کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علم یا کسی چیز کو اس کے لئے کثیر و زیادہ نہیں سمجھتے بلکہ یہ بات تو ہم ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کے تمام علوم کا ایک بندہ میں جمع ہونا اور اس بندہ کا ان علوم کا احاطہ کرنا انتہائی بعید از قیاس بات ہے۔

اقول: کبھی تم قرآن عظیم کو دیکھتے ہو تو وہ تمہیں بظاہر کاغذ و سیاہی کی صورت میں نظر آتا ہے اور کبھی تم ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو تو بظاہر صرف حضور کے خد و خال دیکھتے ہو، اسی بات کو عارف باللہ امام اجل محمد بلخی رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں اس طرح فرماتے ہیں

توز قرآن اے پر ظاہر مبین دیو آدم رانہ بیند غیر طین
ظاہر قرآن چو خفص آدمی است کہ نقوش ظاہر و جانش خفی است
(مثنوی دفتر ثالث)

حاصل یہ ہے کہ اے لڑکے! اپنی نظر کو صرف ظاہر قرآن پر محدود نہ رکھ کیونکہ اس کا ظاہر بدن انسان کے مانند ہے، اس کے نقوش ظاہر اور اس کی روح پوشیدہ ہے، مولا ناروم فرماتے ہیں کہ تم ابلیس لعین سے بچو کیونکہ اس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی کے سوا کچھ نہ دیکھا نہ کچھ سمجھا اور ابلیس نے یہ کہا

(الاسراء-۶۱)

ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا

کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا۔
(کنز الایمان) اور یہ کہا

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (الاعراف-۱۲)
بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا

(کنز الایمان)
اور اگر ابلیس قرآن مقدس کے باطن کو دیکھتا جس کی طرف اس آیت کریمہ سے اشارہ کیا گیا ہے

قَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرة-۳۰)

(کنز الایمان) فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے

تو ابلیس لعین سجدہ کے لئے فتنہ و فساد میں مبتلا نہ ہوتا اور نہ آگ و مٹی کے مسئلہ پر قائم و جامد رہتا۔ اے لڑکے! تم شیاطین کے ساتھی بننے سے احتراز کرو۔ قسم خدا کی اگر تم پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور باطن کی تجلی سوئی کی نوک کے برابر ظاہر ہو جائے تو تم تمام ماکان و مایکون کے علوم کو حقیر سمجھنے لگو یہ بات اس کے نزدیک ہے جو یہ خبر سننے کا اہل ہے، نا اہل کو ان حقائق سے محروم و دور رکھا گیا ہے۔

یا تو اللہ کی قدرت تسلیم کرو یا یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون کا علم دیا گیا اسے قبل از ان دونوں باتوں میں، اسے ایک کو یا دونوں کو تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَنَزَّلْنَا خَلْقَكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل-۸۹)

(کنز الایمان) اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔
اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

نحلی لی کل شئی و عرفت (درمنثور ۵ تحت آیت قل محوباً عظیم)

مجھ پر ہر چیز روشن و ظاہر ہوئی اور میں نے ہر ایک کو پہچان لیا۔

لہذا تاویل و تحویل کے سہارا لینے کا مطلب عی یہ ہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کثیر و زیادہ سمجھا گیا یا اسے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیت سے باہر مانا گیا۔ یہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کے سب باطنی مرض اور دل کا بخار ہے اور یہ ابلیس لعین کے قول ”خلقتہ من طین“ کا عکس خودی ہے۔ خدا کے لئے تم اپنے دین و مذہب کی حفاظت کرو، شیطان اور اس کے مکر و فریب سے دور رہو دین کے معاملہ میں تمہیں میری یہ نصیحت ہے۔ اگر تم نصیحت کرنے والوں کو پسند کرتے اور انہیں محبوب جانتے ہو تو ان کی ناصحانہ و خیر خواہانہ باتوں پر عمل و یقین کرو۔

والحمد لله رب العلمین

قول خصوص کی طرف بحث کارخ اور اس کا مطلب

وہاب علوم کے فضل و شکر سے جب ہم نے قرآن کے عموم علم کے ارکان و اجزاء کو مضبوط و مستحکم کیا اور اسے فکر و سمجھ سے قریب کر دیا۔ اب ہم مخالفین کے وہم و گمان کی طرف راغب و متوجہ ہوں گے اور ان سے جو غزشتیں واقع ہوئیں ان کو اجاگر و واضح کریں گے اس سلسلے میں ہماری گفتگو چند طرح سے ہوگی، ہم اسے اللہ کی توفیق و قوت سے بیان کر رہے ہیں۔

اولاً: جس کے ذریعہ مخالف و غیر مخالف کی معرفت و پہچان ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس کسی نے کوئی خاص چیز بیان کی تو خصوص کے قائلین نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ دلیل تخصیص سے ملتی جلتی بات ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے جو انہوں نے سمجھا۔

ثانیاً: جن لوگوں نے علوم قرآنیہ کو خاص کیا انہوں نے بھی انجانے میں عموم ثابت کیا۔

ثالثاً: جس چیز یا جس داعیہ نے قائلین خصوص کو تخصیص عام پر اکسایا وہ باطل و ہم ہے اسے استقرار و پائیداری نہیں۔

رابعاً: جو دلائل انہوں نے خصوص پر دیئے ہیں وہ سب خود ساختہ اور بناوٹی ہیں ان سے نہ وہ مومن ہوں گے نہ بھوک سے بے نیاز۔ تخصیص کے بعد بھی ان کا محذور باقی ہے انہیں اس سے چھٹکارا دینے والا کوئی نہیں۔

خامساً: مخالفین کے ان شبہات کی وضاحت جن سے وہ عموم کے قریب ہوئے

اور جن شبہات کی بنا پر نصوص کو کھینچ کر انہوں نے خصوص کی تنگ کوٹھری میں کر دیا۔
 ایسے ہی وقت میں حق کے لئے سر جھک جاتے اور علم سے قلوب و اذہان مسرور ہو
 جاتے ہیں جہاں نفس یہ کہتا ہے کہ دلہن کے بعد پھر کسی عطر کی حاجت نہیں۔ ہم اس
 مضمون کو چند فصلوں میں بیان کریں گے۔ لہذا اللہ کی توفیق و مدد سے ہم کہتے ہیں۔

فصل

خصوص کے قائل صرف بعض متاخرین ہیں

علوم قرآنیہ کو محدود و منحصر کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ عامہ ائمہ کرام ان آیات میں تخصیص کے قائل ہیں جو علوم قرآنیہ کے عموم میں تلاوت کی گئی ہیں۔

اقول، یہ صرف ایک ظن و تخمین ہے اگر وہ فطانت و فراست کا دامن ہاتھ سے پکڑے رہتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ تخصیص کے قائل بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان آیات کی تفسیر میں کچھ بھی منقول نہیں جو خصوص کے لئے مفید ہیں ہاں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ تو عموم میں ظاہر نص کا درجہ رکھتا ہے اور صحابہ کرام کے بعد جو تابعین، تبع تابعین اور ائمہ سلف ہیں ان سے بھی کوئی ایسی تصریح بالکل نظر نہ آئی کہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں ہاں ان کے مرویات کی حد و انتہا یہ ہے کہ انہوں نے ان آیات کی تفسیر میں کچھ خاص چیزیں ذکر کی ہیں جبکہ ان میں سے کوئی بھی چیز تخصیص پر دلیل نہیں ہے کیونکہ عام سے خاص کا ذکر یا کثیر سے قلیل کا ذکر چند مختلف درست و مفید وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ ان میں سے بعض کو ہم ابھی ذکر کریں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرما دیا ہے۔

صرف ذکر میں شئی کی تخصیص کے احتمالات

۱۔ **فما قول**، ان احتمالات میں سے ایک احتمال حفظ عموم ہے جیسے مریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاصْطَفٰكَ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ

(آل عمران۔ ۴۲)

اور آج سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا
حالانکہ حضرت مریم اپنے زمانے کے اکثر مردوں سے بھی افضل ہیں اور مردوں
میں بعض حضرت مریم سے بھی افضل ہیں جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور خود مریم
کے بیٹے حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وعلیہا وبارک وسلم۔

اور جیسے حضرات حسنین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
فرمان کہ ”حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔“

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حالانکہ حضرات حسنین ہزاروں جنتی بوڑھوں کے بھی سردار ہیں اور جنتی بچوں
میں بعض حسنین سے بھی افضل ہیں جیسے خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے جس میں کوئی تنازع نہیں ہے اس پر اقتصار و
اکتفا کرنا، جیسے

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

(الغاثہ۔ ۳)

روز جزا کا مالک

(کنز الایمان)

وَالْاَمْرُ یَوْصِدُ لِلّٰہِ

(الانفطار۔ ۱۹)

اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے

(کنز الایمان)

۳۔ انہیں احتمالات میں سے ہے جو اس خصوص میں مخالف ہے اس کا رد کرنا جیسے

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعَرَى

(النجم۔ ۴۹)

اور یہ کہ وہی ستارہ شعری کا رب ہے۔ جو کہ شدت گرما میں جو زاء کے بعد طالع ہوتا ہے اہل جاہلیت اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ سب کا رب اللہ ہے اس ستارہ کا رب بھی اللہ ہے لہذا اسی کی عبادت کرو۔

(کنز الایمان و خزائن العرفان)

یہ آیت ستارہ شعری کے پجاریوں کا رد ہے۔ اسی قبیل سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان اقدس ہے کہ ”پانچ چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔“

(مسند احمد بن حنبل، مرویات، بریدہ اسلمی)

۴۔ انہیں احتمالات میں سے ہے جس کا زیادہ اہتمام ہو اس کی خصوصیت بیان کرنا اس لئے کہ کسی چیز کا خاص طور پر ذکر کرنا اس کی زیادتی کی دلیل ہے جو عموم کے ضمن میں موجود ہے جیسے

لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ

(یس۔ ۶)

تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے۔ (کنز الایمان)

اس فرمان باری تعالیٰ کے ساتھ

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

(الفرقان۔ ۱)

جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (کنز الایمان)

۵۔ انہیں احتمالات میں سے ہے متاسبت مقام جیسے

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

(حم السجدۃ۔ ۴۰)

جو جی میں آئے کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (کنز الایمان)

اسی قبیل سے ”ان اللہ سمیع علیم“ جیسی آیات میں مفسرین کے اقوال

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اقوال سنتا، ان کے احوال جانتا ہے۔ ابن جریر اور جلالین نے اس کی اور بھی مثالیں دی ہیں۔
(جلالین، البقرة آیت ۲۲۳)

۶۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اس پر اقتصار کرنا جس میں سامعین کو اختیار کرنے کی کوئی سبیل ہو۔ جیسے

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ أَنَّىٰ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا

(الاسراء۔ ۱)

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

(کنز الایمان)

۷۔ انہیں احتمالات میں سے ہے ایسی چیز کا ذکر کرنا جو مخاطب کو قبول کرنے پر

ابھارے۔ جیسے

إِنَّمَا أَمِرتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا

مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اسے حرمت والا کیا۔

(کنز الایمان)

۸۔ انہیں احتمالات میں سے ہے شرف مذکور کا اظہار کرنا جیسے

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ

تو انہیں چاہئے اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔

۹۔ انہیں احتمالات میں سے ہے علت حکم کی طرف اشارہ کرنا جیسے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ

اے لوگو اپنے رب کو پوجو۔

۱۰۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، رد کرنے میں بقدر ضرورت اقتصار کرنا،

جیسے فرعون اور اس کے گروہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ

رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا۔

(الشعراء۔ ۲۶)

(کنز الایمان)

۱۱۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، حاضر پر اقتصار کرنا تا کہ غائب پر استدلال ہو سکے۔ جیسے

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الصافات۔ ۵)

مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ (کنز الایمان)
۱۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے خفی کی طرف ایصال کا ارادہ کئے بغیر ظاہر پر اقتصار کرنا جیسے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيرٍ يَظِيرُ (الانعام۔ ۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے۔ (کنز الایمان)
امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ ذکر میں زمین کی چیزوں کی تخصیص ہے آسمانی چیزوں کی نہیں کیونکہ اس میں صرف ظاہر پر استدلال کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۲)

۱۳۔ انہیں احتمالات میں سے ہے بعض صفات جلیلہ پر تنبیہ کرنا۔ جیسے

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمن۔ ۱۷)

دونوں پورب کا رب اور دونوں بچھتم کا رب۔ (کنز الایمان)
یعنی صبح کو نمودار کرنے والا۔

۱۴۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اکتفا کرنا۔ جیسے رَبُّ الْمَشَارِقِ یعنی مشرق و مغرب دونوں کا رب۔

۱۵۔ انہیں احتمالات میں سے ہے مبطل سے باطل کی طمع کو ختم کرنا۔ جیسے

أَمْثَلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ (الشعراء۔ ۴۷، ۴۸)

جادوگر بولے ہم ایمان لائے اس پر جو سارے جہان کا رب ہے جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ (کنز الایمان)

تا کہ نمرود کی طرح فرعون لعین یہ نہ کہے کہ میں رب اکبر ہوں۔

۱۶۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، خلاف کا وہم زائل کرنا۔ جیسے

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَاللَّهُ أَبَاكَ إِنَّا نَحْنُ وَإِسْمَاعِيلُ وَإِسْحَاقُ إِلَهُنَا وَاحِدًا

(البقرہ ۱۳۳)

بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسمعیل و اسحاق کا ایک خدا۔
(کنز الایمان)

۱۷۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اشراف و افاضل پر اقتصار کرنا۔ جیسے

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ (الناس، ۱، ۲، ۳)

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا۔
(کنز الایمان)

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں“ حالانکہ حضور دونوں جہان کے سردار و سید ہیں۔

(مسلم باب فضل نسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۱۸۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، تخصیص سے تعمیم کرنا یعنی خاص کا ذکر عام کو

مستزہم ہے جیسے

وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

(ص، ۷۸)

بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔
(کنز الایمان)

۱۹۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، مخاطب کے مبلغ علم پر اقتصار کرنا جیسے

أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ

(الشعراء، ۱۳۲)

تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں۔
(کنز الایمان)

۲۰۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، سب سے بڑے مخاطب پر اقتصار کرنا جیسے

أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ

(الشعراء، ۱۳۳)

تمہاری مدد کی چو پائیوں اور میٹوں سے۔ (کنز الایمان)

۲۱۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، حصول کی سہولت۔ جیسے

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ

(الذاریات، ۲۰)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو۔ (کنز الایمان)

رغائب القرآن میں ہے کہ آیات ارضیہ کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حواس سے قریب ہیں۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان، نظام حسن بن محمد، آیت فی اموالہم الایۃ)

۲۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، تام خالص پر اقتصار کرنا جیسے

وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ

(التوبہ، ۶۱)

جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔ (کنز الایمان)

حالانکہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں جہان کے لئے رحمت ہیں۔

یہ میں سے زائد مثالیں ہیں اگر کوئی مثال باقی رہ گئی ہے تو ہم مقصود سے خارج ہونے کے خوف سے اسے اسی نوع میں پورا کر دیں گے۔

قرآن ذو وجوہ ہے اور

وہ تمام ہی وجوہ سے حجت ہے

تفاسیر کا دیکھنے والا جانتا ہے خاص طور پر آثار صحابہ سے جو تفاسیر مروی و منقول ہیں ان کے جاننے والے پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کرام ایک آیت کی تفسیر میں اقوال کثیرہ ذکر کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی قول ایک دوسرے سے متضاد و مخالف نہیں ہوتا بلکہ آیت ان تمام معانی کو شامل ہوتی ہے۔ اس سے جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کے درمیان یہ اختلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک اسی معنی کو ذکر کرتے ہیں جو اس آیت کا معنی و مفہوم ہوا ہے اور آیت اس کو شامل ہوتی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ آیت اسی معنی میں محصور ہے جو ہم نے مراد لیا ہے۔ ایسی تفسیریں بہت زیادہ اور اتنی مشہور ہیں کہ ان کی مثال و نظیر کی حاجت نہیں۔

امام زرکشی، برہان میں اور امام جلال الدین سیوطی "اتقان" میں فرماتے ہیں کہ "کبھی مفسرین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ میں عبارات مروی ہوتی ہیں بے عقل اس سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ محققین کا اختلاف ہے پھر وہ الفاظ و عبارات کے اختلاف کو اقوال کثیرہ سمجھ کر بیان کر دیتا ہے، حالانکہ بات ایسی نہیں بلکہ سب نے آیت کا معنی ہی ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہی معنی ظاہر و درست یا سائن کی حالت کے مناسب ہے۔ اور کبھی بعض مفسرین لازم شئی اور اس کی نظیر کو بیان کرتے ہیں اور کوئی اس کے مقصود و نتیجہ کو مگر ہر ایک زیادہ تر ایک ہی معنی کی تاویل و توجیح کرتے ہیں۔ (الاتقان، نوع ۸، فی معرفۃ شروط المفسر و آدابہ)

اقول، اس کی نظیر بذات خود یہی کلام مذکور ہے۔ کسی معنی کے ظاہر یا حالت سائل کے مناسب ہونے میں مفسر کا جو قول ہے اس پر حصر مروی نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں کہ مفسر نے ایک معنی کو کسی پر محمول کر کے حصر مراد لیا ہو اور نہ معنی، ان ہی دونوں حالتوں میں محصور و محدود ہے جیسا کہ میرے بیان سے ظاہر و واضح ہوا کہ یہ بات حق کے متلاشی کے لئے ظاہر و عیاں ہے اسی سبب سے محققین کے نزدیک آیات کو تمام معانی محتملہ پر محمول کرنا واجب ہے۔

امام زرکشی و امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر دو معنی کا اجتماع کسی چیز میں ایک دوسرے کے منافی ہو اور ایک لفظ میں دونوں ایک ساتھ مراد لینا ممکن نہ ہو تو مجتہد دونوں کی مراد متعین کرنے کے لئے دلائل و قرائن کا سہارا لے کر اجتہاد کرے گا۔ اجتہاد کے بعد جو اس کا ظن غالب ہو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی وہی مراد متعین ہوگی اگر مجتہد کے لئے کوئی چیز واضح نہ ہو تو اسے کیا یہ اختیار ہے کہ وہ دونوں معنوں میں سے جس پر چاہے محمول کرے یا اس سے جو سخت حکم ہے وہ لے یا خفیف اقوال پر عمل کرے؟

اور اگر دونوں معنی آپس میں متضاد و متنافی نہ ہوں تو محققین کے نزدیک دونوں پر حمل واجب ہے یہ بات قرآن عظیم کے اعجاز و فصاحت میں زیادہ بلیغ ہے ہاں اگر دونوں معنی میں سے ایک کی مراد پر کوئی دلیل دلالت کرے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔

(الاتقان نوع ۸۷ فی معرفۃ شروط المفسر و آدابہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ”آدمی کامل فقیہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ قرآن کریم کے وجوہ کثیرہ کو نہ دیکھے۔ مقاتل نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (ابونعیم حلیۃ الاولیاء ترجمہ ابی الدرداء)

اور امام سیوطی نے ان کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ آدمی ایک لفظ میں متعدد معانی کا احتمال دیکھے اور اس لفظ کو انہیں معانی پر محمول کر دے جسکے یہ معانی آپس میں متضاد و

متناقض نہ ہوں اور اس پر لازم ہے کہ وہ صرف ایک معنی پر اکتفا نہ کرے۔

(الاتقان ۷۹ نوع ۳۹ فی معرفۃ الوجوہ)

وہ لوگ جو علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائل ہیں اگر ایک ہی معنی مراد لیں گے تو آیت کو اس کے تمام معانی پر محمول کرنے کا باطل ہونا لازم آئے گا اور یہ بات اتفاق محققین کے خلاف ہے۔

سعید بن منصور سنن میں، ابن منذر و بیہقی ”کتاب الرویۃ“ میں سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں قرآن تو ایک جامع اور عمدہ کلام ہے البتہ اس سے یہ اور یہ مراد لیا جاتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے قرآن کا معجزہ قرار دیا ہے کہ ایک کلمہ کے بیس بیس وجوہ نکلتے ہیں، یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔

(الاتقان نوع ۳۹ فی معرفۃ الوجوہ والظہار)

۱۱ یہ تو ایک عام وجہ ہے ”رسالہ عالیہ المامول“ نے آیت کریمہ ”ما امر طنافی الكتاب من شئ“ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی) کے جواب میں جس کا ارتکاب کیا اس کا دفاع ہو چکا ہے۔ رسالہ نے ص ۵ پر ابن جریر سے نقل کیا کہ ”آیت میں جواقظ الكتاب“ ہے اسے لوح محفوظ پر محمول کیا گیا ہے“ پھر رسالہ نے ص ۶ پر کہا کہ ”آیت کو لوح محفوظ پر محمول کرنے کی صورت میں بھی ہمارے مقصود سے آیت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ لہذا متنبہ و خبردار ہو جاؤ۔

اور تمہیں معلوم نہیں کہ چند وجوہ میں سے ایک پر قرآن کے حجت ہونے میں اقوال کثیرہ کو چھوڑ دیا جائے تو اکثر کتاب کا درجہ احتجاج سے ساقط ہونا لازم آئے گا، کاش رسالہ اس کو بیان کر دیتا جس پر اس نے تنبیہ کی پھر اسی کے متصل امام رازی کا قول نقل کیا کہ ”آیت مذکورہ میں الكتاب“ کی مراد میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے

یہ زیادہ ظاہر و درست ہے، امام رازی نے یہاں تک فرمایا کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے۔۔۔۔۔ انتہی۔۔۔۔۔ متنبہ ہو جاؤ۔۔۔۔۔ تاکہ ہم امام رازی کے کلام کا یہی مطلب اور یہی وجہ سمجھیں۔

میں پھر کہتا ہوں اس خصوص کے بیان کے بارے میں جس میں کلام گردش کر رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ (الانعام، ۱۵۴)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو ٹکوار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت کہ کہیں وہ (بنی اسرائیل) اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔ (کنز الایمان)

ابن ابی حاتم، عہد بن حمید اور ابن منذر مجاہد سے روایت کرتے ہیں، امام مجاہد آیہ کریمہ ”تفصیل لکل شئی“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تفصیل سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۱۱۶)

ابن ابی حاتم مجاہد ہی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توریت کی تختیوں کو نیچے ڈال دیا تو ہدایت و رحمت باقی رہی، اور تفصیل چلی گئی، لہذا غور کرو اور دیکھو کہ امام مجاہد نے جس طرح ”تفصیل لکل شئی“ کی تفسیر امر و نہی سے کی اسی طرح قرآن کے حق میں بھی ”تبیانا لکل شئی“ کی تفسیر امر و نہی سے کی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۱۱۵)

ابن جریر و ابن منذر امام مجاہد سے آیہ کریمہ ”تبیانا لکل شئی“ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ اگر اس کی مراد محدود و مخصوص شئی ہو تو ”ذهب التفصیل“ کا مطلب و معنی یہ ہوگا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توریت کے الواح ڈال دیئے تو امر و نہی چلے گئے۔ ایسا وہم و خیال کسی عاقل و زیرک کو نہیں ہوگا کہ

جب امر و نہی رخصت ہو جائیں گے تو پھر کون سی ہدایت باقی رہے گی؟

بلکہ عام کے درمیان سے خاص کا ذکر قطعاً مراد لیتا یا اس لئے ہے کہ وہ اہم ہے یا اس لئے کہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے یا اس لئے کہ یہ اکثر لوگوں کا مبلغ علم ہے یا اس لئے کہ یہ لوگوں کی بڑی مراد ہے یا اس لئے کہ یہ لوگوں کی فہم و فراست سے قریب ہے یا واضح و ظاہر حال پر اقتصار کے لئے، اس کے علاوہ جو بھی تخصیص بالذکر کے وجوہ ہوں۔ لہذا توریت سے ماکان و مایکون کی تفصیل لے جانے والا اور امر و نہی کو باقی رکھنے والا قادر مطلق ہے اس کا فرمان ”تفصیلاً لکل شئی“ صادق و برحق ہے اور اس سے زیادہ کس کی بات سچی۔

بلکہ ظاہر توریت سے تفصیلات کا چلا جانا یعنی الواح توریت کے سات اجزاء میں سے چھ جزء کی ان عبارتوں کا چلا جانا جن میں ماکان و مایکون کی تفصیلات ہیں اور ساتویں جزء کا باقی رہنا جو احکام و شرائع پر مشتمل ہے یہ توریت کے بطون میں تفصیل مذکور کے باقی رہنے کے منافی نہیں جیسا کہ بطون قرآن میں تفصیلات موجود ہیں۔

ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت، زبرجد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی ان میں ہر چیز کا روشن بیان اور مواعظت و نصیحت تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر آئے دیکھا کہ بنی اسرائیل پھمڑے کی پوجا میں منہمک ہیں تو انہوں نے توریت کو ہاتھ سے نیچے گرا دیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے چھ اجزاء اٹھائے اور ایک جزء باقی رہا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۹۵۷)

توریت میں قیامت تک رونما

ہونے والے واقعات کا بیان موجود ہے

کعب کا علم بالمغیب

طبرانی کبیر میں بیہقی دلائل النبوة میں روایت کرتے ہیں محمد بن یزید ثقفی نے کہا کہ قیس بن خرشہ اور کعب احبار دونوں ایک ساتھ ایک جگہ گئے جب دونوں مقام صفین میں پہنچے کعب رک گئے تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھا اور کہا کہ اس جگہ مسلمانوں کا اتنا خون بہے گا کہ روئے زمین میں اس کے مثل کسی اور جگہ نہیں بہایا جائے گا۔ قیس نے کہا اے کعب آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیونکہ یہ تو غیب کی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ کعب احبار نے فرمایا کہ زمین میں کوئی بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جس کا بیان توریت میں نہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے۔ روئے زمین پر جو واقعات و حالات قیامت تک پیش آئیں گے ان سب کا بیان توریت میں موجود ہے۔ (دلائل النبوة بیہقی، باب ماروی فی اخبارہ الخ)

قیس بن خرشہ فرماتے ہیں کہ کعب احبار واقعہ صفین سے پہلے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کر گئے۔ (واقعہ صفین سے مراد وہ جنگ ہے جو حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مقام صفین میں برپا ہوئی تھی)

کعب احبار کو قیامت تک ہونے والے واقعات کا علم تھا

ابن جریر کعب احبار سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! اگر قرآن عظیم میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات کی خبر دے دیتا امیر المومنین عمر نے فرمایا کہ وہ آیت کون سی ہے؟ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ

(الرعد، ۳۹)

اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔
(کنز الایمان) (جامع البیان، طبری ۱۳، آیت بمحو اللہ ما یشاء)
اقول، یہ فرمان باری تعالیٰ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ باطن کا معاملہ ہے کیونکہ انسان کی فکر و فہم میں خطا ہو سکتی ہے اس لئے کعب احبار نے اس آیت کے پیش نظر قیامت تک کے احوال کی خبر نہ دی۔ انسانی فہم میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن کتاب اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی نہ اس کے کلمات کو کوئی بدل سکتا ہے وہ سنتا جانتا ہے۔

آیات خمس کی مراد

ثالثاً: علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائلین اگر محمد و تفصیلات مراد لیں تو آیات آپس میں متناقض و متباہن ہو جائیں گی اور مفسرین کی رائے ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں پانچ آیات پیش کی جاتی ہیں

سورہ انعام میں ہے

۱۔ مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

(الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔

(کنز الایمان)

سورہ یونس میں ہے

۲۔ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(یونس، ۳۷)

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے

(کنز الایمان)

پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔

سورہ یوسف میں ہے

۳۔ وَلَئِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ

(یوسف، ۱۱۱)

لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ (کنز الایمان)

سورہ نمل میں ہے

۴۔ وَكَذَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ

(النمل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

(کنز الایمان)

سورہ اسراء میں ہے

۵۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَضَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا

(الاسراء، ۱۲)

اور ہم نے ہر چیز کو خوب جدا جدا طاقا ہر فرمادی۔

(کنز الایمان)

● ابوالسعود محمد بن محمد العمرادی نے اپنی کتاب "ارشاد العقول السليم الى

مزايا الكتاب الكريم" میں تیسری آیت کے بارے میں فرمایا کہ یہاں تفصیل سے

مراد وہ ہے جس کی دین میں ضرورت پڑتی ہے اور چوتھی آیت میں "کل شئی" امور

دین سے متعلق ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جو چیز دین سے متعلق ہے ضروری نہیں کہ

دین میں اس کی ضرورت بھی پڑے۔ اور دوسری آیت میں مراد وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے

حقائق و شرائع میں سے ثابت و باقی رکھا اور لکھا ہے۔ اور پہلی آیت میں یہ ہے کہ ہم نے قرآن عظیم میں کسی بھی اہم چیز کا بیان نہیں چھوڑا اور پانچویں آیت ”کل شئی“ سے مراد وہ ہے جس کی معاش و معاد میں ضرورت پڑتی ہے البتہ وہ چیز جس کو رات اور دن کے لئے علامت و نشانی قرار دیا گیا اور وہ چیز جس سے دینی و دنیاوی منافع متعلق ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ ”فصلناہ تفصیلاً“ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم میں ایسا واضح بلیغ بیان فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کا التباس و اشتباہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنز الایمان)

لہذا ان سب آیات میں باہم تفاوت ہے۔ خاص طور سے پہلی اور پانچویں آیتوں کے درمیان فرق زیادہ ہے گویا کہ وہ نفعیض کے دو کناروں پر ہیں۔

(ارشاد العقل السليم، قاضی ابوالسعود ج ۲ تحت آیات مذکورہ)

● خازن نے ”لباب التاویل“ میں دوسری آیت کے بارے میں فرمایا کہ قرآن میں جو حلال و حرام اور فرائض و احکام ہیں ان کی تفصیل و توضیح مراد ہے۔ اور چوتھی آیت میں ”کل شئی“ سے مراد امور دین ہیں تیسری آیت میں ”تفصیل کل شئی“ سے مراد حلال و حرام، حدود و قصاص، احکام و مواعظ اور امثال و نظائر وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کی بندے کو دینی و دنیاوی معاملے میں حاجت ہوتی ہے۔ پانچویں آیت میں ”کل شئی“ سے مراد وہ چیز ہے جس کی دنیا و دین کے معاملے میں تمہیں ضرورت پڑتی ہے۔ ہم نے اسے واضح طور پر بیان فرمایا جس میں کسی سے کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے۔

(لباب التاویل، علامہ ابن علی بن محمد، تحت آیات مذکورہ)

● پہلی آیت کے بارے میں یہ گزر چکا ہے کہ قرآن عظیم تمام احوال پر مشتمل ہے۔

● امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ چوتھی آیت ”کل شئی“ سے مراد وہ

ہے کہ شریعت کے معاملے میں لوگوں کو جس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تیسری آیت میں ”کل شئی“ سے مراد وہ ہے جس کی دین میں حاجت ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام و قوانین وغیرہ مراد ہیں اور پانچویں آیت میں ”کل شئی“ سے مراد وہ ہے جس کی حاجت و ضرورت ہو۔ (جلالین للسیوطی، تحت آیات مذکورہ)

● جمل میں چوتھی آیت کے بارے میں یہی ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ پانچویں آیت کے بارے فرمایا کہ ”کل شئی“ سے دنیا و دین میں پیش آنے والی چیزیں مراد ہیں، ہم نے ان کی ایسی توضیح و تفصیل پیش کی ہے جس پر اب مزید کسی چیز کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری آیت میں لوح محفوظ کا نوشتہ قدرت مراد ہے۔

(فتوحات الحمید، جلالین، تحت آیات مذکورہ)

● امام کرخی نے جمل کے مانند توضیح کی ہے اور چوتھی و پانچویں آیات میں انہوں نے جمل ہی کا کلام نقل کیا ہے۔

● کشاف نے دوسری آیت کے بارے میں کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام و شرائع مراد ہیں۔ تیسری آیت میں ”کل شئی“ سے مراد وہ ہے جس کی دین میں ضرورت ہوتی ہے۔ چوتھی آیت میں ”لکل شئی“ امور دین سے متعلق ہے اور پانچویں آیت میں بیضاوی کے مثل توضیح ہے۔ (تفسیر کشاف، تحت آیات مذکورہ)

● مدارک نے جملہ آیات میں بیضاوی کی مانند تشریح کی ہے اور پہلی آیت کے بارے فرمایا کہ ”الکتاب“ سے مراد قرآن ہے اور ”من شئی“ سے مراد ضرورت کی چیزیں اور یہ ان چیزوں پر مشتمل ہے جنہیں ہم نے عبارة النص، اشارة النص، دلالت النص اور اقتضاء النص سے عبارت سمجھا ہے۔ پہلی اور پانچویں آیات میں ”شئی“ مطلق ہے اس سے مراد بر ضرورت کی چیز ہے اور اگر لفظ ”شئی“ کے بعد کوئی قید ہوتی تو تیسری آیت کے مثل ہر چیز کی تفصیل مراد ہوتی۔

(مدارک المتزیل، سورہ انعام تحت آیت وما من دلیۃ الا یہ)

● بیضاوی نے پہلی اور تیسری آیات کے بارے میں فرمایا کہ دین میں جس کی حاجت ہو وہ مراد ہے۔ چوتھی آیت میں ”کل شئی“ امور دین سے متعلق ہے۔ پانچویں آیت میں ”کل شئی“ سے دین و دنیا کی ضروری چیزیں مراد ہیں جنہیں ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ان کے آپس میں کچھ اشتباہ والتباس نہیں ہے۔
(تفسیر بیضاوی تحت آیت مذکورہ)

بیان مذکور سے واضح ہوا کہ مفسرین کے الفاظ کا متفاوت ہونا کسی عاقل و ذہین پر پوشیدہ نہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعض الفاظ بعض کو شامل ہیں۔ اگر خصوص کے قائلین محدود معانی مراد لیں تو تناقض لازم آئے گا اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے بعض آیات میں محدود معانی پر اکتفا کیا ہے حالانکہ یہ بعض بھی بعض مشمولات سے زیادہ ہیں پھر ہر آیت میں جملہ تفصیلات مراد لینے سے کون سی چیز مانع ہے۔ اسے پہچانو اور سمجھو۔
واللہ تعالیٰ اعلم

فصل

علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائلین عموم کا اعتراف کر گئے اگرچہ انہیں اس کی خبر نہ ہوئی

اللہ کا شکر ہے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ قول تخصیص کی نسبت اس کے لئے درست ہو گی جس نے عموم کی نفی ظاہر کر دی ہو ایسے لوگ علماء متاخرین میں بہت ہی تھوڑے ہیں جنہوں نے صراحۃً خصوص کا دعویٰ کیا (اور نفی عموم کا اظہار) جیسے امام واحدی، امام رازی اور نیشاپوری، مگر نیشاپوری نے امام رازی ہی کے کلام کی تلخیص کی ہے اور یہی ان کی کتاب کا موضوع ہے البتہ اوقاف، قرأت اور تاویل کی اسباحث میں نیشاپوری نے کلام رازی کا سہارا نہیں لیا ہے۔

وانما اقول (اور میں کہتا ہوں) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی زبان پر ایسے کلمات جاری فرمادئے اگر وہ ان کی تلاش و جستجو کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے بھی عموم کا اعتراف کر لیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام رازی نے اپنے کلام میں ذرا لچک پیدا کی اور فرمایا کہ ”کل مثنیٰ“ کے بیان سے مراد وہ ہے جو دین اور اس کی تفصیلات سے متعلق ہے، لہذا چوتھی آیت کے تحت میں فرمایا کہ علوم دین، اصول و فروع ہیں اور یہی توضیح پہلی آیت کے تحت میں بھی ہے، تیسری آیت کے بارے میں

فرمایا کہ دین سے متعلق تمام چیزیں مراد ہیں۔ اور دوسری آیت کے تحت میں علوم دینیہ کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں دینیہ اور غیر دینیہ۔ پہلی قسم زیادہ بلند و عمدہ ہے

علوم دینیہ یہ ہیں۔ علم عقائد و علم اعمال

● علم عقائد میں، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، کتابوں، رسولوں اور روز آخرت کی معرفت و شناسائی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں، اس کی ذات اور صفات جلال و جمال کی معرفت، اس کے افعال و احکام اور اس کے اسماء کی معرفت ہوتی ہے۔

● علم اعمال میں، علم فقہ یا تصفیہ باطن و تزکیہ قلوب و اذہان کا علم ہے

اللہ کا شکر ہے کہ امام رازی نے اس تقسیم میں جملہ موجودات اور ماکان و مایکون کا علم داخل ہونا مان لیا۔ (تفسیر کبیر، تحت آیات مذکورہ)

”کل شیء“ کا علم علی الاطلاق علم دین ہے اس سلسلے میں خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و آراء

کائنات کے ہر ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ کے وجود و علم اور اس کی قدرت و حکمت کی ظاہر و باہر نشانیاں موجود ہیں اور عالم کی ہر چیز اس کے ایک ایک اسم و صفت کی مظہر ہے تو ”کل شیء“ کے علم میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے اسماء و افعال کے علوم کثیرہ داخل ہیں اور اے قائلین خصوصاً! آپ نے اس کا اعتراف کیا کہ یہ دین کا علم ہے اور بات بھی یہی ہے۔ کسی کو ایسی چیز کا علم ہوا جو اس کی ذات سے متعلق نہیں یا اس کی ذات یا صفات وغیرہ کا علم ہے تو اس علم کے ذات الہی سے متعلق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ علم بھی شئی ہے یعنی خالق کائنات کی مشیت سے ہے لہذا علوم دینیہ و غیر دینیہ میں فرق تو پہلی ہی نظر میں واضح ہو جائے گا، یہ محققین کا نہیں بلکہ غافلین کے فرق کا لحاظ ہے۔

عارف کامل جس چیز کو دیکھتا ہے وہ چیز اس کے سامنے اس کے خالق و مالک، اس کے صفات و اسماء اور اس کے افعال کی آئینہ دار ہوتی ہے یہی امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین عثمان ذوالنورین اور امیر المومنین مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال ہیں آپ حضرات فرماتے ہیں

● میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کو دیکھا۔ (فاروق اعظم)

- میں نے جس چیز کو دیکھا اس میں اللہ کو دیکھا۔ (عثمان غنی)
- میں نے جس چیز کو دیکھا اس کے بعد اللہ کو دیکھا (علی مرتضیٰ)
- لیکن افضل و اکمل صحابہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک یہ ہے

میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ وہ جس چیز کی
طرف بھی نظر کرتے ہیں وہ بارگاہ عزت ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔

(مرقاۃ علی قاری، حدیث ۷۲۵)

اور امام رازی نے خود تفسیر کبیر کے اوائل میں فرمایا کہ عالم اسفل و اعلیٰ میں کوئی
ذوہ نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمال الہیت، اس کی عزت و بزرگی اور اس کی صمدیت
و بے نیازی کے جلال و عظمت پر شاہد ہے۔ ع

وفی کل شئی لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

ہر چیز میں اللہ کی نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ہے۔

(تفسیر کبیر، سورہ فاتحہ)

اس سلسلے میں یہ آیات پیش کی جاتی ہیں

● سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

(حم مجدہ، ۵۳)

ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپے میں
یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

● وَكَآيِنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ

(یوسف، ۱۰۵)

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں کہ اکثر لوگ ان پر گزرتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔
(کنز الایمان)

● اور فرماتا ہے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(آل عمران، ۱۹۰، ۱۹۱)

• بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔
(کنز الایمان)

● اور فرماتا ہے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ
اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

(البقرة، ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلنے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے اور ہواؤں کی گردش اور

وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔
(کنز الایمان)

اور قرآن کریم اس قسم کی آیتوں سے بھرا ہوا ہے جن میں ہمہ اقسام مخلوقات کے لئے نشانیاں ہیں اور امام رازی نے اس آیت کے تحت میں فرمایا کہ جو مخلوقات الہی کے سمندر میں زیادہ غوطہ زن ہو اسے اللہ کے جلال و عظمت کا زیادہ علم ہوگا۔

(تفسیر کبیر، تحت آیت مذکورہ)

میں کہتا ہوں کہ یہی راز ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُوقِنِينَ

(الانعام، ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔
(کنز الایمان)

لہذا ثابت ہو گیا کہ ”کمال حسنی“ کا علم اسی اعتبار سے دین کا علم ہے اور آپ کو تو یہ اعتراف ہے ہی کہ قرآن عظیم ہر اس علم کو حاوی و شامل ہے جو دین سے متعلق و متصل ہے تو واجب و ضروری ہے کہ قرآن ہر شے کے علم کو شامل ہو، قرآن میں ہر شے کی تفصیل ہو قرآن ہر چیز کا روشن بیان ہو۔ جیسا کہ اللہ عز و جل نے قرآن پاک کی متعدد آیات میں فرمایا ہے۔ واللہ الحمد

ہر ذرہ کے علم کی دین میں ضرورت ہے شئی کی ایک حالت کا علم دوسری حالت کے علم سے بالکل بے نیاز نہیں کرتا

میں پھر کہتا ہوں کہ ہر ذرہ اور ہر ذرہ کی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتیں ہیں کیونکہ ہر ذرہ کسی مکان سے مختص ہے کہ ایک کا مکان کسی دوسرے کو حاصل نہیں یعنی ہر ذرے کا الگ الگ مکان و مقام ہے اور ہر ذرہ اور ہر چیز کی تخصیصات الگ الگ ہیں یہ کوئی اٹکل و جزاف کی بات نہیں، اللہ اس سے بچائے بلکہ اس کی خاص حکمت بالغہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے میں نہ پائی جائے اور یہی بات ان حالات میں بھی ہے جو مختلف زمانے میں پے در پے واقع ہوتے ہیں کہ ہر حالت دوسری حالت سے مختلف و جدا ہوتی ہے اسی طرح جانور کے بدن میں جو بان ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور درخت کا ہر پتہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے یہ اختلاف احوال و اوصاف ان کی لسانی، چوڑائی، موٹائی یا رنگ وغیرہ میں ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم جانور کے بدن اور درخت کے مقام و محل میں ضرور اختلاف ہو گا یہ سب کے سب مخصوص حکمت کے سبب سے ہے جس حکمت کی معرفت و شناخت موقوف ہے ایک شخص کی خصوصیت اور اس کے خاص احوال کی معرفت پر، جب ایک شخص کی معرفت حکمت کا یہ حال ہے تو جملہ اشخاص اور ان کے مخصوص حالات کے ساتھ ان کی معرفت و پہچان کی حکمت موقوف ہونے کا حال کیا ہو گا۔ کائنات کے جملہ حوادث کا اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ لہذا کائنات کے ذرات، بدن حیوان کے بال، درخت کے پتوں اور دیگر حادثات

و وقوع پذیر ہونے والی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا علم دوسری شئی کے علم سے بے نیاز نہیں کرتا۔ یعنی ہر شئی کا علم دوسری شئی کے لئے مفید ہے۔

اور جسے بعض علوم کی معرفت نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات و اسماء اور اس کی حکمت و افعال کے علم میں سے اتنا کم کر دیا جتنا اسے معلوم نہیں۔ لہذا ہر ذرہ، ہر بال، ہر پتہ اور ہر حالت و حادثہ کے علم کی دین میں ضرورت و حاجت ہے۔ یہ اس سے خاص ہے جو انہوں نے عبارات میں بیان کیا اور بحمد و تعالیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ ”کُلُّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَ مَا يَكُونُ كَالْعِلْمِ كَوَاشِفٍ“ ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خصوص کے قائلین انجانے میں عموم کے قائل ہو گئے۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل و احسان ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ
وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ

(النمل، ۱۹)

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں۔

(کنز الایمان)

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ
وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَىكَ
وَ اِنَّ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (الاحقاف، ۱۵)

اے میرے رب میرے دل میں ذال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں و دو کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں۔ (کنز الایمان)

والحمد لله رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ اجمعین۔

ضروری تنبیہ

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ صرف یہ بیان ہی ہر دلیل و برہان سے تجھے بے پرواہ کر دے گا اور اگر میری کتاب (الدولۃ المکیہ) میں کوئی دلیل نہ ہوتی سوائے اس دلیل کے جو اللہ نے مجھ پر القا فرمائی تو وہی مجھے کافی و دافی ہوتی اور اسلاف میں سے جو لوگ گزر گئے اور ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا تو وہ اس معاملے میں معذور ہیں ان سے پرسش و مواخذہ نہ ہوگا لیکن اب جو اس بیان کو سنے پھر خصوص پر ازار ہے اور نصوص کا معنی پھیرنے کی بے فائدہ سعی و کوشش کرے تو گویا وہ اس بات کا اقرار و اعتراف کرے گا کہ قرآن مقدس ہزاروں ہزار دینی اہم علوم سے خالی ہے جن کی دین میں ضرورت ہے۔ پھر اس کی تصدیق ان فرمودات باری تعالیٰ پر کیسے درست ہوگی

● تَبَيَّنَا لَكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

● وَ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف، ۱۱۱)

● مَا لَمْ نَلْزَمْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

☆ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے

☆ قرآن میں ہر شئی کی تفصیل ہے

☆ کتاب میں کوئی چیز اٹھانہ رکھی گئی ہے

اور وہ اس بات کا بھی اقرار کرے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات کی ہزاروں ہزار بیشمار و بے حساب چیزوں سے روک دیا گیا جن سے باری تعالیٰ کا عرفان و ایقان حاصل ہوتا ہے اور وہ دنیا میں موجود ہیں پائی جاتی ہیں۔ اور اس قائل کو اس سے کہاں جائے فرار ہے (اور کیسے چھٹکارا ملے گا) کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے مصداق قرار پائیں۔

وَأَنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ أَيْتِنَا لَغَفِلُونَ (یونس، ۹۲)

اور بیشک بہت لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں
کیونکہ غفلت اس پر صادق آتی ہے جسے کچھ علم نہیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا
عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِلِينَ (الانعام، ۱۵۶)

کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں ان کے پڑھنے
پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی یعنی ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے؟ (کنز الایمان)
یہ تو ایسی چیز ہے جسے کوئی مسلمان حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے
ہرگز گوارا نہ کرے گا لہذا اس سے اجتناب و احتراز کرنا ہی دین و ایمان کی نشانی اور
محبت و عظمت رسول کی دلیل ہے اور اس سے تغافل و سستی عقلمندوں کا کام نہیں۔

وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ
(معالم التنزیل بغوی، تحت آیت مذکورہ)

۱۔ اس لفظ آیات، سے قرآن کی آیت مراد نہیں بلکہ یہ نشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ اس سے پہلے
کی آیت ”لَتَكُون لِّمَن خَلَقَ آيَةً“ (کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو) سے ظاہر
ہو رہا ہے اور کسی بھی آیت و نشانی سے غافل رہنا نقص و عیب ہے اور بعض کا علم تو اکثر لوگوں کو
حاصل ہے۔ مشرکین جب کوئی عمدہ خوشبو یا تعجب خیز چیز دیکھتے تو کہتے سبحان اللہ (قرآن مجید میں
فرمایا) اور اگر ان سے آپ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند و سورج کو کس
نے مسخر و مطیع کیا تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ۱۲۔

فائدہ جلیلہ

بعض علماء متاخرین نے علوم قرآنیہ کو
تخصیص پر محمول کیا ہے اس کا سبب؟

اقول، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ علماء متاخرین اپنی
عادت کے مطابق تخصیصوں کی طرف مائل و متوجہ ہوئے تاکہ عوام الناس کی سمجھ سے
قریب ہو جائے کیونکہ علماء متاخرین کی تفسیر و کلام میں اس چیز کو ہم نے متعدد مقامات
پر دیکھا ہے۔

کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب متاخرین آیات متشابہات کی وجہ سے وقت میں
پڑے اور ان کا کلام عوام میں زبان زد و مشہور ہوا ان کے نفوس و اذہان اس کی تلاش و جستجو
کی طرف مائل ہوئے اور اس راہ میں انہوں نے محنت و مشقت بھی اٹھائی تو انہوں نے
عوام کے ذہنوں کو متشابہات کی تاویل کی طرف پھیر دیا تاکہ باطل باتوں سے عوام کے
دین و ایمان کی حفاظت ہو سکے، حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ سلف صالحین کا مذہب یہ ہے
کہ قرآن پر بلا کسی تفریق و امتیاز کے مجموعی طور پر ایمان لانا ضروری ہے اور لطیف و خبیر
کی بارگاہ عظمت کی طرف متشابہات کے علوم کو (یعنی مراد می معنی کو) سو نہال زہم ہے۔

اَمْثَالِهِمْ كُلٌّ مِنْ غَدْرَتِنَا وَمَا يَدَّكُرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ

(آل عمران، ۷۷)

ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں
مانتے مگر عقل والے۔
(کنز الایمان)

marfat.com

Marfat.com

اس پر تنبیہ فرض ہے

اسی طرح جب معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن کریم حادث ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)
اور ان آیات سے استدلال کیا

● اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا (الزخرف، ۳)

ہم نے اسے عربی قرآن اتارا (کنز الایمان)

● مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٌ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ

(الانبیاء، ۲۰)

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے
مگر کھیلتے ہوئے۔ (کنز الایمان)

اور وہ عام لوگوں کی رہنمائی نہ کر سکے کہ متجلی اور کسوتہ تجلی میں کیا فرق ہے اس
لئے کہ یہ ان کی عقل و فکر کی حد سے باہر و ماوراء ہے تو ان دونوں کی یہ تعبیر کی گئی کہ ایک
کلام لفظی ہے اور دوسرا کلام نفسی۔

اور لفظی حادث ہے حالانکہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ نئی بات ہے سلف صالحین
کے کلام میں اس کا کوئی اثر و پتہ نہیں اور یہ معتزلہ کی مراد و مقصود کے عین مطابق ہے
کیونکہ معتزلہ کلام نفسی کے قائل نہیں ہیں، وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ کلام لفظی حادث ہے،
ان کی یہ بات حق و درست ہوتی تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے
ان کی تکفیر واقع نہ ہوتی اور نہ ائمہ (مثلاً سیف النہ احمد وغیرہ) کو قول صحیح کے انکار پر
خون دل صرف کرنا حلال ہوتا۔ اور امام بخاری پر کیسا الزام لگایا گیا کہ ان سے منسوب
یہ خبر پھیلانی گئی کہ لفظی قرآن مخلوق ہے حالانکہ امام بخاری کا دامن اس الزام سے
پاک ہے اور وہ اس سے بری ہیں۔

یہ سب اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ لفظی اور نفسی کی تقسیم باطل ہے بلکہ اللہ ایک
ہے، اس کا کلام ایک ہے اور قرآن عظیم کا کوئی جزو، کوئی حصہ مخلوق نہیں، جیسا کہ امام عارف

باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے ”مطالب الوقیہ“ میں بیان فرمایا ہے۔ اسی سے اخذ کر کے میں نے بھی کچھ اپنی کتاب ”المحمد المستند“ (حاشیہ المعتقد المعتقد) میں بیان کیا ہے پھر اسی مسئلہ میں میں نے ایک مستقل جداگانہ رسالہ بھی تحریر کیا اور اس کا نام ”انوار المنان فی توحید القرآن“ رکھا۔ ہر مسلمان کو اس مسئلہ پر دھیان دینا واجب ہے کہ اسی میں دین کی حفاظت و بھلائی اور حق مبین کا اظہار و اعتماد ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اسی طرح خصوص کے قائلین نے جب دیکھا کہ قرآن عظیم ماکان وما یکون کے علوم پر مشتمل ہے عام ذہن جس کا تصور نہیں کر سکتا تو انہوں نے اپنے عزم و ارادے کو ایسے آسان و سہل معاملے کی طرف پھیر دیا جو عوام کے لئے دشوار نہیں اور کبھی کہا کہ علوم قرآنیہ سے مراد وہ ہے جس کی دین و دنیا کے امور میں حاجت ہوتی ہے، اور کبھی اس سے کم کر کے یہ کہا کہ اس سے مراد وہ ہے جو دین متین سے متعلق ہے، کبھی اصول و فروع کو عقائد و اعمال سے خاص کر دیا اور کبھی یہ کہا کہ بارگاہ عزت کی طرف سے قائم کردہ اوامر و نواہی مراد ہیں پھر ایسا حیلہ تراشا جو سنت و اجماع اور قیاس پر منحصر ہے حالانکہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اور انہوں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا ہاں سامع پر لفظ کو آسان کر دیا اور جب ان پر عیب لگایا گیا تو یہ تعبیر کر دی کہ کلام دو قسم پر ہے لفظی و نفی، اور حق کی طرف رجوع کیا مگر حق آشکارا ہونے کے بعد۔

وللہ الحمد والیہ الصمد، وبہ یزول اللوم عن کلمات القوم،
فعلیک بذاک واللہ بتولی ہدای و ہداک۔

فصل

قرآن ہر شئی کا روشن بیان نبی کے لئے ہے نہ کہ امت کے لئے

اے برادر (اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھنا اور اپنے نبی کے کلام کی تعظیم و توقیر کی مجھے اور تجھے ہدایت و توفیق دے) تجھے معلوم ہو کہ خصوص کے قائلین میں سے جنہوں نے حقیقہً خصوص کا دعویٰ کیا اور عموم کی سراسر نفی کی اس کی علت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر قیاس کر کے آیات کو خصوص پر محمول کیا۔ یعنی کلام اللہ کا اتنا ہی معنی مراد لیا جہاں تک ان کی سمجھ کی رسائی ہو سکتی تھی جبکہ قرآن نے کسی چیز کا بیان نہیں چھوڑا کیونکہ قرآن ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا روشن بیان ہے۔

پھر وہ قرآن میں جو بھی چیز دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کی نسبت ”کمال شئی“ سے ایسی ہے جیسے ریت کے ایک ذرہ کی نسبت صحرا و بیابان کی ریت سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم، یا ایسی ہے جیسے ایک چھوٹے قطرہ کو جو نسبت ہزاروں دریا و سمندر سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم، جب یہ صورت ہوتی ہے تو وہ بے چین و مضطرب ہو جاتے اور قید لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تنگیوں کے راستے پر چل پڑتے ہیں، چھٹکارے کا ارادہ کرتے ہیں جب چھوٹنے کا وقت نکل چکا ہوتا ہے۔ اللہ

اللہ تعالیٰ امام نیشاپوری پر رحم فرمائے انہوں نے اس کو یقین کے ساتھ بیان نہیں کیا بلکہ جہاں پر لفظ ”لعل“ (شاید) کا استعمال نہیں ہوگا انہوں نے وہاں پر لفظ لعل کا استعمال فرمایا اور یہ کہا کہ شاید کہ قرآن خاص طور سے علماء کے لئے بیان ہے اور پوری مخلوق کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔ ۱۲ منہ

عزوجل کی توفیق سے یہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔
 قائلین خصوص نے دو طریقے سے غلطی کی ہے

- ایک یہ کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ قرآن امت کے لئے بھی ہر چیز کے بیان کو محیط ہے حالانکہ یہ صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔
- دوسرا یہ کہ ظاہر قرآن سے انہوں نے اپنے اور امت کے لئے ہر شئی کی تفصیل تلاش کی، حالانکہ یہ تفصیل قرآن کے باطن میں ہے جو امت کی نظروں سے محجوب و پوشیدہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جسے بتانا چاہا اسے اس کی تفصیل معلوم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے علم خفی میں سے بے شمار علوم و معارف عطا فرمائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ
 وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَتَايَلَعُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
 يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الحجۃ: ۲، ۳، ۴)

اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں (کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے سنت و فقہ ہے یا احکام شریعت و اسرار طریقت) اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت و حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنز الایمان)

اور اگر وہ لوگ قرآن کریم اور ائمہ سلف کے احوال و اقوال پر غور و فکر کرتے تو انہیں یقین و اعتماد ہو جاتا کہ قرآن عظیم امت کے لئے ہر چیز کا روشن بیان نہیں بلکہ صرف حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

۱۔ فاقول وبالله التوفیق، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

marfat.com

Marfat.com

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ
(آئل، ۳۳)

اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو
جو ان کی طرف اترا اور وہ کہیں دھیان کریں۔
(کنز الایمان)

اگر قرآن کریم امت کے لئے بیان ہوتا تو امت بیان کرنے والے کے بیان
اور تحصیل حاصل کی محتاج نہ ہوتی اور نہ اس کے بعد کسی غور و فکر کی حاجت ہوتی کیونکہ
تبیان وہ ہے جس میں کوئی خفا و پوشیدگی باقی نہ رہے جس کے لئے کسی دوسرے کی یا
کسی فکر و اطلاع کی ضرورت پڑے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی ”شرح العهد المختصر ابن حاجب“ کے حاشیہ میں
فرماتے ہیں کہ واضح و آشکارا چیز کا بیان محال ہے۔ (حاشیہ تفتازانی علی شرح العهد)
● اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ
(القیامۃ، ۱۹)

پھر بیشک اس کی باریکیوں کا ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنز الایمان)
بخاری مسلم ترمذی نسائی و دیگر ائمہ کثیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ”ثم ان علينا بيانه“ کا معنی یہ ہے کہ ہمارے ذمہ یہ
ہے کہ ہم آپ کی زبان سے بیان کروائیں گے۔

(بخاری ۲ کتاب التفسیر باب ثم ان علينا جمعه)

القول، اس سے بیضادی کے قول کا ضعف ثابت ہو رہا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس چیز کا بیان مراد ہے
جس کے معانی آپ پر مشکل ہوں۔ اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ وقت خطاب سے بیان کی
تاخیر جائز ہے۔ یعنی جس وقت خطاب ہو اسی وقت بیان ہونا ضروری نہیں بعد میں بھی اس کا بیان ہو سکتا
ہے۔ یہ بات ہمارے خلاف میں نہیں کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہر آیت بر شکی کا بیان ہے۔ لہذا یہ
جائز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعض آیات کے معانی و مطالب دشوار و مشکل ہوں پھر
دوسری آیت نازل ہو تو اس کا بیان ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اقول، قرآن کریم کے لطیف و طبع اشارات یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا ”تبیانا لكل شئی“ ہوتا بیان فرمایا تو ”نَزَّلْنَا عَلَيْكَ“ فرمایا، اور جب اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیان کرنے کا حکم فرمایا تو ”مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ“ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا تا کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز کو بیان فرمادے اور عام لوگوں کو بیان کرنے کا حکم نہیں ہوا مگر جس کی تبلیغ و ارشاد کا انہیں حکم دیا گیا اس کے بیان کرنے کا انہیں حکم ہے۔

امام اجل صدر الدین قونوی قدس سرہ نے ”اعجاز البیان فی تفسیر القرآن“ میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ و اختیار سے خارج و باہر کوئی چیز نہیں ہے، لیکن اس آیت کریمہ ”لتبین للناس ما نزل الیہم“ کا راز یہ ہے کہ ”ما نزل الیک“ نہ فرمایا نہ ”کل ما انزل علیک“ فرمایا۔ اس کے علاوہ اور بھی الہی اشارات اور خدائی حکمتیں ہیں، یہاں پر جن کی صراحت و وضاحت کی حاجت نہیں۔

(اعجاز البیان، امام صدر الدین قونوی)

ابرہہ شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو

بقیہ:

فَأَمِيطُوا فِي الْيَتُوبِ حَتَّى يَتَوَقَّعَ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا

(النساء، ۱۵)

تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔

(کنز الایمان)

اس آیت میں، سبیل کا بیان نہیں کیا گیا ہے، پھر جب آیت حدود نازل ہوئی تو حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے لو مجھ سے لو بیشک اللہ تعالیٰ نے ان بدکار عورتوں کے سے راہ نکال دی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم وائمہ اربعہ نے سوائے نسائی کے حضرت عباد بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ یہاں تک کہ جب نزول قرآن مکمل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بیان بھی مکمل فرمادیا، یہ مضمون کتاب میں عنقریب آئے گا۔ ۱۲ منہ (مسلم، کتاب الحد و باب حد الزنا)

اس کی طاقت و استطاعت کے مطابق قرآن کریم کا علم عطا فرمایا اور امت جن امور ظاہرہ کو سمجھتی اور پہچانتی ہے ان ہی کو عطا فرمایا اور تمام اسرار و انوار کے ساتھ قرآن عطا نہیں فرمایا اور نہ ان اسماء کے انوار عطا کئے جو قرآن میں موجود ہیں اور اگر قرآن عظیم کو پورے انوار و اسرار کے ساتھ امت کو دیا جاتا تو امت میں سے کوئی ایک شخص بھی عاصی و نافرمان نہ ہوتا بلکہ سب کے سب قطب و ابدال ہو جاتے۔

(ابریز باب ۶ ذکر شیخ التریبہ)

اسی میں ہے صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ جو اسرار و انوار قرآن کریم میں موجود ہیں اور وہ مقامات جن پر قرآن مجتبع ہے اور وہ احوال جن پر قرآن مشتمل ہے انہیں ذات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا حضور کو یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قوت ذات رسول سے ہی مخصوص فرمائی ہے۔

(ابریز شریف سید احمد بن مبارک، باب ۶ ذکر شیخ التریبہ)

آیات

اس پر تعجب ہے جو آیہ کریمہ ”نزلنا علیک الكتاب تبیاناً لکل شئی“
 سنا ہے اور اسے ”نزلنا الیکم الكتاب تبیاناً لکل شئی“ کر دیتا ہے۔ یعنی
 قرآن عظیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر شئی کا روشن بیان ہے اور تم اس
 سے یہ سمجھتے ہو کہ قرآن پوری امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہے۔

۲۔ جسبی تو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْ هَٰؤُلَاءِ ذِي نُفُوسٍ مُّطْمَئِنَّةٍ
 (البقرة: ۲۶)

اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

(کنز الایمان)

امام حکیم ترمذی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس جبریل امین
 آئے اور کہا ”انا لله وانا الیہ راجعون“ میں نے کہا ہاں ”انا لله وانا الیہ
 راجعون“ (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ کنز الایمان البقرة: ۱۵۶) پھر
 میں نے کہا اے جبریل وہ کس سبب سے ہے؟ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا
 کہ آپ کے بعد آپ کی امت تھوڑے ہی دنوں کے بعد فتنے میں پڑ جائے گی۔ میں
 نے کہا کہ کفر کا فتنہ ہوگا یا ضلالت و گمراہی کا۔ جبریل نے عرض کیا دونوں فتنے ہو سکتے
 ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں سے ہوگا جبکہ میں ان میں کتاب اللہ چھوڑ جاؤں گا، جبریل
 نے عرض کیا کہ ہاں بہت سے لوگ قرآن ہی سے گمراہ ہوں گے۔

(نوادیر الاصول، اصل ۶۳ فی مذہب اہل الایواء)

اسی وجہ سے بہت سارے باطل و گمراہ فرقے مثلاً معتزلہ، قدریہ، جبریہ، خوارج، رافضی، مجسمہ، مشبہ، وہابیہ وغیرہ قرآن پاک کی آیات سے اپنی ضلالت و گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر قرآن، عوام الناس کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو بدعات و خرافات کا دروازہ نہ کھلتا اور لوگ صرف مومن ہی مومن ہوتے، اور کفار تو علانیہ طور پر قرآن کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس لئے رشد و ہدایت اور موعظت و نصیحت کے امام امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ راستہ بتایا کہ بدعتیوں کی گرفت احادیث سے کی جائے ان سے قرآن سے مجادلہ اور جھگڑا نہ کیا جائے اس لئے کہ قرآن چند وجوہ رکھتا ہے، اس میں چند معانی کا احتمال ہے۔

دارمی وغیرہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو تم سے شبہات قرآن سے مجادلہ و منازعہ کریں گے جب ایسا موقع آئے تو تم ان بدعتیوں کی گرفت و مواخذہ سنت (احادیث) سے کرنا کیونکہ سنن و احادیث کا جاننے والا کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ (سنن دارمی، حدیث ۱۲۱)

اور لا لکائی نے کتاب السنہ میں اور اصمہانی نے کتاب الحجۃ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے۔

ابن سعد طبقات میں بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ابن عباس کو لے کر نصر مقدسی نے کتاب الحجۃ میں ”لا لکائی نے کتاب السنہ میں، ابن عبد البر نے کتاب العلم میں، ابن ابی زینب نے اصول السنہ میں، ارقطنی و اصمہانی نے کتاب الحجۃ میں اور ابن النجار نے بھی اسے روایت کیا۔ ۱۲ منہ

۱۲ ان کے لفظ یہ ہیں کہ عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو تم سے جھگڑا کریں گے تو تم سنت (احادیث) سے ان کی گرفت کرنا کیونکہ اصحاب سنن کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

خارجیوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ جاؤ اور ان سے مناظرہ کرو لیکن قرآن سے ان پر حجت و دلیل قائم نہ کرنا کیونکہ قرآن میں چند معانی ہوتے ہیں ہاں ان سے سنت و حدیث کی روشنی میں بحث و مناظرہ کرنا۔ (الاتقان نوع ۳۹ معرفۃ الوجہ و النظائر)

ابن سعد طبقات میں عمران بن مناخ کے طریقے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ہم خارجیوں سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتے ہیں کیونکہ قرآن ہمارے گمروں میں نازل ہوا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں یہ سچ ہے لیکن قرآن چند معنوں کا محمل ہے، قرآن سے استدلال کر کے تم کہو گے تو وہ بھی کہیں گے اس لئے سنت و احادیث سے ان پر حجت قائم کرو اس سے انہیں فرار کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کے پاس آئے اور ان پر سنت سے حجت قائم کی تو ان کے ہاتھوں میں کوئی حجت و دلیل باقی نہ رہی۔ وہ لا جواب و مبہوت ہو گئے۔ (حوالہ مذکور)

ابن زبین اصول السنۃ میں یحییٰ بن اسید سے مختصر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خارجیوں کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ تم سے قرآن کی دلیل سے مناظرہ کریں تو تم ان سے سنت و حدیث سے دلیل قائم کرو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الأنعام: ۱) (تو اللہ تعالیٰ نے یہ کلام جو پہلے سے بیان کیا تھا اس کی تفسیر و تفصیل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اللہ کے کلام کی تائید ہے) (یونس: ۳۷، ۳۸)

اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنالے بے اللہ کے آثارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگار عالم کی طرف سے ہے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے

بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا۔
(کنز الایمان)

ہمارے آقا امام رازی و امام فاضل نیشاپوری اس بحث میں فرماتے ہیں کہ محققین نے فرمایا کہ آیہ کریمہ ”ولمایاتہم تاویلہ“ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو تاویلات کوئی نہ جانتا اور وہ تاویل کرنے لگے تو وہ کفر و بدعت میں پڑ جائے گا۔ اس لئے کہ ظاہری آیات کبھی ایک دوسرے کی معارض و منافی ہوتی ہیں جب آدمی کو تاویل کی وجہ معلوم نہ ہوگی تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ کتاب حق نہیں ہے مگر جب تاویل کی وجہ نزول قرآن کے مطابق معلوم ہو جائے گی تو یہ نور علی نور ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے نور و عرفان کی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر سورہ یونس، تحت آیت مل کذبوا الاپیہ)

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تاویلات و تبیان کے ساتھ ظاہری آیات کا تعارض نہیں ہوتا البتہ یہ بات صحیحہ تاویل کو پیش آتی ہے کہ بظاہر کچھ آیتیں متعارض ہوتی ہیں اسی سبب سے تاویل کی ضرورت پڑتی ہے اور اس تاویل کا نصوص قرآن کے مطابق ہونا ضروری ہے اگر تاویل کسی بھی آیت کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ یہی تاویل کفر یا بدعت ہوتی ہے۔

احادیث

۴۔ علوم قرآنیہ کے غیر متناہی ہونے کے بارے میں حضرت مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”سن لو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل۔“

(مسند احمد، مرویات مقدم)

اگر قرآن ہر انسان کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو پھر ”اس کے مثل“ علم اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب؟ اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا وہ انہیں کے مثل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں۔ اور ان بعض احکام کے شمار کرنے کا کیا مطلب جو قرآن میں موجود نہیں۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں

سن لو تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں نہ کیلے والا درندہ، نہ کسی ذمی کا لفظ (گری پڑی چیز) ہاں اگر اس چیز کا مالک اس سے بے نیاز ہے اور یہ ضرورت مند ہے تو لے سکتا ہے اور جو کسی قوم کے یہاں مہمان ہو اس پر ان کی مہمان نوازی ہے اگر صاحب خانہ مہمان نوازی نہ کرے تو یہ صاحب خانہ جب کبھی اس کا مہمان ہو تو اس

۱۔ حضرت مقدم سے مروی مسند امام احمد بن حنبل کے لفظ یہ ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علوم قرآنیہ تین ہیں

۱۔ حلال اس کی پیروی کی جائے اس پر عمل کیا جائے۔

۲۔ حرام اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔

۳۔ تشابہ جس کا آجھنا دشوار و مشکل ہے اس کے جاننے والے کے سپرد کیا جائے۔ ۴۔ منہ

(مسند احمد بن حنبل، حدیث ۴۱۰۳ مرویات مقدم)

marfat.com

سے اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔ اسی معنی میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اسی جگہ گزری ہے۔
(ابوداؤد، کتاب النہ باب لزوم النہ)

ابوداؤد و عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کیا تم میں کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کیں جو قرآن میں لکھی ہیں من لو خدا کی قسم میں نے حکم دیئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں۔ اور تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جانا حلال نہیں نہ ان کی عورتوں کو مار ڈالنا نہ ان کے پھل وغیرہ کھانا حلال، اگر ایسا کرو گے تو جو گناہ ان پر ہے وہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

(ابوداؤد، کتاب الخراج والفسی باب فی تعشیر اہل الذمۃ)

فائدہ

صحابہ و تابعین کے اقوال و آراء

۵۔ ابو داؤد و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم تین ہیں قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کی ہمسرو برابر ہے۔ (تو یا اجماع و قیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول و بیکار۔

(ابن ماجہ باب اجتہاد رائے و القیاس)

اگر قرآن عام لوگوں یا امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو علم صرف قرآن ہی میں منحصر و محدود ہوتا۔

۶۔ ائمہ ستہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حلال و حرام ظاہر ہیں اور جو ان دونوں کے درمیان ہیں مشتبہات ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(بخاری باب من استہد الدین)

اگر قرآن امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو ہر شئی ان کے نزدیک ظاہر و واضح ہوتی اور مشتبہات کا کوئی مقام و محل باقی نہیں رہتا۔

۷۔ احمد و ابن ماجہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن عظیم اس طرح نازل ہوا کہ بعض آیات میں بعض کی تصدیق و تائید ہے تو تم بعض آیت سے بعض کی تکذیب مت کرو، جو تمہیں معلوم ہو تو اس کے بارے میں

بولو اور جو معلوم نہ ہوا اس کے جاننے والے کے سپرد کر دو۔

(مسند احمد مرویات عبد اللہ بن عمرو)

احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر تین قسم پر ہے۔

● ایک امر وہ ہے جس کی ہدایت و درستگی واضح ہے اس کی متابعت و پیروی لازم ہے۔

● دوسرا امر وہ ہے جس کی ضلالت و گمراہی ظاہر ہے اس سے اجتناب و احتراز

لازم ہے۔

● تیسرا امر وہ ہے جس کے صحیح و غلط ہونے میں اختلاف و نزاع ہے اسے اللہ

کے سپرد کرنا لازم ہے۔

اسی طرح دینی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

۸۔ دارمی، عبید اللہ بن ابی جعفر سے مرسل روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو تم میں فتویٰ پر زیادہ بے باک ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ دلیر و جری ہے۔

(دارمی باب الفتیاح حدیث ۱۵۹)

سعید بن منصور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرسل روایت

کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں داوا کا حصہ تقسیم کرنے

پر زیادہ بے باک ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ جری اور نڈر ہے۔

(کتاب السنن سعید بن منصور باب قول عمر بن الخطاب)

۱۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی دینی کے لفظ یہ ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا علوم قرآنیہ تین قسم ہیں

۱۔ حلال اس کی پیروی کی جائے، اس پر عمل کیا جائے

۲۔ حرام اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔

۳۔ متشابہ جس کا سمجھنا دشوار و مشکل ہے اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کیا جائے۔ ۱۲ منہ

اگر امت کے لئے قرآن سے ہر چیز ظاہر و باہر ہو جاتی تو پھر جرأت و دلیری کیوں اور کس چیز میں ہوتی۔

۹۔ دارمی، ابوداؤد، ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ جب کوئی مقدمہ تمہیں درپیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا میں کتاب اللہ سے فیصلے کروں گا، حضور نے فرمایا اگر تم کو کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت و حدیث سے فیصلہ کروں گا، حضور نے فرمایا اگر تمہیں سنت و حدیث میں اس کا حکم و ہدایت نہ ملے تو کیا کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا میں اپنی رائے و قیاس سے اجتہاد کروں گا اور میں اس میں کوئی کوتاہی و کمی نہ کروں گا، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ رب کائنات کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ابوداؤد، کتاب القضاء باب اجتہاد الراي في القضاء)

۱۰۔ طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سنت دو قسم ہے

● ایک سنت وہ جو فرض میں ہے

● دوسری سنت وہ جو غیر فرض میں ہے

☆ جو سنت فرض میں ہے اس کی اصل قرآن میں ہے اس کو لینا، اس پر عمل کرنا

ہدایت ہے اور اسے چھوڑ دینا ضلالت و گمراہی۔

دارمی کے لفظ دونوں جگہ یہ ہیں "فان لم یکن ای فی علمک" (یعنی اگر تمہارے علم میں نہ ہو) دونوں کا معنی ایک ہے۔ ۱۲ منہ

☆ اور جو سنت غیر فرض میں ہے اس کی اصل قرآن میں نہیں اس کو اپنانا، اس پر عمل کرنا فضیلت و ثواب ہے اور اسے چھوڑ دینا، اس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں۔

(طبرانی معجم اوسط ۵ حدیث ۴۰۲۳)

۱۱۔ طبرانی اوسط میں سند صحیح کے ساتھ ولید بن صالح و محمد بن حنفیہ سے، ابوسعید کتاب القضاء میں عکرمہ و ابن عباس سے، ابن عبد البر کتاب العلم میں، دارقطنی رواۃ مالک میں، خطیب غرائب مالک میں سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، دارقطنی و خطیب اور ابن عبد البر تینوں ائمہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں یہ لفظ ابن عبد البر کے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور اس میں آپ کی کوئی سنت بھی جاری نہ ہوئی تو ہم کیا کریں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لئے علماء یا عبادت گزار مومن جمع ہوں اور آپس میں مشورہ کریں لیکن اس میں کسی ایک شخص کی رائے پر حکم و فیصلہ نہ کیا جائے۔

(قرطبی جامع البیان، باب اجتہاد الراي)

طبرانی کے لفظ یہ ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین مشورہ کریں اور کسی کی شخصی رائے سے فیصلہ نافذ نہ کریں۔

(طبرانی معجم اوسط، حدیث ۱۶۴۱)

دارمی ابوسلمہ کی حدیث سے مرسل روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے معاملے کے بارے میں پوچھا گیا جو نیا ہو اور اس کا حکم و ہدایت قرآن و سنت میں نہ ہو تو اس کے لئے کیا کیا جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں عابد و زاہد لوگ غور و فکر کریں، پھر کوئی فیصلہ کریں

(دارمی باب التورع حدیث ۱۱۹)

۱۲۔ دارقطنی، بیہقی و ابن عسا کر انوار العوام بھری سے روایت کرتے ہیں انہوں

نے کہا کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ لوگوں کو جمع رکھو، انہیں محبت سے سمجھاؤ جب تمہارے پاس کوئی ایسا معاملہ لے کر آئے جو قرآن و سنت میں نہ ہو، اس وقت تم دیگر معاملات پر اس کا قیاس کرو اور تمثیلات و تشبیہات کی روشنی میں دیکھو غور کرو پھر تمہاری نظر میں جو اللہ کو پسندیدہ اور حق و راستی سے ملتا جلتا ہو اسی کا قصد کرو اور اسی کا حکم دو۔

(دارقطنی کتاب عمالی ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما)

۱۳۔ ابو بکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابن جریر، ابن عساکر شریع سے، اور سعید بن منصور و بیہقی عام شیعہ سے روایت کرتے ہیں یہ شریع کی حدیث ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی ایسی چیز آئے جو قرآن میں موجود ہو تو قرآن ہی سے اس کا فیصلہ کرو اور لوگ اسے تسلیم کریں اس سے منہ نہ موڑیں، اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو قرآن میں نہیں تو سنت و حدیث کو دیکھو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ایسے امر کا سامنا ہو جو قرآن و سنت میں نہیں تو دیکھو کہ اس پر لوگوں نے کیا اجماع و اتفاق کیا ہے پھر اسی پر عمل کرو، اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو قرآن و حدیث میں نہیں اور اس کے بارے میں کسی کا معتبر قول بھی نہیں تو دو باتوں میں سے جسے چاہو اختیار کرو، اگر چاہو تو اپنی رائے و قیاس سے اجتہاد کرو اور جو رائے پہلے ہو اسے مقدم سمجھو اور اگر چاہو تو انتظار و تاخیر کرو اور اس معاملے کے فیصلے میں تاخیر کرنا تمہارے لئے بہتر و مناسب ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی، باب ما یقتضی بہ القاضی الخ)

اور شیعہ کی روایت میں یہ ہے کہ اگر قرآن و سنت میں اس معاملے کا حل نہ ہو اور نہ کسی امام و پیشوا کا فیصلہ معلوم ہو تو تجھے اختیار ہے اگر چاہو تو مجھ سے مشورہ کرو اور تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہاری نجات و سلامتی کا سبب ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی، باب موضع المشاورۃ)

۱۴۔ عبدالرزاق وابن جریر اور ابن ابی الدنیا محارب بن دثار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ ابن جریر کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کے ایک قاضی سے فرمایا کہ تم فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟ قاضی نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں، حضرت عمر نے فرمایا اگر ایسا معاملہ سامنے آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہیں تو کیا کرو گے؟ قاضی نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا فیصلہ کروں گا، عمر نے فرمایا اگر ایسا امر درپیش ہو جس کا حل سنت میں نہ ہو تو کیا کرو گے؟ قاضی نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کروں گا اور اپنے ہم نشینوں سے مشورہ کروں گا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہت خوب، یہی ہونا چاہئے۔ (کنز العمال فصل فی القضاء والترہیب، حدیث ۱۳۴۵۱)

۱۵۔ دارمی وابن جریر تہذیب الآثار میں اور بیہقی وابن عساکر وطبرانی وابن عبد البر سند صحیح کے ساتھ اور دوسرے طریق سے عبدالرزاق مصنف میں سب کے سب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ آج کے بعد جسے کسی معاملے میں فیصلے کی نوبت آئے تو وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے اگر ایسا معاملہ آئے جو کتاب اللہ میں نہیں تو اس میں وہی فیصلہ کرے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا اور اگر ایسا معاملہ سامنے آئے جو قرآن میں نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ایسا فیصلہ نہ فرمایا تو سلف صالحین کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر ایسا امر آئے جو کتاب اللہ اور حضور کے فیصلے میں نہیں اور صالحین نے بھی اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کیا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے خوف ہے اور میں یہ دیکھتا ہوں کیونکہ حلال و حرام ظاہر ہیں اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، تو وہ چیز چھوڑ دو جو تمہیں شک دریب میں ڈالے۔ (دارمی باب النبیاء وافیہ من اللہ ۵۴، حدیث ۱۶۷)

۱۶۔ دارمی اوزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ

تعالیٰ عنہما نے عالموں کو لکھا کہ قرآن کریم میں کسی کی رائے کی گنجائش نہیں ہے ہاں جس امر کے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی جاری نہ ہوئی تو اس میں ائمہ کی رائے معتبر ہوگی۔ ان کے اجتہاد و قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ (دارمی، باب ما یفتی من تفسیر حدیث النبی علیہ السلام)

حضرت ابو بکر صدیق کے اقوال

۷۱۔ ابن سعد طبقات میں اور ابن عبد البر کتاب العلم میں روایت کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کوئی محتاط و خوف والا نہ تھا ابو بکر کی یہ احتیاط اس بات میں زیادہ ہوتی جس کو وہ نہیں جانتے تھے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محتاط و خوف والا کوئی نہ تھا عمر کی یہ احتیاط اس بات میں زیادہ ہوتی جو انہیں معلوم نہ ہوتی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا اس کا حکم انہوں نے نہ قرآن میں پایا نہ سنت میں کوئی روایت ملی تو فرمایا کہ میں اپنی رائے و قیاس سے اجتہاد کروں گا اگر وہ درست و صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط و باطل ہو تو وہ میری طرف سے ہوگا میں اس سے استغفار و توبہ کروں گا۔

(قرطبی، جامع البیان، باب ما یلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ)

۱۸۔ سعید بن منصور، عبد الرزاق، ابو بکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابن جریر، ابن منذر، اور بیہقی شعبی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ کلالہ کیا ہے؟ ابو بکر نے فرمایا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ درست ہو تو اللہ وحدہ لا شریک کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری و پاک ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں (کلالہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ

باپ چھوڑے نہ اولاد۔ کنز الایمان)

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں (داری باب الکلالۃ حدیث ۲۹۷۶)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر کو ابو لولؤ مجوسی نے خنجر مار کر زخمی کر دیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ ابوبکر کی مخالفت کروں لہذا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں۔

(بیہقی کتاب الفرائض باب حجب الاخوة)

۱۹۔ حاکم حمید بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن نے کہا کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے میں پوچھوں۔ (حاکم مستدرک، کتاب الفرائض، میراث العمۃ والخالۃ)

۲۰۔ داری اپنی سنن میں میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو وہ قرآن پاک کو دیکھتے اگر قرآن میں اس کے فیصلہ کے لئے کوئی حکم ملتا تو اسی سے فیصلہ صادر فرماتے ورنہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی سنت ملتی تو اسی کے مطابق فیصلہ سناتے اور اگر قرآن و سنت سے حکم نہ ملتا اور وہ تھک کر عاجز ہو جاتے تو مسلمانوں سے پوچھتے اور کہتے کہ میرے پاس ایسا ایسا مقدمہ آیا ہے کیا تم لوگوں کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ فرمایا؟ اور کبھی ابوبکر کے پاس کچھ لوگ جمع ہوتے اور سب مل کر اس سلسلے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان و فیصلہ یاد کرتے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و فرامین یاد رکھے ہیں۔ اگر حضور کی سنت و حدیث میں کوئی حکم

نہ ملتا اور وہ عاجز ہو جاتے تو سب سے بہتر و عمدہ اور بڑے بڑے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے جب سب کی رائے ایک امر میں متفق ہو جاتی تو اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے۔
(داری، باب الغتیا۔ حدیث ۱۶۳)

۲۱۔ ابن الانباری کتاب المصاحف میں ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کے ایک حرف کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر میں ایک حرف قرآن کے بارے میں وہ کہوں جو اللہ تعالیٰ کی مراد و منشا نہیں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا؟ اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی؟ اور میں کہاں جاؤں گا؟ اور کیا کروں گا؟

(کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن حدیث ۴۱۴۹)

مسند مسدوم میں ہے کہ جب میں قرآن میں ایسی بات کہوں جو میں نہیں سنتا ہوں تو کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا؟ اور کون زمین میرا بوجھ اٹھائے گی؟ ”نہیں سنتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے۔

(کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن۔ حدیث ۴۱۵۰)

ہفت: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”لا اسمع“ (میں نہیں سنتا ہوں) فرمایا ”لسم اسمع“ (میں نے نہیں سنا) نہیں فرمایا تاکہ یہ فی الحال سننے کی نفی پر دلالت کرے ممکن ہے کہ انہیں ابھی کسی شخص سے کوئی ایسی روایت یا حدیث پہنچ جائے جو اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے جیسا کہ ابھی مسلمانوں سے ان کے سوال کرنے کا بیان گزرا۔

اور بیہمتی شعب الایمان میں قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کون آسمان مجھ پر سایہ کناں ہوگا اور کون زمین میرا بوجھ برداشت کرے گی اگر میں کتاب اللہ میں اپنی رائے و خیال سے کچھ کہوں؟

(شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن۔ حدیث ۲۲۷۸)

عبد بن حمید ابراہیم نخعی سے، یہ اور ابو عبید فضائل القرآن میں ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ ”اب“ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کون آسمان مجھ پر سایہ فلک ہو اور کون زمین میرے بوجھ کو برداشت کرے گی جب میں قرآن پاک کے بارے میں ایسی بات کہوں جو مجھے معلوم نہیں۔ (”اب“ ایک قسم کی گھاس ہے جسے دوب کہتے ہیں اور چراگاہ اور خشک وتر چارہ کو بھی اب کہتے ہیں)

(قرطبی الجامع لاحکام القرآن، سورہ عبس تحت آیت وفا کتہ دہا)

۲۲۔ حاکم، قبصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور کہا کہ میرا پوتا یا نواسا وفات پا چکا ہے اس کے ترکہ کا میرے لئے کتنا حصہ ہے؟ ابو بکر نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ قرآن عظیم میں تمہارا کتنا حصہ مقرر ہے اور نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدہ کے بارے میں کچھ سنا ہے۔ ہاں میں دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھوں گا، اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ عطا فرمایا ہے۔ ابو بکر نے فرمایا اے مغیرہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی اس کا گواہ ہے یہ سن کر محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا فرمایا ہے پھر اس بوڑھی کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھٹا حصہ دینے کا حکم فرمایا۔

(حاکم مستدرک، کتاب الفرائض، قضاء ابی بکر فی الجدة)

اور داری زہری سے مطولاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور کہا کہ میرے پوتے یا نواسے کی وفات ہو چکی ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ترکہ میں میرا بھی حصہ ہے تو میرا کتنا حصہ ہے؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے البتہ میں لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ (دارمی باب قول ابی بکر فی الجہادات، حدیث ۲۹۳۲)

حضرت عمر فاروق کے اقوال

دارمی میں مغیرہ بن شعبہ و محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور پوتے یا نواسے کے ترکہ کے بارے میں پوچھا کہ اس میں ان کا کتنا حصہ ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں سنا البتہ میں لوگوں سے اس کے لئے پوچھوں گا کہ کسی نے اس مسئلہ کے بارے میں حضور سے کچھ سنا ہے یا نہیں اس کے بعد لوگوں نے عمر فاروق کے پاس مغیرہ بن شعبہ و محمد بن مسلمہ کی حدیث بیان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جدہ تم دونوں میں سے جس کے بعد تنہا رہے تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ مر جائے اور تم دونوں زندہ رہو تو چھٹا حصہ تم دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ (دارمی باب قول ابی بکر فی الجہادات، حدیث ۲۹۳۲)

۲۳۔ اسمعیلی و ابوالنعمین دونوں مستخرج میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا ان کے بدن پر جو پیرہن تھا اس کی پشت میں چار پیوند لگے ہوئے تھے لوگوں نے آیہ کریمہ ”فَاكْهٰةٌ وَّ اَبَا“ تلاوت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس ”فَاكْهٰةٌ“ کو تو جانتے ہیں لیکن ”اَبَا“ کیا چیز ہے وہ معلوم نہیں پھر فرمایا کہ ہم کو تکلف و مشکل میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

(فتح البہاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ عن کثرة السؤال)

اور عبد بن حمید و ابن الانباری نے ”کتاب المصاحف“ میں اور ابوعبید نے فضائل قرآن میں اسے روایت کیا اس میں یہ ہے کہ عمر فاروق نے فرمایا کہ رک جاؤ

ہم کو تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ (درمنثور سیوطی، سورہ عبس)

ابن حمید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عمر کی ماں کے بیٹے یہ تو تکلف و دشواری ہے اگر تم کو لفظ ”اب“ کا معنی معلوم نہ ہو تو کیا حرج ہے؟

(فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب ما یکرہ عن کثرة السؤال)

انہیں کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اس سے انہوں نے اپنے آپ کو مارا اور کہا کہ قسم خدا کی یہ تو تکلف ہے تم لوگ اس کی متابعت و پیروی کرو جو کتاب اللہ میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ (حوالہ مذکور)

اور سعید بن منصور، ابن سعد، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ و بیہقی نے شعب الایمان میں، خطیب اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ اسے روایت کیا اس میں یہ زیادہ ہے کہ جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے رب ذوالجلال کے سپرد کر دو۔

(درمنثور سیوطی، سورہ عبس تحت آیت وفا کہتے و ابہا)

ابن جریر کے لفظ یہ ہیں کہ جو واضح دعیاں ہو اسے لازم کر لو ورنہ اسے رہنے دو۔

(طبری جامع البیان، سورہ عبس)

حاکم کے لفظ میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس تکلف سے مجھے معذور رکھو جو بھی رب کائنات کی طرف سے ہے ہم اس پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ابن مردویہ ابو داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیہ کریمہ ”ابا“ کے بارے میں اپنے آپ سے پوچھا کہ ”اب“ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ ہمیں اس کی تکلیف نہیں دی گئی ہے یا ہمیں اس کا حکم نہیں ہوا ہے کہ ”اب“ کا معنی جاننے کی کوشش کریں۔ (درمنثور سیوطی، سورہ عبس)

عبد بن حمید عبد الرحمن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیہ کریمہ ”ابا“ کے بارے میں پوچھا، پھر جب عمر نے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی رائے و قیاس کے مطابق اس کا معنی بیان کر رہے ہیں تو وہ ورہ لے کر لوگوں پر دوڑ پڑے۔
(حوالہ مذکور)

۲۴۔ عبدالرزاق و بیہقی اور ابوالشیخ کتاب الغرائض میں سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دادا کے حق میں تقسیم کس طرح ہوگی؟ حضور نے فرمایا کہ اے عمر یہ پوچھنے کی کیا وجہ ہے؟ میرے خیال میں تمہیں اس کا علم ہونے سے پہلے ہی تمہاری وفات ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مقاسمہ جد کا حکم جاننے سے پہلے ہی عمر کا انتقال ہو گیا۔

(کنز العمال، کتاب الغرائض حدیث ۳۰۶۱۱)

اہول، اسی میں ہے اور کلالہ کے بارے میں آگے بیان آئے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام احکام کو بیان کرنے کا حکم نہیں فرمایا جو قرآن عزیز میں موجود ہیں چہ جائیکہ جو ان احکام کے علاوہ باطنی طور پر ہیں کیونکہ بعض احکام خفی ہیں اور بعض مجمل، تاکہ لوگ ان کے جاننے کی کوشش کریں اور ثواب کے مستحق ہوں اور اللہ و رسول نے جو احکام و فرامین ظاہر فرمائے یا پوشیدہ رکھے اور جنہیں منع کیا یا عطا فرمایا وہ سب کے سب اللہ و رسول ہی کے احکام ہیں۔

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو تم میں دادا کی تقسیم کے احکام بتانے پر زیادہ بے باک و ثر رہے وہ دخول جہنم پر زیادہ جری و بے باک ہے۔
(مصنف عبدالرزاق، کتاب الغرائض حدیث ۱۹۰۴۷)

عبدالرزاق ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے دادا کے معاملے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا ہے۔
(مصنف عبدالرزاق، کتاب الغرائض حدیث ۱۹۰۴۶)

۲۵۔ ابن جریر کی روایت میں ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کلالہ کا علم زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ میرے لئے شام یا روم کے مثل محلات ہوں۔ (طبری جامع البیان، آیت یسفتونک قل اللہ الایۃ)

امام احمد عمر فاروق سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ تمہیں آیت صیف کافی ہے۔ (آیت صیف آگے آرہی ہے) حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھنا میرے لئے سرخ اونٹ ہونے سے زیادہ بہتر تھا۔ (سرخ اونٹ عزیز ترین اموال عرب ہیں)

(مسند احمد، مرویات عمر)

ابن جریر مسروق سے راوی آپ نے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قریبی رشتہ دار کے ترکہ کے بارے میں پوچھا جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے تو عمر نے اپنی داڑھی پکڑی اور کلالہ کلالہ کلالہ تین مرتبہ فرمایا پھر فرمایا کہ قسم خدا کی کلالہ کا جانا میرے لئے پوری روئے زمین کی چیزوں سے بہتر تھا۔ میں نے کلالہ کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ کیا تم نے آیت صیف نہیں سنی؟ اس بات کو حضور نے تین مرتبہ مکرر فرمایا۔

(طبری جامع البیان، آیت کلالہ)

مالک و مسلم اور ابن جریر و بیہقی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی عمر نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ سے زیادہ کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ حضور نے اپنی انگشت مبارک سے میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمہیں آیت صیف کافی ہے جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔

(مسلم، کتاب الفرض)

اور طبری کے لفظ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلالہ سے

زیادہ سختی کی چیز میں نہیں فرمائی اور یہ کہ آیت کلالہ سے زیادہ میں نے کسی چیز میں حضور سے تنازع نہیں کیا یہاں تک کہ حضور نے میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں تجھے آیت صیف کافی ہے۔ آیت صیف یہ ہے

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ
(النساء، ۱۷۶)

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ (کلالہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ باپ چھوڑے نہ اولاد) میں فتویٰ دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

(طبری جامع البیان، تحت آیت مذکورہ)

ابن راہویہ وابن مردودہ سند صحیح کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے حضور نے فرمایا کیا اللہ عزوجل نے یہ بیان نہیں فرمایا ہے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَتًا وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُّسُ فَإِنْ كَانَ ثَلَاثٌ مِّنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُوْطَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّتُهُ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ
(النساء، ۱۲)

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حکم والا ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت عمر کی سمجھ میں یہ نہ آیا تو انہوں نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ زوجہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جب تم حضور کو خوش و خرم دیکھنا تو کلالہ کے بارے میں

پوچھنا، جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ اے حفصہ تمہارے باپ عمر نے یہ تم سے ذکر کیا ہے نا؟ پھر حضور نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے باپ عمر کو کلالہ کا علم کبھی نہ آئے گا اس کے بعد حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ میں کلالہ کی حقیقت اور اس کا علم کبھی نہ جان سکوں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا ہے۔ (کنز العمال حدیث ۳۰۶۸۸)

اور عبدالرزاق نے اسے دوسرے طریق سے اور سعید بن منصور و ابن مردویہ نے طاؤس سے روایت کیا اس روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفصہ سے فرمایا کہ تمہیں یہ کس نے حکم دیا، کیا عمر نے حکم دیا ہے؟ پھر حضور نے فرمایا کہ میرے خیال میں عمر کلالہ کو درست نہیں کر پائیں گے، انہیں تو آیت صیف کافی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۹۱۹۴)

۲۶۔ امام احمد و ابن ماجہ و ضریس و ابن جریر و ابن منذر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں سود کی آیت نازل ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی تفسیر و توضیح فرمانے سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے، اے لوگو! تم سود اور شک میں نہ پڑو۔

(ابن ماجہ ابواب التجارات، باب الحیوان بالخیوان الخ)

ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ اے لوگو! تم شک و تردد والی بات چھوڑ دو اور اسے اختیار کرو جس میں کوئی شک و ریب نہیں۔ (در منثور، سیوطی آیت الذین یا کلون الربوا)

داری کی روایت میں ہے کہ عمر فاروق نے پہلے یہ فرمایا کہ اے لوگو! مجھے معلوم نہیں شاید ہم نے تمہیں ایسی چیز کا حکم دیا ہے جو تمہارے لئے حلال و جائز نہیں اور شاید ہم نے تم پر ایسی چیز حرام کر دی ہے جو تمہارے لئے حلال ہے اور سب سے آخر میں سود کی آیت نازل ہوئی اس کی تفسیر سے پہلے ہی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ (داری باب کراہیۃ الفیاء حدیث ۱۳۱)

۲۷۔ بخاری مسلم، عبدالرزاق، ابن جریر وابن منذر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں کے لئے ہماری خواہش یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کچھ وصیت فرماتے تو ہم اسی پر اکتفا کرتے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں جد، کلالہ اور سود کی قسمیں۔ (مسلم کتاب التفسیر)

۲۸۔ ابوداؤد و طیالسی، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، عدنی، ابن ماجہ، شاشی، ابن جریر اور ابوالشیخ کتاب القرائن میں، حاکم، بیہقی اور ضیاء مقدسی روایت کرتے ہیں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چیزیں ہمارے لئے بیان فرما دیتے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر و افضل ہوتا وہ تین چیزیں یہ ہیں خلافت، کلالہ اور ربا۔ (ابن ماجہ باب الکلالہ)

۲۹۔ عبدالرزاق، عدنی، ابن منذر، حاکم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان تین چیزوں کا حکم پوچھ لیتے تو یہ میرے لئے سرخ اونٹ ملنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔
۱۔ حضور کے بعد خلیفہ کون کون ہوگا

۲۔ جو لوگ زکوٰۃ کا اقرار کریں اور ادا نہ کریں تو ان سے جنگ کیا جائز ہے یا نہیں
۳۔ کلالہ کی تفصیل (مصنف عبدالرزاق، کتاب القرائن۔ ابن ماجہ، باب الکلالہ)

عبدالرزاق و ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن جریر ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دادا اور کلالہ کے کام و مسائل پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور استخارہ کر کے کہنے لگے کہ اے اللہ اگر اس میں بھلائی و خیر ہے تو اسے پورا کر دے کچھ دنوں تک کتاب ایسی ہی رکھی رہی یہاں تک کہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا آپ نے کتاب منگا کر اسے مٹا دی، کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق باب الکلالہ۔ حدیث ۱۹۱۸۵)

۳۰۔ سعید بن منصور و بیہقی طارق بن شہاب سے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دست کی ہڈی لی (اس زمانہ میں کاغذ نہیں تھا ہڈی بکجور کے پتے اور کپڑے وغیرہ پر لکھتے تھے) اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دادا کے احکام لکھنے کے لئے جمع کیا صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عمر دادا کو باپ کے حکم میں کر دیں گے اتنے میں ان لوگوں کے پاس ایک سانپ نکل آیا جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام متفرق و منتشر ہو گئے یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا فرمانا منظور ہوتا تو اسے پورا فرما دیتا۔

(سنن کبریٰ، کتاب الفرائض۔ باب التشدید فی الکلام فی مسألة الجدة)

ابن جریر کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دست کی ہڈی لی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کر کے فرمایا کہ ہم کلالہ کے بارے میں ضرور کوئی فیصلہ کر لیں گے کیونکہ اس سلسلے میں پردہ نشین خواتین بھی چہ میگوئیاں کرتی ہیں اچانک اسی وقت گھر کے اندر سے ایک سانپ نکل آیا جس کی وجہ سے صحابہ کرام ادھر ادھر متفرق ہو گئے حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس معاملہ کو پورا فرمانا چاہتا تو ضرور پورا فرما دیتا۔ دونوں روایت میں یہ ہے کہ جس نے قرآن نازل فرمایا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ جدا اور کلالہ کے بارے میں کسی ایک بات پر اجماع کر لیں۔

(جامع البیان ابن جریر، آیت و۔ مستونک عن الکلالہ)

۳۱۔ امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و بیہقی براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا حضور نے فرمایا تجھے آیت صیف کافی ہے۔

(ابوداؤد و ابان سنن کان لیس لہ ولد، کتاب الفرائض)

اور ابن جریر ابوسلمہ سے راوی اس میں یہ ہے کہ حضور نے سائل سے فرمایا کہ کیا تم نے وہ آیت نہیں سنی جو صیف میں نازل ہوئی ہے اور کیا یہ آیت تم نے نہیں سنی ہے؟

(النساء، ۱۲)

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْرَثُ كَلَالَةً ۖ - الآية

marfat.com

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹھا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے۔
(کنز الایمان) (ابن جریر، جامع البیان۔ آیت کلالہ)

طبرانی سرہ بن جندب سے روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں ایک شخص آیا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھا حضور نے اسے کوئی جواب نہیں دیا صرف یہ کہ حضور نے سورۃ نساء کی آیت کلالہ تلاوت فرمائی پھر جب وہ شخص سوال کرتا تو حضور اس کے جواب میں اسی آیت کو پڑھتے یہاں تک کہ اس شخص کی آواز اس خیال سے بلند ہو گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلالہ کی وضاحت ضرور فرمادیں پھر حضور نے وہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ قسم خدا کی میں اتنا ہی بیان کروں گا جتنا مجھے عطا ہوا میں اس سے زیادہ کچھ بیان نہ کروں گا۔ اور اس روایت میں بھی یہ ہے کہ جس نے قرآن عظیم نازل فرمایا وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ امت کے لئے بیان کیا جائے۔
(مجموع کبیر طبرانی، حدیث ۷۰۵۵)

۳۲۔ بیہقی مسروق سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک کاتب تھا جس نے کلالہ سے متعلق یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین عمر کو دکھایا یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کاتب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہ لکھو کہ یہ عمر کی رائے ہے اگر یہ درست و صواب ہے تو اللہ عز و جل کی طرف سے ہے اور اگر غلط و باطل ہے تو عمر کی جانب سے ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی)

ابن منذر عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ رک جاؤ ایسا نہیں ہے یہ بات تو صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔
(کنز العمال۔ حدیث ۲۹۵۰۲)

۳۳۔ حاکم، بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں

کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے علم فرائض میں عول کا قاعدہ وضع فرمایا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب میں نے ایک کو دوسرے حصہ سے ہٹایا اور بعض کو بعض سے ملایا گیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ قسم خدا کی مجھے معلوم نہیں میں تمہارے ساتھ کیا کروں کیسا کروں، قسم خدا کی مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کے استحقاق میں کس کو مقدم کیا اور کس کو موخر اور اس مال میں اس سے بہتر کوئی صورت مجھے نہیں ملتی کہ میں تم میں اس کے حصے تقسیم کر دوں۔ پھر ابن عباس نے یہ کہا کہ قسم خدا کی اگر اسے مقدم کیا جائے جسے اللہ نے مقدم فرمایا اور اگر اسے موخر کیا جائے جسے اللہ نے موخر کیا ہے تو کسی حصے کا عول نہ ہو سکے گا، ابن عباس سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس کو مقدم کیا اور کس کو موخر، ابن عباس نے فرمایا کہ ہر وہ مقرر حصہ جسے اللہ تعالیٰ نے ساقط نہیں فرمایا بلکہ اسے مقرر ہی رکھا تو وہ مقدم ہے اور ہر وہ مقرر حصہ جو اپنے حصہ سے ہٹ چکا ہے اور اس کے لئے میراث کا باقی بچا ہوا حصہ ہے تو وہ موخر ہے۔ مقدم کی مثال زوجین اور ام ہیں اور موخر کی مثال اخوات و بنات ہیں۔ پھر جب مقدم و موخر جمع ہو جائیں تو تقسیم مقدم سے شروع کی جائے گی اس کو اس کا پورا حق دینے کے بعد اگر کچھ بچے تو وہ موخر کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچے تو موخر کے لئے کچھ نہیں۔

(حاکم مستدرک کتاب الفرائض، سنن بیہقی باب الحقوق فی الفرائض)

اقول، مقدم و موخر کا قاعدہ انتہائی نفیس و عمدہ ہے اور اس میں کشش بھی ہے۔

۱۔ جیسے زوج، ام، اخت۔ مسئلہ ۶ سے بنے گا اخت کو ایک ملے گا۔

ہمارے نزدیک ۸ سے عول ہوگا۔ اور زوج، ابویں، اختین کا خرچ ۱۲ ہے امام شافعی کے نزدیک ۱۰ سے اس کی تصحیح ہوگی۔ زوج کو ۱۵، ام کو ۱۰، مکمل، باپ کو ۷، ہر لڑکی کو ۱۴، ہر تین کا دسواں حصہ کم ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک یہ ۱۵ تک عول ہوگا پانچواں حصہ کم ہو جائے گا۔ ۱۲ منہ

۲۔ جیسے زوج، ام، اختین، لام، دو بھائی۔ بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہمارے نزدیک دس تک

اس کا عول ہوگا ہر ایک کا حصہ کچھ کم ہوگا ۱۴ منہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ گجوحصہ مقررہ سے نیچے نہیں آتا اور کبھی عصبہ نہیں ہوتا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے صرف حصہ مقرر فرمایا ہے اگرچہ صاحب فرض جب نقصان کے سبب سے مختلف ہوں اور جس کا جو حصہ مقرر ہے اس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوگی۔ ۱۵ اور کوئی صاحب فرض اگر کبھی عصبہ ہو جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا جو حصہ ہے وہ وجوبی و حتمی نہیں ہے بلکہ اگر کچھ بچتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ تو وہ اس کو ملتا ہے اور اگر نہ بچے تو نہیں ملتا غرضیکہ اس کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ فرائض کا معاملہ صاحب فرض و عصبہ میں سے کسی پر تنگ نہیں جب تک کہ دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہوں اگر ایسا کیا جائے تو کسی بھی حصہ کا مول نہ ہوگا لیکن اس سے یہ لازم آئے گا کہ ماں ان میں سے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اور باپ ان میں سے ہو جنہیں موخر کیا گیا ہے۔ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باپ پر ماں کی افضلیت کو پسند نہیں کرتے ہیں مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس سے اختلاف ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت عثمان ذوالنورین کے اقوال

۳۳۔ عبدالرزاق دارمی و بیہقی مروان سے روای کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے جد کے بارے میں ایک فیصلہ

۳۴۔ امام ذہری فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی اگر اسے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو امام ہدایت ہیں تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر حکم صادر فرماتے ہیں) مقدم نہ کرتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو اہل علم بھی اختلاف نہ کرتے۔ اسے ابوالشیخ نے کتاب الفرائض میں روایت کیا اور بیہقی نے حدیث مذکور کے آخر میں اسے درج فرمایا ہے۔ ۱۲۰

۳۵۔ وہ ۶ ہیں ام، جدہ، دو اخیانی لڑکے ۱۲۰ (شاید ۳ کی بجائے ۶ لکھ گیا ہے۔ مترجم)

۳۶۔ وہ ۶ ہیں اب، جد بنت، بنت الابن، حقیقی بہن، علاتی بہن۔ ۱۲۰

صادر کیا تھا اگر تم لوگ اسے لینا چاہو تو لے لینا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے آپ کی رائے کا اتباع کیا کیونکہ آپ کی رائے حق و درست ہے اور ہم نے آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر بھی عمل کیا ہے۔ دورائے پر عمل کرنا زیادہ اچھا ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب الفرائض۔ سنن دارمی باب قول عمر بن الخطاب، حدیث ۲۹۱۹)

اگر قرآن ہر چیز کو امت کے لئے واضح انداز میں بیان کر دیتا تو دورائے کا اتباع جائز نہ ہوتا اور نہ کسی رائے کی طرف میلان ہوتا بلکہ کوئی رائے قائم ہی نہ کی جاتی۔

۳۵۔ امام مالک، امام شافعی، عبد بن حمید، عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، مسدد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، دارقطنی، بیہقی زہری و قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو باندی بہنوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان دونوں بہنوں کو ایک ساتھ رکھا جاسکتا ہے حضرت عثمان نے فرمایا کہ ایک آیت سے حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیت سے حرمت، اور میں ایسا کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ یعنی دو بہنوں کو باندی بنا کر ایک ساتھ رکھنا جائز ہے مگر دونوں سے وطی کرنا جائز نہیں ہاں اگر صرف ایک سے وطی و محبت کرے اور دوسری سے نہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

(موطأ مالک، کتاب النکاح۔ باب ما جاء فی کرہیۃ اصابتہ الاختین الخ)

حضرت علی مرتضیٰ کے اقوال

۳۶۔ ابن عبد البر کتاب العلم میں زاذان سے اور ابوالبخری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی جب میں قرآن کریم میں ایسی بات کہوں جو مجھے معلوم نہیں۔ (قرطبی جامع البیان، باب ما یلزم العالم اذ اسئل عما الخ)

۳۷۔ ابن عبد البر کتاب العلم میں اور ابن جریر محمد بن کعب سے راوی کہ ایک شخص

نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت علی نے مسئلہ بتایا، اس شخص نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا جواب یہ ہے اور وہ ایسا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے درست و صحیح کہا اور مجھ سے غلطی ہوئی، ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔ (جامع البیان، سورہ یوسف آیت و فوق کل ذی علم علیم)

۳۸۔ داری ابوالنضر ری و زاذان سے روایت کرتے ہیں ان دونوں نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کلیجہ اس سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ جب مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھے جو مجھے معلوم نہیں تو اس کے جواب میں میں یہ کہوں کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ (سنن داری باب فی الذی یفتی الخ حدیث ۱۸۱)

سعد بن نصر اپنی چوتھی حدیث میں عبد اللہ بن بشر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے پھر فرمایا کہ اس بات سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو مجھے معلوم نہیں اور اس کے جواب میں میں یہ کہوں کہ میں نہیں جانتا۔ (خطیب بغدادی، کتاب الفقہ والحنفہ - حدیث ۱۱۰۴)

۳۹۔ داری عبد اللہ بن عمر سے اور خاری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقسیم میراث کا ایک مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ اگر اس مسئلہ میں دادا نہیں ہے تو یہاں پر لے آنا۔

(داری کتاب الفرائض، باب الجدة حدیث ۲۹۰۴)

۴۰۔ عبد الرزاق وسعید بن منصور اور داری حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ جسے جہنم میں جانا اچھا لگے وہ دادا اور بھائیوں کے درمیان میراث کی تقسیم میں فیصلہ کرے۔

(داری کتاب الفرائض، حدیث ۲۹۰۵ - مصنف عبد الرزاق باب الجدة، حدیث ۱۹۰۴۸)

۴۱۔ ابوبکر بن شیبہ، مسند، ابویعلیٰ، ابن جریر، بیہقی اور ابو عمر کتاب العلم میں ابو

صالح سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھو کیونکہ تم میرے مثل کسی سے نہیں پوچھ رہے ہو اور میرے مثل ہرگز کسی سے نہیں پوچھو گے، ابن الکواء کھڑے ہوئے اور کہا کہ دو باندی بہنوں کا حکم بتائیے کہ انہیں ایک ساتھ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علی نے فرمایا کہ ایک آیت میں دونوں کو جمع کرنا حلال کہا گیا ہے اور دوسری آیت میں حرام، اور میں نے اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں اور نہ اسے حلال کرتا ہوں نہ حرام اور نہ میں ایسا کروں گا نہ میرے گھر میں کوئی ایسا کرے گا۔ یعنی دو بہنوں کو باندی بنا کر ایک ساتھ رکھنا اور دونوں سے وطی کرنا جائز نہیں اور رکھنا جائز ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین الاختین)

حضور نے حضرت علی کو ہزار ہزار علوم سکھائے

اقبول، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا کہ تم میرے مثل کسی سے نہیں پوچھ رہے ہو اور میرے مثل کسی سے ہرگز نہیں پوچھو گے۔۔۔ الخ اس لئے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ علم والے تھے اور ان کے بعد ان کا مد مقابل کوئی پیدا نہیں ہوا ایسا کیوں نہ ہو کہ انہیں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہزار ہزار ہزار علوم سکھائے۔

ابونعیم حلیہ میں اور ابواحمد فرضی جزء حدیثی میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ہزار

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان غنی عینوں شیوخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام علم و ادراک محفوظ رکھا ہے کہ آپ نے حال و مستقبل کی نفی فرمائی ہے ماضی کی نہیں یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے مثل کسی سے سوال نہیں ہوا اور نہ کسی نے بتایا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے زمانے کا صدیق اکبر ہوں، میرے بعد اگر کوئی یہ بات کہے تو وہ کذاب و مفتری ہے۔ ۱۲ منہ

دروازے سکھائے ہر دروازہ میں ہزار دروازے کھلتے ہیں۔ (کنز العمال، حدیث ۴۷۴۷۲)

اسمعیلی اپنے معجم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بصرہ ضرور فتح ہو جائے گا اور تمہارے پاس کوفہ سے چھ ہزار پانچ سو ساٹھ یا پانچ ہزار چھ سو پچاس افراد کی مدد آئے گی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فتح بصرہ کے موقع پر اس خیال سے کہ لڑائی تو ایک دھوکا ہے میں نے کوفہ کے لوگوں سے پوچھا کہ تمہاری جو مدد ہوگی اس میں تمہاری تعداد کیا ہوگی؟ لوگوں نے وہی تعداد بتائی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتائی تھی۔ میں نے کہا کہ یہ وہ راز ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے خفیہ انداز میں بیان فرمایا تھا اور یہ کہ حضور نے انہیں ہزار ہزار کلمے سکھائے ہر کلمہ سے ایک کلمہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ دونوں روایت کی سند حسن ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں تحقیق و یقین سے بیان فرمایا کہ دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنا حرام ہے۔ (کنز العمال، حدیث ۳۶۵۰۰)

ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی حضرت علی سے اور ابن جریر و ابو عمر کتاب الاستدکار میں ایاس بن عامر سے اور ابن جریر سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں اور ابن شہاب نے اسے قبیصۃ المار کی حدیث میں ذکر کیا ہے اس کے بعد کی پوری حدیث یہ ہے کہ ایک صحابی رسول کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ رکھا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں مسلمانوں کا ولی و امیر ہوا پھر وہ مسئلہ میرے پاس آئے تو میں ایسے شخص کو سخت سزا دوں گا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے ولی و امیر سے مراد یہاں پر خود علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی ہیں۔

(ابن عبد البر فی الاستدکار، رقم الترجمہ ۱۰۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے اقوال

۴۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث گزری جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم قرآن کریم کے ان بعض علوم کو جانتے ہیں جو ہمارے لئے واضح کر دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث ۱۲۶۳۲)

۴۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے طریق سے امام محمد کتاب الاثار میں، امام احمد مسند میں، ابن ابی شیبہ، اصحاب سنن اربعہ، حاکم و بیہقی روایت کرتے ہیں یہ ابوداؤد کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابن مسعود کے پاس یہ مسئلہ آیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا اور وہ دخول و وطی سے پہلے ہی مر گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کے لئے مہر مثل ہے نہ کم ہونہ زیادہ، وہ میراث کی بھی مستحق ہے اور اس پر عدت بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ و رسول جل علاہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ یہ سن کر قبیلہ اشجع کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بروع جت و اشق کے لئے یہی حکم فرمایا ہے جو آپ نے فرمایا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا فیصلہ حضور کے فیصلہ کے موافق دیکھ کر بے پناہ مسرور و شادمان ہوئے۔

(ابوداؤد، کتاب النکاح باب فیمن تزوج الخ)

۴۴۔ داری "باب التورع عن الجواب فیما لیس فیہ کتاب ولا سنة" میں عامر سے روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ مجھ سے قرآن کی جس چیز کے بارے میں پوچھو گے اگر ہمیں معلوم ہوگی تو ہم تمہیں بتا دیں گے یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی سنت یا حدیث کے متعلق پوچھو گے تو میں بتا دوں گا لیکن اگر کوئی نواہی جاد بات ہو اور وہ قرآن و

حدیث میں نہ ہو تو وہ ہماری طاقت و معلومات سے باہر ہے، ہم اسے نہیں بتا سکیں گے۔
(داری باب التورع، حدیث ۱۰۲)

۳۵۔ داری شقیق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اس بات کو برا جانتا ہوں کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی چیز حلال کر دوں جو اللہ نے تم پر حرام فرمائی ہے یا کوئی ایسی چیز تمہارے اوپر ۷۰ ام کر دوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہے۔

(داری، باب من حاب الغیاء کرہ الخ، حدیث ۱۴۹)

حضرت زید بن ثابت کے اقوال

۳۶۔ طبرانی خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم، زید بن ثابت کی طرف سے اللہ کے بندے امیر المومنین معاویہ کے نام اے امیر المومنین آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو میں رب کائنات کی حمد و ثناء لانا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد، آپ مجھ سے دادا اور بھائیوں کی میراث کے بارے میں پوچھتے تھے، بیشک کلالہ اور میراث کے بہت سارے حصے جن کی مقدار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، ہم ان امور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم غور و فکر کے بعد تمک کر عاجز ہو جاتے اور کسی حل ہمیں معلوم نہ ہوتا پھر اس کے بعد اگر کوئی میراث کے بارے میں استفتاء کرتا تو ہم جواب میں اتنا ہی کہہ دیتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جد اور اخوة کی تفصیل نہیں فرمائی۔
(معجم نبیہ طبرانی، ترجمہ ابی الزناد۔ حدیث ۳۸۶)

۳۷۔ عبدالرزاق عکرمہ سے راوی عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں ان سے زوج اور ابویں کے

بارے میں پوچھوں، میں گیا اور ان سے ان کا حکم پوچھا، زید بن ثابت نے فرمایا کہ زوج کے لئے نصف، ماں کے لئے ماہی کی تہائی اس کے بعد جو بچے وہ باپ کے لئے ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم آپ نے کتاب اللہ سے اخذ کیا یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میری رائے ہے میرے نزدیک باپ پر ماں کو فضیلت حاصل نہیں ہے اور ابن عباس ماں کو پورے مال کا تہائی حصہ دیتے تھے۔

اسے داری نے بھی مختصر روایت کیا ہے ان کے لفظ یہ ہیں حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھے زید بن ثابت کے پاس یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ کیا قرآن پاک میں ماں کے لئے ماہی کا تہائی حصہ آیا ہے؟ حضرت زید بن ثابت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ بھی ایک آدمی ہیں آپ اپنی رائے کے مطابق کہتے ہیں اور میں بھی ایک آدمی ہوں میں اپنی رائے کے مطابق کہتا ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۹۰۲۰۔ داری، حدیث ۲۸۷۸۔ کتاب الفرائض)

حضرت عبداللہ بن عباس کے اقوال

۳۸۔ داری ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عورت اور ابویں کے مسئلہ میں سب اہل قبلہ کی مخالفت کی ہے انہوں نے ماں کے لئے پورے مال کا تہائی حصہ مقرر کیا۔

(داری۔ حدیث ۲۸۸۱)

۳۹۔ ابن سعد کتاب السنۃ میں، داری، عدنی، ابن جریر عبداللہ بن ابی یزید سے راوی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی معاملے کے بارے میں پوچھا جاتا، اگر وہ بات قرآن کریم میں ہوتی تو اسے بتا دیتے اور اگر قرآن میں نہ ہوتی بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں کچھ مروی ہوتا تو اسے بیان کر دیتے ورنہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال دیکھتے اگر ان کا کوئی قول نہ

ماتو آخر میں اپنی رائے ظاہر کرتے اور اس کا جواب دیتے تھے۔

(دارمی، باب الفخایا، حدیث ۱۶۸)

۵۰۔ ابن جریر ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے اس پر کچھ بتانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر کسی دوسرے سے پوچھا جاتا تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ کہتا۔

(طبری، مقدمۃ الکتاب۔ ذکر بعض الاخبار التي غلط فی تاویلھا)

۵۱۔ عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری کتاب المصاحف میں اور حاکم سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم اور عبداللہ بن فیروز (مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے ابن فیروز نے کہا اے ابو عباس، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يَذْبُرُ الْأَمْزِمِينَ السَّمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ
كَانَ بِمِقْدَارِ أَلْفِ سَنَةٍ
(السجدة، ۵)

کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ سمجھا کہ وہ ان سے التباس و امتحان کے طور پر پوچھ رہے ہیں لہذا یہ فرمایا کہ وہ کون سا دن ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے؟ ابن فیروز نے کہا کہ میں نے تو آپ سے اس لئے پوچھا ہے تاکہ آپ مجھے اس کی حقیقت بتا دیں ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے اور اللہ ہی کو ان کا حال خوب معلوم ہے اور میں قرآن کریم میں ایسی بات کہنے کو برا جانتا ہوں جو مجھے معلوم نہیں ابن فیروز کہتے ہیں کہ پھر زمانہ کے نشیب و فراز اور گردش لیل و نہار کے بعد ایک دن، میں حضرت ابن مسیب رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے ابن مسیب سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کچھ نہ بتایا نہ انہیں کچھ معلوم تھا، ابن فیروز کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو وہ بات نہ بتاؤں جو مجھے حضرت ابن عباس سے پیش آئی تھی ابن مسیب نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں ضرور بتاؤ پھر میں نے ابن مسیب کو ابن عباس سے سوال و جواب کی پوری تفصیل بتائی، یہ سن کر ابن مسیب نے سائل سے فرمایا کہ دیکھو یہ ابن عباس ہیں جنہوں نے اس آیت کے سلسلے میں کچھ بتانے سے انکار کیا حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ علم والے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ سجدہ آیت ثم یرج الیہ فی یوم الایۃ)

۵۲۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری کتاب المصاحف میں، ابن مردودہ اور حاکم سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں حطیم کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور مجھ سے ”والعذیبت ضبحاً“ (قسم ان کی جو دوڑتے ہیں سینے سے آ، نکلتی ہوئی کنز الایمان) مراد ان سے غازیوں کے گھوڑے ہیں جو جہاد میں دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے آوازیں نکلتی ہیں۔ (خزان العرفان) کا معنی پوچھا میں نے کہا کہ ان سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد کے وقت غبار آلود ہوتے ہیں وہ سائل میرے پاس سے اٹھ کر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پاس گیا حضرت علی سقایہ زمزم کے نیچے بیٹھے تھے ان سے اسی آیت کا معنی پوچھا حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم نے مجھ سے پہلے بھی کسی سے یہ پوچھا ہے اس شخص نے کہا کہ ہاں میں نے اس کے متعلق حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے انہوں نے یہ بتایا کہ ان سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد میں غبار آلود ہوتے ہیں، حضرت علی نے فرمایا کہ جاؤ ان کو بلا کر لاؤ، ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت علی کے پاس جا کر کھڑا ہوا تو فرمایا کہ لوگوں کو ایسا فتویٰ دیتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں (فساق الحدیث) پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ”والعادیات ضبحاً“ کی تفسیر ان اونٹوں سے فرمائی جو

عرفہ سے مزدلفہ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پھر میں اپنی بات سے باز آیا اور علی مرتضیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(جامع البیان طبری۔ تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ العادیات)

۵۳۔ ابن منذر و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی آپ فرماتے ہیں کہ بعض چیز ایسی ہے جو تم نہ قرآن میں پاؤ گے نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قضا و فیصلے میں وہ ملے گی لیکن لوگوں میں اسے رائج و مشہور پاؤ گے وہ یہ ہے کہ میراث میں سے لڑکی کے لئے نصف، اور بہن کے لئے نصف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنْ امْرُؤٌ أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء، ۱۷۶)

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (کنز الایمان) (حاکم مستدرک، کتاب الفرائض)

ابن منذر و حاکم اور عبدالرزاق و بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس میت کے بارے میں پوچھا گیا جو بیٹی اور بہن چھوڑے تو ان کے لئے میراث کا کتنا حصہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور بہن کے لئے کچھ نہیں، اس کے بعد جو بچے وہ اس کے عصبہ کے لئے ہے۔ ابن عباس سے کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو بہن کے لئے نصف حصہ مقرر کیا ہے، حضرت ابن عباس نے اس پر یہ فرمایا کہ تم کو زیادہ معلوم ہے یا اللہ عز و جل کو؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنْ امْرُؤٌ أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء، ۱۷۶)

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (کنز الایمان)

لیکن تم کہتے ہو کہ بہن کے لئے نصف ہے اگرچہ اس کی اولاد ہو۔

(حاکم مستدرک، کتاب التفسیر۔ سنن بیہقی، کتاب الفرائض)

marfat.com

بخاری اپنی صحیح میں آنور داری، عبدالرزاق و حاکم اسود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد رسالت میں ہمارے درمیان بیٹی اور بہن کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور بہن کے لئے نصف۔ اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ حضرت ابن مسعود کی حدیث مرفوع آگے آئے گی۔

(بخاری کتاب الفرائض، باب میراث البنات۔ سنن دارمی، حدیث ۲۸۸۲)

۵۴۔ سعید بن منصور عطا سے روایت کرتے ہیں عطا کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ لوگ آپ کا اور میرا قول نہیں لیتے ہیں، ان پر عمل نہیں کرتے ہیں ہمارے اور آپ کے مرنے کے بعد وہ آپ کے قول کے مطابق میراث کی تقسیم نہیں کریں گے، ابن عباس نے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے تاکہ کعبہ کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر گڑ گڑا کر دعا کریں کہ ان کے حق میں اللہ کا حکم کیا ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب ولایۃ العصبۃ)

۵۵۔ ابن جریر، حاکم سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی سنن میں راوی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ دو بھائی، ماں کو ثلث مال سے محروم نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ

(النساء، ۱۱)

پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں۔

(کنز الایمان)

کیونکہ ”اخوان“ آپ کی قومی زبان میں ”اخوة“ کو نہیں کہتے ہیں یعنی دو

بھائیوں سے مراد چند بھائی یا بہن نہیں ہوتی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں تو اسے رد

اداری کی روایت میں ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹی کے ساتھ

حقیقی بہن کو کچھ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان سے اسود نے حدیث بیان کی کہ معاذ بن جبل

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف کی مستحق قرار دیا ہے تو ابن زبیر نے فرمایا کہ یہ

بات تم عبد اللہ بن عتبہ کو چاہتا دو، عبد اللہ بن عباس ان دونوں کوفہ کے قاضی تھے۔ ۱۲ منہ

نہیں کر سکتا جو مجھ سے پہلے ہوا، یہ شہروں میں ہوتا رہا اور لوگ اس پر عمل کرتے رہے۔

(سنن بیہقی، کتاب الفرائض باب فرض الام)

حاکم و بیہقی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ماں کو بھائیوں سے محبوب کر دیتے تھے یعنی بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو کچھ نہیں دیتے اور فرماتے کہ عرب والے ”اخوین“ کو ”اخوة“ سمجھتے ہیں۔ یعنی دو بھائی، تین بھائیوں کے مثل ہیں یعنی جو حکم دو بھائیوں کا ہے وہی تین بھائیوں کا بھی حکم ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

۵۶۔ عبد بن حمید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ”ان تجمعوا بین الاختین“ کے متعلق ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دو آزاد بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لیکن دو باندی بہنوں کو ملک میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ہاں دونوں سے محبت و مباشرت کرنا جائز نہیں)

(درمنثور سیوطی، سورہ نساء)

عبدالرزاق عمرو بن دینار سے راوی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ ”حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کے بارے میں فرمایا کہ ایک آیت نے اسے حلال کیا ہے اور دوسری نے حرام“ ابن عباس یہ کہتے تھے کہ ”الا ما ملکت ایمانہم“ کے پیش نظر دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنا جائز ہے کیونکہ یہ مطلق ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۲۷۳۷)

عبد بن حمید و ابن منذر عمرو بن دینار سے راوی کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک دو باندی سگی بہنوں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۔ (درمنثور سیوطی، سورہ نساء، آیت وان تجمعوا بین الاختین)

عبدالرزاق و بیہقی عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کے پاس دو باندی بہنوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ذکر کیا گیا اور کہا گیا

marfat.com

کہ حضرت علی نے فرمایا ہے کہ ایک آیت سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری سے حرمت، اس وقت حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک آیت حلال کرتی ہے اور دوسری حرام، مگر انہوں نے ان عورتوں کو ہمارے خویش و اقارب پر حرام کیا ہے اور انہیں ان کے بعض قریبی، رشتہ دار پر حرام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء، ۲۴)

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری ملک میں آجائیں۔

(کنز الایمان) (سنن بیہقی، کتاب النکاح)

ابن منذر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(درمنثور سیوطی، سورہ نساء آیت وان تجمعوا بین الاختین)

۵۷۔ ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ابن عباس سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسی ماں و بیٹی دونوں سے وطی کرے جو اس کی باندیاں ہوں آپ نے فرمایا کہ ایک آیت میں ایسا کرنے کی حرمت ثابت ہے اور دوسری میں حلت، لیکن میں ایسا نہیں کرتا (ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح)

قلت، حضرت علی مرتضیٰ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا عمدہ و احسن جواب دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کیا کہ ان سے اس سلسلے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ جب ایک آیت حلال کرتی ہے اور ایک حرام، تو اگر آیت حرام سے ملکیت ثابت ہو جائے پھر بھی ہمارے لئے اس میں دو آزاد عورتوں اور دو باندیوں کو ایک ساتھ رکھنے یا نہ رکھنے کی تفصیل نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مراد یہ آیت ہے ”الاما ملکتم ایمانکم“ جس طرح یہ آیت مطلق و مرسل ہے اسی طرح ”وان تجمعوا بین الاختین“ بھی مطلق ہے لہذا حرمت و تحریم کو ترجیح حاصل ہے۔ (حوالہ مذکور)

اور عبدالرزاق وابن ابی شیبہ، عبد بن حمید وابن ابی حاتم اور طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو دو باندی بہنوں کو جمع کرے تو انہوں نے ایسا کرنے کو برا بتایا اور کراہت کا اظہار کیا، پھر ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”الا ما ملکک ایمانکم“ (مگر جو عورتیں تمہاری ملک میں آجائیں) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا اونٹ بھی تو تمہاری ملک میں ہے۔

(ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح باب فی الرجل یكون عندہ الاختان الخ)

حضرت ابی بن کعب کا قول

۵۸۔ دارمی عامر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فتویٰ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اے ابوالمہذرا اس مسئلے میں آپ کا کیا خیال ہے، آپ کیا کہتے ہیں ابوالمہذرا نے کہا اے میرے بیٹے کیا وہی مسئلہ ہے جو اس سے پہلے تو نے مجھ سے پوچھا تھا، ابی بن کعب نے کہا کہ یہ مسئلہ وہ نہیں ہے یہ سن کر ابوالمہذرا نے فرمایا اگر وہ مسئلہ نہیں ہے تو مجھے مہلت دو میں غور و خوض کر کے تمہیں بتا دوں گا۔

(سنن دارمی، باب من عاب النبی الخ)

حضرت عمار بن یاسر کا قول

۵۹۔ دارمی عامر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ کیا اس کے بعد اور بھی کوئی مسئلہ پوچھتا ہے؟ اس شخص نے کہا نہیں عمار بن یاسر نے فرمایا کہ ابھی رہنے دو جب ہم اس پر غور و خوض کر لیں گے تو تمہیں بتا دیں گے۔

(دارمی، حدیث ۱۲۵)

اگر قرآن امت کے لئے روشن بیان ہوتا تو پھر غور و فکر اور مشق و محنت کی کیا ضرورت تھی ہاں غور و فکر اور مشق و محنت تو خفی و مستور احکام و معانی کے استخراج و استنباط میں ہوتی ہے۔

حضرت ابوورداء کے اقوال

۶۰۔ ابن عساکر اپنی تاریخ میں بواسطہ حماد بن زید، ایوب، ابو قلابہ حضرت ابو ورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوورداء نے فرمایا اے ابو قلابہ جب تک قرآن کے معانی کو چند وجہوں سے نہیں دیکھو گے تو کامل فقیہ نہیں بن سکتے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں میں نے ایوب سے کہا کہ کیا حضرت ابوورداء کا قول آپ دیکھ رہے ہیں؟ کیا وہ قرآن کو چند وجہ سے دیکھتے تھے اور اس پر اقدام سے انہیں خوف و ہمت ہوتی تھی؟ ایوب نے کہا ہاں یہی بات ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، التزبیدی۔ باب ۴ فی فہم القرآن)

اقول، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے اس کا دوسرا محمل گزر چکا ہے اور سب کے سب حسن و عمدہ ہیں وہ متوافق صورت میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن عظیم کی تفصیل میں کوئی شک و ریب نہیں۔ اور یہ متانی صورت میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ثَلَاثَةٌ قُرْءٌ“ یہاں لفظ قرء میں حیض و طہر دو متانی معنی کا احتمال ہے۔

۶۱۔ دارمی حضرت ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر علماء کرام کے اقوال و کلمات نہ ہوتے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

(دارمی، باب اتونخ لمن یطلب الخ حدیث ۳۹۵)

۶۲۔ ابو نعیم حلیہ میں مالک و یحییٰ بن سعید سے راوی کہ حضرت ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ بیت المقدس تشریف لائیے۔ حضرت سلمان نے ابوورداء کو لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں کرتی البتہ انسان کا اپنا عمل مقدس ہوتا ہے، اس کے بعد یہ لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ قاضی بننا چاہتے ہیں اگر آپ اس سے سبکدوش ہو جائیں تو بہت بہتر ہوگا اور اگر آپ قاضی بنے رہے تو کسی انسان کے قتل سے باز رہیں ورنہ دوزخ میں جانے کا امکان

ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو درداء جب دو آدمی کے درمیان کوئی فیصلہ کرتے تو ان کا رخ پھیر کر ان کی پیٹھ اپنی طرف کرا لیتے اور ان کی طرف دیکھتے رہتے پھر کہتے قسم خدا کی میری طرف رخ کرو اور اپنا معاملہ دوبارہ بیان کرو۔

(ابونعیم، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۴ سلمان الفارسی)

حضرت عبداللہ بن عمر کے اقوال

۶۳۔ ابو داؤد کتاب الناح والسنوٰخ میں اور ابن مردویہ، خالد بن اسلم سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جگہ جا رہے تھے ایک اعرابی ملا اور ابن عمر سے پھوپھی کی میراث کے بارے میں پوچھا، حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ سن کر اس اعرابی نے کہا کہ آپ حضرت عمر کے بیٹے ہیں اور آپ کو معلوم نہیں؟ ابن عمر نے فرمایا کہ ہاں تم علماء کی بارگاہ میں جاؤ اور ان سے پوچھو جب وہ اعرابی جانے لگا تو اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ ہاں آپ نے جو کہا وہ ٹھیک ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، باب ۶ فی آفات العلم)

دارمی ابو عبید بن جریج سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم مکہ معظمہ میں ایک دن حضرت ابن عمر کی مجلس میں بیٹھے اور ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس میں جاتے، حضرت ابن عمر زیادہ تر سوالوں کے جواب میں کہتے کہ ”مجھے یہ معلوم نہیں ہے“ حالانکہ ان میں بعض مسائل وہ بولتے جن پر ان کا فتویٰ موجود تھا۔ یہ ان کی احتیاط تھی۔ (سنن دارمی، باب من حاب الفقہاء حدیث ۱۵۷)

بطریق عبداللہ عمری حضرت نافع سے اور بطریق حشام بن عروہ سے روایت ہے نافع و عروہ دونوں نے کہا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا، ابن عمر نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، پھر جب وہ شخص جانے لگا تو کہا کہ ہاں عمر کے بیٹے سے جب کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا ہے جو اسے معلوم نہیں تو وہ

کہتے ہیں کہ ”مجھے معلوم نہیں“ یعنی ابن عمر نے یہ خود ہی فرمایا۔

(سنن دارمی، باب الغیا و ما فیہ عن اللہ، حدیث ۱۸۷)

قوت القلوب اور احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اگر دس مسائل پوچھے جاتے تو وہ صرف ایک مسئلے کا جواب دیتے باقی نو کے جواب میں سکوت فرماتے۔ یا یہ کہتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ (قوت القلوب، ابوطالب مکی۔ فصل ۳۱)

ابوموسیٰ اشعری و سلمان بن ربیعہ کے اقوال

۶۳۔ بخاری و عبد الرزاق و دارمی اور حاکم و بیہقی ہزلی بن شریل سے روایت

کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ بیٹی و پوتی اور حقیقی بہن کے حصے کتنے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹی کے لئے نصف اور بہن کے لئے نصف ہے اور عبد اللہ بن مسعود کے پاس جاؤ ہو سکتا ہے ان کا بھی نظریہ یہی ہو۔ سائل نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی بات بھی بتائی یہ سن کر ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہوگی تو میں بہک جاؤں گا اور راہ راست پر نہ ہوں گا میں تو اس مسئلے میں وہی حکم دیتا ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے چھٹا ٹکٹا کی تکمیل کے لئے اور جو باقی بچے وہ بہن کے لئے ہے۔ سائل نے ابوموسیٰ اشعری کے پاس آ کر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات بتائی اس پر ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب تک ہمارے بیچ یہ علامہ ہیں مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔

(بخاری، کتاب الفرائض باب میراث لہ ابن مع ابیہ)

دارمی کے لفظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے ابوموسیٰ اشعری و سلمان بن ربیعہ رضی

۱۔ حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں اس کی نسبت نسائی کی طرف کی ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ انہیں سلمان خیل بھی کہا جاتا ہے امام بخاری نے انہیں صحابہ میں شمار کیا لیکن ابن مندہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ سلمان بن ربیعہ کے بارے میں (بقیہ آگے)

اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا، اس کے بعد حدیث کا مضمون وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا نیز اس میں یہ زائد ہے کہ سائل سے یہ کہا گیا کہ عبد اللہ بن مسعود کے پاس جاؤ وہ ہمارے مطابق ہی جواب دیں گے۔۔۔ الخ مگر اس روایت میں ابو موسیٰ اشعری کا یہ قول نہیں ہے کہ ”جب تک یہ علامہ ہمارے درمیان ہیں ہم سے کچھ نہ پوچھنا“

(سنن داری، باب فی بنت دلیہ ابن الخ حدیث ۲۸۹۳)

حضرت ابو ہریرہ کا قول

۶۵۔ امام احمد عبد الرحمن بن عتاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو حالت جنابت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا، عبد الرحمن بن عتاب کہتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے مجھے اور ایک شخص کو حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجا تا کہ ہم ان سے یہ پوچھیں کہ رمضان میں غسل جنابت سے پہلے اگر صبح ہو جائے تو روزہ ہوگا یا نہیں؟ ان میں سے ایک نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت جنابت میں صبح کرتے پھر غسل کر کے روزہ کو پورا فرماتے تھے اور دوسری نے یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر احکام کی جنابت میں صبح کرتے پھر غسل کے بعد روزہ کو پورا فرماتے۔

راوی نے کہا کہ یہ دونوں مردان کے پاس گئے اور حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بات انہیں بتائی، مروان نے عبد الرحمن بن عتاب سے کہا کہ جاؤ اور

بقیہ مشہور یہ ہے کہ انہیں صحبت اقدس حاصل ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ کے درالقضا کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (تقریب التہذیب، ترجمہ سلمان بن ربیعہ)

اقول، امام بخاری کے قول کی صحت پر یہ دلیل کافی ہے کہ اصحاب میں چند مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابی ہی کو حاکم و والی مقرر فرماتے تھے۔ داری کے ایک مطبوعہ نسخے میں سلمان کی بجائے سلیمان ہے غالباً یہ نسخہ کافری ہے۔ ۱۲ منہ

ابو ہریرہ کو حضرت عائشہ و ام سلمہ کی یہ بات بتادو، یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا تھا، مجھے تو ایسا ہی مظنون تھا کہ حالت جنابت میں صبح کرنے سے روزہ نہیں ہوتا ابو ہریرہ کی یہ بات سن کر مروان نے ان سے کہا کہ کیا آپ ظن و تخمین سے لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں؟ (مسند احمد بن حنبل، مرویات عائشہ)

حضرت جندب بن عبد اللہ کا قول

۶۶۔ دارمی ولید بن مسلم سے راوی کہ طلق بن حبیب حضرت جندب بن عبد اللہ (ابن عبد اللہ بن سفیان بجلی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس آئے اور قرآن مقدس کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ کو مشقت و حرج میں ڈالا اگر میں کامل مسلمان ہوتا تو آپ میرے پاس سے اٹھ کر نہ جاتے یا یہ فرمایا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھاتے۔

حضرت عمران بن حصین کا قول

۶۷۔ امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ہم سے صرف قرآن کی روشنی میں بات کیجئے عمران بن حصین نے اس سے فرمایا کہ تو احمق ہے کیا قرآن عظیم میں پنج گانہ فرائض کی تعداد رکعات کا بیان ہے کیا قرآن میں یہ ہے کہ فلاں فلاں وقت میں قرأت بالجہر کرو اور فلاں فلاں وقت میں آہستہ؟ اس شخص نے کہا کہ نہیں، حضرت عمران نے اسے دلیل دے کر خاموش و ساکت کر دیا۔ (میزان الشریعہ الکبریٰ، فصل بیاں الذم من الیمۃ الخ)

۱۔ امام احمد کے یہاں بطریق ابو بکر عبد الرحمن بن حارث یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم دونوں سے حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فرمایا انہوں نے کہا ہاں، ابو ہریرہ نے کہا کہ وہ دونوں مجھ سے زیادہ علم والی ہیں، مجھے تو یہ بات فضل بن عباس نے بتائی تھی۔

اس سے تقلید ثابت ہوتی ہے۔ ۱۲۰

حضرت عقبہ بن عامر کا قول

۶۸۔ ابن ابی شیبہ و دارمی اور ابن جریر ابوالخیر مرثد بن عبد اللہ یزنی سے راوی کہ ایک شخص نے عقبہ بن عامر (جہنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کلالہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کیا اس پر تعجب نہیں ہے کہ یہ مجھ سے کلالہ کے بارے میں پوچھ رہا ہے؟ صحابہ کرام کو کلالہ سے زیادہ کوئی چیز سخت و دشوار محسوس نہ ہوئی۔

(دارمی، حدیث ۲۹۷۷۔ طبری جامع البیان، سورہ نساء)

انتباہ

جن کے اقوال و آراء اوپر مذکور ہوئے یہ سب کے سب صحابہ کرام میں بڑے بڑے علماء ہیں امت مرحومہ میں وہ سب سے زیادہ علم والے ہیں ان پر علوم الہیہ کی ریاست و سرداری ختم ہوگئی، ان میں یہ حضرات ہیں

● حکیم الامت ابوورداءؓ

● علم فرائض میں فائق و ماہر زید بن ثابت

● عمدۃ القراء ابی بن کعب جن کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالمہدی تمہیں علم مبارک ہو۔ (مسلم، کتاب فضائل القرآن)

● حلال و حرام کے عالم کامل معاذ بن جبل

● سر سے پیر تک ایمان و یقین سے بھرے ہوئے عمار بن یاسر جنہیں دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے دونوں کے افضل و بہتر کو اختیار و پسند فرمایا اور وہ جہاں

ایک عہدہ اور ثناء کے ساتھ دارمی کے ایک مطبوعہ نسخہ میں یزید بن عاثبؓ کا ایک نسخہ ہے۔ ۱۲۷
۱۲۔ ابن عساکر جبر بن غیر سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کا ایک حکم ہوتا ہے میری امت کے حکیم ابوورداءؓ ہیں۔ طبرانی اوسط میں شریک بن عبید سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے حکیم عویرؓ ہیں۔ دونوں روایت مرسل ہیں۔ ۱۲۸

گئے حق کے ساتھ گئے۔

● رئیس المفسرین ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس

● اس امت کے عالم کامل عبداللہ بن عمرؓ

● خلفاء اربعہ کے بعد صحابہ میں سب سے زیادہ فقہ جاننے والے علم سے بھری

ہوئی گھڑی عبداللہ بن مسعود وغیرہم

● اور ان حضرات صحابہ میں، منبر سلونی کے خطیب جنہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے ہزار ہزار ہزار علم سکھائے جو اپنے خطبہ میں فرماتے کہ مجھ سے پوچھو قسم خدا

کی قیامت تک کے احوال مجھ سے جو بھی پوچھو گے گوہ میں تمہیں بتا دوں گا مجھ سے

کتاب اللہ کی جس آیت کے متعلق پوچھو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا کہ وہ رات کو نازل

ہوئی یا دن کو، نرم زمین میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر، یہ فرمانے والے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ

تعالیٰ وجہ ہیں۔ (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، باب فی ابتداء العالم الخ)

● رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیل، دنیا و آخرت میں حضور کے ولی و

محب، جنت کے رفیق حضرت عثمان ذوالنورین۔

● حضرت عمر فاروق اعظم جنہوں نے علم کے دس حصوں میں سے نو حصوں ۵

کو حاصل فرمایا

۳۔ داری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا۔

۴۔ ابن الانباری کتاب المصاحف میں اور ابن عبدالبر کتاب العلم میں ابوالطفیل عامر بن واہلہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔ ۱۲ منہ

۵۔ ابن مسعود سے یہ روایت نزر چکی ہے اور داری ابوالخق و عمر بن میمون سے راوی انہوں نے کہا کہ

حضرت عمر نے علم کا دو تہائی حصہ حاصل فرمایا، ابراہیم کے پاس جب اس بات کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ

حضرت عمر علم کے دس حصوں میں نو حصے حاصل کئے، اسے داری نے ابن عباس سے روایت کیا کہ یہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ۱۲ منہ

● حضرت ابو بکر صدیق ان میں سب سے زیادہ علم و فضل والے اور سب میں زیادہ کمال والے ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جب علم و فضل کے ان آفتاب و ماہتاب کے لئے قرآن عظیم تمام احکام دینیہ کا بیان نہیں ہے تو پھر کس کے لئے ہوگا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ اس سے اخص ہے جس سے خصوص کے قائلین نے آیات کی تخصیص کی ہے۔ جب اخص درست نہیں تو اعم کہاں سے درست ہوگا پھر عموماً کہاں سے صحیح ہوں گے؟ نسأل اللہ الہدایۃ والنجاة۔

حضرت سعید بن مسیب کا قول

۶۹۔ ابن جریر بطریق مالک یحییٰ بن سعید و سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کسی قرآنی آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میں قرآن کے معاملے میں کچھ نہیں کہوں گا۔

نیز یزید بن ابی یزید رشک سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلال و حرام کے بارے میں پوچھتے تھے تو وہ تشفی بخش جواب دیتے کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ اور جب ان سے ہم کسی آیت قرآنیہ کی تفسیر پوچھتے تو وہ خاموش رہتے گویا کہ سنائی نہیں۔

(طبری جامع البیان، مقدمۃ الكتاب)

حضرت ابن شہاب زہری کا قول

۷۰۔ دارمی ابوسہیل سے راوی انہوں نے کہا کہ میری بیوی نے مسجد حرام میں تین دن اعتکاف کی نذر مانی، میں نے عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ آیا میری عورت پر روزہ بھی لازم ہے۔ ابن شہاب زہری عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یہ سن کر انہوں نے کہا کہ اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا، ابن شہاب سے حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے کہا کیا یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں،
 عمر بن عبدالعزیز نے کہا کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟
 فرمایا نہیں، کیا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں، کیا عثمان
 ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں اس کے بعد حضرت عمر بن
 عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میری رائے میں عورت پر روزہ نہیں ہے۔
 ابوسہیل کہتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا تو حضرت طاؤس اور عطاء بن ابی رباح سے
 ملاقات ہوئی میں نے ان دونوں سے یہی مسئلہ پوچھا، طاؤس نے کہا کہ حضرت ابن
 عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک عورت پر روزہ نہیں ہے ہاں اگر وہ اعتکاف کے
 ساتھ روزہ کی نذر مانے تو اس صورت میں روزہ رکھنا ضروری ہے یہ سن کر عطاء نے کہا
 کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

(ابن شہاب زہری کا قول مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 مطابق ہے۔ اعتکاف کی نذر سے روزہ لازم ہو جاتا ہے)

(داری باب الشیاء ما فیہ من الشدۃ، حدیث ۱۶۴)

حضرت مجاہد و عطا اور طاؤس و عکرمہ کے اقوال

۱۔ ابن عساکر بسند حسن مجاہد سے راوی مجاہد نے کہا کہ ہم لوگ یعنی عطا و
 طاؤس اور عکرمہ آپس میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز
 پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ کیا آپ مفتی ہیں؟ میں نے اس سے کہا
 پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، اس شخص نے یہ کہا کہ میں جب جب پیشاب کرتا ہوں تو اس
 نے بعد جو شیا پانی نہاتا ہے میں نے اس سے کہا کہ کیا وہ پانی جس سے بچہ پیدا ہوتا
 ہے؟ اس نے کہا ہاں وہی پانی، میں نے کہا اس سے تم پر غسل واجب ہے۔ وہ شخص اٹھا
 اور واپس جانے لگا حضرت ابن عباس نے بعجلت نماز پوری کر کے سلام پھیرا اور کہا

اے عکرمہ اس شخص کو بلاؤ، وہ شخص جب آگیا تو ابن عباس ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے اس شخص کو قرآن عظیم سے فتویٰ دیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں، فرمایا کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت و عمل سے؟ ہم نے کہا نہیں، فرمایا کیا صحابہ کرام کے کسی قول سے؟ ہم نے کہا کہ اپنی رائے سے ہم نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ، شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا جب وہ پانی نکلتا ہے تو تم اپنے دل میں شہوت و لذت پاتے ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا کیا اس سے اپنے جسم میں سستی و کاہلی محسوس کرتے ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا کہ یہ بد ہضمی ہے اس سے تمہیں صرف وضو کافی ہے۔

(کنز العمال، فصل فی توافض الوضوء حدیث ۲۷۰۸۳)

۷۲۔ داری مستب بن رافع سے راوی انہوں نے کہا کہ جب اصحاب ابن عباس یعنی مجاہد و عطاء اور طاؤس و عکرمہ کے پاس کوئی مقدمہ درپیش ہوتا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا روایت نہ ہوتی تو اس کے حل کے لئے جمع ہوتے اور اجماع کرتے جو ان لوگوں کی رائے ہوتی وہ حق و درست ہوتا، ان کی رائے حق و صواب کے موافق ہوتی۔

(داری باب التورع عن الجواب فیما یس فی الخ حدیث ۱۱۶۰)

حضرت قاسم بن محمد بن الصدیق کے اقوال

۷۳۔ ایوب کہتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد سے سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ قسم خدا کی جو تم لوگ پوچھتے ہو وہ ہم نہیں جانتے ہیں اگر ہم جانتے تو تم سے نہ چھپاتے اور نہ ہمارے لئے تم سے چھپانا حلال ہے۔

ابن عون کہتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا کہ تم لوگ جن چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہو ہم ان چیزوں کے متعلق نہیں پوچھتے اور تم جن چیزوں کو کریدتے ہو ہم ان چیزوں کو نہیں کریدتے تھے اور تم ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہو جو مجھے معلوم نہیں کہ وہ آخر ہیں کیا؟ اگر ہم انہیں جانتے تو ہمارے لئے ان کا چھپانا حلال نہ تھا۔

(داری باب التورع عن الجواب فیما الخ حدیث ۱۲۰-۱۱۳)

یہی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ یہ بات مجھ پر بہت سخت و گراں ہوتی ہے کہ آپ سے کچھ پوچھا جاتا ہے اور آپ کو وہ بات معلوم نہیں ہوتی حالانکہ آپ کے باپ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ و امام تھے یہ سن کر قاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت اللہ کے نزدیک اور اس کے نزدیک جو اسے اللہ کی طرف سے سمجھے یہ بات ہے کہ میں بغیر معلومات کے فتویٰ دوں یا غیر ثقہ راوی سے روایت کرں۔

(داری، باب التورع عن الجواب فیما الخ حدیث ۱۱۵)

حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول

۷۴۔ عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ حضرت عطاء سے ایک چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، ان سے کہا گیا کہ اس میں آپ کی رائے کیا ہے؟ فرمایا مجھے اللہ عزوجل سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی کوئی رائے دوں جس سے اہل زمین میں کمزوری پیدا ہو۔ (داری باب التورع عن الجواب فیما الخ حدیث ۱۰۸)

اقول، یعنی اظہار رائے وہاں پر ہوتا جہاں مسئلہ واضح نہ ہوتا اور اگر مسئلہ روشن و واضح ہوتا تو اس کے ماخذ و مرجع کی طرف نسبت کرتے ورنہ عطاء کی بشارتیں ہیں ابھی اوپر ان کا یہ قول گزرا کہ یہ میری رائے ہے۔

حضرت امام ابراہیم نخعی کا قول

۷۵۔ ابراہیم نخعی سے آٹھ مسائل پوچھے گئے انہوں نے صرف چار کے جوابات دیئے اور چار کو چھوڑ دیا۔ ان کے جواب سے خاموشی اختیار فرمائی۔

(دارمی باب من حاب النقیاح حدیث ۱۳۲)

حضرت امام شعبی کے اقوال

۷۶۔ عمر بن ابی زائدہ کہتے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں شعبی سے زیادہ میں نے کسی کو بکثرت یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ مجھے معلوم نہیں۔ یعنی امام شعبی اکثر سوالوں کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ "مجھے معلوم نہیں"

(دارمی باب من حاب النقیاح حدیث ۱۳۴)

مغیرہ سے روایت ہے کہ عامر (امام شعبی) سے جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے کہ مجھے معلوم نہیں، اگر دوبارہ پوچھا جاتا تو کہتے کہ اگر تم چاہو تو میں قسم کھا کر کہوں کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ (دارمی باب من حاب النقیاح حدیث ۱۸۸)

۷۷۔ ابو نعیم حلیہ میں امام احمد بن حنبل و سفیان سے راوی کہ امام شعبی سے جب لوگ کسی مشتبہ امر کے بارے میں پوچھتے تو آپ فرماتے کہ یہ سخت سردی کے سات دنوں میں سے ایک دن کی بیماری ہے اس کی نہ پیروی کی جائے نہ اسے انکل سے ہانکا جائے اور اگر ایسے مشتبہ معاملے کے متعلق صحابہ کرام سے پوچھا جاتا تو ان پر بھی یہ دشوار و مشکل ہو جاتا وہ بھی جواب نہیں دیتے تھے۔

(ابو نعیم حلیہ الاولیاء ترجمہ عامر بن سراج شعبی)

حضرت سعید بن جبیر کا قول

۷۸۔ دارمی جعفر بن ابی اس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے عرض کیا کہ آپ طلاق کے بارے میں کچھ کیوں نہیں کہتے ہیں؟

marfat.com

سعید بن جبیر نے فرمایا کہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں جس کے متعلق آپ نے پوچھا نہ ہو۔
لیکن میں اس بات کو برا جانتا ہوں کہ کسی حرام چیز کو حلال کر دوں یا کسی حلال شے کو
حرام کر دوں۔ (دارمی باب من عاب النبی حدیث ۱۳۶)

حضرت حمید بن عبد الرحمن کا قول

۷۹۔ امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ حمید بن عبد الرحمن (ابن عوف احد العشرة
المبشرة رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے فرمایا کہ اگر میں کسی سوال کا جواب اپنے عجز و کمی کے سبب
سے نہ دوں تو یہ میرے لئے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ جس بات کو نہیں جانتا ہوں اس کے
لئے بلا وجہ تکلف کروں۔ اور اسے عقل و قیاس سے بتانے کی کوشش کروں۔

(دارمی باب من عاب النبی حدیث ۱۳۹)

حضرت امام ابن سیرین کے اقوال

۸۰۔ امام محمد بن سیرین ایسی فرج کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیتے جس
میں کچھ اختلاف ہوتا۔ (دارمی باب من عاب النبی حدیث ۱۵۴)

۸۱۔ عارف باللہ عبدالوہاب شمرانی میزان میں فرمانے ہیں کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کہ جن سے رائے کی شناخت میں بہت کچھ مروی ہے ان میں سرفہرست امام
اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ہر اس رائے سے بری و بیزار ہیں
جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو۔ مگر بعض متعصبین نے اس کے خلاف بات کی نسبت امام
اعظم کی طرف کر دی ہے کہ وہ حدیث پر اپنے قیاس و رائے کو ترجیح و فوقیت دیتے ہیں۔
قیامت کے دن ایسے شخص کی رسوائی ظاہر و آشکارا ہو جائے گی جبکہ امام کا آسنا سامنا ہوگا
کیونکہ جس کے دل میں نور ایمان ہوگا وہ کسی بھی امام کو برائی یا بے ادبی سے یاد کرنے کی
جرات و جسارت نہ کرے گا، اس کی وقعت کیا اور ان کا مقام کہاں ہے

عہد نیست خاک را ما عالم پاک۔

marfat.com

ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہیں جیسے آسمان میں نجوم و کواکب، ان کے علاوہ زمین پر بسنے والے دوسرے لوگ ایسے ہیں جو ستاروں کو نہیں پہچانتے مگر اس طرح جیسے سطح آب پر ان کی خیالی صورت۔

(میزان الشریعہ الکبریٰ، فصول فی بیان ماوردی ذمہ الراء)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے اقوال

شیخ محی الدین (شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ) فتوحات مکیہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے فرمایا کہ اللہ کے دین میں محض رائے سے کچھ کہنے سے اجتناب کرنا اور تم پر سنت کی پیروی لازم ہے، جو اس سے نکل جائے وہ گمراہ ہو جائے گا۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفہ کا ایک شخص امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، کسی بات کے جواب میں اس کے سامنے حدیث پڑھی گئی اتنے میں اس شخص نے کہا کہ یہ حدیثیں رہنے دیجئے اس پر امام اعظم ابو حنیفہ نے اس شخص کو سختی کے ساتھ ڈانٹا اور فرمایا کہ اگر سنت و حدیث نہ ہوتی تو کوئی نبی قرآن کو نہ سمجھ سکتا، پھر اس شخص سے فرمایا کہ بندر کے گوشت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ قرآن عظیم سے اس کی دلیل کہاں ہے؟ وہ شخص خاموش ہو گیا اور امام اعظم سے عرض کیا کہ آپ بندر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام نے فرمایا کہ بندر کا گوشت نہیں کھایا جاتا وہ بحیمۃ الانعام میں سے نہیں ہے۔

(میزان الشریعہ الکبریٰ، فصول فی بیان ماوردی ذمہ الراء)

حضرت سیدنا ربیعہ کا قول

۸۲۔ ابن ابی حاتم امام مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ربیعہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم نازل فرمایا اور اس میں کچھ مقامات سنت کے لئے چھوڑ دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنتیں رائج فرمائیں اور ان

میں کچھ مقامات رائے کے لئے چھوڑ دیئے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم سورۃ انعام، حدیث ۸۱۲۱)

یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ القیمی امام ثقہ و مشہور فقیہ صحاح ستہ وائمہ و تابعین کے کد جال اور امام مالک کے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی کثرت رائے کے سبب سے ان کو "ربیعۃ الرائی" کہا جاتا تھا۔

حضرت امام مالک کا قول

۸۳۔ ابن وعب فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک نے فرمایا کہ جس حکم سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے وہ دو طریقے پر ہے۔

۱۔ جو فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہو وہ حکم درست ہوتا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس سے روگردانی جائز نہیں۔

۲۔ وہ فیصلہ جس میں عالم خود محنت و اجتہاد کرتا ہے ایسی بات میں جو قرآن و حدیث میں صراحۃً موجود نہیں، ہو سکتا ہے یہ فیصلہ قرآن و سنت کے موافق ہو جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ غیر معلوم بات میں تکلف و تصنع کرنا یا جو اس کے مشابہ ہے اس کے موافق نہ ہونے کا امکان ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کا قول

۸۴۔ ابو نعیم حلیہ میں علی بن المدینی سے روایت کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ سے جب کچھ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں، سائل کہتا کہ ہم کس سے پوچھیں آپ فرماتے علماء کرام سے پوچھو اور اللہ عز و جل سے بھلائی کی توفیق مانگو۔

(ابو نعیم حلیہ الاولیاء، ترجمہ سفیان بن عیینہ)

حضرت امام شافعی کا قول

۸۵۔ امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ

منہ نے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے جو چاہو پوچھو میں تم کو قرآن کریم سے جواب دوں گا، ان سے کہا گیا کہ محرم کے لئے زنبور (بھڑ) کا مارنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَنَاہْكُمْ عَنْهُ فَأْتُوا (الحشر، ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(کنز الایمان)

اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی کرو۔

طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محرم کو زنبور مارنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی حاجی حالت احرام میں تکلیف دینے والے موذی جانوروں کو مار سکتا ہے یا ان فاسق جانوروں کو قتل کیا جاسکتا ہے حدیث میں جن کے مار ڈالنے کا حکم آیا ہے مثلاً چوہا، بچھو، پاگل کتا وغیرہ۔

(الاتقان، نوع ۶۵ فی العلوم المستنبطۃ من القرآن)

دیگر ائمہ و علماء کے اقوال

۸۶۔ امام عبدالوہاب شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے تمام ائمہ و مجتہدین کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے اگر وہ لوگ امت کے لئے قرآن و سنت سے احکام و مسائل کا استنباط و استخراج نہ فرماتے تو ان کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہ ہوتا اس سلسلے میں ائمہ کرام کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہے کہ حضور نے قرآن کے اجمال کی وضاحت فرمادی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا قَرَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

(الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھانہ رکھی۔

marfat.com

کیونکہ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے لئے طہارت و نماز اور حج وغیرہ کی کیفیت بیان نہ فرماتے تو امت کا کوئی فرد قرآن سے ان چیزوں کو نکال نہ سکتا اور نہ ہم فرائض و نوافل وغیرہ کی تعداد رکعات جانتے۔

۸۷۔ امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن و سنت کے اجمال کی تفصیل میں ہمارے لئے اگر حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مجتہدین کرام کا بیان نہ ہوتا تو اس پر کوئی قادر نہ ہوتا جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر اپنی سنت و عمل سے ہمارے لئے طہارت کے احکام و مسائل بیان نہ فرماتے تو ان کی کیفیت ہمیں قرآن پاک سے معلوم نہ ہوتی اور نہ ہم انہیں قرآن سے اخذ کر سکتے، یہی بات فرض و نفل نمازوں کی رکعات کے بیان میں ہے، یہی بات روزہ و حج و زکوٰۃ کے احکام اور زکوٰۃ کی کیفیت، اس کے نصاب و شرط اور ان کے فرض و سنت کے بیان میں ہے، یہی بات ان تمام احکام میں ہے جو قرآن کریم میں اجمالاً مذکور ہوئے ہیں اگر سنت سے ان کا بیان نہ ہوتا تو ہم انہیں جانتے تک نہیں۔ اللہ عز و جل کی اس میں کچھ اسرار و حکمتیں ہیں جنہیں عارفین و اہل نظر ہی جانتے ہیں۔ (میزان الکبریٰ، فصل ولما یدلک علی الخ)

۸۸۔ میزان میں ہے امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر سنت و حدیث سے قرآن کے اجمال کا بیان نہ ہوتا تو کوئی عالم پانی و طہارت کے احکام و مسائل نکالنے پر قادر نہ ہوتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ فجر میں دو رکعت ہیں، ظہر و عصر اور عشاء میں چار رکعات اور مغرب میں تین رکعات ہیں اور نہ یہ کہا جاتا کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ ہوگا ثناء کیسے پڑھی جائے گی تکبیر تحریمہ کا کیا طریقہ ہے رکوع و سجود میں کیا ذکر کیا جائے، قومہ و جلسہ میں تعدیل کا حکم کیا ہے دونوں قعدوں میں کیا پڑھا جائے۔ اور نہ نماز عیدین، نماز کسوف و خسوف، نماز جنازہ، نماز استسقاء کی کیفیت معلوم ہوتی نہ زکوٰۃ کے نصاب، روزے کے

ارکان، حج، بیع و شراء، نکاح، زخم، قضا و احکام اور تمام ابواب فقہ کی کیفیت معلوم ہوتی۔
(میزان الکبریٰ، بیان الذم من الائمة المجہدین)

ان بیانات سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن عظیم امت کے لئے احکام ضروریہ کا بھی بیان نہیں ہے تو پھر تمام احکام و مسائل اور ان تمام چیزوں کا جو دین سے متعلق ہیں، اور ان تمام چیزوں کا دنیا میں جن کی ضرورت پڑتی ہے پھر ہر شئی کا بیان کیسے اور کیونکر ہوگا۔ اور اس بات پر ایمان رکھنا قطعاً یقیناً واجب و لازم ہے کہ قرآن کریم ہر شئی کا بیان ہے اور یہ صرف حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے والحمد للہ رب العلمین۔

۸۹۔ امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب ”الجواہر والدرر“ میں فرماتے ہیں کہ لوگ تاویل کے محتاج نہیں ہیں مگر ان باریک و دقیق امور کے سمجھنے میں عاجز ہیں جنہیں صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں۔

امام شعرانی اور فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل میں امت کو دسترس نہیں یہ تو صرف رسولان عظام علیہم الصلاۃ والسلام کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَشَبَّانَ لِمَتَّائِيسَ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل، ۴۴)

تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا۔ (کنز الایمان)

اللہ عزوجل نے بندوں پر صرف کتاب عزیز نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ رسولان عظام کے بیان کی حاجت باقی رکھی اور انہیں بیان فرمانے کی تاکید کی گئی۔

(الجواہر والدرر، شعرانی باب ۸ فی ذکر ما سمعنا عنہ الخ)

۹۰۔ حافظ عسقلانی ”فتح الباری“ میں امام عینی ”عمدة القاری“ میں علامہ زرقانی ”شرح مواہب“ میں فرماتے ہیں کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بعض احکام مخفی و پوشیدہ ہیں بعض صحابہ جب کبھی ذکر کرتے ہیں تو احکام ظاہری ذکر فرماتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الاحتسام بالکتاب والسنۃ، باب الحجۃ علی مرأ الخ)

حاصل بحث

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ وہ سمندر ہے جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا لیکن میں چند امور کی نشاندہی کرتا ہوں جو بیان و تبیان کے منافی ہیں اور کوئی آنکھ والا ان کا انکار بھی نہیں کر سکتا وہ تمام امور احکام اور حرام و حلال کے مسائل میں ہیں تاکہ قائلین خصوص کی تخصیص منظمی ہو جائے جسے انہوں نے چند مقام پر بیان کیا ہے۔

فاقول و بالله التوفیق

الاول: کثرت اختلاف جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جاری ہے یہاں تک کہ میراث و فرائض کے مسائل میں جن میں رائے کا دخل بہت ہی کم ہے یہاں تک کہ پانچ بڑے بڑے علماء صحابہ یعنی خلفاء اربعہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ہی مسئلے میں مختلف ہوئے اور پانچ طرح کے قول کئے وہ مسئلہ ام، جد اور حقیقی بہن کا مسئلہ ہے پانچوں مذاہب پر اس کی شکل یہ ہے۔

مسئلہ صدیق	مسئلہ فاروق	مسئلہ ذوالنورین
ام جد اخت	ام جد اخت	ام جد اخت
۱ ۲ کچھ نہیں	۳ ۴ ۲	۱ ۱ ۱
مسئلہ مرتضیٰ	مسئلہ ابن مسعود	
ام جد اخت	ام جد اخت	
۲ ۱ ۳	۱ ۲ ۳	

عبدالرزاق شعمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، عثمان بن عفان اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جد، ام اور اخت حقیقی کے

بارے میں اختلاف ہوا

● حضرت علی نے فرمایا کہ اخت کے لئے نصف، ام کے لئے ثلث اور جد کے لئے سدس ہے۔

● حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اخت کے لئے نصف، ام کے لئے سدس اور جد کے لئے ثلث ہے۔

● حضرت عثمان نے فرمایا ام کے لئے ثلث، اخت کے لئے ثلث اور جد کے لئے ثلث ہے۔

● حضرت زید نے فرمایا ام کے لئے ثلث اور جو باقی بچے اس کا ثلثان جد کے لئے اور ثلث اخت کے لئے۔

● حضرت ابن عباس نے فرمایا ام کے لئے ثلث اور جو باقی بچے وہ جد کے لئے اخت کے لئے کچھ نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب الفرائض حدیث ۱۹۰۶۹)

حکایت، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے افضل امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کی ہے اور حضرت زید بن ثابت کا قول حضرت فاروق اعظم کے قول کے موافق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام بخاری وغیرہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جد کو باپ کے حکم میں قرار دیا ہے۔

(بخاری کتاب الفرائض۔ داری حدیث ۲۹۱۳)

مصنف عبدالرزاق میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور ان سے جد کا حکم پوچھا (یہاں تک فرمایا کہ) حضرت عمر نے زید بن ثابت کا قول

۱۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہمارا مذہب ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ جیسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، داری، دارقطنی و بیہقی۔ ۱۳ منہ

marfat.com

اختیار فرمایا۔

(مصنف عبدالرزاق باب فرض الجہد، حدیث ۱۹۰۵۹)

نیز بخاری میں زہری سے مروی ہے کہ یہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرائض میراث ہیں ان کے بعد زید بن ثابت نے انہیں روایت کیا اور یہ انہیں سے مشہور ہوا۔

(مصنف عبدالرزاق باب فرض الجہد، حدیث ۱۹۰۶۰)

الثانی: صحابہ کا آپس میں مناظرہ و مباحثہ اور بعض کا بعض پر رد و انکار کرنا اور اس کے بعد کافی زمانے تک اسی پر اس اختلاف کا باقی رہنا ہی شدت خفا و پوشیدگی کی علامت و نشانی ہے کہ قرآن کریم امت کے لئے واضح بیان نہیں ہے یہاں تک کہ تلاش بسیار و بحث و مباحثہ کے بعد بھی ظاہر و واضح نہ ہو ازا مانہ صحابہ سے اب تک یہی سنت جاری ہے۔

خطیب رواۃ مالک میں، سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضرت عمر فاروق و عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں آپس میں کسی مسئلہ کی تحقیق میں اس طرح جھگڑتے تھے کہ انہیں دیکھنے والا یہ کہتا کہ یہ دونوں اب کبھی آپس میں جمع نہیں ہوں گے مگر جب دونوں بحث کے بعد جدا ہوتے تو اچھائی و عمدگی سے جدا ہوتے اور دونوں ایک دوسرے سے راضی و خوش ہوتے۔

(کنز العمال آداب العلم متفرقہ، حدیث ۲۹۵۱۳)

مسدد و ابوعوانہ اور طحاوی جری بن کلیب سے راوی انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی چیز سے منع کرتے ہیں میں نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ دونوں کے درمیان یہ بات تو اچھی نہیں ہے آخر ایسا کیوں؟ فرمایا کہ ہمارے درمیان یہ برائی نہیں بلکہ بھلائی و خیر ہے۔ اور ابن عباس کے جواب میں حضرت زید بن ثابت کا قول اور پر گزر چکا ہے کہ آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں اور میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔

(دارمی باب فی زوج و ابویں حدیث ۲۸۷۸)

الثالث: ہر مجتہد سے خطا و غلطی اور صواب و درستگی ہوتی ہے ہر ایک سے اس

marfat.com

کے قول پر مواخذہ اور جواب کا مطالبہ کیا جائے گا مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مواخذہ و مطالبہ نہ ہوگا۔ حضور کی شان و عظمت اس سے بلند و بالا ہے۔

امام احمد وائمہ ستہ سواترندی کے عمرو بن العاص سے اور امام احمد وائمہ ستہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حاکم جب اجتہاد کے بعد حکم صادر کرے اور وہ درست ہو تو اس کے لئے دواجر ہیں۔ اور جب اجتہاد کے بعد حاکم حکم دے اور وہ غلط ہو پھر بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(بخاری کتاب الاعتصام، باب اجرا الحاکم۔ مسند احمد، حدیث الحرث الاشعری الخ)
حاکم سند صحیح کے ساتھ عبد اللہ بن عمرو سے اور امام احمد و ابن سعد اور طبرانی کبیر میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی یہ حاکم کی حدیث ہے کہ دو آدمیوں نے کسی تنازعہ پر بارگاہ رسالت میں مقدمہ دائر کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا کہ دونوں کے درمیان فیصلہ کر دو، عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی موجودگی میں میں فیصلہ کروں؟ حضور نے فرمایا ہاں تم ہی فیصلہ کرو۔ اگر تم درست و صحیح فیصلہ کرو گے تو تمہیں دس نیکیاں حاصل ہوں گی اور اگر تمہارے اجتہاد میں غلطی ہوگی پھر بھی تمہیں ایک نیکی ملے گی۔

(حاکم معتمدک، کتاب الاحکام)

ابن عدی عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص سے فرمایا کہ اجتہاد کرو اگر درست ہو تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر وہ غلط ہو تو ایک نیکی ملے گی۔ (کنز العمال باب فی القضاء حدیث ۱۵۰۱۹)

طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک سے اس کے اپنے قول پر مواخذہ ہوگا اور اسی پر وہ چھوڑا جائے گا۔ (معجم کبیر طبرانی، حدیث ۱۱۹۴۱)

نبیہتی مجاہد و عطا سے راوی دونوں نے کہا کہ ہر ایک اپنے کلام ہی سے ماخوذ و

مردود ہوگا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں حضور سے کسی چیز کا مواخذہ و مطالبہ نہ ہوگا۔ (الواقیت والجواب بر بحث ۴۹ بیان ان جمیع الامم الخ)

عالم مدینہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے کلام کے سبب سے گرفتار ہوگا اور اسی پر اس کو چھوڑا جائے گا مگر یہ قبر والے (یعنی حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں حضور سے پرش نہ ہوگی۔ (حوالہ مذکور)

الرابع: ”لا ادری“ (یعنی مجھے معلوم نہیں) کوئی صحابی، کوئی مجتہد، کوئی امام علم وفن اور کوئی مفتی ایسا نہیں جس نے کبھی یہ نہ کہا ہو کہ ”مجھے معلوم نہیں“ میں نہیں جانتا۔

● داری شعی سے راوی انہوں نے کہا کہ ”لا ادری“ یعنی مجھے معلوم نہیں، کہنا آدھا علم ہے۔ (داری اول باب ۲۱ حدیث ۱۸۶)

● سعید بن منصور سنن میں اور ہروی ”ذم الکلام“ میں شعی سے روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہو اور وہ چیز اسے معلوم نہ ہو تو کہے ”لا ادری“ یعنی مجھے معلوم نہیں، کیونکہ ایسا کہنا تہائی علم کی دلیل ہے۔ (اتحاف السادة المتعلمین باب ۶ آفات العلم)

اقول، ہر مسئلہ میں انسان کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ اسے جانتا ہے یا نہیں جانتا۔ اگر اسے معلوم نہ ہو اور کہے مجھے معلوم نہیں تو یہ آدھا علم ہے۔ اور یہ کہ کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نص صریح کا سہارا لیا جاتا ہے یا استنباط صحیح کا، اس سے اگر مسئلہ حل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہنا تہائی علم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس المقہاء تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو اس پر یہ کہنا کہ ”مجھے معلوم نہیں“ یہ تہائی علم ہے۔ امام شعی نے کبھی اجتہاد نہ کیا نہ اپنی رائے سے کچھ کہا وہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے معلوم نہیں“ کہنا آدھا علم ہے۔

۱۔ ابن جریر شعی سے راوی انہوں نے فرمایا کہ تین چیزوں کے بارے میں مرتے دم تک میں کچھ نہیں کہوں گا (۱) قرآن (۲) روح اور (۳) رائے۔ ۱۲ منہ

● امام دارالبحر ت سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چالیس مسائل پوچھے گئے انہوں نے صرف چار کے جوابات دیئے اور چھتیس مسائل کے لئے فرمایا کہ ”مجھے معلوم نہیں“

● امام اعظم سے پچاس مسائل پوچھے گئے انہیں کسی کا جواب معلوم نہ تھا انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کیا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کے جوابات دیئے یہ دیکھ کر امام اعظم نے فرمایا کہ ان مسائل کے جوابات آپ نے کہاں سے اخذ کئے؟ امام اعظم نے جواب دیا کہ انہیں احادیث سے جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ پھر امام اعظم نے تمام مسائل اور حدیث سے ان کے استخراج کا طریقہ ذکر کیا امام اعظم نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ بس کیجئے ہم نے جو حدیثیں آپ سے سون میں بیان کی ہیں آپ نے ان کو صرف ایک گھنٹہ میں بیان کر دیا۔ اے گروہ فقہاء! ہم دوا فروش اور آپ لوگ اطباء ہیں لیکن اے ابوحنیفہ آپ نے دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

(الخصیرات الحسان، لابن حجر مکی، ص ۱۴۴)

● اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی مسئلے میں ”لا ادری“ (یعنی مجھے معلوم نہیں) کہنا ثابت ہے ان میں سے ختمہ کے وقت وغیرہ کا مسئلہ ہے اے شیخ الاسلام ابن ابی شریف نے اس طرح نظم کیا ہے۔

حمل الامام ابوحنیفۃ دینہ ان قال لا ادری تسعة اسئلہ
امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دین کا بوجھ اس طرح اٹھایا کہ
انہوں نے نو مسئلوں میں فرمایا کہ ”مجھے معلوم نہیں“

(رد المحتار، ابن عابدین۔ مطلب فی المسائل الی توقف فیہا الامام)

علامہ شامی نے دس فرمائے بلکہ درمختار میں سراج سے منقول ہے کہ امام اعظم نے چودہ مسائل میں توقف فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

● حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے برسر منبر ایک مسئلہ پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ ”مجھے معلوم نہیں“ سائل نے کہا کہ آپ تو لوگوں سے اوپر ہیں اور آپ کو معلوم

نہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ تو وہ ہے کہ مجھے اپنے علم کی مقدار اور اس کا حال معلوم ہے اور اگر میں عدم علم کی مقدار کے مطابق بلند ہوتا تو آسمان سے اوپر پہنچ جاتا۔ یعنی جتنا مجھے علم ہے اس کے سبب سے مجھے جو بلندی حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ میں منبر کے اوپر کھڑا ہوں اور مجھے جن باتوں کا علم نہیں ان کے سبب سے اگر میں بلند ہوتا تو آسمان کے اوپر پہنچ جاتا یعنی علم سے جہل زیادہ ہے۔ یہ وہ فرماتے ہیں جو مدینۃ العلم کے دروازہ ہیں اور جنہیں بائے بسم اللہ کی تفسیر سے ستر اونٹ گراں بار کرنے کا سچا دعویٰ ہے۔

● قوت القلوب و احیاء العلوم میں ہے کہ فقہائے کرام میں زیادہ تر حضرات ایسے ہیں جنہوں نے یہ فرمایا کہ ”مجھے معلوم نہیں“ اور کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے یہ فرمایا کہ ”مجھے معلوم ہے“ ”لا ادری“ کہنے والے حضرات یہ ہیں سفیان ثوری، مالک بن انس، امام احمد بن حنبل، فضیل بن عیاض اور بشر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(قوت القلوب اول ذکر العلم و تفصیلہ و اوصاف العلماء)

الخامس: رجوع کرنا، ائمہ صحابہ و تابعین میں اکثر ایسے ہیں جنہوں نے پہلے کچھ کہا پھر بعد میں اس سے رجوع کیا اور دوسرا قول کیا، کبھی ایسا ہوا کہ پہلے قول سے رجوع کیا اور دوسرا قول اختیار نہیں فرمایا بلکہ صرف رجوع کیا اور خاموش رہے، ائمہ نے احتیاطاً ایسا کیا۔

● ابن ابی شیبہ و بیہقی اور ابن سعد و عبدالرزاق عبیدہ سلمانی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جد کے بارے میں سو مختلف فیصلے یاد رکھے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان اوپر گزرا ہے کہ ”میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے جد کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا ہے۔“

(مصنف عبدالرزاق باب فرض الجحد حدیث ۱۹۰۴۳۔ سنن بیہقی کتاب القرائن)

● داری حکم بن مسعود سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شرکت کا ایک معاملہ لے کر آئے انہوں نے شریک نہیں کیا پھر ایک سال

کے بعد ہم اسی معاملہ کو لے کر آئے تو انہوں نے ہمیں شریک کر لیا ہم نے ان سے عرض کیا کہ پہلے تو آپ نے منع کر دیا تھا پھر بعد میں کیوں شریک کیا؟ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ بھی ہمارا فیصلہ تھا یہ بھی ہمارا فیصلہ ہے یعنی پہلے کے فیصلہ سے ہم نے رجوع کیا۔ (داری باب الرحل یفتی بشتی ثم یری غیرہ، حدیث ۶۵۱)

● نیز طاؤس سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کبھی ایک رائے دی اور کبھی اسے چھوڑ دیا اور امام مطہری عالم قریش شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ میں قول جدید و قدیم کی کثرت ہے۔ (داری باب اختلاف الفقہاء، حدیث ۶۳۶)

المصادم: جو احکام صحابہ کے لئے ظاہر تھے ان سے وہ کبھی مطمئن نہ تھے بلکہ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ ہو سکتا ہے آئندہ اس کے خلاف کچھ ظاہر ہو۔ اس سلسلے میں صدیق و فاروق اور علم کی گھڑی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال گزرے ہیں کہ اگر درست و صحیح ہوا تو اللہ عز و جل کی جانب سے ورنہ ہمارے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور بعض ائمہ تابعین نے فتاویٰ کے لکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کیا معلوم کہ کل اس سے رجوع کرنا پڑے اس لئے فتاویٰ نہ لکھے جائیں۔

المصلح: ظاہری نص میں تعارض و تضاد دیکھنا، جیسا کہ امام رازی کے حوالے سے گزرا، تعارض و تضاد کی صورت میں جسے ترجیح حاصل ہو اس پر عمل کرنا یا دونوں میں تطبیق و توفیق کے بعد عمل کرنا، اس سلسلے میں عثمان و علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال دو باندی بہنوں کے جمع کرنے کے بارے میں گزرے کہ ایک آیت سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری سے حرمت۔ (سنن بیہقی، کتاب النکاح)

الثامن: تمام صحابہ کا احادیث کی طرف رجوع کرنا۔

التاسع: اگر احادیث میں حل نہ ملے تو رائے و قیاس کی طرف رجوع ہوگا، رائے اور قیاس کو بھی ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے جس طرح احادیث مبارکہ ضروریات دین و شرع ہیں۔

امام بخاری سے کشف بزودی میں ہے اسے امام غزالی نے بھی تحریر فرمایا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اجتہاد، قول بالرائے و قیاس اور قائلین رائے کے نظریات سے سکوت کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہے اور مشہور واقعات میں یہ تو اتر سے ثابت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ قول بالرائے سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور جو اس کے خلاف منقول ہے اس میں اکثر روایات مقطوع اور غیر ثقہ راوی سے مروی ہیں یہ روایتیں بذات خود ان صحیح روایات کے معارض و منافی ہیں جو انہیں راویوں سے ان روایات کے خلاف مروی ہیں پھر اس قسم کی روایتوں سے علم ضروری کو کیسے چھوڑ دیا جائے گا۔۔۔ الخ

کشف بزودی میں ہے کہ جس میں کوئی صریح نص نہ ہوتی تو صحابہ کا اس پر اجماع ہوتا اور ان کا اجماع و اتفاق بلاشبہ حجت ہے۔

(کشف الاسرار، علاء الدین بن احمد بخاری ۳ باب القیاس)

فوائح الرحموت کے اوائل میں قیاس کے حجت و ضروریات دین میں سے ہونے کی صراحت ہے یہ صاحب مسلم الثبوت اور ملک العلماء نظام الدین سے منقول ہے اور یہ ان کی روایت ہے جن کی روایت کو ملک العلماء نے اپنی بعض کتاب میں درج فرمایا ہے۔ ائمہ و علماء کے محاورات و استعمال سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے لئے قرآن حکیم کے احکام و مسائل ظاہر و عیاں نہیں ہیں اس لئے کہ انہوں نے مسائل کی نسبت حدیث و اثر یا قیاس کی طرف کی ہے یہاں تک کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ہر بات کا جواب قرآن عظیم سے دیں گے اس نے بھی احادیث و آثار کا سہارا لیا جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محرم کے زبور قتل کرنے کا واقعہ گزرا۔

اسی سے ملتی جلتی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو دوسرے کے بال اپنے بالوں میں لگائے یہ سن کر بنی اسد کی ایک عورت نے ابن مسعود سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ ہاں میں اس پر

کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور یہ کہ یہ تو قرآن مقدس کا حکم ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے تو دو تختیوں کے درمیان جو ہے اس سب (یعنی قرآن) کو پڑھا ہے اس میں وہ حکم مجھے کہیں نہیں ملا جو تم کہہ رہے ہو، فرمایا اگر تم اسے پڑھتی تو یہ حکم اس میں ضرور ملا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا ہے؟

وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر، ۷)

اور رسول جو تمہیں دیں اسے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ عورت نے کہا ہاں کیوں نہیں یہ تو ہم نے پڑھا ہے ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ (بخاری ۲، کتاب التفسیر سورہ حشر)

العاشر: ہر مسئلہ اجتہاد یہ میں مجتہدین کرام کو ظن و گمان ہی ہوتا ہے اپنے قول پر کسی مجتہد کو یقین و اعتماد کامل نہیں ہوتا اس کے باوجود اس کے مخالف پر ضلالت و گمراہی کا حکم لگایا جائے گا جیسا کہ اصول عقائد کے مخالفین پر ضلالت و طغیان کا حکم لگایا گیا ہے۔

اصولی و فروعی اختلاف میں یہی فرق ہے عہد صحابہ سے اب تک اس پر اجماع ہے۔ لہذا ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم مسائل غیر اعتنا میں پوری امت میں سے کسی کے لئے ہر شئی کا بیان نہیں بلکہ بہت سارے اجماعی مسائل میں بھی بیان نہیں ہے کیونکہ کبھی اہل اجماع کو صرف ظن ہی حاصل ہوتا ہے البتہ انتقاد اجماع کے بعد یقین و جزم حاصل ہوتا ہے اجماع سے پہلے نہیں۔

فوائد الرموت تقسیم خبر کی بحث میں ہے کہ جس بات پر اجماع کیا گیا اس کے ثبوت میں وہ اجماع قطعی ہے اگرچہ اہل اجماع کو اس کا یقین نہ ہو۔

(فوائد الرموت، فی الاصل الثانی السنۃ، مسالۃ: اختلفوا فی عصمۃ الانبیاء)

اس سے پہلے ہم نے ۹۰ وجوہ ذکر کئے اس کے بعد یہ دس فوائد کا اضافہ کیا کل ملا کر سو پورے ہو گئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

فصل

زعم تخصیص کا دیوالیہ

اس سے محذور کا ازالہ بالکل نہ ہوگا

قائلین تخصیص کو مستکاری حاصل نہ ہوگی یہ استدلال دوسرے طریقے سے ہے کہ قرآن کریم امت کے لئے ہر شئی کا بیان نہیں۔ اس سے پہلے جو بحث ہوئی وہ احوال علماء کے اعتبار سے تھی اور یہ نفس قرآن عظیم کے اعتبار سے ہے کہ ظاہر قرآن علماء کے لئے ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔

یاد رکھو کہ خصوص کے قائلین نے مختلف طریقے سے خصوص کے بیان و تقریر میں آپس میں اختلاف و نزاع کیا ہے، اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ قرآن کریم اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں شدید و کثیر اختلاف ہوتا۔ بہت سارے خصوص کے قائلین نے لفظ ”کل“ کو دیکھ کر فیصلہ کیا اس لئے کہ یہ صیغہ عموم میں سب سے قوی تر ہے پھر بھی دعویٰ اور مبالغہ کی طرف پھیرنے کی جسارت نہ کر سکے بلکہ ”شئی“ کو علوم دینیہ سے خاص کر دیا ہے۔

پھر کبھی علوم کو مطلق رکھا، کبھی اس میں وسعت کی اور کہا کہ یہ ان چیزوں کو عام ہے جو دین سے متعلق ہیں، کبھی خاص طور سے وہ چیزیں مراد لیں جن کی دین میں نہ ورت پڑتی ہے، کبھی علوم کی تفصیل علوم عقائد و اعمال اور تزکیہ باطن اور ذات و صفات و اسماء و افعال اور احکام کی معرفت و عرفان سے کی اور کبھی صرف حلال و حرام

اور فرائض و احکام پر اقتصار و اکتفاء کیا جیسا کہ قائلین تخصیص کے پیش کردہ نصوص و دلائل سے معلوم ہوا۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اس سے ان کا معاملہ پورا نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہر دینی حکم یعنی حلال و حرام کی تفصیل نہیں ہے چہ جائیکہ ان کے غیر کی تفصیل ہو تو وہ لوگ دو گروہ ہو گئے۔

منکرین قیاس نے ہر اس حکم کے انکار سے نجات حاصل کی قرآن میں واضح طور پر جس کا بیان نہیں اور استدلال یہ کیا کہ اصل بری الذمہ ہوتا ہے لہذا جو حکم قرآن کریم کے اندر ہے وہی اللہ کا حکم ہے۔ جب ان کا یہ مدعا اہل سنت و مقلدین ائمہ کے حق میں حاصل نہ ہوا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن مقدس میں بعض علوم کا بیان تفصیلاً ہے اور بعض کا اجمالاً۔

اور جب اس پر بھی اعتراض ہوا کہ اجمال بیان کے منافی ہے تو باقی تینوں اصول (سنت، اجماع اور قیاس) کے حیلہ کا سہارا لیا یعنی تینوں اصول علوم و دینیہ میں واضح طور پر موجود ہیں اس طور سے انہوں نے قرآن کو انہیں علوم پر محدود و منحصر کر دیا، اس طریقے سے بالواسطہ بیان کا راستہ نکلا۔ لفظ ”کل“ کو اس کی حقیقت پر باقی رکھنے میں قائلین تخصیص کی یہ انتہائی کوشش ہے۔ انہیں میں سے بعض نے قاضی بیضاوی پر اعتراض کیا کہ امور دین کی تخصیص مراد لینا اقتضائے مقام کے خلاف ہے اور واسطہ کی بات کرنا تکلف سے خالی نہیں اور اجمال و تفصیل جائز قرار دینے کی تاویل کرنا تو عبارت تفصیل کی متحمل نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ہر شئی کی تفصیل ہے“ اور تم کہتے ہو کہ ایک شئی کی تفصیل ہے اور ایک شئی میں اجمال تمہارے زعم و گمان کے مطابق معاملہ نہیں ہے کہ لفظ ”کل“ یہاں پر احاطہ و تعمیم کے لئے ہو بلکہ تکثیر و تعظیم کے لئے ہے اس لئے کہ بیان میں احاطہ و عموم مراد لینے میں بیان میں مبالغہ مقصود ہے۔ یہ قائلین تخصیص کے اقوال و دلائل کا خلاصہ ہے۔

ان دلائل و بیانات کی جب تحقیق و تفتیش کی جائے گی تو ظاہر و عیاں ہو جائے گا

کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ان کی مراد کے مطابق قرآن کریم اہم علوم دینیہ کا بھی بیان نہیں ہے مثلاً علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم فروع فقہیہ۔ جب ان علوم کا بیان نہیں تو دوسرے علوم کا کیونکر بیان ہوگا۔

لہذا عبد ضعیف (امام احمد رضا) پہلے ان امور کو ذکر کرے گا جو علم اصول دین وغیرہ سے متعلق ہیں پھر ان کے بقیہ کلام کو ظاہر کرے گا اس کے بعد رسالہ مذکورہ نے جو دعوے کئے انہیں کمزور و تباہ کرے گا۔

قرآن کریم جملہ اصول دین کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

فاقول و بالله التوفیق

۱۔ علم اصول دین، امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ پورا کا پورا قرآن مقدس کے اندر موجود ہے اس لئے کہ دلائل اسلیہ کھل طور پر قرآن میں مذکور ہیں لیکن روایات مذاہب اور تفاسیل اقوال اگر مذکور نہیں تو ان کی حاجت بھی نہیں۔

(مفاتیح الغیب، امام رازی سورہ انعام آیت وما من دابة فی الارض الا یہ)

اقول، اولاً۔ ہاں توحید و رسالت اور حشر و نشر کے دلائل سے تمہاری جو مراد ہے اس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے مگر اصول کے جملہ مسائل میں سے اکثر نظر نہیں آتے چہ جائیکہ ان پر دلائل و براہین قائم کئے جائیں جیسے یہ مسئلہ کہ عالم اپنے تمام ذرات و اجزا کے ساتھ حادث ہے حالانکہ اس میں آسمان و زمین کی پیدائش بھی ہے اس لئے بعض قدم نے ٹھوکر کھائی اور کہا گیا کہ عرش و کرسی قدیم ہیں۔ عارف نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس کی تاویں تحریر کی ہے جبکہ ان سے بعض حواشی میں لغزش بھی ہوئی ہے۔ ہم ان کی اس لغزش کو اس فصل کے آخر میں ذکر کریں گے۔

مسئلہ۔ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے حدوث متصف و قائم نہیں ہے۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق کوئی چیز قبیح نہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور مخالف کو اس بات کا اعتراف و اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور مخالف یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر کا ہی ارادہ فرماتا ہے، وہ حسن ہی چاہتا ہے۔

مسئلہ۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں ان کی عصمت کا اعتقاد واجب ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ و صغیرہ عمدًا و سہوًا سے محفوظ و معصوم ہیں ان کی یہ عصمت و عفت اعلان نبوت سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی۔

مسئلہ۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا احکام خداوندی کی تبلیغ و ارشاد میں کسل و کمی کرنا ممتنع و محال ہے۔

فتنہ قبر و صراط کا مسئلہ بھی انہیں مسائل میں سے ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ یہ مسئلہ قرآن عظیم میں وارد نہیں ہوا۔

شفاعت کبریٰ اور اس کے حضور اقدس مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص ہونے کا مسئلہ وغیرہ مسائل کثیرہ ایسے ہیں جن کا صریح بیان قرآن مقدس میں نہیں ہے۔

تساویا: قرآن کریم جن مسائل کے بیان کرنے میں بظاہر خاموش ہے ان میں گمراہوں کو وہم ہوا ہے ان کا یہ وہم و خیال راہِ یاب و ہدایت یافتہ لوگوں کے خلاف ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

● إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا

(الزخرف، ۳)

ہم نے اسے عربی قرآن اتارا۔

(کنز الایمان)

● مِّنْ ذِكْرِ قَوْمٍ زَبَّاهُمْ مُّحَدَّثٍ

(الانبیاء، ۲)

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نصیحت آتی ہے۔

(کنز الایمان)

● وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

(آل عمران، ۱۴۲)

اور ابھی اللہ نے تمہارے عازموں کا امتحان نہ لیا۔

(کنز الایمان)

● فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ (العنکبوت، ۳)

تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا

● كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام، ۵۴)

تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے۔ (کنز الایمان)

● وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم، ۴۷)

اور ہمارے ذمہ کرم پر مسلمانوں کی مدد فرماتا۔ (کنز الایمان)

اور حضرت آدم و موسیٰ و داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرماتا ہے

● عَفَا اللَّهُ عَنْكَ (التوبہ، ۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے۔ (کنز الایمان)

اور فرماتا ہے

● لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ (الفتح، ۲)

تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے۔ (کنز الایمان)

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں جو آیات متشابہات ہیں جیسے استواء، ید،

عین، وجہ، اور معنی کی نفی، ”لیس کمثلہ شئی“ سے نہیں ہوتی کیونکہ ”مثل“

کا معنی برابر و مساوی کے ہے۔

ثالثاً: علم اصول دین میں جو ذکر کیا گیا اگر کبھی اسے لفظ محتمل سے ذکر کیا جائے

جس میں تاویل کی گنجائش ہو تو مخالف پر اس کی عظمت ظاہر نہ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ جب خارجیوں سے مناظرہ کرو تو

قرآن سے حجت قائم نہ کرنا کیونکہ قرآن میں چند معنوں کا احتمال ہے تم کسی آیت سے

استدلال کرو گے تو وہ بھی کریں گے۔ تم ان پر سنت و حدیث سے حجت قائم کرنا۔

● اس کی مثال میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (الاتقان، نوع ۲۹)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

(الصافات، ۹۶)

(کنز الایمان)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

● بتوں کے ذکر میں یہ آیا ہے

اَتَعْبُدُونَ مَا تَنْجِتُونَ

(الصافات، ۹۵)

(کنز الایمان)

کیا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو۔

گمراہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تم نے جو بت بنائے انہیں بھی

پیدا کیا۔

● اور فرماتا ہے

وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ

(الدھر، ۳۰)

(کنز الایمان)

اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

● شروع زمانہ اسلام میں اسلام قبول کرنے والوں کے متعلق سورہ دھر میں یہ ہے۔

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا

(الدھر، ۲۹)

(کنز الایمان)

تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔

اور سورہ تکویر میں ہے

لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ

(التکویر، ۲۸)

(کنز الایمان)

اس کے لئے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے۔

اس پر گمراہوں نے کہا کہ یہ خیر میں ہے لیکن شر تو یہ انہیں کی طرف لوٹے گا۔

● اور فرماتا ہے

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ

(الاعراف، ۸)

(کنز الایمان)

اور اس دن تول ضرور ہونی ہے۔

اس پر گمراہوں نے کہا کہ امتحان و آزمائش اور جید وردی کے درمیان تفریق و

امتیاز مراد ہے۔

● اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

(القیامتہ، ۲۳)

(کنز الایمان)

اپنے رب کو دیکھتے۔

جو لوگ دیدار رب سے محروم ہوں گے انہوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دیدار کے امیدوار و منتظر ہوں گے وغیرہ۔

مسلمانوں میں جو بھی فرقہ ہے خواہ وہ حقیقتہً مسلمان ہو یا اسے دعوے مسلمان ہو سب کے سب قرآن عظیم ہی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم ان میں سے اکثر پر حجت ہے لیکن وہ جانتے نہیں۔

وَابْعَا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت بیان گزر چکا ہے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا

(البقرہ، ۲۶)

اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

(کنز الایمان)

اور امام حکیم ترمذی کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے جو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کچھ لوگ کتاب اللہ سے گمراہ و بددین ہوں گے۔

(نوا اور الاصول، حکیم ترمذی اصل ۱۶۳)

نیز اسے ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں، عسکری نے مواعظ میں، ابونعیم نے حلیہ میں، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا اس کی سند کے ضعیف ہونے سے کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ یہ غیب کی خبر ہے اور واقعہ خبر کے مطابق ہے یہی اس کے صادق ہونے کی دلیل ہے اور اس کے راویوں میں کوئی ایسا بھی نہیں جس پر حدیث گڑھنے کی تہمت ہو یہاں تک کہ یہ گمان کیا جائے کہ اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی اور اسی کے مطابق جھوٹ گڑھلایا۔

اس کی نظیر یہ روایت ہے جسے خطیب نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دجلہ و فرات کے درمیان ایک شہر آباد ہوگا جس کا نام ”زوراء“ ہوگا اس میں بنی عباس میں سے ایک بادشاہ ہوگا اور اس میں ایسی ایسی خوزیر لڑائی ہوگی کہ عورتوں کو قیدی بنالیا جائے گا اور مردوں کو بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیا جائے گا جس طرح بکریوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ خطیب نے کہا کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

(تاریخ بغداد، باب ذکر احادیث روایت الخ)

امام جلال الدین سیوطی جامع کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ خوزیر لڑائی اور مردوں کا ذبح کیا جانا خطیب کی موت کے دو سو سال سے زیادہ مدت کے بعد واقع ہوا اس واقعہ سے صحت حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ (جامع الاحادیث سیوطی ۴ حدیث ۱۰۵۸۰)

قلت، اس کا اعتبار اسے کرنا چاہئے جو سند کی حالت پر جم جاتا ہے پھر اگر ایسی بات سامنے آئے جس سے تمسک نہ ہو تو وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے ثابت ہونے کا انکار کر دیتا ہے حالانکہ اس کو یہ کہنا چاہئے کہ یہ ثابت نہیں ہے نہ کہ اس کا انکار کیا جائے کیونکہ بہت ساری ضعیف روایات سے صحیح چیز کا اور اک ہوتا ہے اور بہت بھولنے والا کچھ چیزوں کو یاد کر لیتا ہے بلکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے ہاں عقل سلیم یا نقل صریح یا حدیث حسن صحیح جس کی نفی کوئے تو اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

خامساً: امام رازی کا قول اس کی تفسیر میں کافی ہے اس کی تلخیص نیشاپوری نے ”رغائب“ میں اور امام سیوطی نے ”اتقان“ میں کی ہے اور دونوں نے اسے باقی و ثابت رکھا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ بے دین و ملحدین نے قرآن عزیز میں طعنہ کیا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مذہب والے نے اپنے مذہب کے مطابق استدلال و تمسک کیا ہے۔ (الاتقان، نوع ۴۳ فی الحکم و المتشابہ)

● جبریہ نے اس آیت سے استدلال کیا

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا (الانعام، ۲۵)

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ۔ (ٹینٹ وہ چیز جس سے کان بہرے یا بوجھل ہو جائیں۔ م) (کنز الایمان)

● قدر یہ کہتے ہیں کہ یہ کفار کا مذہب ہے

قَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ (حم سجدہ، ۵)

بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو اور ہمارے کانوں میں ٹینٹ ہے۔ (کنز الایمان)

● رویت باری تعالیٰ کے قائلین و متبعین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

وَجُودًا يَوْمَ يَذُنُ نَاصِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ (القيامة، ۲۲-۲۳)

کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے۔ (کنز الایمان)

● رویت باری کے منکرین یہ آیت پیش کرتے ہیں

لَا تَذَرِكُهُ إِلَّا بَصَارٌ (الانعام، ۱۰۳)

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں۔ (کنز الایمان)

● اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت کرنے والوں کی دلیل یہ آیت ہے۔

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل، ۵۰)

اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

● اور اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ (طہ، ۵)

وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

(کنز الایمان)

● جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ، ۱۱)

marfat.com

اس جیسا کوئی نہیں۔ (کنز الایمان)

پھر ہر فرقہ اپنے مذہب کے موافق آیات کو محکم کہتا اور جو آیات ان کے مخالف ہیں ان کو تشابہ مانتا ہے۔ اور کبھی ترجیحات خفیہ و وجوہ ضعیفہ کی طرف بعض کی ترجیح میں معاملہ الٹ جاتا ہے۔ لہذا حکیم مطلق کے لئے یہ کیسے لائق ہے کہ کتاب کو قیامت قائم ہونے تک ہر دینی مسئلہ میں اسی کی طرف لوٹایا جائے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر قرآن کریم ظاہر و واضح ہوتا اور تشابہات سے خالی ہوتا تو حصول مقصود سے زیادہ قریب ہوتا۔

نزول متشابہات کے فوائد و حکم

علمائے کرام نے متشابہات کے فوائد میں چند وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔

الاول: جب آیات متشابہ ہوں گی تو حق کا سراغ لگانے میں سخت دشواری و شدید مشقت ہوگی اور جس بات میں زیادہ محنت و مشقت ہو اس میں ثواب زیادہ ہے۔

الثانی: اگر پورا قرآن کریم محکم ہوتا تو یہ ایک مذہب کے سوا تمام مذاہب کے مطابق ہوتا اور صریح ہونے کے سبب سے ایک مذہب کے علاوہ سب کو باطل کر دیتا اگر ایسا ہوتا تو دیگر مذاہب والے اس سے متنفر ہوتے اور اس کو قبول کرنے سے دور بھاگتے۔ اور جب قرآن کریم متشابہات پر مشتمل ہے تو ہر مذہب والے کو یہ طمع و امید ہے کہ اس میں ایسی چیز مل جائے گی جس سے اس کے مذہب کو تقویت حاصل ہوگی لہذا جملہ مذاہب کے لوگ قرآن مقدس کو دیکھیں گے اور اس میں غور و فکر کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب ایسا کرنے لگیں گے تو آیات محکمات، متشابہات کی تفسیر و توضیح ہو جائے گی اس طریقے سے اہل باطل کو باطل سے چھنکارا ملے گا اور وہ حق کی طرف پہنچ جائیں گے، انہیں حق کا سراغ لگ جائے گا۔

الثالث: قرآن عظیم دیکھنے والے کو عقلی دلیل کی مدد و استعانت کی ضرورت ہوگی ایسی صورت میں وہ تقلید کی ظلمت و تاریکی سے نکل کر استدلال و مینات کے روشن میدان میں پہنچ جائیں گے لیکن اگر پورا قرآن محکم ہوتا تو انہیں دلیل عقلی کی حاجت نہ ہوتی اور وہ جہالت و تقلید کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

الرابع: بعض پر بعض کی ترجیح اور تاویلات کے طریقے سیکھنے کی ضرورت ہے

اس کے لئے علوم کثیرہ مثلاً علم لغت، علم نحو، علم اصول فقہ وغیرہ کی حاجت ہے اگر قرآن ایسا نہ ہوتا تو انسان کو ان علوم کثیرہ کی ضرورت نہ پڑتی اور لوگ ان علوم کو حاصل نہ کرتے۔

الخامس: اور قوی تر بات یہ ہے کہ قرآن پاک عوام و خواص کی دعوت و ارشاد پر مشتمل ہے اور عوام کی طبیعتیں اکثر معاملے میں حقائق کے ادراک و علم سے قاصر ہیں۔ عوام میں پہلے پہل جب کوئی یہ سنے گا کہ وجود موجود کا ثبوت ہے مگر وہ جسم نہیں ہے، وہ کسی چیز و مکان میں نہیں، اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جاسکتا تو اس سے وہ یہ سمجھے گا کہ یہ معدوم ہے اگر ایسا اعتقاد ہو جائے تو وہ صفات باری تعالیٰ کے منکرین میں سے ہو جائے گا۔

(مفتاح الغیب، رازی آل عمران۔ الاقان نوع ۴۳ فی الحکم والاعتقاد)

لہذا مناسب اور صحیح بات یہ ہے کہ انہیں ایسے الفاظ سے مخاطب کیا جائے جو ان کے وہم و خیال کے بعض مناسب معاملات پر دلالت کرے اور وہ ایسی چیز سے غلط ہو جو حق صریح پر دلالت کرے۔ پہلی شق متشابہات ہے اور دوسری شق جس میں نتیجہ ان کے لئے احوال منکشف ہوتے ہیں وہ محکمات ہے۔

اس پوری عبارت سے اس حقیقت و کنہ کی نفی ہو جاتی ہے جس نے لوگوں کے لئے تمام اصول دین کو ایسا واضح و جلی و روشن انداز میں بیان کیا جس میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر قرآن تمام اصول دین کا روشن بیان ہوتا تو یہ پانچوں فائدے وجود میں نہ آتے۔

قرآن کریم، اصول کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

۲۔ علم اصول فقہ: تمہیں معلوم ہے کہ قرآن کریم میں عام لوگوں کے لئے علم اصول فقہ کے مسائل کی تفصیلات کا بیان نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ان مسائل کا مرجع و موافقت ہی اصول اربعہ کی حجت ہے اور ظاہر کتاب، خبر احاد، جملہ قیاس، اجماع سکوتی اور وہ اجماع جو احاد سے منقول ہے سب کے سب ظنی ہیں انہیں پر عام مسائل فقہ کا دار و مدار ہے اور قرآن عظیم میں ان میں سے کسی چیز کے حجت ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ قرآن میں تو وہ بیان ہے جس سے مخالف نے ان کے حجت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

(یونس، ۳۶)

بیشک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔

(کنز الایمان)

● اور فرماتا ہے وَلَا تَقْنُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

(الاسراء، ۳۶)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔

(کنز الایمان)

● وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

(النجم، ۲۸)

اور انہیں اس کی کچھ خبر نہیں: وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں۔

(کنز الایمان)

ان آیات میں ظن کے علم ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ بڑے بڑے شافعیہ اور ان

کے موافقین پر معاملہ تو عظیم تر ہے کہ انہوں نے عام کو ظنی کہا ہے جبکہ کوئی حکم شرعی ایسا

نہیں جس کا عموم میں دخل نہیں۔ ایک عادل شخص کی خبر کے حجت ہونے پر اس آیت

marfat.com

کے مفہوم سے استدلال کیا گیا ہے۔

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا

(الحجرات، ۶)

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو۔ (کنز الایمان)

اقول، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خبر واحد حجت ہے تو محدثین کے نزدیک قبول کے جو شرائط ہیں ان کی نفی ہو جائے گی مثلاً حفظ و ضبط ہونا اور شاذ، منکر، علتہ بالاتفاق، مرسل، منقطع، معطل اور عنعنہ مدلس نہ ہونا۔ اور عادل کی طرح مستور شخص کا قول بھی قبول کرنا واجب ہو جائے گا۔ دیکھو اجماع قطعی حجت ہے مگر جب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے قرآن کریم سے اسے تین دن غور و فکر کرنے کے بعد ثابت کیا اور اس آیت سے استخراج کیا۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

(النساء، ۱۱۵)

اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔ (کنز الایمان)

یہ تبیان کی شان نہیں کہ تین دن غور و فکر کرنے کی ضرورت پڑی پھر یہ کہ شبہات کثیرہ کی مزاحمت کے بعد یہ ہوا۔ فواتح الرتوت میں اس پر آٹھ وجہیں ذکر کی گئی ہیں پھر سات وجہوں کا یہ جواب دیا گیا کہ بعض نامناسب اور بعض قوی ہے اور آٹھواں یہ ہے کہ اگر ہر اعتبار سے اس کی دلالت تسلیم کر لی جائے تو ظاہر ہے حالانکہ وہ مظنون ہے اور اس کا استدلال و تمسک اجماع سے ثابت ہے پھر اس کے بعد جو دلیل ہے وہ اس سے ثابت نہیں یعنی قیاس۔ (فواتح الرتوت، امام عبدالعلی، ۲، الاصل الثالث اجماع)

قیاس کے حجت ہونے پر ”فاعتبروا“ کی دلالت نہایت باریک و خفی ہے حجیت قیاس پر مطارحات (وہ قول جس کی طرف توجہ نہ کی جائے) کا تصادم اکثر واضح ہے پھر کہاں سے تبیان ہوگا؟ حق یہ ہے کہ ظواہر و عموماً، خبر احاد اور اجماع و قیاس سب کی حجیت معلوم ہے اور یہ کہ جس نے اس کے لئے محنت کی، اس کے نزدیک ضروریات دین میں سے ہے اور وہ مشاہدہ کرنے والوں میں ہے لہذا مطلب ثابت و عیاں ہو گیا کہ قرآن مبین میں علم اصول فقہ کا بیان نہیں ہے۔

قرآن حلال و حرام وغیرہ احکام فقہیہ و مسائل ارکان اسلامیہ کا بیان، امت کے لئے نہیں

۳۔ علم الفروع: علماء کا اجماع و اتفاق ہے (اور یہ کہ ظاہر و عیاں سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں) کہ قرآن کریم میں بہت سارے مسائل بلکہ اکثر مسائل کا اجمالی بیان ہے اور اجمال و بیان میں منافات و مغایرت ہے

اقول، خفا و پوشیدگی کی تین وجہیں ہیں اور وہ سب کی سب قرآن میں مذکور و موجود ہیں۔

الاول: بالکلیہ ذکر چھوڑ دینا، ایسا اکثر مسائل میں ہوا ہے۔ نماز کا حکم دیا گیا لیکن نماز کے شرائط، ارکان کی ترتیب، تعداد رکعات، اوقات کی تعیین و تحدید اور مفصلات نماز کی تفصیلات بیان نہیں کی گئی ہیں جب ان چیزوں کا ذکر نہیں تو نماز کے سنن و مستحبات، ذکر و دعا اور مکروہات کا بیان کہاں سے ہوگا بلکہ قرآن میں یہ بھی نہیں ہے کہ نمازیں پانچ ہیں البتہ وجوہ بعیدہ سے مجتہدین نے نماز پنج گانہ کا قرآن سے استنباط کیا ہے مگر وہ مکمل نہیں۔ اگر اس بحث پر مزید اطلاع مقصود ہو تو محقق ابن امیر الحاج کی "حلیہ" کی طرف رجوع کرو وہاں پر اس بحث کی قدرے تفصیل ہے۔

اور قرآن کریم میں سائیکہ جانوروں اور اموال تجارت کی زکوٰۃ کا بیان نہیں اور نہ زکوٰۃ کا نصاب واضح ہے نہ سونے چاندی کا نصاب مذکور نہ حولان حول و نمو کی شرط موجود، ہاں صرف اتنا ہے کہ **وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ** کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، ہم پر ان تمام چیزوں کا بیان مخفی ہے جس طرح حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مخفی رہا انہوں نے فرمایا کہ سود کو حرام کیا گیا مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ آخر ہے کیا یہاں تک کہ مجھ پر ربوا کا معاملہ مشتبہ ہو گیا جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سود کا معاملہ غیر واضح رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فضل و زیادتی کے بارے میں حضرت عمر کی مخالفت کی۔ جو لوگ حرمت ربوا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ربوا کا حکم ادھار بیع کے مثل ہے اور ان کا اختلاف اس بات پر ہے کہ سود پہلے چھ چیزوں کے ساتھ خاص تھا اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اشیاء ستہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی ربوا ہوگا ان کا اختلاف اس بات پر ہے کہ اس کا دار و مدار قدرت و جنسیت یا طعمیت و ثمنیت وغیرہ پر ہے۔ اسی پر تمام ابواب و مسائل کا قیاس کیا جاسکتا ہے جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ الاسلام زکریا انصاری، سیدی علی خواص اور عارف شعرانی قدس سرہم کے کلام سے فصل سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

الثانی: ایسا لفظ ذکر کرنا جس میں چند معانی کا احتمال ہو اور احتمال کا ہجوم بیان و بیان کے منافی ہے مثلاً قرآن کے یہ الفاظ

- "ثَلَاثَةٌ قُرُوءٌ" (البقرة: ۲۲۸) لفظ قروء میں حیض و طہر دو معنی کا احتمال ہے۔
- "أَرْجُلُكُمْ" (المائدة: ۶) لام میں نصب و جر دو قرأت کا احتمال ہے۔
- "حَتَّى يَظْهَرُونَ" (البقرة: ۲۲۳) تخفیف و تشدید دو قرأت سے اس کو پڑھا جاتا ہے۔
- "أَوَلَمْ تَسْتَمِ الْبَنَاتُ" (النساء: ۲۳) بس سے بھی ہو سکتا ہے اور ملاست سے بھی بس کے معنی چھونا اور ملاست کے معنی جماع کرنا لہذا اس میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔

- "أَنِّي بَشِئْتُكُمْ" (البقرة: ۲۲۳) لفظ انی میں کیف و این دونوں معنی میں ہونے کا احتمال ہے۔

- "يَبْدُو عُنْدَهُ الْيَكَاَجُ" (البقرة: ۲۳۷) جس کے ہاتھ میں نکاح کی

گرہ ہے اس سے مراد شوہر بھی ہے اور ولی بھی۔

● ”اُولَئِكَ يَهْتَفُؤْنَ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ“ (النور، ۳۱) یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیریں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں۔ نساتھن کے مفہوم سے یہ استثناء کی طرح ہے یعنی وہ کسی عورت کے لئے زینت و سنگار ظاہر نہ کریں ہاں اگر انہیں میں سے مسلمہ عورتیں ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ”یا اپنی کنیریں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں“ سے مراد باندیاں ہیں اگرچہ وہ کافرہ ہوں۔

یہ تو عبد ضعیف (امام احمد رضا) کے لئے فیض ربانی سے ظاہر ہوا یہاں تک کہ میں نے ابن جریج سے ایسا ہی مروی دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے اطلاقات کا بھی احتمال ہے، ان آیات سے علماء کے درمیان جو اختلافات برپا ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں اور اس آیت کے معنی کے بعد مطلب متعین نہیں ہوتا۔

● اُولَ الشَّيْعِينَ غَيْرِ اُولَى الْاِزْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (النور، ۳۱)

یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں۔ (کنز الایمان) واللہ تعالیٰ اعلم
الثالث: جس کا ذکر کرنا سخت دشوار ہو، اس طرح سے کہ خلاف مقصود کی طرف ذہن کی رسائی ہو مثلاً

● اللہ تعالیٰ کا فرمان

فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا

تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَرَبَّائِبُكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں۔

(النساء، ۲۳)

(کنز الایمان)

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے انہیں فتویٰ دیا کہ وہ اپنی عورت کی بیٹی سے

نکاح کر لیں اس پر مالک بن اوس نے عرض کیا کہ پھر آیت کریمہ ودر بسائبکم، کا کیا مطلب ہوگا، حضرت علی نے فرمایا کہ وہ تمہاری گود میں نہیں ہے، یہ بات (یعنی حرام) تو اس وقت ہے جبکہ لڑکی تمہاری گود میں ہوتی۔ اسے عبدالرزاق واہن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنْ امْرُؤٌ أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء، ۱۷۶)
اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔
(کنز الایمان)

اس آیت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول گزر چکا ہے۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا
مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا (النساء، ۱۰۱)

(الی قولہ تعالیٰ) فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء، ۱۰۳)
اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بیشک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار

ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو بیشک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز پوری کرو۔ (کنز الایمان)

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم مجاہد سے اور ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم و عبد الرزاق قتادہ سے اور بخاری کے علاوہ ائمہ ستہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ
الَّذِينَ كَفَرُوا (النساء، ۱۰۱)

تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔ (کنز الایمان)

اور اب لوگوں کو تو امن ہو گیا ہے؟ حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری طرح مجھے بھی اس سے تعجب لاحق ہوا تھا تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا حضور نے فرمایا کہ نماز قصر تم پر اللہ تعالیٰ کا تصدق ہے جو اس نے تم پر صدقہ کیا ہے لہذا تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ (مسلم، کتاب ملاقاة المسافرين)

تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی لفظ کی نسبت دو مفہوم کی طرف ہو اور وہ دونوں میں برابر صادق آئے تو ذہن کو کچھ توقف ہوگا مثلاً ”قروۃ“ کی نسبت حیض و طہر دونوں کی طرف ہے تو لفظ ”قروۃ“ دیکھنے یا سننے کے بعد ذہن حیض و طہر دونوں معنی کی طرف جائے گا۔ ہاں مشکل یہ ہے کہ لفظ، اصل وضع میں ایک معنی میں رائج ہو اور دوسرے معنی میں مرجوح، پھر رائج باطل ہو جائے اور مرجوح حق و ثابت ہو۔ اس کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا (الاسراء، ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

یہاں پر ظاہر کلام یہ ہے کہ انہیں فسق کا حکم دیا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے

(الاعراف، ۲۸)

(کنز الایمان)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ
بیشک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(التوبہ، ۶۷)

(کنز الایمان)

وَاللَّهُ كُذِّبَ بِمِثْلِهِ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى
وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

اس کا ظاہر نسیان ہے جو علم کی ضد ہے اور اس کا مرجوح متروک ہے اس کے

لئے آیت محکمہ یہ ہے

(مریم، ۶۴)

(کنز الایمان)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا
اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں۔

جان لو کہ یہ عظیم مقام ہے اور ہر مذہب والا یہی دعویٰ کرتا ہے کہ جو آیات ان کے مذہب کے موافق ہیں وہ محکم ہیں اور جو آیات اس کے مخالف کے موافق ہیں وہ متشابہ۔۔۔ الخ
(تفسیر کبیر، سورہ آل عمران)

یہ بات جب دین کے اصول و فروع میں ہے کہ قرآن میں ان کا واضح بیان نہیں ہے تو پھر یہ تمہارے لئے کس چیز کا بیان ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خصوص کے قائلین نے جو قصد کیا ہے تخصیصات میں سے کسی شئی پر اس کی استقامت نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوگی تو قرآن کریم تو ضائع و بیکار ہو کر رہ جائے گا حالانکہ قرآن عظیم بے مقصد و بے معنی ہونے سے پاک و میرا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں حکمت الہیہ موجود ہے اگرچہ یہ عام انسان کی سمجھ میں نہ آئے۔

احالہ کے ذریعہ حیلہ کے بطلان پر کلام

۴۔ رہاست واجماع اور قیاس پر حدیث احوالہ کا اطلاق، تو میں کہتا ہوں
اولا: امام رازی اسما قرآن کے بیان میں آیت کریمہ ”الْم ذَلِك الْكِتَابُ“
 کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا نام ”قیم“ اس لئے رکھا گیا کہ وہ بیان واقادہ میں
 بالذات قائم ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ بقرہ)
 جو خود بیان نہ کرے، بلکہ دوسرے پر انحصار ہو تو اس معنی کے اعتبار سے وہ قیم نہ ہوگا۔
ثانیاً: احوالہ بالذات، واضح و جلی اور بلیغ بیان کی دلیل نہیں ہے تو وہ تبیان نام
 رکھے جانے کا مستحق کیونکر ہوگا۔

ثالثاً: مثال کے طور پر کسی عالم سے ایک ہزار مسائل پوچھے جائیں وہ صرف
 ایک سوال کا جواب دے کر کہے کہ یہ فرض ہے اور باقی کوئی فرض ہے کوئی سنت اور کوئی
 مکروہ ہے، کوئی حرام۔ اس عالم کے لئے یہ کہنا درست نہیں کہ اس نے ایک ہزار میں
 سے ہر شئی کو بیان کر دیا ہاں اس نے ایک کو بیان کیا اور باقی کے احکام مبہم و پوشیدہ
 رکھے مگر اس سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ ان سب کا حکم یکساں نہیں اور یہ فائدہ بھی ہوا کہ
 وہ چار (یعنی فرض سنت حرام اور مکروہ) احکام پر منقسم و مشتمل ہیں۔ اور یہ فائدہ بھی ہوا
 کہ ان میں سے کوئی دو، ایک جیسے نہیں۔ لیکن اسی طرح اگر کوئی ہزار سوالوں کا صرف
 ایک جواب دے اور کہے کہ باقی کا حکم علماء سے پوچھ لو اس نے تو اتنا بھی فائدہ نہ دیا
 جتنا اس عالم نے دیا تھا۔ اس صورت میں پہلے سے زیادہ ابہام و خفاء ہے پھر یہ کیسے کہا
 جائے گا کہ اس نے ہر شئی کو بیان کر دیا۔

دابعاً: بیان کرنے والے کے لئے اگر حیلہ و احوالہ تبیان ہوتا تو ہر وہ کنوار و جنگلی

جو کچھ نہیں جانتا ہے ہر شئی کو بیان کرنے پر قادر ہو جاتا۔

خامس: اگر کوئی شخص پورے شہر کے لوگوں کو جمع کر کے کہے کہ مجھ سے جو چاہو

پوچھو میں تمہارے لئے ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کو واضح و روشن انداز میں بیان کر دوں گا، لوگوں نے ایک ہزار اشیاء کے بارے میں سوالات کئے اس شخص نے صرف ایک سوال کا جواب دیا اور ہر سوال کے جواب میں کہتا رہا کہ علماء سے پوچھو تو کیا کسی شخص کو یہ وہم ہوگا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہر شئی، ہر سوال کی تفصیل بتادی بلکہ اس شخص کا ایسا کہنا یا تو جرأت بے جا ہے یا جہالت و نادانی یا مذاق و تمسخر اور استہزاء ہے۔ پھر اس قسم کی باتوں کو اس پر محمول کرنا کیسے جائز ہوگا جس کی قرآن نے خود تعریف کی ہے۔

سادس: اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو جس پر احوالہ کیا گیا ہے اس سے ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا واضح و بلیغ بیان حاصل نہ ہوگا۔ جیسا کہ فصل سابق میں خصوصاً وجوہ عشرہ کے آخر میں بیان کیا گیا ہے پھر ہر شئی کا بیان اور ہر شئی کی تفصیل کہاں سے درست ہوگی اگرچہ واسطہ سے ہو؟

سابع: بیان اس راستہ کو کہتے ہیں جو فہم و علم کی طرف پہنچا دے۔ اور تبیان، سب سے قریبی اور واضح راستہ کو کہتے ہیں جس میں نہ حتمکن ہے نہ ٹھہراؤ۔ جو اسے پہنچائے وہی بیان کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ یہاں پر کچھ پہنچانے والے دوسرے راستے بھی ہیں لہذا ان راستوں پر چل کر دیکھو۔ ان کی طرف بہت باریکی سے اشارہ کیا اور ان راستوں کی علامتیں اور پہنچانے والے راستوں کی نشانیاں بیان نہیں کی ہیں یہاں تک کہ سننے والوں کو اس بات پر اختلاف ہوا کہ ان راستوں پر دلالت ہے یا نہیں؟ اور دلالت سے کیا مراد ہے؟ کچھ لوگ اس سے باز رہے اور باقی لوگ ان راستوں پر چلنے لگے جو ان کے لئے مشکل و دشوار ہیں۔ راستے تین طرح کے ہو گئے۔ ۱۔ موصلہ، ۲۔ منزلہ، ۳۔ منحلہ۔

التباس و اشتباہ اور عدم تبیان کے سبب سے کشادہ راستوں پر چلنے والے ان

راستوں پر پڑے رہ گئے اور کہنے والا حکیم، علیم اور رحیم ہے اس کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے اس نے جس کے لئے چاہا اس کے لئے پردہ غیب سے اپنی رحمت مقدر کر دی جسے نہ وہ دیکھتے ہیں نہ دوسرے چلنے والے، تو پتھر سے ہووے کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور انہیں ضلالت و گمراہی کے راستوں سے بچا کر سیدھی راہ پر ڈال دیا گیا اور دوسرے کو اپنے عدل و حکمت سے گمراہی میں رہنے دیا اور وہ تاریک وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے ان میں سے بعض کو چھوڑ دیا جن کے قدم ڈگمگاتے رہے اور وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے اور بعض کی تائید کی گئی وہ لغزش پا کا شکار نہ ہوئے۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جب میں نے راستوں کو بتایا تو گویا کہ منزل تک پہنچا دیا۔

بلکہ وہ فرماتا ہے ”میں نے اپنی حکمت کاملہ سے اجمال رکھا اور وضاحت و صراحت کے بغیر دلالت کی، پھر اپنی رحمت سے بعض کو پہنچا دیا اور اپنے عدل و انصاف سے بعض کو گمراہ چھوڑ دیا اور بعض پہنچنے والے نے ٹھوکر کھائی پھر اسی لغزش پر میں نے اسے منزل تک پہنچا دیا“ میری حیات کی قسم قرآن کریم کی یہی شان ہے اس سے بہت گمراہ ہوتے اور بہت ہدایت پاتے ہیں۔

مجہد سے لغزش و خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی، اگر وہ چاہتا تو ہر شئی کو روز روشن اور آفتاب نیمروز سے زیادہ ظاہر کر دیتا اور ہر التباس و اشتباہ کو زائل کر دیتا، ہر اندازہ و تخمین کو دور کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا اگر ایسا نہ کر دیا جاتا تو تمام علوم باطل ہو جاتے اور کوئی شبہ و التباس نہ ہونے کے سبب سے سب لوگ برابر و یکساں ہو جاتے جس سے حکیم مطلق کا نادرو بے مثال نظام خلل انداز ہو جاتا جس طرح اگر سب لوگ معاش و غیرہ میں برابر ہوتے تو دنیا کا نظام بگڑ جاتا۔ اللہ کے کرم پر ایسے راستے کا بیان کرنا ہے جو سیدھا اور حق تک پہنچانے والا ہو اور ان راستوں میں سے کوئی راستہ میسر نہ ہو جائے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا اور اگر وہ چاہتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر

دیتا اور وہ جاہل نہ رہتے۔

ثامنا: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے پھر بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بیان کے ساتھ بالذات قائم ہو وہ تفصیل و بیان کی فضیلت میں اس سے زیادہ مستحق ہے جس کا انحصار دوسرے پر ہے۔ پھر تو مقدمات صغار میں سے کوئی ایک قرآن عظیم سے زیادہ اس بات کا مستحق ہو جائے گا کہ اس میں ہر شئی کا بیان اور ہر شئی کی تفصیل ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) مقدمات صغار میں سے مفتی ثقلین امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ”متن عقائد“ اور امام ابوالحسن کافقہ میں ”مختصر قدوری“ ہے۔

قرآن عظیم معنی کے اعتبار سے بھی معجز ہے

ثاسعا: احالہ کے قول سے قرآن عظیم کا معنی کی حیثیت سے معجز ہونا باطل ہو جاتا ہے جس کے دل میں قرآن کی عظمت جاگزیں ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ایسا سمندر ہے جس کے عجائب و غرائب منتہی اور ختم نہیں ہوں گے پھر انسان اس کے موتیوں کا پتہ اور اس کی کنہ و حقیقت کا احاطہ کیسے کر سکے گا اس لئے یہاں پر کہا جائے گا کہ قرآن مقدس معنی کے اعتبار سے بھی معجز ہے۔

علامہ شمس فتاری ”فصول البدائع فی اصول الشرائع“ میں اور علامہ مولیٰ خسرو ”مرقاۃ الاصول الی مرآۃ الوصول“ میں آیات کریمہ بیاناً لکل شئی ”اور“ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کے تحت میں فرماتے ہیں یہ لفظ فتاری کے ہیں کتاب مقدس صرف لفظ کے اعتبار سے بیان نہیں بلکہ وہ معنی کے اعتبار سے بھی بیان ہے خواہ معنی جلی ہو یا خفی، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ معنی کی حیثیت سے تمیان اور لفظ کی حیثیت سے بیان ہے اس صورت میں قرآن کے نظم و معنی دونوں کی تعظیم و تکریم ہے مولیٰ خسرو نے یہ زیادہ کیا کہ، ایک قول کے مطابق کتاب مبین لوح محفوظ کا نام ہے اگر اس سے قرآن ہی مراد لیا جائے تو ہماری تحریر کردہ وجہ مسلم ہے کہ قرآن میں

بعض اشیاء کا بیان لفظی ہے اور بعض کا معنوی۔

عاشور: امام رازی بذات خود اس کا بکثرت رد کر چکے ہیں وہ ہمیں کافی ہے انہوں نے جب قول احالہ ذکر کیا تو اس کے بعد ہی فرمایا کہ مگر میں کہتا ہوں کہ آیہ کریمہ ”ما فرطنا فی الكتاب من شیء“ کو اس وجہ پر محمول کرنا جائز نہیں اس لئے کہ لفظ ”ما فرطنا“ قرآن کی مدح و ثنا میں مقام تعظیم و مباغہ میں ذکر کیا گیا ہے اگر اس آیت کو اس معنی پر محمول کیا جائے تو اس سے تعظیم و اجلال کا ثبوت نہ ہوگا۔ اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اجماع و خبر واحد اور قیاس پر عمل کرو تو جو معنی مذکور ہوا وہ اس لفظ سے حاصل ہو جائے گا۔ اس تھوڑے سے لفظ سے جس معنی کا حصول ممکن ہے اسے قرآن کی مدح و ثنا کا موجب قرار دینا ممکن نہ ہوگا اس سبب سے کہ قرآن اسی پر مشتمل ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ معنی مذکور تعظیم قرآن کے لئے مفید نہ ہوگا اور یہ کہنا واجب ہے کہ آیت کو اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں۔ (تفسیر کبیر تحت ما فرطنا فی الكتاب من شیء)

امام رازی نے حق بات کھلم کھلا بیان کر دی ہے۔ بالغرض اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ ان تینوں (یعنی اجماع، خبر واحد و قیاس) پر عمل کرو تو اس سے زیادہ واضح ہوتا جو قرآن میں نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان اصول کے تحت ہونے میں قرآن میں جو دلالت ہے وہ بہت ہی خفی اور بہت ہی بعید ہے۔ لیکن جس رسالہ یعنی غایۃ المامول کا ذکر ہوا ہے اس نے تفسیر کبیر سے اس مقام کی عبارت شروع سے آخر تک نقل کی اور جب اس رد کے پاس آیا تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور وہ کوڈ گیا اور اسے اپنی بات کا پل بنالیا یہاں تک کہ یہ سب چھوڑ کر گزر گیا اور عبور کر گیا۔ اس قسم کی باتیں اس چھوٹے سے رسالہ میں تو اترو تسلسل کے ساتھ ہیں جو دو جز بھی نہیں ہے یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس میں جو بھی ہے وہ سب جھوٹ اور وہابیہ کے خونی ہاتھوں کا کام ہے۔

۵۔ جن تصریحات پر احکام و مسائل کا مختصار و انحصار ہے وہ قرآن کریم میں

موجود ہیں۔

منکرین قیاس کے زعم کا رد

فاقول: منکرین قیاس نے فساد کیا، فساد کا دروازہ کھولا ان کے زعم کا سہارا لینا عقل و آگہی اور فکر و یقین سے بہت ہی بعید ہے۔

اولا: یہ بہکے ہوئے لوگوں کا قول ہے وہ لوگ عہد صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اب تک ائمہ دین کا جس بات پر اتفاق و اتحاد ہے اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کی طرف تو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لئے رہنمائی فرمائی ہے۔ پھر اس سے استناد و اعتماد کیسے جائز ہوگا جس نے بزعم خویش ہدایت یافتگان میں اپنا قدم رکھا؟ امام رازی نے آیت نخل کے تحت میں فرمایا کہ یہ منکرین قیاس کا قول ہے اور ان کے کلام کے آخری مرحلے میں فرمایا کہ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اللہ کی جانب سے صرف انہیں باتوں کا مکلف ہے جو قرآن میں وارد ہوئی ہیں۔ جب ایسا ہوگا تو قیاس کا قول باطل ہو جائے گا اور قرآن مکمل طور پر تمام احکام و مسائل کا بیان ہوگا۔ (تفسیر کبیر سورہ نخل، آیت و نزلا علیک الکتاب)

ثانیا: ان لوگوں نے جھوٹ کہا کہ وہ صرف قیاس کے منکر ہیں بلکہ اس سے حدیث و اجماع کا بھی باطل ہونا لازم آئے گا اور وہ اس فرمان اقدس کے مصداق ہو جائیں گے ”کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔ اور اس فرمان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہوں گے“ سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل۔ حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ

نے حرام فرمائی۔ سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دیئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن ہی کی حرام فرمائی ہوئی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں۔ یہ سب فرمودات اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب السنۃ)

یہ لوگ ائمہ کرام سے علانیہ عداوت و دشمنی کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باطنی طور پر اور قرآن کریم سے ازومی طور پر بغض رکھتے ہیں۔ اس پر قرآن کے ان فرمودات سے اشارہ ہو رہا ہے۔

● وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

(الحشر، ۷)

اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(کنز الایمان)

● مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

(النساء، ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

(کنز الایمان)

● مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

(التوبہ، ۲۹)

جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے۔

(کنز الایمان)

● قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

(الحزاب، ۳۶)

اللہ و رسول حکم فرمادیں۔

(کنز الایمان)

● وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ

(النساء، ۸۳)

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے۔

(کنز الایمان)

● أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(النساء، ۵۹)

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(کنز الایمان)

یہاں لفظ ”اطیعوا“ کا رسول کے ساتھ اعادہ کیا گیا ہے ”اولی الامر“ کے ساتھ نہیں، اس میں جو نکتہ ہے اسے بھولنا نہیں چاہئے۔

فَلَا وَدَّيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخَرِّجُواكَ مِنَ الْبِلَادِ بِشَجَرٍ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
(النساء، ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم کم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔
(کنز الایمان)

ثالثاً: اللہ کا شکر ہے کہ قرآن نے ان کے لئے مذکور مسائل بھی واضح نہیں فرمائے، قرآن فرماتا ہے ”اقیموا الصلوٰۃ“ کیا قرآن میں یہ ہے کہ نمازیں کتنی ہیں؟ اوقات کیا ہیں، تعداد رکعات کیا ہے، ارکان اصلیہ و زائدہ اور مکملہ کتنے ہیں، خارجی و داخلی شرائط کیا کیا ہیں، نماز کی صفت اور اذکار و ادعیہ کیا ہیں اور نماز کے مفادات و مکروہات کتنے ہیں؟

قرآن فرماتا ہے ”أتوا الزکوٰۃ“ کیا قرآن میں یہ ہے کہ کس چیز کی زکوٰۃ دی جائے؟ کب اور کتنی اور کن شرائط سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ اسی پر دیگر مسائل کا قیاس کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لہذا منکرین قیاس کا قرآن کریم پر تمام احکام و مسائل کا انحصار و اقتصار کرنا دین کے بطلان اور انسان کو بیکار و ضائع پھوڑنے کی طرف مفطی ہے۔ جب دونوں وجہیں باطل ہو گئیں تو ہلاکت و بربادی کے سوا تخصیص کا کوئی حصہ باقی نہ رہا۔

لفظ ”کل“ کے تکثیر کے لئے ہونے کا بطلان

۶۔ قائلین تخصیص میں سے تھوڑے لوگ باقی رہ گئے جنہوں نے ایسی تخصیص سے راہ فرار اختیار کی جو لفظ ”کل“ کو اس کی وضع اور حال تکثیر ہونے سے روکتی ہے۔

فہمولا: ان کا یہ کہنا ہمیں کافی ہے کہ انہوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ اسے رد کر دیا ہے کہ جب تک کہ کل کو استفراق حقیقی پر محمول کرنا ممکن ہو تو دوسرے معنی پر اسے محمول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ”عنالیۃ القاضی“ میں ہے۔ (عنالیۃ القاضی، الخفافی ج۱۔ سورہ یوسف)

واقول ثانیاً: یہ بالکل نئی بات ہے آثار سلف میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

ثالثاً: اگر دونوں وجوہوں کو جمع کر دیا جائے تو کلام امور دین سے مخصوص و متعلق

ہو جائے گا اور لفظ ”کل“ کا تکثیر پر محمول کرنا نہ درست ہو گا نہ کچھ مفید۔ کیونکہ جن احکام و

مسائل کی قرآن کریم میں تصریح ہے ان ہزاروں ہزار احکام میں سے کوئی ایک حکم بھی

احادیث و اجتہاد سے ثابت نہیں اگر اس سے انکار ہو اور یہ بات تسلیم نہ ہو تو آیات

احکام کو جن لو اور انہیں مذاہب اربعہ کی مبسوط و طویل کتب فقہ و فتاویٰ سے تقابل کر دو تو

تمہیں میری بات کی صداقت و حقانیت معلوم ہو جائے گی۔ جو ہزاروں مسائل میں

سے صرف ایک مسئلہ بیان کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے ہر چیز کی تفصیل و

وضاحت کر دی، کچھ نہیں تو کم سے کم اس کی یہ بات ہزل و مذاق پر مبنی و محمول ہوگی۔ اور

قرآن کریم ہزل و تمسخر سے بلند و بالا ہے۔ بیشک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے کہ حق و

باطل میں فرق و امتیاز کر دیتا ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں جو نکلی اور بیکار ہو۔ لیکن اس

نے امور دین کی تخصیص کو پسند نہ کیا اور دینی و دنیاوی امور سے بیان کو عام کر دیا پھر یہ

دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب میں دنیا و دین کی ہر چیز

بیان کردی اور ہر ایک کی واضح تفصیل کر دی ہے اور اس نے یہ تکثیر و تعظیم کے سبب سے فرمایا ہے اللہ کی پاکی ہے کہ عین تعظیم و تحمیم اور استکثار کا لحاظ کیا جائے گا جو ہزاروں ہزار میں سے ایک نہیں ہے۔

اس قسم کی قلت شدیدہ میں بالذات کثرت نہیں ہے ورنہ جو شخص دریا میں گیارہ یا بارہ گز تیر کر جائے اس کے لئے یہ کہنا جائز ہو جائے گا کہ میں نے پورے دریا کو تیر کر پار کر لیا اس لئے کہ گیارہ کثرت ہے بلکہ جمع کثرت کا مصداق ہے، اس پر جمع کثرت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ عز و جل کے کلام کو اس قسم کے دعووں پر کتاب مجید کی مدح میں محمول کرنا بہت ہی بعید ہے کوئی متقی و پرہیزگار اور حیا دار شخص اس بات کو پسند نہ کرے گا۔

گویا کہ اس نے اس قسم کی باتوں سے دھوکا دینا چاہا ہے جو ابوالفضل مرسی کے حوالے سے گزر چکا کہ قرآن کریم ان علوم کو حاوی ہے جو سب سے پہلے ایجاد و رائج ہوئے۔

قرآن کریم میں صراحۃً جن علوم کا ذکر ہے وہ یہ ہیں

● علم ہندسہ ”یٰطٰیثُ ذٰی ثَلٰثِ شَعْبٍ“ (المرسلات، ۳۰) (جس کی تین

شاخیں۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے

● علم نجوم ”اَوَاثِرَ قٰیۡنٍ عَلٰی“ (الاحقاف، ۴) (یا کچھ بچا کھچا علم۔ کنز الایمان)

سے ثابت ہے۔

اور قرآن عظیم میں صنعت و حرفت کے اصول و مبادی ہیں

● کپڑا وغیرہ سینے کا علم ”طٰیۡفَاۤیۡ خَصِیۡفٍ“ (الاعراف، ۲۲) (اپنے بدن پر

جنت کے پتے چپنانے لگے۔ کنز الایمان) سے ظاہر ہے۔

● علم آہنٹری ”اَتُوۡنِیْ زَبْرًا حٰدِیۡدٍ“ (الحف، ۹۶) (میرے پاس لوہے کے

تختے لاؤ۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے۔

● علم نجاری ”وَاصۡنِعِ الْفُلۡکَ“ (حود، ۳۷) (اور کشتی بناؤ۔ کنز الایمان) سے

marfat.com

ثابت ہے۔

ہم

● تاکا کا تنے کا علم ”نَقَضَتْ غَزَلَهَا“ (النحل، ۹۲) (جس نے اپنا سوت ریزہ ریزہ کر دیا۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے۔

● کپڑا وغیرہ بننے کا علم ”كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا“ (العنكبوت، ۴۱) (مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا۔ کنز الایمان) سے ظاہر ہو رہا ہے۔

● کاشتکاری کی حرفت ”أَفْرءَیْتُمْ مَا یَحْدُثُونَ“ (الواقعة، ۶۳) (تو بھلا بتاؤ تو جو ہوتے ہو۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے۔

● فنِ غواصی ”كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ“ (ص، ۳۷) (ہر معمار اور غوطہ خور۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے۔

● زرگری کی صنعت ”مِنْ خُلَیْقِهِمْ رِجَالًا“ (الاعراف، ۱۳۸) (ایک پچھڑا بنا بیٹھی۔ کنز الایمان) سے ظاہر ہو رہی ہے۔

● شیشہ گری کی حرفت ”الْبَصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ“ (النور، ۳۵) (وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ کنز الایمان) سے معلوم ہو رہی ہے۔

● کشتی رانی کا فن ”آتَا السَّفِیْنَةَ“ (الکہف، ۷۹) سے سامنے آیا۔

● روٹی پکانے کی حرفت ”أَنجِلْ فَوْقَ رَأْسِی خُبْرًا“ (یوسف، ۳۶)

(میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں۔ کنز الایمان) سے وجود میں آئی۔

● گوشت وغیرہ پکانے کی حرفت و صنعت ”یُعْجِلْ حَنِیْذًا“ (مور، ۶۹) (ایک پچھڑا بھنا لے آئے۔ کنز الایمان) سے معلوم ہوئی۔

● کپڑا وغیرہ دھونے کی صنعت ”وَشِیَابُكَ قَطِیْقًا“ (المدثر، ۴) (اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ کنز الایمان) سے آشکارا ہوئی۔

● قصائی کی حرفت ”إِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ“ (المائدة، ۳) (مگر جنہیں تم ذبح کرلو۔ کنز الایمان) سے ثابت ہے۔

● رنگریزی کا علم ”وَبَيِّنَ اللَّهُ“ (البقرة، ۱۳۸) سے ثابت ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ ان کلمات کے ان علوم و فنون کے تبیان و بیان ہونے کا وہم کسی بھی عقلمند کو نہ ہوگا بلکہ کسی عقل ورائے والے کو یہ وہم بھی نہ ہوگا کہ ان کلمات میں ان علوم کی افادیت کا اشارہ بھی ہے اگرچہ اجمالاً ہی سی۔ اگر تم کلمہ ”اَوَاثَارَةُ مِنْ عِلْمِ“ کو روزانہ مرتے دم تک ہزار مرتبہ بار بار و ہر اذ پھر بھی تم کو علم نجوم کے ایک مسئلہ پر بھی اطلاع نہ ہوگی۔ اور اگر لفظ ”اَمَّا السَّفِينَةُ“ یا پوری سورہ کہف کو عمر بھر بار بار پڑھو اس کے باوجود تمہیں کشتی رانی کی ایک بات بھی معلوم نہ ہوگی۔ اسی پر دوسرے علوم و فنون کا قیاس و اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر صرف کسی چیز کا ذکر ہی اس کے تمام علوم کا بیان ہوتا تو ہر شئی کے بیان و تفصیل میں لغات کی ہر کتاب قرآن سے زیادہ جامع و عظیم ہوتی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس قسم کے ذکر و تذکرہ کو ہر شئی کا بیان قرار دینا اگرچہ اجمالاً ہی ہو اور ”مُبَيِّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ“ اور تفصیل کل شئی کو اس پر محمول کرنا ایسا ہے جیسے قرآن عظیم کو بے دین و محمدین کے مذاق و استہزاء کے لئے پیش کرنا۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

قائلین تخصیص کے بقایا کلام کا اظہار

۷۔ امام رازی آیات پنج گانہ (۱۔ ما فرطنا فی الكتاب من شیء ۲۔ و تفصیل الكتاب لا ریب فیہ من رب العلمین ۳۔ ولکن تصدیق الذی بدیہ و تفصیل کل شیء ۴۔ ونزلنا علیک الكتاب تبیاناً لکل شیء ۵۔ و کل شیء فصلناہ تفصیلاً) میں سے پہلی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں کہ لفظ 'ما فرطنا' کا بیان اشیاء سے مخصوص ہونا ضروری ہے جن کی معرفت واجب و لازم ہے اس کے بیان کی دو صورتیں ہیں۔

اول: لفظ تفریط کا استعمال وہاں پر ہوتا ہے جس کا بیان کرنا واجب و ضروری ہے کیونکہ جس بات کا بیان کرنا ضروری نہیں اس کی تفریط و کمی کی طرف کسی کی نسبت نہیں ہوتی۔

ثانی: تمام آیات قرآنیہ یا اکثر آیات کی دلالت اس بات پر مطابقی ہے یا تضمنی یا التزامی کہ اس کتاب کے نزول سے مقصود دین کا مکمل بیان اور ذات باری و احکام الہیہ کی معرفت و پہچان ہے۔ پورے قرآن اسے جب یہ قید معلوم ہوگی تو یہاں پر مطلق اسی مقید پر محمول ہوگا۔ (مفتاح الغیب، رازی سورہ انعام)

اقول، اولاً: رب عزوجل کی طرف یہ نسبت جائز نہیں کہ اس نے کسی چیز کا بیان چھوڑ کر کمی کی ہے حالانکہ اس پر کچھ واجب نہیں وہ تو بے نیاز و حمید ہے۔ اگر وہ کوئی

۱۔ مطلق کو مقید پر محمول کرنا ہمارے مذہب میں نہیں ہے ہمارے علماء نے اس پر دلائل و براہین قائم فرمائے جن سے حجت تمام ہوگئی۔ ۱۲۰

کتاب نازل نہ فرماتا، کوئی رسول نہ بھیجتا، کوئی بیان نہ فرماتا بلکہ اگر کسی مخلوق ہی کو بالکل یہ پیدا نہ فرماتا تو اس کی طرف کسی تفصیر و کمی کا انتساب نہ ہوتا نہ کسی فضیلت کے چھوڑنے کی بات ہوتی۔ پھر اس کی طرف کسی ضروری چیز کے چھوڑنے کا انتساب کیونکر جائز و روا ہوگا جیسا کہ اس کی طرف ازل سے اب تک کسی چیز کے چھوڑنے کی نسبت نہیں کی جاسکتی وہ تو مخلوق یا کسی امر یا کسی شئی کے انتساب سے بلند و بالا ہے، پھر اس سے کسی نقص و کمی کا ازالہ کیوں کیا جائے وہ تو بے عیب ہے۔ جس پر اس بحث کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ مکمل طور پر ساقط و تباہ ہو گیا۔

بیشک مافرطنا کا معنی مافرط کنا ہے یعنی ہم نے کچھ نہیں چھوڑا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی تفسیر فرمائی ہے جسے ابن جریر و ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے علی بن طلحہ سے روایت کیا۔ (جامع البیان طبری۔ سورہ انعام)

ثانیاً: حاجت سے اللہ تعالیٰ کی حاجت مراد لینا ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حاجت سے غنی و بلند و بالا ہے بلکہ اس سے مخاطبین کی حاجت مراد ہے۔ لہذا اس سے مراد یا تو یہ ہے جس کا دین میں ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر دینی امور میں خلل واقع ہو جیسا کہ "یجب معرفتھا" یجب ان یبین "سے معلوم ہو رہا ہے، یا ہر وہ چیز مراد ہے جو دین میں نفع بخش ہے جیسا کہ تیسری آیت میں فرمایا گیا کہ اس سے مراد حلال و حرام اور دین کے تمام متعلقات و مقتضیات ہیں۔ (مفتاح الغیب رازی، سورہ یوسف)

● ادل یعنی "جس کا دین میں ہونا ضروری ہے" باطل ہے کیونکہ یہ جملہ اپنے ماقبل آیت کی تقریر و ثبوت کے لئے واقع ہوا ہے، وہ آیت یہ ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلْمٍ يُطَيَّرُ بِمَنَاحِيهِ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَلُكُمْ

(الانعام، ۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔ (کنز الایمان)

marfat.com

Marfat.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ چوپائے اور پرندے ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو امور دین میں کوئی خلل نہ پڑتا، حالانکہ تم سے یہ منقول ہے اور تم اقرار کر چکے ہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کتاب حکیم میں ان تمام چیزوں کو شمار فرمایا ہے جو انسانی احوال سے متعلق ہیں مثلاً عمر، رزق، موت، سعادت و شقاوت وغیرہ اسی طرح کتاب حکیم میں جملہ حیوانات کے تمام احوال و کوائف کو شمار فرمایا ہے، اس دعویٰ پر یہ آیت مبارکہ دلیل ہے۔

مَا قَرَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

(الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔

چونکہ یہ آیت کریمہ ”الا اعم امثالکم“ کے بعد مذکور ہے اس لئے اس میں وہی فوائد ہیں جو ہم نے تحریر کئے۔ (مفاتیح الغیب، امام رازی۔ سورہ انعام)

● شق ثانی (یعنی جو امور دین میں مفید ہیں) کی بنیاد پر تمام ماکان و مایکون کا احاطہ واجب ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ عز و جل کے وجود کی علامت و نشانی ہے ورنہ بعض چیز عالم نہ ہوگی رب کے ماسوا جو بھی چیز ہے وہ عالم ہے۔ عالم میں اس کی قدرت باہرہ، اس کی صنعت بدیعہ اور اس کی حکمت بالغہ پر عظیم دلائل ہیں لہذا ان چیزوں کا دینی معاملات میں نفع بخش ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر ذرہ اور ہر حالت کے علم کی دین میں ضرورت ہے اور کوئی علم دوسرے علم سے کبھی بھی بے نیاز و مستغنی نہیں ہوتا۔

ثالثاً: بحث مذکور سے روز روشن اور آفتاب سے زیادہ ظاہر و آشکارا ہو چکا کہ قرآن کریم اصول عقائد میں ہر شے کا بیان تمہارے لئے نہیں ہے نہ احکام شرعیہ و ارکان اسلام کا بیان تمہارے لئے ہے، پھر کہاں سے چھٹکارا ملے گا؟

لطیفہ نفیسہ

قرآن عظیم سے دکانیں، موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہاز کا استخراج

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان صادق ہے وہ صادق و مصدوق ہیں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کے عجائب منتہی نہیں۔ علمائے کرام ہمیشہ قرآن عظیم سے ایسی چیزوں کا استخراج فرماتے رہے جو نوا ایجاد اور دنیا میں رائج ہو رہی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ایک حکایت بیان کی ہے جو ابو بکر بن مجاہد سے مروی ہے انہوں نے ایک دن فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز قرآن پاک کے اندر موجود ہے ان سے کہا گیا کہ دکانوں کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ دکانوں کا ذکر اس آیت میں ہے۔

● لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

(النور، ۲۹)

اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے۔ (کنز الایمان)

جو گھر کسی خاص سکونت کے لئے نہیں وہی دکانیں ہیں۔ (اتقان، نوع ۶۵)

اسی سے ملتا جلتا بعض علماء سے موٹر گاڑیوں کے بارے میں سوال ہوا جو ابھی حال کی ایجاد ہیں انہوں نے کہا کہ اللہ عز و جل فرماتا ہے

marfat.com

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(النحل، ۸)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے اور وہ پیدا کرے گا (ایسی عجیب و غریب چیزیں) جس کی تمہیں خبر نہیں۔ (کنز الایمان)

یہ موٹر گاڑیاں وہ چیزیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

اور جب ہوائی جہاز ایجاد ہوئے تو اس عبد ضعیف (امام احمد رضا) غفرلہ نے اس آیت سے ان کا استخراج کیا، آیت یہ ہے۔

● وَلَا ظَلِيرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحِهِ

(الانعام، ۳۸)

(کنز الایمان)

اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے۔

مفسرین کرام ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ قید صرف تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ”رايت بعيني“ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور ”قلت بفمي“ میں نے اپنے منہ سے کہا۔

جب یہ طیارے ایجاد ہوئے تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ قید بھی ان مقولوں کے مثل احترازی ہے کیونکہ یہ طیارے بغیر پروں کے اڑتے ہیں اور یہ ہمارے مثل امت نہیں ہیں۔

امام رازی نے اس کی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ دودو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ آیت میں ”یطير بجناحه“ ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس سے فرشتے نکل جائیں جو دو سے زائد پروں والے ہیں۔ اقول، اسی قید سے فرشتے کیسے نکلیں گے جبکہ ان کے لئے لفظ ”ثني“ یعنی دو پروں والا لفظ ہے؟

قائلین تخصیص کے کلام کا تہ

۸۔ قاضی بیضاوی آیت کریمہ صافر طنافی الکتاب من شنی کے تحت فرماتے ہیں کہ ”من“ زائدہ اور ”شنی“ موضع مصدر میں ہے نہ کہ مفعول بہ کی جگہ، کیونکہ ”فرط“ بالذات بغیر واسطہ کے متعدی نہیں ہوتا۔

(انوار اشتریل، بیضاوی، سورہ انعام آیت وما من دلبۃ الایۃ)

شہاب خفاجی فرماتے ہیں، ابوالبقاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی پیروی کی ہے کہ آیت میں اس کے لئے حجت نہیں ہے جس کا گمان یہ ہے کہ کتاب حکیم ہر شنی کے ذکر کو محیط و حاوی ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا
توان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔
(آل عمران، ۱۲۰)
(کنز الایمان)

یہاں پر، شیناضر، مصدر کے معنی اور مصدر کی جگہ پر واقع ہے۔ ملقط، میں اس پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب مصدر پر نفی کا تسلط ہو تو جہت عموم پر منفی کا اثر ہوگا اور اسے انواع مصدر اور اس کے تمام افراد کی نفی لازم ہے، اس وقت یہ مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کریم سے تفریط و کمی کے تمام انواع و اقسام کی نفی ہو جائے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تفسیر و کمی نہیں ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن پاک میں ہر چیز کو ذکر کیا جائے۔

مصنف کے قول، امر الدین، سے ایسی تاویل کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ مذکور اختیار کرنے کی صورت میں، کوئی ضرورت نہیں، جیسا کہ ”لا یضر“ کے متعدی ہونے کی اس سے نفی کی ہے جس نے کہا کہ وہ معنی مفعول بہ کو شامل ہے۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی۔ سورہ انعام)

اقول، اولاً: امام رازی نے تفریط کے بارے میں جو فرمایا ہے اس پر نگاہیں اٹھی ہیں۔ اور تمہیں اس کا رد معلوم ہو چکا ہے۔ کسی اعتبار سے کسی بھی چیز پر قرآن کی طرف تفسیر و کمی کی نسبت نہیں کی جائے گی حالانکہ ترک ثابت ہے بالفرض اگر کوئی چیز بیان سے رہ جائے وہ پھر نہیں سکتی۔ ملقط، میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

ثانیاً: قاضی بیضاوی نے اس صورت کے اختیار کرنے کی وجہ ظاہر کی ہے کہ 'فرط' خود بخود متعدی نہیں ہوتا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ تاویل کی طرف احتیاج سے کوئی چھٹکارا نہیں مگر یہ ایسا خلا ہے جس کا سد باب نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی ضرورت ہے جس کو دفع نہیں کیا جاسکتا اگرچہ مکمل طور پر حیلہ تراشی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی قرآن کی شان یہ ہے کہ ہر اعتبار سے اس سے استدلال کیا جائے گا پھر اس قول کے جائز ہونے کی کوئی راہ نہیں کہ "آیت میں حجت باقی نہیں ہے" لیکن یہ کہنا کہ اس کا معنی یہی ہے اور دوسرے معنی کا احتمال نہیں تو شہاب خفاجی نے خود ہی اس کے رد کرنے کی ذمہ داری نبھائی ہے۔

۹۔ فاضل نیشاپوری نے اس آیت کے تحت امام رازی کا ماخذ و مسلک اپنایا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی ضرورت پڑے اور مزید یہ فرمایا کہ جس کی ضرورت پڑتی ہے وہ اصول و قوانین ہیں وہ فروع مراد نہیں جنہیں ضبط تحریر میں لایا جائے نہ وہ متناہی ہوں، کوئی علم ایسا نہیں جس کی اصل قرآن میں نہیں اور قرآن ہی سے ہر علم کو شرف و فضل حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

● **كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا**

(الاعراف، ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔

(کنز الایمان)

یہ آیت علم طب کے لئے ہے۔

● **اور، وَمَا أَسْرَعَ الْحَبِيبِينَ**

(الانعام، ۶۲)

(کنز الایمان)

اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والے ہیں۔

marfat.com

یہ آیت علم حساب کے لئے ہے

● اور، خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (۱۱۱ عرف، ۱۹۹)

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(کنز الایمان)

یہ آیت علم اخلاق کے لئے ہے۔

پھر فاضل نیشاپوری نے فروعیات کی وہی تفصیلات تحریر فرمائیں جو امام رازی نے منکرین قیاس اور قیاس کو ثابت کرنے والوں کے اقوال کی توضیح فرمائی ہے۔

(غرائب القرآن، امام نظام الدین حسن۔ آیت وما من دلتہ الیہ)

اقول، اولاً: جن فروعیات کی ضرورت پڑتی ہے ان کو نکال دینا عجیب بات ہے بلکہ اصول دین کے بیان کے بعد فروعیات کا بیان تو ان مقاصد میں سب سے زیادہ اہم و اعظم ہے جو کتابوں کے نزول اور رسولوں کے بھیجنے میں کار فرما ہیں۔

ثانیاً: ذات باری تعالیٰ کے اس کلام میں بحث ہے جس کا علم ہر شئی کو محیط ہے اور ہر شئی کو اس نے شمار کر رکھا ہے پھر یہ تعلیل کیسے درست ہوگی کہ اس نے فروعیات کو چھوڑ دیا ہے اور فروعیات ایسے ہیں جن کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

ثالثاً: یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حوادث و مسائل جن سے احکام تکلیفیہ متعلق ہیں وہ قیامت سے چالیس سال پہلے ہی ختم ہو جائیں گے، اس پر اگر ہم یہ کہیں کہ کفار فروعیات کے مخاطب نہیں تو پھر یہ احکام وغیرہ غیر متناہی کیسے ہوں گے؟

رابعاً: عام مسائل فقہ قوانین و اصول ہیں یعنی ان کے لئے قاعدہ کلیہ ہے ان میں قضیہ شخصہ بہت ہی کم پایا جاتا ہے بلکہ مسائل فقہ کا رجوع قضایا کلیہ کی طرف ہوتا ہے البتہ اکثر مسائل کو عنوان کلی سے ذکر کیا جاتا ہے اگرچہ ان مسائل کے رجوع میں قضیہ شخصہ بھی جائز ہے جیسے فقہاء کرام کا قول ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے، میت کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا مستحسن ہے اگرچہ ان مسائل کا مرجع قبلہ ہی

ہے اور یہ کہ کعبہ ہی زندگی میں ہمارا قبلہ ہے اور مرنے کے بعد بھی انشاء اللہ تعالیٰ کعبہ ہی قبلہ ہوگا۔ ہاں اصول دین میں اکثر قضایا شخصہ ہیں جیسے وہ عقائد جو ذات باری تعالیٰ، قرآن عظیم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم آخرت، جنت و دوزخ، صراط و حوض، ابوبکر صدیق کے بعد عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اور جن فروع کو نکالنے کا ارادہ کیا گیا وہ قوانین میں داخل ہیں۔

خامس: جس قضیہ کے غیر متناہی ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ قضایا شخصہ فرعیہ ہیں جیسے زید پر نماز فرض ہے اور عمرو بکر پر بھی فرض ہے یہاں تک کہ قیامت تک جتنے مسلمان پیدا ہوں گے سب پر نماز فرض ہے۔ قانون کلی کے بعد اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں کہ زید و عمرو وغیرہ پر نماز فرض ہے قانون یہ ہے،

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء، ۱۰۳)

پیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (کنز الایمان)

اس قانون سے تمام جزئیات اس طرح واضح و آشکارا ہوئے کہ کوئی خفاء و پوشیدگی باقی نہ رہی اگر ناموں کی تفصیل کی جاتی تو کلام طویل ہو جاتا اور کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا، جیسا کہ ”للسذکر مثل حظ الانثین“ کے تحت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر فروع سے مراد یہی جزئیات ہیں تو ان کے منافع معدوم اور وہ بحث سے بالکل خارج ہیں ورنہ اس بحث کو ضبط تحریر میں نہ لایا جاتا یا کتب فقہ میں جو ہزاروں مسائل مذکور ہیں ان کے ترک کی جو بھی وجہ ہوتی اس کی بحث غیر متناہی ہوتی۔

سادس: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

(الاعراف، ۳۱)

(کنز الایمان)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔

اس آیت میں تمام اصول طب اور اس کی دونوں قسمیں نظری و عملی کہاں ہیں؟ اور اس میں علتیں، علامات، نبض اور پیشاب دیکھنے کے مسائل اور دیگر اسباب و علاج

اور پرہیز وغیرہ کہاں ہیں؟ دواؤں کا ذکر، ان کی طبیعت و مراتب، کیفیات و خواص، پینے کی مقدار، نفع و ضرر، مصلح و بدل وغیرہ کا بیان کہاں ہے؟ جن پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ حد اعتدال تک کھانے پینے والے لوگ مریض کم ہوتے ہیں اور جو لوگ حد سے تجاوز کرتے اور کھانے پینے میں اعتدال کا خیال نہیں رکھتے وہ مریض زیادہ ہوتے ہیں اور اعتدال پسند لوگ ان امراض سے محفوظ رہتے ہیں جو کھانے پینے کی بے احتیاطی سے لاحق ہوتے ہیں۔ بیماریوں کے اسباب و علل انہیں چیزوں پر مقصور نہیں بلکہ بدن انسان کے اندر و باہر امراض کی بے پناہ کثرت ہے اس لئے انبیاء و اولیاء کو امراض لاحق ہوتے ہیں حالانکہ یہ حضرات ہر طرح کے اسراف سے پاک ہیں، علیہم الصلوٰۃ والسلام

سابعاً: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَسِیْنِ

(الانعام، ۶۲)

اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا۔ (کنز الایمان)

ان لوگوں پر تعجب ہے جنہوں نے اس آیت کو اصول حساب کا بیان قرار دیا، اس میں قواعد حساب کا کون سا حرف ہے؟ جب اس میں علم حساب کا ایک حرف بھی نہیں تو اصول حساب کے تمام قواعد و ضوابط کا احاطہ کہاں سے ہوگا؟ مثلاً جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، مفردات، مرکبات، مجذریہ (عدد کا جذر حاصل کرنا) تکعیب (چوگنے کا حاصل ضرب جیسے آٹھ دو کا مکعب ہے) مربعات (حاصل ضرب جو کسی عدد کو اسی سے ضرب دے کر حاصل ہو جیسے $۱۶ = ۴ \times ۴$ تمام قوی متصاعدہ و متنازلہ، کسور عامہ (ایک سے کم جیسے تہائی چوتھائی اور اس کے مقابلہ میں صحیح ہے) اعشاریہ، اربعہ متناسبہ، عکس کرنا، لکیریں کھینچنا، جبر و مقابلہ اور لوگارٹم وغیرہ۔

جب ہم اس قسم کی باتوں کو سنیں تو ”انا لله وانا الیہ راجعون“ کہنا زیادہ ٹھیک ہے اسی سے اس آیت (ماہر طنافی الکتاب من شنی) کی تشریح و توضیح ہو جائے گی۔

۱۰۔ تفسیر کبیر میں آیات خمس میں سے دوسری آیت (وتفصیل الكتاب لاریب فیہ من رب العلمین) کے تحت ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں دینیہ، غیر دینیہ۔

علوم دینیہ، بلند و بالا ہیں علوم دینیہ میں عقائد و اعمال کے علم ہیں۔

● علم عقائد میں ذات باری تعالیٰ، فرشتے، کتابوں، رسولوں اور روز قیامت کی معرفت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی ذات اور صفات جلال و صفات اکرام سے ہوتی ہے۔ اور اس کے افعال و احکام اور اسماء کی معرفت سے ذات باری کا عرفان ہوتا ہے۔ قرآن کریم انہیں مسائل کے دلائل و تفریعات اور تفصیلات پر مشتمل ہے۔

● علم اعمال، سے یا تو علم فقہ مراد ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام فقہاء کرام فقہ کے مباحث و مسائل قرآن ہی سے اخذ کرتے ہیں، یا صفائی باطن کا علم مراد ہے، قرآن مقدس میں تزکیہ باطن کے وہ علوم و مباحث ہیں جو دوسری جگہ مل نہیں سکتے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم تمام علوم شریفہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے خواہ عقلی ہوں یا نقلی اور ایسا کہ دنیا بھر کی تمام کتابوں میں ان کا حصول و وجود ممکن ہے اس حیثیت سے قرآن معجز ہے، آیت کریمہ، وتفصیل الكتاب لاریب فیہ من رب العلمین، سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر رازی، سورہ یونس آیت وماکان حد القرآن انما ہے)

اقول، اللہ کا شکر ہے امام رازی پر اللہ کی رحمت ہو اور رب عز و جل انہیں جزائے خیر عطا فرمائے وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے یہاں تک کہ انہوں نے اقرار کیا کہ کتاب کریم جب ان علوم پر مشتمل ہے تو پھر کون سی چیز اور کون سے علوم باقی ہیں اگر قرآن عظیم میں صرف افعال الہیہ کی معرفت ہی ہوتی پھر بھی وہ تمام علوم ماکان و مایکون کو حاوی و محیط ہوتا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس طریقے سے کسی بھی شے کا علم علوم دینیہ سے کبھی خارج و باہر نہیں ہے۔

زنجیری کا قول بہت ہی عمدہ ہے اس نے پہلی آیت یعنی، وما فرطنا فی

الکتاب من مشنی کے تحت پرندے و چوپائے کی امتوں کے ذکر کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب اس کی عظمت قدرت، اس کے علم کی باریکی اور اس کی سلطنت و تدبیر کی وسعت و کمال پر دلیل ہیں، یہ تمام مخلوق الگ الگ جنس اور بکثرت اقسام و انواع پر مشتمل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا اور ان کی ضروریات کا محافظ و نگہبان اور ان کے احوال و کوائف کا دیکھنے والا ہے اسے کسی کی کفالت و نگرانی دوسرے کی نگہبانی سے مشغول نہیں کرتی۔ (تفسیر کشاف، زختری۔ سورہ انعام)

اور تمہاری بات بھی ٹھیک ہے کہ غیر قرآن سے ان سب کا حصول ممتنع و مشکل ہے قرآن اس اعتبار سے بھی معجز ہے۔ حق و یقین کی بات یہی ہے کہ قرآن ہر اعتبار سے معجز ہے لیکن ہمارے ذکر کردہ اصولوں کے مطابق ہی یعنی قرآن عظیم ہر شئی کا روشن و واضح بیان ہے اس میں کسی شئی کی تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے۔ اور اگر قرآن کو اس طریقے پر دیکھا جائے جس سے عموم کی نفی ہوتی ہو اور ظاہر قرآن میں علوم و فنون کی تلاش و جستجو کی جائے تو تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس طور پر بہت سارے اصول دین اور ارکان اسلام میں جو احکام ضروریہ ہیں ان کو قرآن عظیم حاوی نہیں ہوگا جب اس میں مکمل طور پر اصول دین کا بیان نہ ہوگا تو دوسرے علوم کہاں اور کیسے ہوں گے؟

اس میں شک نہیں کہ تشریح افلاک اور بدن انسان دو جلیل و شریف اور وحی علم ہیں یہاں تک کہ امام حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ جو ان دونوں علموں میں نامرد ہے وہ معرفت الہی میں نامرد و نامراد ہے قرآن کریم نے ایک سے زائد آیتوں میں ان دونوں علموں کے لئے دعوت فکر دی ہے اور آپ کہتے ہو کہ قرآن کریم تمام علوم شریفہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے خواہ عقلی ہوں یا نقلی، قرآن میں علم الافلاک کی تفصیلات کہاں ہیں؟ مثلاً افلاک کی تمثیلات، ان کے جزئیات، بروج و حواصل،

اس کے لفظ یہ ہیں سوال پرندے اور چوپائے کے ذکر سے مقصود کیا ہے؟ جواب اس کی عظمت قدرت، اس کے علم کی باریکی وغیرہ پر دلیل ہے۔ یہاں پر لفظ 'غرض' کا استعمال کیا گیا ہے جو بے احتیاطی پر مبنی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ۱۲ منہ

مدد ویرات و میلان، ستاروں کی فضا و مدد ویرات، اوجات و خنہیات (وہ نقطہ جواو ج کے مقابل ہے) مناطق (تین ستاروں کے نام) قطب (فرقہ بین اور جدی کے درمیان ایک ستارہ کا نام جس سے قبلہ کی تعیین ہوتی ہے) رؤس و اذتاب، حرکات و جہات، مقدار و نطق (جو زاء کے درمیان کے تین ستارے جن کو عرب نظم بھی کہتے ہیں) ستاروں کے مقامات، ستاروں کی چال، نظرات، اتصالات (قمری مہینے کی آخری راتیں) شعاعوں کے پڑنے کی جگہ، تناظرات، اوساط، تقویم، مراکز، تعدیلات، ابعاد و اجرام، ست و تیز، رجوع اور ٹھہراؤ، وقوف و دورہ، عروض، انحرافات و میلان، کسوف و ثوابت، سیارات و مفردات، مرکبات و غیرہ جو علم الافلاک سے متعلق ہیں ان کا پتہ و نشان قرآن میں کہاں ہے؟

۱۱۔ امام رازی نے تیسری آیت (ولکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل کل شئی) کے تحت کچھ بھی ذکر نہیں کیا مگر یہ کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دین سے متصل و متعلق ہے اور امام واحدی سے منقول ہے کہ یہ وہ عام ہے جس سے خاص مراد ہے جیسے آیات کریمہ

(۱۱۱ عراف، ۱۵۶)

وَرَحْمَتِي وَبِعَثَ كُلَّ شَيْءٍ

(کنز الایمان)

اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

(انمل، ۲۳)

وَأَوْثَيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

(کنز الایمان)

اور اسے ہر چیز میں سے ملا ہے۔

کل شئی سے ہر چیز مراد لینا اور ان آیات کو "ورحمتی وبعث کل شئی" میں داخل ماننا جائز ہے۔

اور تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو دین کے مقاصد و معاملات کو بیان نہیں کیا گیا ہے پھر تمام مقاصد اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ کس طرح ہوں گے؟ اور

۱۔ مذکورہ تمثیلات اگر درست ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان غلطیوں کو دور کرنے کے لئے قرآن کی طرف حاجت شدید ہوگی۔ ۱۲ منہ

جو بالذات نہیں بلکہ دین سے متعلق ہو کر پائے جاتے ہیں وہ کہاں سے ہوں گے؟
اور ہم اس کا انکار بھی نہیں کرتے کہ عام سے کبھی خاص مراد لیا جاتا ہے، مثال
میں مناقشہ و تنازع کی کوئی حاجت نہیں لیکن 'امر' سے مراد دین ہے۔

مفتوں، آیہ کریمہ، رحمتی و وسعت کل شئی، میں لفظ شئی، مشی کے معنی
میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی رحمت ہر مخلوق کو گھیرے ہے کیونکہ اس کا
پیدا فرمانا ہی رحمت ہے پھر ہر وقت ہر آن اس کا بڑھنا، پھیلتا رہنا اور آغاز وجود سے
آخر تک اسے جس چیز کی ضرورت ہے سب میں اس کی بے شمار ولا تعداد رحمتیں و نعمتیں
ہیں اس سے کوئی چیز یہاں تک کہ کافر بھی خالی و مستثنیٰ نہیں۔ مگر سرمد کل شئی اور
لنعم و کل شئی، کا "رحمتی و وسعت کل شئی" میں داخل رہنا جائز ہے
کیونکہ اللہ کی رحمت پر کوئی شئی مانع نہیں لہذا اس فرمان مقدس سے عموم مراد ہوگا اور یہی
حق و صواب ہے۔

ابوالشیخ عطا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے آیہ کریمہ "رحمتی و وسعت
کل شئی" کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں تمام مخلوق پر ہوتی ہے
ہر مخلوق اس میں تصرف کرتی ہے۔ (درمنثور، سیوطی۔ تفسیر سورہ اعراف)

۱۲۔ چوتھی آیت (و نزلنا علیک الکتاب نبیاناً لکل شئی) کے تحت امام
رازی کے قول کا خلاصہ وہی ہے جو پہلی آیت (ما فرطنا فی الکتاب من شئی) کے
تحت گزرا مگر یہ کہ اس میں ایک افادہ کی زیادتی ہے کہ 'کل شئی' میں جو حصہ وہ
منکرین قیاس کا قول ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ ہمارے بیان پر آگاہ و مطلع نہ ہوئے کہ اس
صورت میں صرف قیاس کی نفی پر انحصار و اقتصار نہیں بلکہ وہ سنت و اجماع کی بھی نفی ہے،
کسی مسلمان کے لئے ایسی جرأت و جسارت جائز نہیں کہ وہ اولہ شرع کا انکار کرے۔

۱۳۔ امام رازی نے پانچویں آیت (و کل شئی فصلناہ تفصیلاً) کے تحت
عجیب چیز بیان کی انہوں نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آیات لیل و نہار

کے احوال بیان فرمائے کہ رات و دن توحید باری تعالیٰ پر ایک طرح سے دلیل قاطع ہیں اور دوسرے اعتبار سے دنیا والوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو عظیم و جلیل نعمتیں ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے لیل و نہار کے احوال کی تشریح فرمائی اور رات و دن میں خالق کائنات پر دلالت کرنے کے جو وجوہ اور مخلوق پر جو عظیم نعمتیں ہیں ان وجوہ کی تفصیل فرمائی تو یہی تفصیل نافع اور بیان کامل ہو گیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وکل شئی فصلناہ تفصیلاً“ یعنی ہر وہ چیز جس کی تمہیں دین و دنیا کی مصلحتوں میں ضرورت ہے ہم نے اس کی تفصیل و تشریح کر دی ہے، یہ بعینہ ان فرمودات الہیہ کی مثل ہے۔

● مَا قَرَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔

● وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

● تَذَكَّرْ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا (الاحقاف، ۲۵)

ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے۔

ہاں کلام کو موکد و ثابت کرنے کے لئے ”تفصیلاً“ کو مصدر کی صورت میں ذکر کیا گیا گویا یہ فرمایا گیا کہ ہم نے اس کی اس طور پر تفصیل و توضیح کر دی ہے کہ اس سے زیادہ کی اب گنجائش نہیں۔ (مناجی الغیب رازی، سورہ اسراء)

اقول، ہاں آیت کریمہ میں آیت لیل کا محو اور آیت نہار کا البصار مذکور ہے وہ فاضل مختار پر دلیل ہے تاکہ بندے رزق تلاش کریں اور اس سے سال و حساب کا عدد معلوم ہو جائے اب اس آیت کا مطلب درست ہو جائے گا کہ یہ تفصیل نافع اور بیان کامل ہے لیکن اسے ہر اس چیز کی تفصیل قرار دیا جس کی بندوں کو دین و دنیا میں ضرورت ہے اور یہ کوئی درمیانی تفصیل نہیں بلکہ مکمل طور پر اس کا استقصاء و احاطہ کیا گیا ہے۔ تمام حوائج ضروریہ کی تشریح میں متناہی ہے اور اس انداز سے ہے کہ اس پر کسی زیادتی کی کوئی گنجائش

نہیں یہ چیز عجیب حیرت انگیز اور قابل تعجب ہے گویا کہ بندے دین و دنیا میں انہیں چیزوں کے محتاج ہیں جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں جب تو بقیہ قرآن عظیم پورا کا پورا اس سے مستغنی ہو جائے گا کیونکہ جس بیان کے بعد کسی زیادتی کی گنجائش نہ ہو اس کا بیان نہیں ہوتا بلکہ تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت کریمہ میں جو مقدار مذکور ہے وہ ان چیزوں کے ہزاروں حصے میں سے ایک حصے کی جگہ واقع نہیں جن کی بندوں کو دینی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے چہ جائیکہ وہ چیزیں جن کی بندوں کو دین و دنیا میں ضرورت محسوس ہوتی ہے پھر اس کی تعبیر کمال شئی سے کرنے کی صورت میں اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں یہاں تک کہ اس دعویٰ کی بنیاد پر بھی نہیں جو قریبی تمسک ہے اور کتاب کریم کی دونوں آیتوں سے استشہاد و استدلال کرنا مصادرة و مطالبہ کی قبیل سے ہے، اور تیسری آیت سے جو استدلال کیا گیا اسے دوسرے لوگوں نے بھی ناقص و ادھورا چھوڑ دیا ہے۔

محققوں، امر کی قید سے غفلت ہوئی ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ جس چیز کو اللہ نے تباہ کرنے کا حکم فرمایا وہ تباہ ہو جاتی ہے اور اللہ نے اسی چیز کو تباہ کرنے کا حکم دیا جو ہلاکت کو قبول کرے اور ہلاک ہونے کے لائق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ

(الرعد، ۱۱)

آدمی کے لئے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مطلقاً انسان کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہوتا تو کسی انسان کو کبھی کوئی بلا و مصیبت نہ لاحق ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جن چیزوں سے حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے فرشتے ان سے ہی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں اسی طرح جو چیز ہلاک ہونے کے لائق ہے اسی کو ہلاک کرنے کا حکم فرمایا ہے

marfat.com

قاضی بیضاوی پر چار اعتراضات

۱۲۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بعض نے قاضی بیضاوی پر چار وجہوں سے اعتراض

کئے ہیں

اول: مقام، تخصیص کا مقتضی نہیں ہے۔

ثانی: واسطہ کی حدیث تکلف ہے۔

ثالث: تفصیل کی عبارت تاویل کی متحمل نہیں ہے۔

رابع: تعمیم کے ساتھ بیان صادق نہیں آتا کیونکہ اگرچہ دینی ہی ہو ہر چیز کو

وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا کہ اس میں کوئی خفا و پوشیدگی نہ رہے اور

اسے اگرچہ لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کرنے کے مقام استدلال میں ذکر کیا گیا ہے، ایسی

صورت میں اعتراض و ایراد درست ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔ شہاب

خفاجی نے دونوں واسطوں کو تیسری آیت کے تحت میں ذکر کیا اور دوسری آیت کا کچھ جواب

نہیں دیا اور تیسری کا جواب یہ دیا کہ تفصیل یہاں پر تبیین کے معنی میں ہے۔ علم لغت میں

یہی صراحت ہے لہذا تفصیل، اجمال کے منافی نہیں ہے۔ (عنیدۃ القاضی خفاجی سورہ یوسف)

اقول، اولاً: تبیین، بین سے ماخوذ ہے جس کا معنی انقطاع اور جدا کرنا ہے

جیسے تفصیل، فصل سے ماخوذ ہے فصل اور تفصیل کے درمیان وہی فرق ہے جو قطع اور

تقطیع کے درمیان ہے جو اس کے ارد گرد ہو گا وہ دوسرے سے ممتاز و جدا ہو جائے گا۔

اور کوئی ایسی تفصیل نہ سنی گئی جس کے مقابلے میں اجمال نہ ہو اور کوئی ایسا اجمال نہیں سنا

گیا جس کے لئے تفصیل مطلوب نہ ہو، اگرچہ بیان ایسے اجمال کو بھی شامل ہوتا ہے

جس میں کچھ وضاحت اور بعض سے امتیاز ہو، اس میں بھی وسعت و گنجائش ہے، بیان

marfat.com

کی اصل یہ ہے کہ بلیغ لفظ سے مقصود کو ظاہر کرنا بیان کہلاتا ہے جیسا کہ نہایہ، درمیر اور مجمع البحار میں ہے۔ (نہایہ ابن اثیر، باب الباء، مجمع بحار الانوار، باب الباء)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فحش گوئی اور بیان، نفاق کی دو باتیں ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی الملتہ)

یہاں پر مطلقاً اظہار مقصود، مراد نہیں ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

شَعْنٌ اِنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ

(القیصۃ، ۱۹)

پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی دلالت اس بات پر ہے کہ اجمال، بیان نہیں ہے

ثانیاً: اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تبیانا لكل

شئی" (ہر چیز کا روشن بیان ہے) تو یہاں پر بھی یہی مراد ہے کیونکہ قرآن کی بعض

آیت بعض کی تفسیر ہے۔ اس لئے امام راغب اپنی مفردات میں فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا "وکل شئی فصلناہ تفصیلاً" پھر اس کے بعد فرمایا "فصلت

من لدن حکیم خبیر" (حکیم مطلق کی جانب سے اس کی تفصیل کی گئی ہے) اس

سے یہی اشارہ ہے کہ قرآن عظیم ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

(المفردات فی غرائب القرآن، راغب اصفہانی: القاء مع الصاد)

ثالثاً: اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے آیت (تبیانا لكل شئی) کا کیا

مطلب ہوگا؟ یہ تو قرآن کریم کا وصف ہے جو قطعی طور پر ثابت ہے اور اجمال یعنی طور

پر تبیان کے منافی ہے اگرچہ تمہارے نزدیک اجمال، تفصیل کے منافی نہیں۔

۱۵۔ امام رازی نے اس تیسری توضیح کو چوتھی آیت (ونزلنا علیک

الکتاب تبیاناً لكل شئی) کے تحت دہرایا اور جب یہاں پر اجمال کو تبیان میں

داخل نہ کیا جاسکا تو قاضی بیضاوی کے قول اجمالہ کو اس کا جواب قرار دیا۔ قاضی بیضاوی

نے فرمایا کہ ”تبیانا“ سے بیان بلیغ مراد ہے اور ”لکل شئی“ سے تفصیلی طور پر امور دین مراد ہیں یا سنت یا قیاس کے احالہ سے اجمال مراد ہے۔

(انوار الشریعہ بیضاوی، سورۃ النحل)

خفاجی فرماتے ہیں کہ بیضاوی کا قول احالہ، اعتراض کا جواب ہے (کیونکہ اجمال، بیان بلیغ کے منافی ہے) اس طور پر کہ جب سنت نے بیان کیا یا قیاس سے معلوم ہوا تو یہ معلوم منہ، مبین بہ ہوا۔ اور اس کے بعض بیان میں ایجاز و اختصار اور راسخین کی ابتلاء و آزمائش اور علماء کا امتیاز پسند کیا گیا ہے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی سورۃ النحل)

اقول، حدیث احالہ سے معلوم ہو گیا کہ اس میں کیا احالہ ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر قرآن میں اجمال نہ ہوتا تو اس میں ایجاز و اختصار کہاں سے ہوتا اور ابتلاء و امتیاز کہاں سے آتا؟

۱۶۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہت سارے مسائل بالکل قرآن کریم کے ظاہر سے متروک ہو گئے ہیں۔ جب کچھ مسائل کو سرے سے ہی چھوڑ دیا گیا ہے تو ان کا اجمالی ذکر کہاں سے ہوگا اور متروک کا بیان میں داخل ہونا محال ہے تو وہ تبیان میں کہاں سے داخل ہوگا۔ پھر ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

سوال: امور دین میں سے وہ ہے جو ابتداً سنت و حدیث سے ثابت ہو،

جواب: اس کا ازالہ اس طرح کیا جائے کہ یہ دوسرے کی بہ نسبت بہت ہی کم ہے تو تکثیر کے باعث معاملہ آخرت میں لوٹے گا۔

حکمت: احالہ سے مراد کشف میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم اور اجماع پر ابھارنا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت کے لئے صحابہ کی پیروی کو پسند کرنا احالہ ہے اور صحابہ کرام نے قیاس کئے اور قیاس کے راستے سہل و آسان کئے۔ لہذا سنت و قیاس کی نسبت قرآن کریم کے تبیان کی طرف ہوگی۔ و فی تامل۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی۔ سورۃ النحل)

اقول، اس پر اللہ کی رحمت ہو جس نے انصاف کیا اور اشارہ کیا کہ احوالہ اس سے پورا نہیں ہوگا اور تمہیں اس کا بطلان ورد معلوم ہو چکا ہے۔ بعض نے اجمال کا دعویٰ کیا اور دوسرے پر تفصیل کا حیلہ کیا اور بعض نے بالکل جھوٹ دیا اور دوسرے پر ذکر کرنے کا حیلہ کیا لہذا یہ بیان کے نام سے بھی بہت دور ہے چہ جائیکہ اس کا نام تبیان رکھا جائے اور جن پر احوالہ کیا گیا ہے ان سے بھی تبیان حاصل نہیں ہوتا لہذا اس کی کوئی صحت نہیں ہے اگرچہ واسطہ ہی سے ہو لیکن ہر گری ہوئی چیز کا کوئی اٹھانے والا ہے اس کے پیش نظر جو ماقبل میں مذکور ہوا اس سے اس کا استدلال سمجھ میں آتا ہے کیونکہ جواب میں 'وفیہ تامل' کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر سب سے پہلے سوال کا جو جواب دیا گیا وہ دوسرے کی بہ نسبت بہت ہی قلیل ہے اور اس کا رد اس طرح کیا گیا کہ جس سے فرار تھا اسی پر قرار ہوا یعنی لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کرنا ہے تعمیم پر نہیں۔

فقہ قول، اس کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ متروک، مذکور سے درجوں زیادہ ہے اور حدیث شریف سے یہ گزرا ہے کہ 'انہا کمثل القرآن او اکثر' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرما دیا ہے وہ قرآن کے حرام فرمودہ کی مثل ہیں بلکہ ان سے زیادہ ہیں، یہاں پر لفظ 'او'، 'بل' کے معنی میں ہے۔ جیسے آیت مبارکہ 'السی مائة الف او یزیدون' میں، 'او'، 'بل' کے معنی میں ہے۔ (الصافات، ۱۴۷)

۷۱۔ چاروں ایرادات و اعتراضات میں سے اول و رابع کو چوتھی آیت (ونزلنا علیک الکتاب نبیاناً لکل شئی) کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور چوتھے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ کمیت و مقدار کے اعتبار سے ہے کیفیت و حالت کے اعتبار سے نہیں۔

(علیہ القاضی خفاجی، سورہ نحل)

بلغ انداز میں اس کا سیر حاصل رد و ابطال گزر چکا ہے۔

۱۸۔ ظاہر ہو گیا کہ ان تینوں ایرادات کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا یہی حال اعتراض اول

کا ہوتا اگر اعتراض کا منشاء بالذات اول نہ ہوتا۔ اور کلمہ 'کل' کو تکثیر کے معنی میں کر دیا گیا ہے ایسا اس لئے کہ اگر اس بات کو اس پر محمول کیا جاتا جو قائلین تخصیص کے لئے ظاہر قرآن سے ظاہر ہوئی اور امور کو عام کر دینے کے وقت تکثیر کے گمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے دنیاوی امور مراد ہیں جس کا بطلان ظاہر کر دیا گیا ہے تو تخصیص سے کوئی پناہ و دستگیری نہیں ہوتی۔ اس پر یہ قرینہ کافی ہے جس کا معترض نے اعتراف کیا کہ تقسیم و عموم میں بیان کا جو مبالغہ ہے وہ بیان میں نہیں ہے اس صورت میں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ اعتراض دفع ہو گیا اگرچہ اس کا رد مستقبل میں قاعدہ نہ دے، جو معلوم ہو چکا ہے کہ تخصیص بھوک سے بے نیاز نہ کرے گی اسی سے شہاب خفاجی کا جواب بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی سوال و جواب باقی نہیں رہتا۔ شہاب خفاجی کا قول یہ ہے کہ، یہ شق انہوں نے لفظ "کل" کو اپنے معنی حقیقی پر باقی رکھنے کے لئے اختیار کی ہے لیکن عموم شئی کو کسی قید یا کسی وصف مقدر سے قرینہ مقام سے خالص کر لیا گیا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت دین و شریعت کے بیان کے لئے ہوئی ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم دنیا کے امور و معاملات مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اس لئے چاند سے متعلق سوالات کے جوابات وہی ہیں جو ہیں۔ (آگے اس کا بیان آرہا ہے)

(عنایہ القاضی، خفاجی۔ سورۃ النحل)

اقول، اولاً: مقام کا تخصیص کو چاہنا دو چیزوں سے متعلق ہے

اول: عموم سے تخصیص درست نہیں

دوم: خصوص سے درست ہے۔

کیونکہ جو تخصیص کی صلاحیت نہ رکھے اور دوسرے سے بے نیاز نہ کرے اس کے اقتضاء کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ اور بیان اس کے لئے قرار دیا گیا ہے جس ذات گرامی پر قرآن عظیم نازل ہوا اس اعتبار سے عموم قطعی طور پر درست ہے اور اس سے تخصیص کی رگیں کٹ جاتی ہیں اور لوگوں کے لئے ایسا کر دیا گیا ہے جس سے عموم

میں رخنہ و خلل آتا ہے مگر خصوص کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے لہذا تخصیص کا اقتضاء ہر صورت سے باطل ہے۔

شافیہ: چاند سے متعلق سوالات والی حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے علم معانی کے جاننے والوں نے اسی کی متابعت و پیروی کی ہے کہ سوال سبب حدوث سے متعلق تھا مگر جواب اس کی حکمت کے بارے میں دیا گیا اس میں تنبیہ یہ ہے کہ یہی ان لوگوں کے لئے لائق واہم ہے اور انہیں اسی کا اہتمام اور اسی پر دھیان دینا چاہئے اور بعض نے آگے بڑھ کر یہ کہا کہ جن لوگوں نے سوال کیا تھا وہ لوگ ریاضیات کی باریکیوں پر مطلع نہ تھے۔ شہاب خفاجی نے اسی کو اختیار فرمایا اور ان کی اصلاح کا ارادہ اس قول سے کیا کہ وہ لوگ اس قسم کی باریکیوں پر واقف و آگاہ نہیں تھے جو علم نجوم اور ادلہ فلسفہ پر موقوف ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سے ان کا مرتبہ گھٹانا مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم و خیال ہوا ہے۔ (علیہ القاضی خفاجی، سورۃ بقرہ)

اقبول: چاند کے مختلف شکلوں میں ہونے کے سبب کا ادراک کیا مشکل ہے؟ علم نجوم اور ادلہ فلسفہ پر کون سا توقف ہے اس کا اظہار تو اس گنوار و جنگلی کے لئے بھی ممکن ہے جو رصد و نجوم کا نام بھی نہیں جانتا اور فلاسفہ کے مخرقات و بکواس کے ایک حرف سے بھی آشنا و آگاہ نہیں پھر اس کی بنیاد اس بات پر ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان باریکیوں کے ادراک و علم کے اہل نہ تھے، یہ تو صحابہ کی بے ادبی اور ان کے عظیم مقام و مرتبے کی عظیم تنقیص و توہین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام معارف الہیہ کی باریکیوں سے ایسے آگاہ و آشنا ہیں کہ فلاسفہ ہزاروں سال میں اس کے عشر عشر کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ پھر یہ برگز

۱۔ شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے چاند کے بڑھنے گھٹنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تھا مگر جواب بیان غرض کا دیا گیا اس پر تنبیہ یہ ہے کہ ان کے حال سے مناسب و بہتر بات یہ تھی کہ وہ غرض کے بارے میں پوچھتے سبب کے بارے میں نہیں۔ اقول، شہاب پر یہ لازم تھا کہ دونوں جگہ لفظ 'غرض' کو فائدہ اور حکمت سے تبدیل کر دیتے۔ ۱۲ منہ

ثابت نہیں کہ سوال، چاند کے کم زیادہ ہونے کے سبب کے بارے میں تھا۔

ہاں ابن ابی حاتم کے نزدیک ابو العالیہ سے، عبد بن حمید و ابن جریر کے نزدیک قتادہ سے، اور ابن جریر کے نزدیک ابن جریج و ربیع بن انس سے تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ چاند کو اس طرح سے کیوں پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھتا ہے؟ یہ سوال چاند کے اس طرح ہونے کی حکمت کے بارے میں تھا اختلاف شکل کے سبب کے بارے میں نہیں۔

(جامع البیان طبری، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الایۃ)

ابن عساکر بطریق سدی صغیر کلبی و ابو صالح اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ (آیت مبارکہ یسئلونک عن الایۃ) حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمرہؓ کے جواب میں نازل ہوئی ان دونوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاند کا کیا حال ہے؟ ابتدا میں بہت باریک نکلتا پھر روز بروز بڑھتا ہے یہاں تک کہ پورا روشن ہو جاتا ہے پھر گھٹنے لگتا اور یہاں تک گھٹتا ہے کہ پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے وہ ایک حال پر نہیں رہتا؟ (درمنثور سیوطی، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الایۃ)

حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں کذب و دروغ کا تسلسل ہے لہذا قطع نظر اس کی سند کے اس بات پر کونی دلیل ہے کہ سوال سبب کے بارے میں تھا حکمت سے متعلق نہیں تھا؟ کیونکہ لفظ میں دونوں کا احتمال ہے حدیث مرسل سے

اصابہ میں ہے کہ 'عنیمہ' کا معنی دنوان مفتوح ہے اور معالم خازن بیضاوی تفسیر کبیر میں اور نیشاپوری و ابوالسود کے نزدیک 'غنیم' غنیمت معجمہ اور دنوان کے ساتھ تفل کے وزن پر ہے شہاب نے بھی یہی تحریر کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدل گیا ہے یا یہ کہ پردہ ادا کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے، ان کا نسب نامہ یہ ہے ثعلبہ بن عنمرہ بن عدی بن ثالب بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ انصاری سلمی خزرجی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲۷

۲ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ صحابہ نے حکمت سے متعلق سوال کیا تھا۔ شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ

اس کی وضاحت ہو چکی ہے لامحالہ مفاتیح الغیب، لباب التأویل اور ارشاد الساری وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کا جواب سوال کے مطابق تھا، ابن جریر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث مذکور کے ذکر کرنے کے بعد یہ تفسیر کبیر کے لفظ ہیں جان لو کہ آیت کریمہ ”یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ“ (تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں) میں اس بات کا بیان نہیں ہے کہ صحابہ نے کس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا؟ مگر جواب ہی اس بات کی دلیل و علامت ہے کہ ان کا سوال فائدہ اور حکمت کے طور پر تھا لہذا قرآن اور حدیث دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ سوال حکمت ہی کے بارے میں تھا۔ (تفسیر کبیر، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الاہلۃ الایۃ)

(بقیہ): اگر یہ مراد ہو کہ سوال غایت و فائدہ کے بارے میں تھا تو سبب نزول میں جو مذکور ہے وہ اس کے موافق نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے اور یہ کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ سوال کی عبارت اس کے منافی نہیں ہے۔ اسی لئے علامہ شہاب نے ازراہ تعجب فرمایا کہ ”ان کے چاند کا کیا حال ہے“ کہنے کی کون سی دلالت ہے کہ سوال سبب و فاعل کے بارے میں تھا غایت و حکمت کے متعلق نہیں۔ مصنف نے اس کو اسی پر محمول کیا ہے کیونکہ یہی ان کے لائق تھا، اس قسم کی باتوں کا سوال ان سے عید از قیاس نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی۔ البقرۃ آیت ویسئلونک عن الاہلۃ الایۃ)۔

اول، علامہ شہاب کے کلام میں لفظ فاعل ہے اس کا محل یہ نہیں ہے کیونکہ فعل اللہ تعالیٰ ہے اور سبب پر فاعل کا اطلاق فلاسفہ کی بھی اصطلاح نہیں ہے۔ اور شہاب کے قول ”اذ مثلہم الخ“ سے دوسری بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو مستحسن و عمدہ نہیں۔ یعنی انہوں نے غرض کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں جو حکمت ہے وہ ظاہر و عیاں ہے پوشیدہ نہیں، لیکن اس قسم کا سوال مستبعد بھی نہیں ہے۔ ۱۲۷

حضور علیہ السلام کی بعثت ہمارے دین و دنیا کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے

ثالثاً: اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی تاجدار عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہمارے دین و دنیا دونوں کی اصلاح کے لئے ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عبادات و معاملات تمام احکام لے کر تشریف لائے اور جس طرح حضور نے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے احکام کی ہدایت و رہنمائی فرمائی اسی طرح خرید و فروخت، اجارہ و مزدوری، زراعت، معاملات، ہبہ و شرکت، تقسیم شفعہ، مضاربیت اور وصیت کے احکام بتائے اور کھانے پینے، پہننے، سوار ہونے، سونے، نکاح کرنے کی مصلحتیں بیان فرمائیں۔ ارواح و اجسام اور سیاست مدنیہ و تدبیر منزل کے منافع بیان فرمائے، اعراس و محافل میں حاضر ہونے کے آداب سکھائے، آباء و اجداد بھائی بہن، زوجین و اولاد، خویش و اقارب، انجان و اجنبی، دوست و احباب، دشمن و مخالف، پڑوسی و قریبی اور دور والے سے معاشرت و حسن سلوک کے طریقے سکھائے۔ کھڑے ہونے، ٹیک لگانے، بیٹھنے لیٹنے، ہنسنے رونے، غم و خوشی یہاں تک کہ مزاج و خوش طبعی کے آداب و اصول سکھائے۔ لہذا دین و دنیا میں ہم جو بھی قدم اٹھاتے اور رکھتے ہیں اس میں ہم پر شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ و الثناء کے احکام عائد و نافذ ہوتے ہیں جو ہمیں بھلائی کا راستہ دکھاتی اور نقصانات سے روکتی ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دونوں جہان کی رحمت بنا کر بھیجا اگر حضور نہ ہوتے تو ہمارے دین و دنیا کی اصلاح نہ ہوتی۔ اور یہود و نصاریٰ کی طرح ہمیں رہبانیت سے منع فرمایا اور

ہمیں حکم فرمایا کہ ہم روزہ چھوڑ دیں اور روزہ رکھیں اور سوئیں اور رات کو جاگیں، قیام کریں، بیویوں اور باندیوں کو برتنیں یہاں تک کہ دینی امور میں شدت اور مشقت کو ناپسند سمجھا گیا۔^۱

ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں وہ بہتر نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دے اور نہ وہ بہتر ہے جو آخرت کو دنیا کے لئے ترک کر دے یہاں تک کہ وہ دنیا و آخرت دونوں سے فائدہ حاصل کرے کیونکہ دنیا، آخرت تک پہنچانے والی ہے اور تم لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔

(کنز العمال، علی المصنفی - حدیث ۶۳۴۲)

امام بخاری ادب المفرد میں ابونضر^۲ سے راوی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کہا جسے جابر^۳ یا جویر کہا جاتا ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان

۱۔ یہ اشارہ حدیث بیہقی کی طرف ہے جو شعب الایمان میں مطلب بن عبد اللہ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھیل کود بھی کر دیکونکہ میں دین میں بے جا شدت و سختی کو ناپسند کرتا ہوں۔ (بیہقی، حدیث ۶۵۴۲)

ادب المفرد میں بخاری کی حدیث یہ ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنی ارفدہ! پکڑو۔ حضور نے اپنی امت کو کھیل کی بھی اجازت دی ہے تاکہ یہود و نصاریٰ جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت و گنجائش ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ کنز العمال مطبوعہ ہندوستان اور منتخب کنز العمال مطبوعہ مصر میں ابونضر^۲ کے بجائے ابو بصرہ ہے غالباً یہ تغیر ہے کیونکہ ابونضر^۲ صحابی ہیں۔ قبیلہ غفار کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حاجت عرض کی اور ان کے صحابی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص نے کہا۔ ۱۲ منہ

۳۔ کنز العمال، منتخب کنز العمال میں جبر یا جبر ہے۔ یہ سب تغیر ہے۔ ادب المفرد میں جابر یا جویر ہے یہی درست ہے۔ جابر یا جویر میں شک راوی آیا ہے، اس حدیث کو ان سے ابونضر^۲ منذر بن مالک نے روایت کیا یہ دونوں اوساط تابعین میں سے ہیں اور ابونضر^۲ سے مروی ہے کہ سعید بن ایاس جریری صغار تابعین میں سے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے زمانہ خلافت میں ایک حاجت عرض کی پھر میں رات کو مدینہ منورہ پہنچا اور عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہوا میں زبان دانی و فصاحت و ادراک میں ماہر ہوں یا کہا کہ مجھے منطق دی گئی ہے میں دنیا پر کلام کرنے لگا تو اسے حقیر و کمتر ثابت کر دیا پھر اسے میں نے چھوڑ دیا کہ اس کے برابر کوئی چیز نہیں۔ حضرت عمر فاروق کے قریب سفید بال اور اچلے کپڑے والے ایک مرد بیٹھے تھے میرے کلام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے کہا کہ تمہاری ہر بات تقریباً درست ہے مگر دنیا میں پڑنے کے بارے میں جو بات ہوئی وہ درست نہیں کیا تم جانتے ہو کہ دنیا کیا ہے؟ بیشک دنیا ہمارے لئے آخرت میں پہنچنے کا ذریعہ اور آخرت کا توشہ ہے اور دنیا میں ہم جو عمل کریں گے آخرت میں ہمیں اس کا بدلہ ملے گا۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں وہ شخص پڑا جو ہم سے زیادہ علم والا ہے۔ حضرت جابر یا جوہر کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کے قریب یہ شخص کون ہیں؟ امیر المومنین نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(الادب المفرد، بخاری۔ حدیث ۴۷۶)

جب یہ بات ہے تو بھلائی دنیا و آخرت دونوں سے ملی ہوئی ہوگی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مبارکہ بھلائی ہی کی رہنمائی کے لئے ہوئی ہے۔ نیز دنیا آخرت کا راستہ اور آخرت تک پہنچانے والی ہے اور جو کسی مقصد کے لئے بلائے اس کے لئے اس کے طریقے کا بیان ضروری ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت دین کے ساتھ دنیا کے بیان کے لئے بھی ہوئی ہے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا ملعون ہے دنیا میں جو ہے وہ ملعون ہے مگر جس سے اللہ کی رضا و خوشنودی مقصود ہو وہ ملعون نہیں۔

(مجمع الزوائد، المہتمی، کتاب التہذیب باب ما جاء فی الربا)

اسے طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

● حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اور جو دنیا میں ہے وہ ملعون ہے مگر جو اللہ عز و جل کے لئے ہو وہ ملعون نہیں۔

(ابونعیم حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۳۰ محمد بن المنکدر)

اسے ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں سند حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

جو دنیا اللہ عز و جل کے لئے ہے اس کا بیان ضروری ہے اور احادیث میں دینی مصلحت اور بدنی منفعت میں اتنے ارشادات ہیں اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک عظیم کتاب تیار ہو جائے۔

● امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے لئے علوم و معارف جمع فرمائے اور دین و دنیا کی تمام مصلحتوں کی اطلاع سے حضور کو خاص فرمایا۔

(شفاء شریف، فصل امین معجزات الباہرۃ)

● نیز امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو اتر آ منقول ہے کہ حضور کو امور دنیا کی معرفت اور مصلحت دنیا کی باریکیاں اور اہل دنیا کا سیاسی فرق معلوم ہے کہ عام انسان میں یہ وصف نہیں بلکہ عام انسان ان چیزوں کی معرفت سے عاجز و قاصر ہے۔ (شفاء شریف، فصل ہذا حالہ فی جسمہ)

فرمان باری تعالیٰ و کل شیء فصلناہ تفصیلاً کے تحت ارشاد العقل، خازن، جمل، کرخی، کشاف، مدارک، بیضاوی، رازی اور غیشا پوری کے اقوال گزر چکے ہیں سب نے دین و دنیا کے امور میں بیان کو عام قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے نصوص سے معلوم ہو چکا ہے۔

اور غائب القرآن میں ہے کہ کل شیء سے مراد وہ ہے جس کی دنیا و دین میں ضرورت ہوتی ہے، ہم نے اسے واضح طور پر بیان کیا ہے جس میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے۔ (غائب القرآن، غیشا پوری، سورہ اسراء آیت و کل شیء فصلناہ تفصیلاً)

مومن کی دنیا سراسر دین ہے

دابعاً: شاید تمہیں شک و تردید نہ ہو کہ مومن کی دنیا سراسر دین ہے۔ مومن کا کھانا پینا، پہنا، سوار ہونا، زینت کرنا، خوشبو لگانا، خرید و فروخت اور تجارت کرنا، کاشتکاری کرنا، اپنی بیوی سے ملاعت کرنا، گھوڑ دوڑ کرنا، یہاں تک کہ بیوی کے ساتھ مسابقت کرنا اور بھائیوں، دوستوں کے ساتھ خربوزے کا چھلکا پھینکنا سب کے سب دین میں داخل ہیں۔

امام احمد بخاری مسلم ابو داؤد وابن ماجہ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سرور کوئین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک مال ہرا بھرا اور بیٹھا ہے اور خوش بخت مسلمان وہ ہے جو مسکین و یتیم اور مسافر و ابن السبیل کو اپنا مال دے، جو اپنے حق سے لے اور مال کا حق ادا کرے تو وہی معونت و مدد عمدہ و بہتر ہے اور جو کوئی مال بغیر حق کے لے تو وہ اس کی مانند ہے جو کھائے اور سیراب و آسودہ نہ ہو اور وہ اس پر قیامت کے دن گواہ ہوگا۔ (بخاری، کتاب الجہاد۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

امام احمد و ترمذی ابو کبشہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھو، بیشک دنیا چار لوگوں کے لئے ہے۔

۱۔ ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا فرمایا پھر وہ اللہ سے ڈرتا رہا اور صلہ رحمی کرتا رہا اور اس نے یہ یقین رکھا کہ اللہ کا بھی اس میں حق ہے۔ یہ تمام منزلوں میں سب سے بہتر منزل ہے۔

۲۔ بخاری ادب المفرد میں بکر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خربوزے کا چھلکا ایک دوسرے پر پھینکتے تھے۔ اگر واقعہ ایسا تھا تو وہ سب کے سب مر رہتے تھے۔ ۱۲ منہ

۲۔ ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے علم عطا فرمایا اور مال نہ دیا اور وہ نیت صادق رکھتا ہو وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ایسا کام کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا اس کا اور پہلا بندہ دونوں کا اجر و ثواب برابر ہے۔

۳۔ ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے مال عطا فرمایا اور علم نہ دیا وہ اپنے مال میں بغیر علم کے تصرف کرتا رہا نہ رب سے ڈرانہ صلہ رحمی کی اور نہ اس نے یہ یقین رکھا کہ اللہ کا بھی اس میں حق ہے، یہ تمام منزلوں میں سب سے بدتر و بری منزل ہے۔

۴۔ ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے مال و علم عطا نہ فرمایا وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں فلاں کام کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا اس کا اور تیسرا بندہ دونوں کا بدلہ برابر ہے۔ (ترمذی، ابواب الزہد، مسند احمد، مرویات ابی کبشہ) حاکم و ابن لال اور راہر مزی کتاب الامثال میں طارق بن اشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اس کے لئے بہتر ہے جس نے دنیا میں سامان آخرت جمع کیا یہاں تک کہ اس کا رب اس سے راضی ہو گیا۔ اور دنیا اس کے لئے بری ہے جسے آخرت سے روک دے اور رب کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے میں تقصیر و کمی واقع ہو۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اللہ نے دنیا کو برا بنایا ہے تو دنیا کہتی ہے کہ اللہ اسے برا کرے جس نے اپنے رب کے لئے میری مخالفت کی۔

(حاکم مستدرک، کتاب الرقاق)

دیلیمی و ابن نجار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کو برا مت کہو کیونکہ مومن کی اچھی و عمدہ سواری وہ ہے جس پر سوار ہو کر وہ بھلائی کو پہنچے اور برائی سے نجات پائے۔

(مسند الفردوس، باب لام الف۔ حدیث ۷۲۸۸)

ابن لال و دیلمی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے تقویٰ پر عمدہ معین و مددگار، مال ہے۔

(مسند الفردوس، باب النون۔ حدیث ۶۷۵۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ دین پر عمدہ ائمہ دو گار سال بھر کا تفقہ ہے۔ اسے دینی نے معاویہ بن حیدہ قشری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
(مسند الفردوس باب النون، حدیث ۶۷۵۵)

اور منافق کا دین سراسر دنیا ہے یہاں تک کہ منافق کا روزہ، نماز، حج، صدقہ، پرہیزگاری و عاجزی وغیرہ بھی دنیا داری کا حصہ ہیں، نیتوں کے بغیر منافق کی دنیا اور آخرت میں امتیاز نہ ہوگا۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے۔
(مجم کبیر طبرانی، ترجمہ یحییٰ بن قیس، حدیث ۹۵۹۴۲)

اگر امور دین سے وہ مراد لیا جائے جو خالص دین کے لئے ہو دنیا کا اس میں کچھ دخل نہ ہو تو یہ تخصیص واضح طور پر باطل ہے اور اگر امور دین سے وہ مراد لیا جائے جن کا دین میں کچھ اعتبار ہے تو ایسی صورت میں تخصیص و تقیم دونوں برابر ہیں۔

خلاصہ: ہم پر پوشیدہ نہ رہے کہ افعال مکلف میں سے کوئی چیز (خواہ دین میں ہو یا دنیا میں) حکم شرعی سے خالی نہیں، مستحب سے فرض تک یا مکروہ سے حرام یا مباح تک، ان سب کا بیان کرنا نبوت ہی کی شان ہے مگر یہ کہ نبی مباحات میں مخالفت نہیں کرتے ہیں ہاں نبی کی شان مباحات میں یہ ہے کہ نبی امت کے لئے ایک میزان اعتدال قائم کرے جس سے امت ان احکام کی حفاظت کرے اور نبی ان احکام کو بیان کر دے جو امت پر شریعت میں خود اس کی ذات پر عائد ہوتے ہیں خواہ امت کے اپنے حقوق ہوں یا اللہ عز و جل کے حقوق۔ اگر نبی بعض چیزوں میں اس طرح اشارہ کریں کہ وہ واجب و لازم نہیں اور نفس کا میلان عادی ہونے کے سبب سے دوسرے

اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں ہل بن سعد سے اور عسکری نے نو اس بن سمعان سے اور دہلی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور سب کے سب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

بخاری کی ادب المفرد میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرو! چھ ماہ وہ ہے جو نیک مرد کے لئے ہو۔ ۱۲ منہ

کی طرف ہو اور اس صورت میں میزان اعتدال سے ٹکلنا نہ پایا جائے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ان چیزوں میں ان کی رسی ان کی گردنوں پر ہے یعنی وہ خود ذمہ دار ہیں، یہی اس حدیث مذکور کا اشارہ ہے کہ ”تم امور دنیا مجھ سے زیادہ جانتے ہو“ مباحات دینیہ میں نبی کا امت کے ساتھ یہی طریقہ ہے جو شریعت کے مطابق ہے۔

کیا تم حدیث قرطاس اور اس سلسلے میں صحابہ کا اختلاف اور حضرت عمر کا قول نہیں دیکھ رہے ہو؟ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مرض و تکلیف کا غلبہ ہے یعنی حضور کو کعبے کی تکلیف دینا مناسب نہیں ہمارے پاس کتاب اللہ ہے وہی ہمیں کافی ہے، حضور نے انکار نہ فرمایا نہ ان پر سختی فرمائی بلکہ انہیں ان کے حال اور ان کی پسند پر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ کہ میرے پاس تنازع و اختلاف مناسب نہیں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(بخاری اول، باب کتاب العلم، کتاب العلم)

رہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صنعت و حرفت اور تجارت و کاشتکاری کے طریقوں کا بیان نہ کرنا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل اسانی ان چیزوں کے اور اک میں مستقل طور پر صلاحیت رکھتی ہے اور لوگ ان چیزوں میں مشغول و متوجہ بھی ہیں، ان کی گہرائی تک پہنچے ہوئے ہیں یہاں تک کہ یہاں پر اگر کوئی ضروری چیز ہوتی اور اس کے لئے عقل رہبری نہ کرتی تو شریعت مطہرہ اس چیز کو ضرور بیان کر دیتی۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھیتی اور بننے کا طریقہ سکھایا گیا اور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زرہ بنانے کی تعلیم دی گئی، قرآن کہتا ہے

صَنْعَةَ كَبُوتَيْنِ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ (الانبياء، ۸۰)

ایک پہنا دینا اور ایک سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے۔ (کنز الایمان)

یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم نحو، صرف، اشتقاق،

معانی، بیان، بدیع، بلفغ وغیرہ کا بیان نہ فرمایا حالانکہ یہ سب دینی علوم میں سے ہیں، اس

کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان علوم کو جانتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معلم کائنات بنا کر بھیجے گئے مگر ان کا مقصود اعظم علوم غیبیہ کی تعلیم دینا ہے جن کا ادراک حس اور عقل نہیں کر سکتی۔ اس لئے علوم دین میں سے علم اصول فقہ کو بھی چھوڑ دیا گیا اور اس علم کے قواعد کی بنیاد اور اس کے فوائد کا اظہار بھی چھوڑ دیا گیا ہے البتہ امت کے لئے فروعات میں کچھ اصول قائم کئے گئے اور کچھ ظنی چیزیں بھی بتائی گئی ہیں پھر انہیں اجتہاد و استنباط کی اجازت دے دی گئی۔ حل مسائل کا راستہ ہل و آسان کر دیا گیا ہے۔

سادسا: اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ یہی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان و عظمت ہے اس میں جس کے ساتھ وہ امت کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن انبیاء کی اپنی ذات کے بارے میں تو حجت قائم ہو چکی ہے کہ عالم کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و نشانی ہے جو اس کے غیر میں نہیں ہے۔ انبیاء کی شان یہ نہیں کہ وہ اللہ کی کسی نشانی سے غافل ہوں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ماکان و مایکون کی تمام عنفات کی معرفت و آشنائی ضروری ہے اس لئے انبیاء کرام کو آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی دکھائی گئی جیسا کہ قرآن کریم حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے فرماتا ہے

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اٰبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لأنعام، ۷۶)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(کنز الایمان)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث تمام انبیاء کرام کے حق میں گزر چکی ہے۔ اگر یہ تخصیص کا قرینہ ہو تو آیات کو برشکی کے بیان پر محمول کرنا عام لوگوں کے لئے ہوگا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل تو اس کے بطلان پر ناطق و شاہد ہے جب تو خصوصیت پر کوئی قرینہ ہی نہ ہوگا اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ نصوص ظاہری اشیاء پر جاری ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

رسالہ غایۃ المامول کی مبالغہ آرائی

۱۹۔ اللہ کا شکر ہے کہ نصوص کو خصوص کی طرف پھیرنے کی کوششوں کا کھوٹا پن ثابت کر کے ہم فارغ ہو گئے اور رسالہ مذکورہ پر یہ بہت زیادہ رد ہو گیا اگرچہ یہ رد خاص طور سے مستقلاً نہیں بلکہ جمعاً ہوا اس لئے کہ رسالہ نے جن نقول کا تذکرہ کیا، ان سے استدلال کیا، ان پر وثوق و اعتماد کیا مگر کوئی چیز انہیں خاص کر دے یہ رسالہ کو پسند نہ آیا۔ تو میں نے شہاب خفاجی کی اس عبارت کا قصد کیا جو چوتھی آیت (کل صغیر و کبیر مستطر) کے تحت ہے پھر ان اقوال کی نقل کی تلخیص کا ارادہ کیا جو پہلی (ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لكل شئی) اور چوتھی آیت کے تحت میں ہے۔

اول کی تلخیص اس لئے کی کہ رسالہ نے اسے دشوار و مشکل سمجھا تو میں نے اس کی وضاحت کا ارادہ کیا اور رسالہ پر اس کا سمجھنا پیچیدہ ہو گیا تو اسے سختی سے روند ڈالا۔ اور ثانی کی تلخیص اس لئے کی تاکہ ان کے اقوال کی مراد و معنی پر استشہاد ہو جائے اور رسالہ ان کے درمیان امتیاز و تفریق نہ کر سکا تو انہیں غلط ملط کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم سب کے رد سے فارغ ہو گئے اور اب ہم اس کے اظہار کا قصد کر رہے ہیں جو عام فہم اور سمجھ سے دور ہے اور رسالہ نے جو غلطی کی ہے ہم اسے بھی ظاہر کریں گے۔

فما قول، اول: آپ کو معلوم ہو چکا کہ شہاب خفاجی نے یہاں پر جاعل (معترض) کی طرف سے لفظ 'کل' کو کشمیر کے لئے لینے میں بیضاوی پر دو اعتراضات کئے ہیں یہ دونوں اعتراضات ان چاروں اعتراضات کے دو کنارے ہیں۔

اور اول کا جواب قرینہ تخصیص کے اظہار سے دیا اور ثانی کا جواب کیف سے کم کی

طرف عدول و اعراض سے دیا۔ پھر بیضاوی کے قول بالا حالہ کے تحت میں تیسرا اعتراض ذکر کیا اور اسے اس کا جواب قرار دیا اور اپنی تقریر ”وفیہ تامل“ کہہ کر ختم کر دی۔ پھر رسالہ مذکورہ نے بیضاوی کا قول (اذ مافی الاحاطة والتعمیم مافی التبیان من المبالغۃ فی البیان (عناۃ القاضی، خفاجی، سورہ نحل) (یعنی لفظ احاطہ و تعمیم میں وہ بات نہیں جو لفظ تبیان میں ہے یعنی مبالغہ در بیان) نہیں سمجھا تو اسے حذف کر دیا جو مفہوم شرح عبارت سے ظاہر و متوجہ ہو رہا تھا اور اس پر رسالہ نے کچھ ملامت بھی نہ کی۔

وثانیاً: رسالہ نے دیکھا کہ شہاب خفاجی دونوں اعتراض ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ تمہیں دوسرے اعتراض کا رد معلوم ہے کہ تخصیص اقتضائے مقام نہیں ہے۔ شہاب نے فرمایا کہ یہ بلا اعتراض جو احاطہ اور تعمیم کے بارے میں ہے اسے رد کر دیا گیا ہے کہ وہ کیت کے اعتبار سے ہے کیفیت کے اعتبار سے نہیں۔

(عناۃ القاضی خفاجی، سورہ نحل)

تو رسالہ نے دونوں اعتراض کے اظہار سے کوئی چارہ کار نہ پایا اور اول کو سمجھا ہی نہیں تو تیسرے اعتراض کا قصد کیا جسے اس کے بعد بیان کیا گیا اور اسے دوسرا اعتراض قرار دیا اور کم اور کیف کے جواب کو اس سے ملا دیا حالانکہ شہاب خفاجی نے اسے احوالہ کا جواب قرار دیا ہے۔

وثالثاً: جب اول کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر حذف کر دیا اور تیسرے اعتراض کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا تاکہ دو اعتراض ہی رہیں تو لامحالہ دوسرا اعتراض پہلا ہو جائے گا اور تیسرا دوسرا، اسی طرح سے کر دیا اور سمجھا نہیں کہ شہاب فرماتے ہیں کہ اول کا رد کر دیا گیا ہے تو شہاب خفاجی کے کلام کی ترتیب بدل دینے سے دوسرا اعتراض پہلا کیسے ہو جائے گا۔

ودابعاً: دونوں آیتوں کے بارے میں جو اقوال ائمہ ہیں ان کی تخصیص میں رسالہ نے کہا کہ دونوں آیتوں کے معنی مراد میں لوگوں کے تین قول ہیں

۱۔ علوم دینیہ وغیرہ مراد ہیں

۲۔ صرف علوم دینیہ مراد ہیں

۳۔ کتاب عزیز صرف احکام دینیہ پر مشتمل ہے

اس کلام مذکور کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ رسالہ نے احکام کو خاص طور سے مسائل فرعیہ کے معنی میں لیا پھر اخیر دونوں قول میں تفریق کر دی کہ ثانی سے مراد تمام علوم دینیہ ہیں خواہ اصلیہ ہوں یا فرعیہ۔ اور تیسرے نے زیادہ تنگی کی اور صرف فرعیہ مراد لیا۔ یہ بلاشبہ فرار ہے، بلکہ تمام علوم دینیہ مراد لینے میں دونوں قول متفق ہیں ہاں فرعیہ کے احالہ کی وجہ میں اختلاف ہے۔ رسالہ میں جو مذکور ہے وہ امام رازی سے منقول ہے کہ قرآن کریم میں پورے علم اصول موجود ہیں اور فروع کے علم سے متعلق یہاں پر علماء کے دو قول ہیں تو غور کرو کہ اختلافی بات کو فروع سے کیسے غاص کر دیا، میں رسالہ مذکورہ کو وہ بات سمجھانے کی تکلیف نہیں دوں گا جس کو وہ سمجھ ہی نہ سکے بلکہ اسے دیکھو جو ہم نے قول ثالث کے بیان میں خاص طور سے دوبارہ نقل کیا کہ علوم دینیہ اصول و فروع دونوں ہیں۔ علم اصول مکمل طور پر قرآن کریم میں موجود ہے لیکن بندہ اس علم فروع کا مکلف ہے جو قرآن عظیم میں بیان کیا گیا ہے۔

(منہاج الغیب، رازی سورہ نحل آیت وزلنا علیک الکتاب الامیۃ)

اور اگر مطلقاً احکام مراد لئے جائیں تو تمام علوم دینیہ شامل ہو جائیں گے اور دونوں قول متحد و متفق ہو جائیں گے کیونکہ لفظ 'کل' دونوں میں معنی حقیقی پر ہے اور مطلقاً علوم دینیہ کی تخصیص سے کلام درست و صحیح ہو جائے گا اگرچہ بعض کے طریقہ تصحیح میں دونوں قول مختلف ہوں۔ البتہ رسالہ پر یہ کہنا لازم و ضروری تھا کہ دونوں آیت کے معنی میں ان اوگوں کے دو قول ہیں۔

۱۔ لفظ 'شی' اپنے اطلاق پر اور لفظ 'کل' تکثیر کے لئے ہے۔

۲۔ لفظ 'کل' اپنے معنی حقیقی پر اور لفظ 'شی' مطلقاً امور دینیہ سے مخصوص ہے۔

marfat.com

پھر اس قول کے قائلین نے فروع کے احاطہ کی تصحیح میں اختلاف کیا۔ کچھ لوگوں نے حالہ سے تعبیر کی ہے۔ اور قرآن مقدس میں جس کی صراحت ہے اس میں کچھ لوگوں نے حصر مراد لیا ہے۔

خامس: پہلے کے دونوں قول کے بارے میں رسالہ نے کہا کہ ان دونوں قول کے قائلین اس بات پر متفق و متحد ہیں کہ کتاب عزیز میں ان علوم کے ہر جزئیہ پر تفصیلی طور پر تخصیص نہیں ہے بلکہ بعض میں تفصیل ہے بعض میں اجمال اور بعض میں رمز و اشارہ۔

یہ بات اگر صرف سمجھ و قیاس کی بنیاد پر ہے تو خالص جھوٹ اور بہتان ہے۔ جبکہ قول اول کے قائل نے لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کیا اور لفظ 'کل' کے کل پر شامل ہونے سے راہ فرار اختیار کی اگرچہ یہ شمول بعض میں بطور اجمال ہی کیوں نہ ہو۔

سادس: یہ بات رسالے سے رہ گئی کہ یہ بیضاوی پر رد ہے جنہوں نے سمجھا کہ بعض میں اجمال ہے کیونکہ اجمال بیان کے منافی و مناقض ہے اور تفصیل کی عبارت اس پر محمول نہیں ہے پھر اس زعم کی بنیاد پر موافقت کیسے ہوگی۔

سابع: پھر رسالہ نے کہا کہ اسی سے بلاشبہ خوب خوب وضاحت ہوگئی کہ پہلے کے دونوں قول اجمال کے وجود پر متفق ہیں اور بلاشبہ یہ بھی خوب واضح ہو گیا کہ یہ باطل ہے اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

ثامن: رسالہ نے کہا کہ تیسرا قول احکام شرعیہ پر عموم میں منحصر ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔ یعنی احکام شرعیہ سے صرف فرعیہ مراد ہیں یا بخلاف ثانی کے کہ وہ قول اول کی طرح علوم شرعیہ وغیرہ کو عام ہے اور سب کے سب بہتان و جھوٹ ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔ اللہ کو پاکی ہے کہ جو واضح باتوں کو سمجھ نہیں سکتا وہ علوم قرآن اور علوم حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کلام کرنے چلا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

اہم تنبیہ

پورا عالم حادث ہے عرش وغیرہ
کسی غیر اللہ کو قدیم کہنا مطلقاً کفر ہے

امام بخاری اپنی صحیح میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ تھی۔

دوسری روایت میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آفرینش خلق اور عرش کی تخلیق بیان کرنے لگے۔

(بخاری کتاب الخلق، باب ما جاء فی قول اللہ وھوالذی یدہ الخلق)

امام احمد اور ترمذی باقائدہ تحسین اور ابن ماجہ وغیرہ ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا۔ (ترمذی ابواب التفسیر سورہ یونس)

اور ضروریات دین میں ثابت ہو چکا کہ پورا عالم حادث ہے پہلے اس پر عدم طاری تھا، پہلے نہیں تھا پھر موجود ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شئی قدیم نہیں۔ صفات باری جیسی ہیں نہ اس کا غیر ہے نہ اس کا عین، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ یعنی صفات باری بھی قدیم ہیں۔

اس مسئلے میں کسی بھی کلمہ گو کو اختلاف نہیں ہے خواہ وہ گنہگار بدعتی کیوں نہ ہو بلکہ

آسمانی مذہب و ملت والوں میں بھی کوئی اس کا منکر نہیں۔ اور ضروری کے لئے کسی سند خاص اور کسی نص کی کوئی ضرورت نہیں اور اس میں کوئی تاویل نفع بخش و مسموع نہ ہوگی۔
امام ابو زکریا نووی ”روضہ“ میں پھر امام ابن حجر ”اعلام“ میں فرماتے ہیں
درست یہ ہے کہ مجمع علیہ مسئلہ کے انکار سے کفر مقید ہے جو دین اسلام میں
ضروری طور پر معلوم ہوا خواہ اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔

(الاعلام بقواطع الاسلام، ابن حجر کی البیہقی)

اور شرح مقاصد میں ہے کہ جو دین کی بات قطعی طور پر معلوم ہو وہ اپنے ظاہر ہی پر ہے گی اس میں تاویل کرنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

(شرح المقاصد، فتاویٰ، ۲ بحث ۶ الکفر عدم الایمان)

اس لئے جو اس مسئلے میں اختلاف کرے اس کے کفر میں علماء کا اتفاق ہے۔

امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ جو عالم کو قدیم کہے یا اس میں شک کرے ہم اس کے کفر میں جزم کرتے ہیں، (یہاں تک فرمایا کہ) ان کے کفر میں قطعاً جماعاً کوئی شک نہیں ہے۔
(شفا شریف، فصل فی بیان ما ہومن الخ)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی الہیت و وحدانیت کا معترف و مقرر ہو لیکن اس کے سوا کسی چیز کے قدیم ہونے کا معتقد و قائل ہو وہ مسلمانوں کے اجماع سے کافر ہے۔
(حوالہ مذکور)

ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں کہ جو پورے یا بعض عالم کو قدیم کہے ہم اس کے کفر پر جزم و یقین کرتے ہیں۔

(شرح شفا، علی قاری، بیان ما ہومن المقالات کفر)

نسیم الریاض میں ہے کہ ارباب شرع نے ان کی تکفیر اس لئے کی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب و انکار ہے۔

(نسیم الریاض، خفاجی، بیان ما ہومن المقالات کفر)

امام ابن حجر مکی کی تصنیف ”الاعلام بقواطع الاسلام“ میں ہے کہ جو بات کفر ہے خواہ وہ اعتقاد یا عناد کے طور پر صادر ہو یا مذاق و استہزاء کے طور پر اس کے قائل کو کافر کہا جائے گا اسی طرح جو عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

(الاعلام بقواطع الاسلام، ابن حجر مکی)

اسی میں ہے کہ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنا یا اس کے بعض اجزاء کو قدیم کہنا کفر ہے جیسا کہ علماء کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ (حوالہ مذکور)

امام محقق علی الاطلاق کی ”مساریہ“ میں ہے کہ اس کے مخالف کی تکفیر میں اختلاف ہے جبکہ اس پر اتفاق ہے کہ جو بات اصول دین اور ضروریات دین میں سے ہے اس کے مخالف کو کافر کہا جائے گا جیسے عالم کو قدیم کہنا اور اجسام کے حشر و نشر کا انکار کرنا۔ (المساریہ بشرح: المساریہ، ابو شریف شافعی۔ حل شرط فی الایمان الخ)

اسی میں ہے کہ سبب تکذیب، ان تمام باتوں کا انکار کرنا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ضروری طور پر ثابت ہیں جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھنا، اور استحقاق عبودیت میں دونوں جہان پر حضور کو ممتاز و منفرد سمجھنا مگر حضور کے منفرد ہونے سے حضور کا قدیم ہونا ضروری نہیں۔ (المساریہ، الکلام فی متعلق الایمان)

عارف باللہ امام محمد سنوی کی تصنیف ”شرح ام البراہین“ میں ہے کہ ایجاب ذاتی ہی فلاسفہ کے کفر کی اصل ہے اس لئے فلاسفہ نے کہا کہ عالم قدیم ہے اور عالم کے حادث ہونے پر جو برہان قطعی ہے اسے لغو قرار دیا۔

قاضی بیضاوی کی ”طوالع الانوار“ میں ہے کہ ذوات قدیمہ کا قول کفر ہے۔ طوالع الانوار اور اس کی شرح مطالع الانوار میں ہے کہ کثرت قدما کا قول کرنا باہتلاف کفر ہے یعنی کئی چیزوں کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

(طوالع الانوار، بیضاوی، الباب الثانی فی صفات اللہ)

مواقف میں ہے کہ ذوات قدیرہ کا اثبات کفر ہے۔

(کتاب المواقف، جز ۸، موقف ۵، مقصد ۱)

شرح مواقف میں ہے کہ چند ذوات قدیرہ کا اثبات بالاجماع کفر ہے۔

(المواقف شیخ فتاویٰ، جز ۲۳ من)

اسی میں ہے کہ اجسام ذوات جو ہر یہ وصفات عرضیہ کے ساتھ حادث ہیں اور یہی حق و درست ہے۔ تمام مسلمان اور ناکھوں یہود و نصاریٰ اور مجوس کا یہی قول ہے۔

(شرح مواقف، شیخ جرجانی۔ مرصد ثانی فی عوارض الاجسام)

منح الروض میں ہے کہ جو اجسام کے حشر، عالم کے حدوث اور باری تعالیٰ کے جزئیات کے عالم ہونے کے دلائل و نصوص میں تاویل کرے تو اسے کافر کہا جائے گا۔

(منح الروض، علی قاری۔ ایمان حوالہ تصدیق والاقرار)

جمع الجوامع اور اس کی شرح پھر بحر الرائق اور مخطاوی علی الدر میں ہے جو اپنی بدعت کے سبب سے اہل قبلہ سے خارج ہو جیسے حدوث عالم کے منکرین، تو ان کے کفر میں کوئی اختلاف و نزاع نہیں، اس میں بعض ان ضروری چیزوں کا انکار ہے جن کے بابت معلوم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

(شرح الجلال، شمس الدین لکھنوی۔ مسالك اختلف فی اصول الدین)

امام ابن امیر الحاج کی ”شرح التخریر“ پھر رد المحتار میں ہے کہ ضروریات اسلام کے مخالف کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے مثلاً حدوث عالم اور اجسام کے حشر اور اللہ تعالیٰ کے جزئیات جاننے کا انکار کرنا، اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو اور اس کی لمبی عمر، طاعت و بندگی پر مواظبت میں گزری ہو۔

(التقریر والتخیر شرح التخریر، ابن امیر الحاج۔ المقایس اثبات)

امام یوسف اردبیلی کی ”کتاب الانوار“ میں ہے کہ جو عالم کے قدیم اور صانع کے حادث ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

علامہ سعد کی ”مقاصد“ میں ہے کہ آدمی اگر کسی ضروریات دین کا مخالف نہیں تو کافر نہیں ہوگا جیسے حدوث عالم اور اجسام کے حشر و نشر کا اعتقاد رکھنا ضروریات دین سے ہے۔
(شرح المقاصد، تفتازانی۔ جز ۲ بحث ۷)

علامہ سعد کی شرح مقاصد میں ہے کہ ان اہل قبلہ کے کفر میں کوئی اختلاف و نزاع نہیں جو عالم کے قدیم، حشر کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے علم بالجزیات وغیرہ کا انکار کریں اگرچہ ان کی لمبی عمر عبادت و بندگی پر موانعت و مداومت میں گزری ہو۔ (حوالہ مذکور)

خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں نصوص و دلائل بہت زیادہ ہیں ان کے احاطہ و استقصاء کی مجھے خواہش نہیں۔ حدوث عالم کے مخالف کے کفر میں بعض متاخرین محشین کو شک ہوا تو یہ ایسی لغزش و ٹھوکر ہے جسے برداشت نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ کہ رب ذوالجلال کی رحمت و غفران اس کا تدارک و حل کر دے۔ ہم اللہ سے سلامتی اور حسن انجام کا سوال کرتے ہیں۔

حاشیہ نابلسی کا بلیغ رد

اگر وہ حاشیہ (جسے عارف باللہ عبدالغنی نابلسی نے کتاب حدیقہ ندیہ کی بحث بدعت فی الاعتقاد میں نقل کیا ہے) طبع اور شائع نہ ہوتا تو وہ لپیٹ دینے کے لائق تھا اور اسے بیان نہ کیا جاتا لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں اس پر کم علم والے مطلع ہوں اور وہ گمراہ نہ ہو جائیں اور منکر و برائی کا ازالہ فرض ہے۔ میں اس حاشیہ کا کلام ذکر کر کے مکمل طور پر اس کا رد کروں گا پھر اس کے بعد عارف نابلسی کی تاویل، ان کی مراد و وضاحت کے ساتھ ذکر کروں گا۔ وبالله التوفیق

حاشیہ مذکورہ نے امام سعد کا کلام نقل کیا جو شرح مقاصد میں مذکور ہے پھر اس کے بعد یہ ذکر کیا کہ ”ہو سکتا ہے کہ نفی حشر کے ساتھ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد کفر ہے“
(الحدیقۃ الندیہ نابلسی۔ بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

اقول: یہ تاویل کتنی قبیح اور یہ تحویل و تبدیل کتنی بری ہے۔ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس دو شیشے ہوں، ایک اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ بذات خود شیشہ میں ہو اور دوسرا شیشہ اس نشیب کے اوپر رکھا ہو پھر اوپر کا شیشہ گرنے لگے اسے ٹوٹنے کا خوف ہو اور وہ اپنے ہاتھ کے شیشہ سے اسے واپس کرنے کے لئے مارے تو دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے۔ تو یہ بھی ایسا ہی ہے کہ انہوں نے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد اس وقت کفر قرار دیا جبکہ اس کے ساتھ حشر کا انکار شامل ہو۔ لہذا حشر کا انکار بھی تنہا کفر نہیں ہوگا جب تک عالم کے قدیم ہونے کا قول اس سے شامل نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد ہی کفر ہوتا تو اس کے ساتھ اس کو ملادینا لغو و بیکار ہوگا جو کفر نہیں، اور کلام کو لغو اور مہمل ہونے سے بچایا جائے گا لہذا تاویل کی جائے گی کہ ان دونوں (قدم عالم اور نفی حشر) میں کوئی ایک مستقلاً کفر نہیں ہاں جب دونوں ایک ساتھ جمع ہوں گے تو کفر ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انہوں نے جب اجماع کے حجت ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء، ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (کنز الایمان)

اور سختی سے حساب لگایا گیا کہ وعید دونوں کے مجموعہ پر ہے تو علماء نے جواب دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلاف کرنا مستقلاً وعید کا سبب ہے، تو اتباع کو شامل کرنا لغو ہو جائے گا۔ لہذا اول کی طرح اس کا مستقل ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں پر جب قدیم ہونے کا اعتقاد فرض کر لینا کافی نہیں تو ضروری ہے کہ حشر کا انکار بھی کفر میں کافی نہ ہو ورنہ اول لغو ہو جائے گا اور یہ تو بہت برا شمول اور بہت بڑی نرمی ہے۔

عارف نابلسی نے فرمایا کہ بہت سارے حکماء اسلام بعض اجسام کے قدیم ہونے کی طرف گئے ہیں۔
(المحرقة الندیہ، نابلسی بحث البدع فی الاعتقاد)

اقول، اگر انہوں نے حکماء سے مدعی اسلام فلاسفہ مراد لئے ہیں تو ان سے کوئی مطالبہ نہیں اور اگر حکماء سے مراد وہ ہیں جو مسلمان اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہیں تو ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی چیز قدیم ہے

عارف نابلسی نے فرمایا کہ ارباب مکاشفہ میں سے بہت سارے جو انمرد عرش و کرسی کے قدیم ہونے کی طرف گئے ہیں مگر تمام افلاک کے قدیم ہونے کے وہ بھی قائل نہیں ہیں۔
(حوالہ مذکور)

اقول، یہ قطعاً یقیناً باطل اور بے بنیاد حکایت ہے۔ اگر انہیں سہو یا شبہ نہیں ہوا تو یہ بلاشبہ جھوٹ ہے۔ ارباب مکاشفہ میں کون ایسے جو انمرد ہیں جن کا کلام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جامع اور زیادہ باطن ہوگا؟ حالانکہ شیخ اکبر نے فتوحات کے متعدد مقامات پر حدوث عالم کی صراحت کی ہے۔ فتوحات کے باب ۶۹ میں ہے کہ پورا عالم عدم سے موجود ہوا اور اس کا وجود کسی موجد کی ایجاد سے ہوا، موجد اللہ تعالیٰ ہے، تو عالم کے وجود کا ازنی ہونا محال ہے کیونکہ موجد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ معدوم کو موجود کر دے، ایسا نہیں کہ جو موجود ہے اسی کو موجود کرے کیونکہ موجود کو موجود کرنا محال ہے۔

(فتوحات مکیہ، باب ۶۹ معرفۃ اسرار الصلاۃ)

یہ سیدنا ابو بکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارباب احوال و مکاشفہ کے سردار ہیں ان سے آیت کریمہ، الرحمن علی العرش استوی، کے بارے میں سوال ہوا۔

انہوں نے فرمایا کہ الرحمن ازلی ہے، عرش حادث ہے اور عرش الرحمن سے قائم ہے۔
اسے امام اجل ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ قشیریہ شریف میں بیان فرمایا ہے۔
(رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم قشیری۔ بیان اعتقاد حذہ الطائفة الخ)

اس کلام کی دلیل جو اولیاء کرام سے ظاہر شرع کے خلاف منقول ہے اس میں چار وجوہ ہیں

اس ناقل نے اگر لوگوں میں سے کسی کو ایسا پایا جو اسے وہم و گمان ہوا تو اس کا نام کیوں ذکر نہیں کیا صرف اس نے اس کا کلام نقل کیا جبکہ کلام میں تاویل کا احتمال ہے۔ کیونکہ قدم کا اطلاق کبھی زمانہ ماضی میں طویل مدت پر ہوتا ہے جیسے ابد کا اطلاق زمانہ مستقبل میں دراز مدت پر ہوتا ہے۔ اور کبھی قدم سے وہ مراد لیتے ہیں جو اللہ عز و جل کے علم قدیم میں ہے اور کبھی قدم سے وہ عین ثابت مراد لیتے ہیں جس نے وجود کی بونہیں سوچھی، یہ عرش وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پوری کائنات اس میں برابر و یکساں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی تاویلات ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ورنہ جس کی طرف اس کا انتساب کیا گیا اس پر یہ افتراء ہے۔ یا یہ کہ وہ بات ان سے بغیر اختیار اور بے سمجھے، طلبہ حال میں صادر ہوئی، یا یہ کہ ان سے یہ بات ابتدائے حال میں صادر ہوئی پھر رب تعالیٰ کی ہدایت و ارشاد سے اس کا تدارک ہو گیا۔ اولیاء کرام سے یہ سب واقع ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں بہت ساری حکایات و روایات ہیں ان کا ذکر کافی طویل ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ الربانی میزان میں فرماتے ہیں کہ جو ائمہ کا کلام بغیر تحقیق سے نقل کرتے ہیں ان کے کلام میں یہ بات بہت زیادہ ہے اور وہ عالم کے ابتدائی و درمیانی زمانہ کے قول اور انتہائی زمانہ کے قول میں کچھ امتیاز و فرق نہیں کرتے ہیں۔

(میزان الکبریٰ، بیان تقریر قول من قال الخ)

استاذ امام جمال الاسلام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ رسالہ شریف میں فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو بکر بن قورک سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عثمان غربی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں حدیث جہت کے بارے میں کچھ اعتقاد رکھتا تھا پھر جب میں بغداد آیا تو یہ کیفیت میرے دل سے زائل ہو گئی اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں کو مکہ میں لکھا کہ میں اب نیا مسلمان ہوا ہوں۔

(رسالہ قشیریہ، بیان اعتقاد حذہ الطائفة فی مسائل الاصول)

نیز امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ امام ابوالحسن اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ میں جب بغداد سے آیا تو نیشاپور کی جامع مسجد میں مسئلہ روح کا درس دے رہا تھا اور اس بات کی شرح و وضاحت کر رہا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ اور ابوالقاسم نصر آبادی ہم سے کچھ دور بیٹھے ہوئے میرے کلام کی طرف کان لگائے ہوئے تھے۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد ایک دن وہ ہمارے پاس سے گزرے تو میری طرف اشارہ کر کے محمد فراء سے کہا کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں اس آدمی کے ہاتھ پر اسلام کی تجدید کرتا ہوں۔ (حوالہ مذکور)

ابوالقاسم قشیری، سیدی ابوبکر شبلی اور سیدی ابو علی رودباری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجلہ اصحاب میں سے ہیں، دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیوض و برکات سے نفع دے۔ آمین

یہ چار وجوہ ہیں، ان میں سے اگر کچھ نہ ہو بلکہ یوں ہو کہ اس کا قول ثابت ہو اور اس نے اسے قصداً اختیار کیا اور وہ اس سے رجوع نہ کرے اور اس کی کوئی صحیح تاویل و توضیح نہ ہو اور اس بات پر قوم کی کچھ اصطلاح بھی نہ ہو کیونکہ اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں ہوتا تو اس کا قائل مسلمان نہ ہوگا اگرچہ وہ شیطانی کشف والہام والا ہو۔ کیونکہ اولیاء کرام کا کلام ایک گہرا سمندر ہے اس کی گہرائی و گیرائی تک اولیاء کرام ہی پہنچ سکتے ہیں۔ لہذا جس کی ولایت ثابت ہو اس کے لئے ہم یقین کریں گے کہ اس کا وہ مطلب ہے جہاں تک

ہماری سمجھ کی رسائی نہیں۔ جیسے قرآن کریم کے متشابہات، کہ ان کے معانی و مطالب تک انسانی فہم و ادراک کی رسائی نہیں ہو سکتی مگر ان پر یقین و ایمان رکھنا لازم ہے کہ ان کی جو مراد ہے وہ حق و درست ہے۔ اور جس کا معاملہ ایسا احتمال رکھے جو کسی دلیل و برہان سے پیدا ہو تو ہم صرف اس کے قول پر حکم شرع نافذ کریں گے اور قائل کے معاملے کو اللہ عز و جل کے سپرد کر دیں گے۔ ہم تو اسی سے توفیق و مدد مانگتے ہیں۔

عارف نابلسی نے فرمایا کہ عالم کو قدیم ماننے میں تکفیر کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب و توہین نہیں ہے۔

(الحمد لله النذیہ، باب الفصل ۲ بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

اقول: کیوں نہیں ہے ہاں اس میں تکذیب ہے کیونکہ اس میں ضروری کی تکذیب ہے اور ہر ضروری کی تکذیب اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اگرچہ اس میں کوئی دلیل و نص نہ ہو جیسا کہ اس سے پہلے گزرا جبکہ اس مسئلہ میں صحاح کی احادیث نصوص ہیں ان کے اعتقاد پر امت کا اتفاق و اتحاد ہے۔ اور نسیم الریاض کا قول گزرا کہ اہل شرع نے قدم عالم کے قائل کی تکفیر اس لئے کی کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب ہے۔

(نسیم الریاض ۳ باب ۳ بیان ماحصن الثقات کفر)

عارف نابلسی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ عرش و کرسی کے قدیم ہونے سے ان کی مراد یہ ہو کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ایجاد کی طرف نسبت کرتے ہوئے قدیم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل ہی میں ان کا موجد ہے جہاں پر زمانہ کی مابتدا ہی نہیں ہوئی جس میں عرش و کرسی کے وجود کی ابتدا ہوئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر زمانہ نہیں گزرتا ہے۔ جس زمانے میں عرش و کرسی کے وجود کی ابتدا ہوئی اس زمانہ کے موجد ہونے سے پہلے ہمارے اعتبار سے ان دونوں کا کوئی وجود نہ تھا اس لئے یہ دونوں ہمارے نزدیک حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی ان کا کوئی

وجود نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں جس میں ان دونوں کے وجود کی ابتدا ہوئی تو وہ دونوں ہمارے نزدیک حدوث کے طریقے سے موجود ہیں اور دونوں کی ابتدا ہمارے زمانہ سے مقید کرنے کے سبب سے ہے۔ اور یہ دونوں اس زمانے میں اللہ کے نزدیک بھی موجود ہوئے مگر حدوث وابتدا کے طریقے سے نہیں بلکہ ازلی طور پر۔ اور اللہ تعالیٰ زمانہ سے مقید نہیں کیونکہ زمانہ محدثات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ ازلی ہے۔ اور اس کا فعل حادث نہیں بلکہ اس کا مفعول حادث ہے یہ ہماری طرف دیکھتے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں کہ بغیر زمانہ کے ہی سارے زمانے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہیں جبکہ زمانہ کسی سے مقید ہوتا ہے۔ پورے زمانے کا حاضر نہ ہونا یہ ہمارے اعتبار سے ہے کیونکہ ہم صرف ایک ہی زمانہ سے مقید ہیں۔ عرش و کرسی کے قدیم ہونے کے یہ قائل ارباب مکاشفہ میں پرانے بزرگ ہیں زمانہ سے مقید کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں حادث ہیں جیسے علماء کرام کہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ تمام افلاک قدیم نہیں ہیں کیونکہ تمام افلاک میں خصوصاً ہے وجود زمان کے عموم میں، یہ صرف عرش و کرسی نہیں بلکہ تمام افلاک کی طرف دیکھنے ہوئے ہے اور حدوث کا منشا مدعا زمانہ ہے لیکن یہ امتیاز اللہ تعالیٰ سے عالم کے صادر ہونے میں معرفت الہیہ سے خاص ہے دوسرے کو جس کی معرفت نہیں ہوتی۔ اور عرش و کرسی سے دو کلی عالم مراد لیتے ہیں اور ان دونوں کا شمول واطلاق جن چیزوں پر ہوتا ہے وہ تمام نفوس اور اجسام ہیں اور یہی پورے عالم کا مجموعہ ہے۔ اور زمانہ سے مقید کر کے عالم کے کسی شئی کے قدیم ہونے کا حکم لگانا بلا اختلاف کفر ہے جیسے فلاسفہ اور ان کے ماننے والوں کا قول ہے کہ عرش و کرسی قدیم ہیں۔ (الحدیقۃ الندیۃ، نابلسی باب الفصل ۲ بحث ابدیۃ فی الاعتقاد)

حدوث و قدیم میں کلام نابلسی کی تحقیق

اقبول، توفیق اللہ ہی سے ہے اور تحقیق کی بلندی و بالائی تک اسی کی مدد سے

پہنچنے کی امید ہے۔ اس عمدہ کلام کی تحقیق و تدقیق میں عبد ضعیف (امام احمد رضا بریلوی) کے لئے یہ ظاہر ہوا کہ کسی شئی کے حدوث کے دو معنی ہیں۔

اول: شئی کا فی نفسہ حادث ہونا، اور یہ اس کے عدم کے بعد موجود ہونا ہے اور صفی ہستی میں شئی کا مرتسم ہونا بعد اس کے کہ اس میں کچھ نہیں تھا۔ ویسا نہیں جیسا کہ خود ساختہ سبھاء فلاسفہ نے کہا ”وعاء دہر“ وہ کہتے ہیں کہ ہر شئی اس میں اپنے زمانہ میں ازلا وابد موجود ہے البتہ حدوث تو اقبال زمانہ کے ساتھ غیر کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی فنا، پیچھے چھپ جانا ہے جیسے کھینچی ہوئی زنجیر۔ جب جب شئی کا کوئی جزء تمہارے سامنے اور مقابل ہوگا تو وہ تمہارے لئے ظاہر ہوگا جب قائل شتم ہو جائے تو وہ شئی تم سے پوشیدہ و غائب ہو جائے گی۔ بیشک یہ سنیہ کا قیاس و سفسطہ اور فلسفیانہ فساد و وسوسہ ہے۔ اس کے بطلان پر قرآن عظیم و احادیث متواترہ مالمق و شہرہ ہیں میں نے اس مسئلے کو اپنی کتاب ”مقام مع الحدید علی خد المنطق الجدید“ میں بیان کیا ہے۔ بلکہ یہ فلسفیانہ موشگافیاں ضروریات دین کے مخالف ہیں۔

فوائح الرحموت میں اس مسئلے میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً ت میں داخل ہیں بعد اس کے کہ ہمارے مشائخ کرام نے اسے فلاسفہ سے نقل کیا ہے اسے وہ سفسطہ اور قیسی استدلال سمجھتے ہیں سفسطہ متناقض لمیہ کی بنیاد کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ امور شرعیہ کی بنیاد کی صلاحیت و استعداد رکھے۔

(فوائح الرحموت، امام عبد العلی مسالۃ الحقائق الشحیرہ)

ثانی: شئی کا اس کے غیر کے پاس عارض ہونا، اس معنی سے کہ وہ غیر کے لئے حادث ہو اس کے حدوث سے کوئی علم یا حال پیدا ہو جس طرح تم کہتے ہو کہ آج ہمارے پاس آید مہمان آیا یعنی مہمان کا وجود تو پہلے ہی سے تھا لیکن ہمارے پاس وہ آج موجود ہوا۔ اسی معنی میں یہ آیت کریمہ ہے

مَا يَذِیْبُهُمْ قَوْمٌ يَذِکْرُهُمْ رَبُّهُمْ مُجَدِّثٌ

(انبیاء ۲)

marfat.com

جسٹ ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے۔ (کنز الایمان)
 اور معنی اول و ثانی دونوں کے درمیان عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ کبھی شئی اپنے
 غیر کے پاس حادث ہوتی ہے اس کے لئے جدید طور پر حاصل ہوتی ہے لیکن فی نفسہ
 حادث نہیں ہوتی جیسا کہ نص قرآن سے معلوم ہوا۔ بلکہ اسی سے آج کے دن مہمان کا
 آنا ہے جبکہ وہ آج فی نفسہ حادث نہیں ہوا۔ اور کبھی شئی فی نفسہ حادث ہوتی ہے اور
 اپنے غیر کے پاس نہیں ہوتی جبکہ اپنے غیر میں حادث ہونے سے کوئی شئی متجدد نہیں
 ہوتی نہ علم نہ حال۔ اس کی مثال ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کا حدوث
 و وجود ہے رب تبارک و تعالیٰ نے حضور کے نور کو اپنے نور سے تمام اشیاء سے پہلے پیدا
 فرمایا۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔
 یہ نور تو پیدا ہوا اور اس کے پیدا ہونے سے اس کے غیر کے پاس کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی
 اس لئے کہ اس وقت عالم میں نور نبی کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔

(کشف الخفاء، اسماعیل مجلونی۔ حرف الہمزہ حدیث ۸۲۷)

جس طرح حدوث کے دو معنی ہیں اسی طرح یہ قدم کے مقابل میں بھی بولا جاتا
 ہے۔ قدم فی نفسہ یہ ہے کہ اس کے وجود سے پہلے عدم نہ ہو اور اس کے حدوث سے
 اس کے غیر کے پاس کوئی شئی متجدد نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو پیدا فرمایا بعد
 اس کے کہ کچھ نہیں تھا اور ہر چیز کو اس کے زمانہ حادث میں پیدا فرمایا اس سے پہلے صفی
 ہستی میں نہ وہ چیز تھی نہ اس کا زمانہ۔ لیکن اس کے حدوث و وجود سے اللہ تعالیٰ کے
 لئے کوئی شئی متجدد نہیں ہوتی نہ علم نہ حضور نہ ایجاد اور نہ معیت، ان کے سوا اور کوئی چیز
 معقول و متبادر نہیں۔

علم اس لئے قدیم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ازلا و ابداً جانتا ہے اور حضور شئی
 اس لئے قدیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شئی ازلا و ابداً حاضر ہے، حضور سے مراد شئی
 کا علم ہے عین شئی نہیں۔ جیسا کہ سفہاء فلاسفہ و عابد ہر کے قائل ہیں۔

شرح مواقف میں اس کی توضیح و تشریح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مکانی نہیں تو اس کی نسبت تمام مکانوں کی طرف برابر و یکساں ہوگی۔ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مکانوں میں قریب، دور اور متوسط کا قیاس نہیں ہوگا اسی طرح جب وہ اور اس کی صفات حقیقیہ زمانی نہیں تو ماضی، مستقبل اور حاضر کا اس کی طرف قیاس کرتے ہوئے وہ زمانے سے متصف نہیں ہوگا بلکہ تمام زمانوں کی طرف اس کی نسبت برابر ہوگی۔ ازل سے ابد تک تمام موجودات ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور اس کے علم میں تھا، ہے، اور ہوگا کا اطلاق نہیں ہے بلکہ تمام زمانے ہمہ وقت اس کے پاس حاضر ہیں۔

(شرح المواقف، جرجانی۔ جز ۸ باب ۵ مرصد ۴ فی الصفات الوجودیہ)

قوشچی نے شرح تجرید میں اس کی پیروی کی اور اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی معلوم ہوا کہ زمانہ اپنی تمام چیزوں کے ساتھ ازل میں معدوم ہونے کے باوجود اللہ عز وجل کے نزدیک حاضر ہے ازل و ابد اس کے سامنے اور اس کی رویت میں ہے کوئی ذرہ اس سے دور اور جدا نہیں اس بنا پر کہ رویت کی صحت وجود بالفعل ہے، وجود کی خصوصیت فی الحال نہیں ہے جیسا کہ اسے حدیقہ ندیہ میں اختیار کیا گیا اور عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ ”تمام زمانے اللہ عز وجل کے پاس حاضر ہیں“۔

اس کے صفات افعال بھی قدیم ہیں

ایجاد قدیم ہے اس لئے کہ مکونات حادث ہیں اور تکوین ہمارے نزدیک قدیم ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق ہے اور رزق دینے سے پہلے بھی رازق ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ صفات فعلیہ یعنی تخلیق، ترزیق، انشاء، ابداع اور صنع وغیرہ ازلی ہیں، اس کے اسماء اور صفات ازلی ہیں اس کا کوئی اسم و صفت حادث نہیں۔ وہ اپنے علم سے ازلی طور پر عالم ہے اور علم ازلی صفت ہے، وہ اپنی قدرت سے ازلی طور پر قادر ہے اور قدرت ازلی صفت ہے، وہ

ازل میں اپنے کلام سے متکلم ہے اور کلام ازلی صفت ہے، وہ ازل میں اپنی تخلیق سے خالق ہے اور تخلیق ازلی صفت ہے، اور اپنے فعل سے ازلی فاعل ہے اور فعل ازلی صفت ہے، مفعول مخلوق ہے اور اللہ عزوجل کا فعل مخلوق نہیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں متکلم تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں تھا وہ ازل میں خالق تھا اور مخلوق نہیں تھی۔

(نقد اکبر، امام اعظم ابوحنیفہ)

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدے کے بیان میں فرماتے ہیں کہ یہ بات نہیں ہے کہ جب سے مخلوق بنی تب اسم خالق مستفاد ہوا اور یہ بھی نہیں کہ مخلوق کے حادث ہونے سے اسم باری تعالیٰ مستفاد ہوا۔ اس کے لئے ربوبیت کا معنی تھا اور مربوب نہیں تھا اور خالقیت کا معنی تھا مخلوق نہیں تھی۔

(امام ابو جعفر طحاوی، فی عقیدہ مع شرح الحلق الباری)

عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا فعل حادث نہیں بلکہ اس کا مفعول حادث ہے“

معیت قدیم ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمانہ سے بلند و بالا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس حادث کا زمانہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ازل میں حدوث کے سبب سے نہیں تھا پھر جب زمانہ حادث ہوا تو اس کے ساتھ موجود ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمان میں تھا نہ ہوگا جس طرح وہ مکان میں تھا نہ ہوگا۔ مگر معیت علیہ اسے ازل ہی سے حاصل ہے یہ بات اسی بیان مذکور و موصوف کے طریقے پر ہے۔ اور عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ ”اللہ عزوجل پر زمانہ نہیں گزرتا ہے۔“

لہذا ثابت ہوا کہ ہر حادث فی نفسہ حادث ہوتا ہے اور مخلوق اول کے سوا جو حادث ہے وہ دوسرے حادث کے پاس ہے اس لئے کہ جو نہیں تھا اس کے حدوث سے شئی متجدد ہوگی۔ وہ شئی معیت زمانہ کے مثل باتو علم ہے یا حال۔ اور معنی مذکور کے

اعتبار سے باری تعالیٰ کے پاس کوئی چیز حادث نہیں۔ لہذا پورا عالم اسی کے پاس ہے
یعنی اسی کے حکم میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران۔ ۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عالم حادث ہے اور کوئی شئی اس کے یہاں حادث نہیں
یعنی اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے حادث نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شئی
اپنے حدوث کے سبب سے متحدہ نہیں ہوتی، جیسا کہ ماسبق میں توفیق الہی سے میں
نے بیان کیا۔ عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ عرش و کرسی دونوں کا قدیم
ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف دونوں کی ایجاد کی نسبت کرتے ہوئے ہے۔

یہ سوال پھر بھی مانتی رہے گا کہ اس میں عرش و کرسی کی کیا تخصیص بلکہ ہر شئی اسی
طرح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں

اول: یہ قول موجب کے اعتبار سے ہے تو عرش و کرسی دونوں سے وہ مراد ہیں جو
عالم کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے احاطہ میں پورا عالم ہے۔ عارف نابلسی کے قول کا یہی
مطلب ہے کہ وہی پورے عالم کا مجموعہ ہے۔

قدم زمان کے قائلین کو جس نے گمراہ کیا اس کا انکشاف

فلسفی: حدوث کا اعتبار لوگوں نے زمانے کے اعتبار سے کیا ہے اس لئے کہ
لوگ زمانہ کے دائرہ سے خارج و باہر نہیں ہیں تو وہ عدم زمان سمجھتی نہیں سکتے وہ صرف
زمانے کا وجود ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے کہ زمانہ حادث ہوا
بعد اس کے کہ وہ نہیں تھا اور اس بعدیت میں قبل و بعد جمع نہیں ہوں گے۔ اور یہ تو
صرف بعدیت زمانہ ہے تو زمانہ سے پہلے زمانہ ہونے کا وہم ہوگا، اسی بات سے سلفیاء
فلاسفہ گمراہ و بددین ہوئے، انہوں نے کہا کہ زمانہ قدیم ہے اسے قدم حرکت لازم ہے

marfat.com

جو حرکت کی مقدار ہے اور اس سے متحرک کا قدیم ہونا لازم ہے متحرک فلک اعلیٰ ہے اور اس سے ان سب کا قدیم ہونا لازم ہے جو افلاک و عناصر کے جوف و درمیان میں ہیں کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک خلاء محال و ناممکن ہے۔ یہ صرف وہم و خیال کی اچھ ہے فلاسفہ کا اس سے نکلنا مشکل ہے۔ جس طرح بعد کے تصور سے وہم کبھی ختم نہیں ہوگا جو فلک اعلیٰ کے محدب (دیکھنے میں آسمان جھکا ہوا محسوس ہوتا ہے اسی کیفیت کو محدب کہتے ہیں) سے خارج و باہر ہوا اس لئے کہ وہ جسم متناہی ہے اور متناہی انقطاع ہی سے ہوتا ہے اور وہم کسی چیز کے انقطاع کا تصور نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کا ماوراء اس سے خالی ہو، اگر خالی نہ ہو تو جسم منقطع نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا لہذا منقطع ابعاد کا ماوراء بعد کے تصور سے بالکل جدا و دور نہ ہوگا۔ عقل کہتی ہے کہ یہ اجتماع نقیضین ہے لیکن وہم کسی چیز کے انقطاع سے مانوس و آگاہ نہیں ہے مگر جبکہ اس کا ماوراء خالی ہو، انتہائے ابعاد کے بعد تصور بعد کے بغیر وہم راضی نہیں۔

اسی طرح جب سوال کیا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوسرا آسمان بنانے پر قادر ہے؟ تو اثبات میں جواب دیئے بغیر خصوصاً مسلمان کو کوئی چارہ نہیں۔ لہذا اس کے اوپر ایک فضا کے تصور سے کچھ مانع اور حائل نہیں جس میں دوسرے آسمان کی تخلیق ہو جائے اگرچہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ابعاد ختمی ہیں اس کے ماوراء میں کوئی بعد بالکل ثابت نہیں۔

اقول، ہم اس شئی کا بیان کریں جس میں فلاسفہ ہم سے متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حوادث کے وجود پر مقدم ہے تقدم ذاتی پر بدیہی طور پر ایک زائد چیز ہے کیونکہ وہ ہر قدیم و حادث کو حاصل ہے اور یہ حادث کے ساتھ خالص ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور زید نہیں تھا۔ اور ہمارا یہ کہنا درست و صحیح نہیں کہ اللہ عز و جل تھا اور اس کا علم نہیں تھا۔ یا فلاسفہ کے طریقے پر یہ کہو کہ زید کا وجود باری تعالیٰ کے وجود کے بعد ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک یہ کہنا درست نہیں کہ عقل اول کا وجود، وجود باری تعالیٰ کے وجود کے بعد ہے ورنہ علت تامہ سے معلول کا بعد میں ہونا لازم آئے گا، وہم کے لئے

اس تقدم کا تصور ممکن نہیں مگر یہ کہ ایک غیر متناہی مدت فرض کی جائے جس میں اللہ کا وجود حوادث کے وجود سے پہلے ہو، ہمارے اجماع و اتفاق سے یہ عین زمانہ ہے۔ بعض فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ زمانہ سے بلند و بالا ہے اور اس کا زمانے میں ہونا محال ہے۔ وہم جب زمان اصل کا عدم تصور کرے تو وہ اس پر قادر نہ ہوگا مگر یہ کہ ایک ایسا زمانہ تصور کرے جس میں عدم زمان کا وجود ہو پھر اس کے بعد زمانہ پیدا ہو تو زمانہ سے پہلے زمانہ کا ہونا لالہ آئے گا اور یہ نہیں ہے مگر مقام وہم کی تنگی، اور یہ زمانہ کے دائرہ سے نکل نہ سکنے کی دلیل ہے اس کا یقین کرو یہی خالص حق و راستی ہے۔ واللہ الحمد۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو عرش و کرسی کی تخلیق زمانہ پیدا ہونے سے پہلے ہوگی کیونکہ زمانہ آسمان نہم کی حرکت کی مقدار کا نام ہے نہم آسمان کو فلک اطلس کہتے ہیں فلک اطلس کے اوپر کرسی اور کرسی کے اوپر عرش ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ اوپر کا فلک (اطلس) ہی عرش ہے جیسا کہ فلاسفہ سمجھتے ہیں اور خواہر نصوص سے اس کا رد ثابت ہے، تو اس کے اول حدوث ہونے میں کوئی شک و ریب نہیں جو غیر متحرک ہے کیونکہ حرکت یہ ہے کہ دوسرے کون میں ہو، دوسرے مکان میں ہو، یا دوسری وضع پر ہو، لہذا عرش و کرسی کے وجود کی ابتدا میں کوئی حرکت اور کوئی زمانہ نہ تھا اسی وجہ سے ان دونوں کو تمام افلاک میں خصوصیت حاصل ہوئی اس لئے دونوں کا وجود زمانہ کے وجود سے پہلے ہے جس کے حساب سے حدوث معتبر ہے، عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ ”زمانہ کا وجود تمام افلاک کو دیکھتے ہوئے ہے عرش و کرسی کے اعتبار سے نہیں، عارف نابلسی کے کلام کی یہی تحقیق ہے۔ واللہ الحمد“

سنی کی طرف منسوب گمراہ کلمہ کے بارے میں عمل

اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ٹنسی اس کے کلام کی تاویل مراد لیتے ہیں جس سے انہوں نے اپنے حاشیہ میں نقل کیا۔ ارباب مکاشفہ میں سے جس نے امر مذکور کا قول کیا (یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان سے یہ بات ثابت ہو جائے) اس کی تاویل میں

انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے ”ان کی مراد“ یہ نہیں کہا کہ ”محشی کی مراد“۔ اور ایسی توجیہ کی کلام میں جس کا احتمال نہیں کہ عرش و کرسی سے مراد پورا عالم ہے یا زمانہ ہے پہلے حدوث مراد ہے لہذا محشی کے لئے تاویل مفید و نفع بخش نہیں۔

یہ کیونکر ہے یہ تو شرح مقاصد کے کلام کا معارض و منافی ہے اور یہ یقین و جزم سے معلوم ہے کہ ان کا کلام اس حدوث سے متعلق ہے جو معنی اول کے اعتبار سے حدوث ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے عالم کی کسی شئی کے حدوث کا انکار کفر اور تکذیب ہے جیسا کہ خود عارف نابلسی نے دوسرے مقام پر اس کی صراحت و وضاحت کی ہے۔ اس بات میں محشی کا کوئی عذر ملتا معلوم نہیں ہوتا ہاں یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض وہ لوگ جنہیں خدا کا خوف نہیں انہوں نے ان کے کلام میں مکر و سازش کر دی اور اپنی طرف سے موہوم بات کا اضافہ کر دیا، جیسا کہ ایسے نا خدا ترس لوگوں نے بہت سارے بندگان خدا کے ساتھ ایسا کیا۔ سیدی عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجوہر میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اور میری کتاب ”البحر المورّد“ میں بھی سازش و دسیسہ کاری کی گئی ہے۔

(الیواقیت والجوہر فصل ۱، بیان شیخ محی الدیل)

لہذا وہی تحریف شدہ نسخہ سیدی نابلسی کے ہاتھ لگا، وہی یا اس کا دوسرا نسخہ مطبع والوں کے ہاتھ لگا اور وہی محرف بات رائج و مشہور ہو گئی جیسا کہ فتوحات مکیہ وغیرہ میں تحریف و تبدیل واقع ہوئی ہے۔ حفظ و امان صرف اللہ کے یہاں ہے۔

تحریف و ترمیم کی سازش سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تمام کتابوں سے حفظ و امان اٹھ جائے جو قرأت متصلہ سے مروی نہیں، اس کی طرف رجوع صرف اس لئے کیا گیا تاکہ علماء کرام میں سے چند لوگوں سے بڑا مفسدہ زائل و دور کیا جائے۔ یہ تو اس باب سے ہے کہ جو دو بلاؤں میں گرفتار ہو وہ ان کا آسان تر اختیار کرے، بلکہ یہ تو اس باب سے ہے جس میں یقین و اعتماد کی حاجت ہے کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس

کا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ علم و فضل بھی مشہور ہے اور اس کی کوئی بدعت و بدعتی عقیدگی معلوم نہ ہوئی نہ اس پر منکرات و گمراہی کا التزام لگا۔ اور اس بات میں ہمارے لئے قریب قریب کوئی سند متصل نہیں اور نہ اس بات کا ان کے زمانے میں مشہور ہونا معلوم ہوا کہ ان پر مواخذہ و گرفت کی جائے اور وہ جواب کا قصد و ارادہ کرے یا سکوت اختیار کرے تاکہ ہم ان سے اس بات کی حجت پر استدلال کر سکیں۔ اور اس میں واسطہ در واسطہ ایک غیر معلوم شخص کی نقل بھی کافی نہیں اور نہ طبع کا مشہور ہو جانا بے نیاز کرے گا کیونکہ اس کی نسبت ایک مجہول و نامعلوم شخص کی طرف ہے اور اس کے اوپر جو واسطے ہیں وہ مجہول ہیں۔ ہاں حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اس نقل پر وثوق و اعتماد کیا جائے تو یہاں اتنا ہی کافی ہے جہاں حسن ظن پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

لیکن اس سے پہلے جس بات سے تکفیر کی گئی وہاں کفر کا سبب موجود تھا کیونکہ ظن حق سے کسی شئی کو بے نیاز نہیں کرتا اور حسن ظن تو نقل مجہول میں ثابت ہوگا کفر کی صریح و واضح بات میں نہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب آفات اللسان میں صراحت کی ہے کہ بغیر ثبوت و تحقیق کے کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن کجیم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ابولولو نے عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر و تسلسل سے ثابت ہے۔ اسے پہچانو اور اس پر گامزن رہو۔ والحمد لله رب العلمین۔ (احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان)

ایملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں منقول ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ابن کجیم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ابولولو نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت نہیں ہے۔

یہ تحریف شدید ہے شرح کے بعض ناقل سے ایسا واقعہ ہوا یا احیاء العلوم کے نسخہ میں ایسا ہوا اور وہی نسخہ ملا علی قاری کو ملایا شروع میں تو درست نقل کیا پھر بعد میں سہو ہوا۔ منہ۔

(مخ الروض الاضھر شرح الفقہ الاکبر۔ الکبیر لا یخرج المؤمن من الایمان)

فصل

حضور علیہ السلام کے عموم علم میں نقض کرنے والوں کا رد

اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے نصوص کا عموم ثابت کر دیا اور خصوص کے رد و ابطال سے فارغ ہو گئے اب ہم ان شبہات پر کلام کرنا چاہتے ہیں جن سے رسالہ مذکورہ نے عموم کے کمزور و ضعیف ہونے پر جلد ہجوم کرنے کے لئے استدلال کیا ہے۔ اگر تم ہماری کتاب پر غور کرو تو ظلمات و تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور آفتاب ہدایت سے بادل ہٹ جائیں گے۔ یہ شبہات اس لئے لاحق ہوئے کہ رسالہ نے ابتدا اور نقل میں ابن قیم سے استشہاد و استدلال کیا جو اپنے دین و مذہب میں چودہ چیزوں سے متہم و معتبوب ہے اس رسالہ کی سعی و کوشش کی یہی انتہا ہے اس کا نصف حصہ ابن قیم سے منقول ہے۔

ابن قیم کی طرف چودہ باتیں جو منسوب ہیں جن سے وہ متہم ہوا ہے یہ ہیں:

۱۔ حالانکہ اسی (رسالہ کے ص ۴ پر) قیامت کے بارے میں جو نصوص ہیں ابن قیم نے انہیں زوردار انداز میں بیان کیا ہے۔

۲۔ ابن قیم سے (ص ۲۸ پر) اس آیت کریمہ کے بارے میں ہے

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوَاعَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ (التوبہ ۱۰۱)

(ترجمہ) اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق۔ تم انہیں نہیں جانتے۔

(کنز الایمان)

ابن قیم نے کہا کہ یہ سورہ برأت کی آیت ہے اور یہ نزول میں سب سے آخری آیت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور منافقین، مدینہ میں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔

یعنی کہنا چاہتا ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخر عمر شریف کے قریب اپنے قریبی پڑوسی کو نہیں جانا تو دوسرے کا حال حضور کو کیا معلوم ہوگا؟

۳۔ ابن قیم سے (ص ۲۹ پر) اس آیت کے بارے میں ہے

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (الانعام، ۵۰)

(ترجمہ) تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ

کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔ (کنز الایمان)

۴۔ ابن قیم کا قول (ص ۲۹ پر) اس آیت سے متعلق ہے

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (الاعراف، ۱۸۸)

(ترجمہ) اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع

کر لی۔ (کنز الایمان)

۵۔ (ص ۲۹ پر) حدیث اکف کے بارے میں ابن قیم سے نقل کیا

۶۔ ابن قیم سے، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار گم ہونے کی

حدیث کے بارے میں نقل کیا کہ جب اسے تلاش کرنے کے لئے بھیجا تو اونٹوں کو دوڑا دیا۔

۷۔ ابن قیم سے (ص ۲۹ پر) تلقیح تمر یعنی نر اور مادہ کھجور کے شگوفہ ملانے کی

حدیث کے بارے میں نقل کیا۔

۸۔ (ص ۱۹ پر) حدیث شفاعت میں ہے، میں اپنے رب کی وہ حمد و ثنا کروں گا

جو اس نے مجھے سکھائی۔

۹۔ (ص ۱۸ پر) وفات اقدس سے پہلے جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

۱۰۔ (ص ۲۲ پر) بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو لڑکیاں گاری تھیں اور کہہ رہی تھیں ”فینا نبی یعلم ما فی غد“ ہم میں وہ نبی تشریف فرما ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ رہنے دو اسے نہ کہو، کہ کل کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں درود و سلام پہنچنے اور حضور پر امت کے اعمال پیش ہونے کی احادیث۔

رسالہ مذکورہ نے ان میں سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو نقل کیا کہ اللہ کے کچھ فرشتے میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

اور بکر بن عبد اللہ مزنی کی حدیث مرسل میں ہے ”جب میں وفات پاؤں تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔“ اور باقی حدیثوں کے لئے شفاء السقام کا حوالہ دے دیا۔

رسالہ نے (ص ۱۶ پر) کہا یہ احادیث ناقلین ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے درود و سلام پر جو قبر شریف سے دور ہیں مطلع نہیں ہیں اور نہ اپنی امت کے اعمال پر آگاہ ہیں ہاں فرشتوں کے پہنچانے کے بعد مطلع ہوتے ہیں۔

۱۲۔ (ص ۲۵ پر) ابن جریر سے روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کی کنجیوں کے سوا ہر چیز دی گئی ہے۔

۱۳۔ (ص ۲۵ پر) امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم سے اولین و آخرین کے علوم کی کیا نسبت و تعلق ہے اللہ کا علم تو سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ حد و نہایت سے خارج و باہر ہے یہاں تک کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ

اس کے علم سے جدا و دور نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو خطاب کیا اور فرمایا

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

(الاسراء، ۸۵)

(کنز الایمان)

اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

بلکہ اگر زمین و آسمان والے اس بات پر جمع ہوں کہ ایک چیونٹی اور مچھر جیسی مخلوق کی تفصیل میں اس کے علم و حکمت کا احاطہ کریں تو اس کے عشر عشر (دسواں حصہ) پر مطلع و آگاہ نہیں ہو سکتے۔

۱۴۔ ائمہ کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ قرآن کریم میں وہ علوم ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان میں سے تشابہات کو شمار کیا گیا ہے۔

اقول، جو میری کتاب کے پانچ طرف پر بھی یقین و اعتماد رکھے تو اس پر ان شکوک و شبہات کا رد کرنا آسان و سہل ہو جائے گا اگرچہ یہ شبہات اور کئی گنا ہوں۔

اول: اثبات نفی کے نصوص و دلائل کے درمیان جو توفیق و تطبیق ہم نے بیان کی وہ تمام آیات اور نمبر ۱۰ کے جواب کو کافی ہے۔

ثانی: ہمارے مقصود و مدعا کی تحریر یہ ہے کہ ذات و صفات کے علوم کا احاطہ اور بعض وہ شئی جو بالفعل غیر متناہی ہیں وہ مخلوق کے لئے نہیں بلکہ اللہ عز و جل کے ساتھ خاص ہیں۔ بیشک قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم روز اول سے لے کر روز آخرت کے تمام ماکان و مایکون کو محیط ہے اور اس پر مزید اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے علوم کا اضافہ فرمایا۔ دنیا تو روز اول سے روز آخرت تک کو کہتے ہیں اور آخرت وہ ہے جس کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا وہ جانتا ہے جسے اللہ و رسول محبوب و مقرب رکھتے ہیں، بل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ بات تمہیں نمبر ۸ اور نمبر ۱۳ کے جواب کے لئے کافی و کافی ہے۔

ثالث: یہ بات عنقریب کتاب میں آئے گی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم نزول قرآن مکمل ہونے کے وقت جامع اور مکمل ہوئے۔ یہ تمہیں پہلے

سات اور نمبر ۹ اور ۱۰ کے جواب کو کافی ہے۔

دابع: احتمالی شئی سے صریح کار و کرنا مردود و باطل ہے، یہ اکثر بات کے جواب کو کافی ہے خاص طور سے نمبر ۳، ۴، ۱۰، ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ کے جواب کو کفایت کرے گا اور نمبر ۲ اور نمبر ۸ کے علاوہ ہر ایک کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو۔

خاص: قرآن کریم کے نصوص، احادیث احاد کے معارض نہیں ہیں، آیات کے علاوہ ہر ایک کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے۔

ابن قیم اور اس کے تبعین نے میری کتاب کو نہیں سنا تو وہ اپنے فہم و فراست کی کمی اور اس پر متنبہ و آگاہ نہ ہونے کے سبب سے معذور ہیں۔ لیکن رسالہ مذکورہ کے لئے کوئی عذر نہیں ہے لہذا جو انصاف پسند ہے اسے اتنا ہی کافی ہے اور دوسرے اور چودھویں شبہ کا تشفی بخش رد گزر چکا، پہلے شبہ کے بارے میں قول فیصل آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور میں مزید بعض باقی کو واضح و روشن کرنا چاہتا ہوں تاکہ آفتابِ نمروز سے زیادہ ظاہر و آشکارا ہو جائے۔ وبالله التوفیق۔

آیت مبارکہ ”لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ“

اور تین جواب

مناقول: (۱) ابن قیم کے لئے ایک بار اور رسالہ مذکورہ کے لئے تین بار تعجب و افسوس ہے کہ دونوں نے منافقین کے بارے میں اس آیت کو یاد کر لیا

”لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ“

(التوبہ، ۱۰۱)

(کنز الایمان)

تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

اور وہ دونوں اس آیت مبارکہ کو بھول گئے

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ
مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
يَجْتَنِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمُّنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَ
تَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ

(آل عمران، ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے
گنہگاروں کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے
ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر
او اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔ (کنز الایمان)

ابن منذرو ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی انہوں
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کے بعد منافقین کا حال
بتا دیا پھر حضور نے منافقین میں سے ہر شخص کا نام لے کر بلایا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ محمد حدیث ۱۸۵۹۰)

marfat.com

ابن جریر وابن ابی حاتم اور طبرانی اوسط میں اور ابوالشیخ وابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمانے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کہ تو منافق ہے پھر انہیں نام بنام آواز دے کر نکال دیا گیا۔

(جامع البیان طبری۔ سورہ توبہ آیت ومن حولکم الا یہ)

ابن مردویہ ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم اس سے پہلے ایسے پر شکوہ خطبہ میں کبھی حاضر نہ ہوئے، حضور نے فرمایا کہ اے لوگو بیشک تم میں کچھ لوگ منافق ہیں تو میں جس کا نام لوں وہ فوراً کھڑا ہو جائے، اے فلاں کھڑا ہو جا، اے فلاں کھڑا ہو، یہاں تک کہ کئے بعد دیگرے ۳۶ لوگ کھڑے ہوئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے، بیشک تم میں سے، بیشک تم میں سے، لہذا تم اللہ سے راحت و عافیت کا سوال کرو۔ (درمنثور، سیوطی۔ سورہ توبہ)

اللہم انا نتوسل الیک بسجاء حبیبک هذا المرتجی لکل ہول، ونسأ لک العفو والعافیة فی الدین والدنیا والاخرة وصل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین یا ارحم الرحمین۔

آیت مبارکہ

ولو نشاء لا رینا کھم فلعر فتھم
بسیمھم، کے تحت امام بغوی کی تعلیقات
اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھا دیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو۔

(کنز الایمان)

امام بغوی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منافقین کا کوئی حال مخفی و پوشیدہ نہ تھا حضور انہیں ان کی صورتوں سے پہچانتے تھے۔ (معالم التنزیل بغوی، سورہ توبہ)
اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رازدار اور اسرار کی عظیم ذمیل ہیں وہ منافقین کے ایک ایک شخص کو ان کی صورت و میرت سے بخوبی پہچانتے تھے۔

ابن عساکر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا میرے قریب سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے حذیفہ! بیشک خداں (منافق) تو مر گیا، تم اس پر گواہ ہو جاؤ۔ پھر عمر فاروق مسجد کے اندر گئے یہاں تک کہ جب مسجد سے نکلنے لگے میری طرف توجہ فرمائی اور مجھے بیٹھا دیکھا، انہیں معلوم ہو گیا اور میری طرف تشریف لائے اور فرمایا اے حذیفہ! میں تم سے اللہ کے واسطے سے پوچھتا ہوں کیا میں انہیں لوگوں میں سے ہوں، میں نے عرض کیا اللہ کا شکر ہے کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں اور آپ کے بعد میں کسی کی برأت بیان نہیں کروں گا۔ حذیفہ کہتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا کہ عمر خود میرے،

پاس آئے۔ (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر۔ محمد بن مکرم ترجمہ حذیفہ بن یمان رقم ۱۵۰)

رستہ کتاب الایمان میں حمید بن ہلال سے راوی عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے پاس آئے جس کی نماز جنازہ ہو رہی تھی حضرت عمر نے اس پر نماز پڑھنے کے لئے وضو کے واسطے پانی منگایا وہاں پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے حذیفہ نے بہت زور سے حضرت عمر کی چٹکی لی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے بارے میں بغیر بتائے ہی سمجھ گئے اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ پھر عمر نے فرمایا اے حذیفہ! کیا میں انہیں میں سے ہوں؟ حذیفہ نے عرض کیا کہ نہیں آپ ان میں سے نہیں ہیں، عمر نے فرمایا کیا میرے عمال و امراء میں سے کوئی ان میں سے ہے؟ حذیفہ نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔ گویا کہ حذیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس شخص کے بارے میں بتایا یہاں تک کہ تفصیل بتائے بغیر ہی وہاں سے انہوں نے عمر کو کھینچ لیا۔ اور جنازہ پر نماز پڑھنے کی مہلت نہیں دی۔

(کنز العمال، ترجمہ حذیفہ۔ حدیث ۳۶۹۶۱)

نیز رستہ کتاب الایمان میں زید بن وہب سے راوی، ایک منافق کی موت ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر نماز نہیں پڑھی، حذیفہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کیا یہ انہیں لوگوں میں سے ہے کہا ہاں، حضرت عمر نے حذیفہ سے فرمایا میں اللہ کے واسطے سے تمہیں پوچھتا ہوں کیا میں انہیں میں سے ہوں؟ حذیفہ نے کہا نہیں آپ ان میں سے نہیں ہیں اور آپ کے بعد میں یہ بات ہرگز کسی سے نہیں کہوں گا۔

(کنز العمال، ترجمہ حذیفہ۔ حدیث ۳۶۹۶۲)

فرمان اقدس

سلونی فوالله لا تسألونی عن شئی
الاخبر تکم به مادمتم فی مقامی هذا
مجھ سے پوچھو تم خدا کی میں جب تک اس جگہ ہوں تم جس چیز کے
بارے میں مجھ سے پوچھو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔

ابن جریر سدی سے مختصر متفرق مقامات سے راوی اور بخوی نے تعلیقاً پوری حدیث کو طوالت کے ساتھ روایت کیا سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت ان صورتوں میں پیش کی گئی جو آب و گل میں تھیں جس طرح انہیں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا گیا مجھے معلوم ہو گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، یہ بات جب منافقین کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ازراہ مذاق و استہزاء کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ وہ مومن و کافر کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی جانتے ہیں۔ اور ہم تو ان کے ساتھ ہیں مگر وہ ہمیں نہیں پہچانتے، یہ خبر جب حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی حضور منبر اقدس پر جلوہ فرما ہوئے اور حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ میرے علم پر طعن کرتے ہیں ابھی سے قیامت تک کی جس شئی کے بارے میں تم مجھ سے پوچھو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا، یہ سن کر عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حضور کا یہ جلال و غضب دیکھ کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم اللہ سے راضی ہیں کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہم اسلام سے

راضی ہیں کہ وہ ہمارا دین ہے اور ہم قرآن سے خوش ہیں کہ وہ ہمارا امام ہے اور ہم نے آپ کو یا رسول اللہ برضا و رغبت اللہ کا نبی مان لیا ہے آپ ہمیں معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات و مراتب بلند و بالا فرمائے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اب باز رہو گے؟ اس کے بعد حضور منبر انور سے نیچے تشریف لائے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران، ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو۔ (کنز الایمان)

(معالم التنزیل بغوی، سورہ آل عمران)

اور اصل حدیث صحیحین و ترمذی اور نسائی میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر کے وقت تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد منبر اقدس پر جلوہ فرما ہوئے قیامت اور قرب قیامت کے بڑے بڑے امور کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جو کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ پوچھ لے قسم خدا کی جب تک میں اس جگہ تشریف فرما ہوں مجھ سے جو پوچھو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ (بخاری کتاب الاعتصام باب ما یجرہ من کثرة السؤال)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ مجھ سے جو پوچھو گے وہ میں بیان کر دوں گا۔

(مسلم کتاب الفعائل باب تو قیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ابن جریر کی روایت میں ہے آج مجھ سے جو پوچھو گے میں وہ سب بیان

فرمادوں گا۔

ابن جریر کی دوسری روایت میں مجاہد سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا مجھ سے سوال کرو، جو آدمی مجھ سے اس مجلس میں جس چیز کے بارے میں

پوچھے گا میں اسے بتا دوں گا اگرچہ وہ اپنے باپ سے متعلق پوچھے میں وہ بھی بتا دوں گا۔

(ابن جریر، جامع البیان۔ المائدة آیت لا تسئلوا عن اشیاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ بکثرت گریہ وزاری کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا دوزخ میں، پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ حذافہ ہیں۔

(بخاری کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرة السؤال۔ مسلم کتاب الفضائل)
بخاری نے ابوسوی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ سالم مولیٰ شبیبہ ہیں۔
(بخاری حوالہ مذکور)

ابن جریر کے یہاں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میرے باپ کہاں ہیں؟ فرمایا دوزخ میں۔

(جامع البیان طبری، المائدة آیت لا تسئلوا عن اشیاء)
حدیث انس کا بقیہ حصہ یہ ہے کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار بکثرت فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو، یہ شان جلال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ہم اللہ سے راضی ہیں اسے رب مان کر اور ہم اسلام سے راضی ہیں اسے دین سمجھ کر اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم نے برضا و رغبت رسول مان لیا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کی تب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوئے، سکوت اختیار فرمایا۔

(بخاری، کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرة السؤال)

مرسل سدی میں متغرق طور پر ابن جریر کے حوالے سے ہے کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے حضور کے پائے اقدس کو بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ سے راضی ہیں وہ ہمارا رب ہے اور آپ سے خوش ہیں آپ ہمارے نبی ہیں اور اسلام ہمیں محبوب و پسند ہے وہ ہمارا دین ہے اور قرآن عظیم سے ہمیں رغبت

ہے وہ ہمارا امام و پیشوا ہے آپ ہماری خطائیں معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج و مراتب بلند و بالا فرمائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار بتکرار یہی عرض کرتے رہے یہاں تک کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی و خوش ہو گئے۔

(جامع البیان طبری۔ المائدة آیت لا تسئلوا عن اشیاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے قبضہ تصرف میں میری جان ہے ابھی جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو اس دیوار کے ایک گوشے میں مجھ پر جنت و دوزخ کو پیش کیا گیا تو میں نے آج کے مثل اچھا اور برا منظر کبھی نہیں دیکھا یعنی جنت کا منظر اچھا اور عمدہ تھا، دوزخ کا منظر برا اور قبیح۔ (بخاری کتاب الاعتصام۔ مسلم کتاب الفضائل)

حافظ ابن حجر فتح میں ان سوالات کے بیان میں فرماتے ہیں جو لوگوں نے پوچھے، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب و جلال میں آ گئے اور فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو، قسم خدا کی مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔

● ان سوالات سے اس کا سوال بھی معلوم ہوا جس نے کہا تھا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟

● اور جس نے بحیرہ اور سائبہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ (بحیرہ اور سائبہ ان جانوروں کا نام جنہیں مشرکین بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے)

● اور جس نے وقت قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا۔

● اور جس نے حج کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا حج برسال واجب ہے؟

● اور جس نے کوہ صفا کو سونے میں تبدیل کر دینے کا سوال کیا تھا؟

(فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا ہے کہ حضور سید کونین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان (مجھ سے پوچھو) اس بات پر محمول ہے کہ حضور پر وحی ہوئی اور حکم الہی نازل ہوا اور نہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر غیب کی ہر بات اور ہر سوال کا جواب حضور نہیں جانتے ہیں۔ (شرح مسلم نووی، کتاب الفضائل)

قلت، قسم خدا کی اگر اس وقت حقیقت روح کے بارے میں صحابہ کرام سوال کرتے تو حضور انہیں ضرور بتا دیتے، یا حروف مقطعات کے معانی و مطالب کے بارے میں پوچھا جاتا تو انہیں تعلیم فرما دیتے، یا وقت قیامت سے متعلق سوال ہوتا تو ضرور خبردار و آگاہ فرما دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان سوالات اور ان باتوں سے پھیر دیا اور وہ ان باتوں میں لگ گئے کہ میں کہاں ہوں، میرے باپ کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ اور میرے باپ کون ہیں؟ حالانکہ اس سے پہلے وہ لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے اور اس کے بعد بھی پوچھا لیکن اس جگہ ان کے دلوں میں قیامت کے بارے میں پوچھنے کا کوئی خیال و وسوسہ نہ ہوا۔ یہ تو اللہ عز وجل کی طرف سے پھیر دینا معلوم ہو رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دے جو ہونے والا ہے اور وہ جان لیں کہ سارا کاسارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے علاوہ ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں اور اللہ کی مشیت و ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمارے مخالفین کو اس ارشاد اقدس کے پیش نظر احتراز و اجتناب کرنا چاہئے جو حدیث میں گزرا کہ آقائے کائنات نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں لہذا ان سے اجتناب کرو جن کے قول منافقین کے قول کے مشابہ و مماثل ہیں۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

اور وہ بھی احتراز کریں جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز پیدائش ہی سے ہر چیز کو جانتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اس بات پر آیت کریمہ (لا تعلمہم نحن نعلمہم) سے استدلال کیا کہ حضور پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہوگا جس میں حضور منافقین کو نہیں جانتے تھے۔ نسأل اللہ السلامة۔

آیت مبارکہ

لا اعلم الغیب، اور پانچ جواب

۲۔ آیت کریمہ، قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ

(الانعام، ۵۰)

(تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔ کنز الایمان) میں علماء کرام کے چند مسلک ہیں۔ ان مسالک نے رسالہ مذکورہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ ان میں سے ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر بالذات علم غیب کی نفی ہے۔ علامہ نیشاپوری (رسالہ مذکورہ نے ان کی طرف بار بار انتساب کیا اور انہیں امام کے لقب سے متصف کیا ہے) فرماتے ہیں

اس بات کا احتمال ہے کہ جملہ ”لا اعلم الغیب“ کا عطف ”لا اقول“ پر ہو یعنی آپ فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا ہوں، اس میں یہ دلالت ہوگی کہ مستقلاً غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اللہ کے خزانوں کا حضور کے پاس ہونا اور حضور کا فرشتہ ہونا، تو ہو سکتا ہے کہ یہ مقامات حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوں مگر ان کا اظہار فرمایا نہ گیا۔ (غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورہ انعام آیت قل لا اقول لکم) اسی سے علم کی دو قسمیں نکلتی ہیں۔ ذاتی و عطائی

جسے رسالہ مذکورہ نے فلسفیانہ باریکی قرار دیا ہے۔ علماء شرع اور عقل سلیم رکھنے والوں نے شروع سے آخر تک اسے غیر معتبر سمجھا ہے۔ اور بیضاوی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ جب تک مجھ پر وحی اور دلیل قائم نہ ہو میں غیب نہیں جانتا۔

(انوار التنزیل، بیضاوی۔ سورہ انعام)

marfat.com

شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ غیب عام ہے عدم وحی اور غیب دلیل کی مدت سے مقید ہے۔
(عتابہ القاضی۔ سورہ انعام)

لباب التاویل میں ہے، مطلب یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ جس پر اللہ نے مجھے اطلاع دی اور میرے لئے جسے مقدر فرمایا، میں اسے جانتا ہوں۔ فتوحات الہیہ میں بھی یہی ہے۔
(لباب التاویل۔ سورہ اعراف)

۳۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت میں تمام معلومات الہیہ کے احاطہ کی نفی ہے امام رازی آیات کریمہ اذ قلنا للملئکة اسجدوا، اور قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ، کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیات اس بات کے اعتراف و اقرار پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مقدرات پر قادر نہیں ہیں۔ اور آیت کریمہ ہولا اعلم الغیب، اس بات کے اعتراف پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام معلومات کے عالم نہیں ہیں۔ (تفسیر کبیر۔ سورہ بقرہ اذ قلنا للملئکة)

اور تفسیر نیشاپوری میں آیت مبارکہ، لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب، کے تحت میں ہے یعنی مجھے تمام مقدرات پر قدرت اور تمام معلومات پر علم کا دعویٰ نہیں ہے۔
(غرائب القرآن، سورہ بقرہ)

یہ علم کی دوسری تقسیم ہے جسے رسالہ نے بڑے زوردار انداز اور گھن گرج میں بیان کیا ہے۔

۴۔ ایک مسلک یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتانے سے پہلے کی ہے۔

”تحفۃ المرید شرح جوہرۃ التوحید“ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان تمام چیزوں سے مطلع و آگاہ فرمادیا جنہیں مبہم رکھا تھا مثلاً روح وغیرہ کے وہ علوم جو انسان کے لئے ممکن ہیں۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ تمام معلومات الہیہ پر اطلاع ہوئی ورنہ حادث و قدیم کے

درمیان مساوات و برابری لازم آئے گی۔ اور جو دلیل اس بات کے خلاف ہے جیسے لا اعلم الغیب وغیرہ، تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہ حضور کے لئے تمام چیزوں کے انکشاف سے پہلے کی بات ہے۔

اقول، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم بلکہ جملہ مومنین ابدالآباد تک ہمیشہ اللہ کی ذات و صفات کے علم میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ لہذا اس کی نشاۃ ثانیہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف حاصل ہوئے وہ حد و شمار سے خارج و باہر ہیں اور ان سب کا شمار نہیں کیا جا سکتا جو علوم انسان کے لئے ممکن ہیں۔ لہذا یہ کہنا درست و مناسب ہے کہ ماکان و مایکون میں روز اول سے روز آخر تک جو علوم حضور پر مبہم و پوشیدہ تھے وہ سب حضور کو حاصل ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں غیر متزلزل اور دائمی حق کی ہدایت عطا فرمائی اور ایسا قانون و ضابطہ دیا جو نہ ٹوٹے نہ اس میں خلل پڑے۔

۵۔ ایک مسلک یہ ہے کہ جو خازن نے ”لباب التاویل“ میں فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنی ذات اقدس سے ان چیزوں کی نفی میں اللہ عز وجل کے لئے تواضع و انکسار اور عبودیت کا اعتراف و اقرار ہے۔ اور یہ کہ لوگ حضور سے بڑی بڑی نشانیاں طلب نہ کریں اس لئے انکار کیا گیا۔

(لباب التاویل، علاء الدین علی بن محمد۔ سورہ انعام)
قلت، یعنی اس بات کا سد باب مقصود ہے جیسا کہ علامہ علی قاری کی مرقات کے باب ما یحل اكله، میں ہے مسلم شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم اسے بارگاہ رسالت میں لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ رب عز وجل سے دعا فرمادیں کہ یہ زندہ ہو جائے حضور نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو۔

اس حدیث سے معجزہ دکھانے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عاجزی و مجبوری

ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اس بات کا سد باب مقصود ہے کہ جب جب کسی کی موت ہو اسے بارگاہِ بیکس پناہ میں لے آئیں اور اسے زندہ کرنے کی گزارش کریں۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الصید والذبايح حدیث ۴۱۱۸)

۶۔ ایک مسلک یہ ہے اور وہ بہت ہی احسن و عمدہ ہے جو اس آیت سے متعلق علامہ نیشاپوری نے فرمایا ہے، رسالہ مذکورہ نے جن کے امام ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، آیت کریمہ قل لا اقول لکم میں یہ نہیں فرماتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے خزانے اشیاء کے حقائق و مہیات کا علم ہے۔ یہ علم حضور کو اللہ کے دکھانے سے حاصل ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ
(حم السجدة، ۵۳)

اور یہ علم حضور کو اس دعا کی قبولیت سے حاصل ہوا جس میں حضور نے عرض کیا الہی ہمیں چیزیں دکھا دے جیسی وہ ہیں لیکن لوگوں کی عقل و آگہی کے مطابق کلام کیا جاتا ہے ولا اعلم الغیب، یعنی میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے بتانے سے ماضی اور مستقبل کی خبریں دی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج کے قہر میں فرماتے ہیں کہ میرے دہن اقدس میں ایک قطرہ چکا جس سے مجھ پر ماکان و مایکون اور ماضی و مستقبل کے علوم و معارف منکشف ہو گئے۔

ولا اقول لکم انی ملک، (اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں) بیشک میں تو فرشتہ کے مقام سے تجاوز و عبور کر چکا ہوں، شب معراج سدرۃ المنتہیٰ میں جبریل سے میں نے فرمایا کہ آگے آؤ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں ایک انگلی کے برابر آگے بڑھوں تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔

ان اتبع الا مایوحی الی، (میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے) کہ میں انہیں بتاؤں۔

اور آپ کہو هل يستوي الاعمى والبصير، (کیا برابر ہو جائیں گے اندھے اور آنکھدارے) یعنی اندھے اور آنکھدارے کا کلام برابر و مساوی نہیں، تو میں تمہیں ان چیزوں کی خبر کیسے دوں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھوں کو اندھا بنایا ہے حالانکہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ علامہ نیشاپوری کو اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ و افضل مقام عطا فرمائے۔ (غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورہ انعام آیت قل لا اقول لكم)

رسالہ مذکورہ کو خود اپنے اوپر رونا چاہئے۔ نسأل الله العفو والعافية۔

آیت مبارکہ

لو کنت اعلم الغیب، اور سات جواب

۷۔ اس آیت کریمہ،

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ

(الاعراف، ۱۸۸)

(اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔ کتنا الایمان) میں بھی علماء کرام کے چند مسالک ہیں، ان میں سے ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت میں احاطہ کلیہ کی نفی ہے۔

سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں کہ تمام غیوب پر مطلع ہونا نبی کے لئے لازم و ضروری نہیں اس لئے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔ (شرح مواقف، جرجانی۔ موقف ۶ فی السمعیات) یہ تو علم کی دونوں تقسیموں میں سے ایک تقسیم ہے جن پر رسالہ مذکورہ کڑک کے ساتھ بجلی بن کر گرا۔

۸۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت مقدسہ میں علم ذاتی کی نفی ہے

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں ”ذکر خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و من ذلک ما اطلع علیہ من الغیوب و ما یكون“ میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں حدیثوں کا ایک مندرجہ جس کی گہرائی و گیرائی کا ادراک و اندازہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوگا۔ اور حضور کے معجزات

marfat.com

میں سے یہ مشہور معجزہ ہے یقین و وثوق سے معلوم ہے کہ اس کی خبر ہم تک راویوں کی کثرت کے سبب سے تواتر و تسلسل کے ساتھ پہنچی اور غیب پر اطلاع ہونے پر ان احادیث کے معانی و مطالب آپس میں متحد و متفق ہیں۔ (شفاء شریف، فصل مذکور)

نسیم الریاض میں ہے، یہ توضیح ان آیات قرآنیہ کے منافی و متعارض نہیں جن میں یہ دلالت و ارشاد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

آیت کریمہ ولو کنت اعلم الغیب لا مستکثرت من الخیر، میں بغیر واسطہ کے علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلع ہونا ثابت و محقق ہے اس کی دلیل یہ آیت مقدسہ ہے

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الحج، ۲۶، ۲۷)

اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنز الایمان) (نسیم الریاض خفاجی، فصل ومن ذلک ای من الخ)

یہ پہلی دونوں تقسیموں کی تقسیم اول ہے یعنی عطائی

۹۔ ایک مسلک یہ ہے جو امام خازن نے لباب التاویل میں آ یہ کریمہ اذ قال

ربک للملئکۃ اسجدوا لکے ضمن میں فرمایا

سوال: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیوب کی خبریں دیں اور صحیح

حدیثیں بھی اس سلسلے میں آئی ہیں اور یہ حضور کا عظیم و مشہور معجزہ ہے، لہذا ان احادیث

و آثار اور آ یہ کریمہ ولو کنت اعلم الغیب لا مستکثرت من الخیر، کے مابین

جمع و تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب: اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے یہ تواضع و ادب کے طور پر فرمایا ہو اور مطلب یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ

اللہ نے جس کی مجھے اطلاع دی اور جو میرے لئے مقدر و مقرر فرمایا میں صرف اسی کو

جانتا ہوں۔ (لباب التاویل، سورہ اعراف آیت قل لا الہ الاہ)

جانتا ہوں۔

۱۰۔ ایک مسلک یہ ہے کہ فی الحال کی نفی مستقبل کی نفی پر دلیل نہیں ہے۔ امام خازن کا قول جو ابھی گزرا یہ اسی کا حاصل و خلاصہ ہے۔ اور اس آیت کے معنی میں یہ احتمال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم غیب پر مطلع ہونے سے پہلے یہ فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب کی اطلاع دی تو حضور نے اس کی خبر دی جیسا کہ یہ آیت مبارکہ اس پر شاہد ہے

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الحج، ۲۶، ۲۷)

اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنز الایمان) (حوالہ مذکور)

۱۱۔ ایک مسلک یہ ہے کہ یہ کلام کفار کے سوال کے جواب میں صادر ہوا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیب کے اشیاء پر حضور کو قابو و غلبہ دیا تو ان کی خبر دی تاکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ اور صحت نبوت پر دلیل و برہان ہو جائے۔ (حوالہ مذکور)

اقول، اشیاء غیبیہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی خبر دینے کی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجازت عطا فرمائی۔ اس پر لفظ ”فاخبر عنها“ (پھر حضور نے ان کی خبر دی) واضح قرینہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَضْبًا

(الکہف، ۷۹)

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔ (کنز الایمان)

یعنی کشتی سے مراد یہاں پر درست و ثابت کشتی ہے اس پر لفظ ”اعیبها“ (سے عیب دار کر دوں) کی واضح دلالت موجود ہے۔

در نہ زشتہ وجہ میں تقصیر و کمی واقع ہو جائے گی جبکہ اسے مستقل وجہ قرار دیا ہے یعنی اگر اللہ کی اجازت و اطلاع سے حضور کا بتانا مراد نہ لیا جائے تو آیات نفی کی وجہ میں تقصیر و خلل ہوگا، مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جب غیب کی خبریں طلب کیں تو حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اس کے سدباب کے لئے فرمایا پھر جب بعض باتوں کے بتا دینے کا اذن و حکم ملا تو حضور نے انہیں بتا دیا۔ فافہم واعلم۔

۱۲۔ وانا اقول اولاً: احاطہ کلیہ مراد لینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اس لئے کہ جسے بعض غیوب کا علم ہو گا اس سے برائی پہنچنے کی نفی درست نہ ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی بات بیان کی جو اسے خود معلوم نہیں۔

۱۳۔ ثانیاً: بلکہ علم ذاتی مراد لینے سے بھی کچھ مانع و حائل نہیں ہے کیونکہ کسی آنے والی بلا کا علم حاصل ہو جانے سے اس کا زائل و دور ہو جانا ضروری نہیں اور علم عطائی ہر تکلیف و ضرر دیئے والی چیزوں سے دوری کو مستلزم نہیں۔ ہاں ذاتی علم کا کمال تو یہ ہے کہ وہ عالم کو جملہ مصیبت کی باتوں سے بری و دور کر دے کیونکہ اسی کا نام الوہیت ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا کہ میں الہ و معبود نہیں ہوں گا یہاں تک کہ میرا علم تمام غیوب کو گھیر لے اور جملہ غیوب پر میرا قبضہ و اختیار ہو جائے اور غیب کی خبریں دینے میں مجھے کسی کے اذن و حکم کی کوئی ضرورت نہ پڑے۔ پھر جب جب تم مجھ سے کچھ پوچھو گے تو میں تمہیں جواب دیدوں گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے بعض مرض اور رنج و الم لاحق ہوا اور بعض لڑائیوں میں میرے اصحاب کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے اور اگر میں ذاتی طور پر غیب جانتا تو یہ چیزیں نہ ہوتیں۔ آیت کریمہ کے آغاز میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ۚ فَاعْبُدْنِي وَأَعْبُدُوا اللَّهَ ۚ إِلَّآ مَا شَاءَ اللَّهُ - (الاعراف، ۱۸۸)

تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (کنز الایمان)
لا املک، سے ذاتی قدرت کی نفی کی گئی پھر استثناء سے عطائی قدرت ثابت کی گئی۔ اس کے بعد مذکورہ صورتوں کے پیش نظر علم ذاتی کا انکار کیا گیا اور اس آیت سے علم ثابت کیا گیا۔

إِنَّا أَنَا لَا نَذِيرُ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (الاعراف ۱۸۸)

میں تو یہی ڈراور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (کنز الایمان)
یعنی میں نبی ہوں مجھے میرے رب نے نبوت سے سرفراز و مکرم فرمایا ہے۔

غیب پر اطلاع کا نام نبوت ہے

غیب پر اطلاع کے بغیر نبوت نہیں ہوتی۔ نبی غیب داں ہوتے ہیں۔

امام قاضی عیاض شفا شریف میں باب المعجزات کے آغاز میں اور علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اسماء مبارکہ کے معنی کے بیان میں فرماتے ہیں کہ نبی اور نبوت نبأ سے ماخوذ ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب پر مطلع فرمایا۔ پھر دونوں بزرگوں نے نبی اور رسول کے معنی میں فرق و امتیاز کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں نبوت میں مجتمع ہیں اور غیب پر اطلاع کو نبوت کہتے ہیں، یعنی غیب کی خبریں دینا ہی نبوت کی اصل و جان ہے اور اسی پر نبوت کی چکی گردش کرتی ہے۔ جیسے حج وقف عرفہ کا نام ہے اور ندامت ہی توبہ ہے اسی طرح غیب پر مطلع ہونا نبوت ہے۔

(شفا شریف باب ۴ فیما ظہر علیہ یہ من المعجزات)

حدیث

”تلقیح التمر“ اور سات جواب

۱۴۔ نز اور مادہ کھجور کے پودوں اور شکوفوں کے ملانے کی حدیث میں بھی علماء کے چند مسائل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض بات جو حضور کو معلوم نہ ہوئی اس کی وجہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی ایسی عبادات میں مشغول ہوتے جو زائد اور حضور کے لئے مخصوص تھیں اور رب عزوجل کے مشاہدہ جلال میں اس طرح مستغرق و محو رہتے کہ غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض باتیں وقتی طور پر حضور کے علم میں نہ آئیں۔

اس سے حضور کے علم میں نقص و کمی لازم نہیں آتی اور نہ اس سے علم اقدس کا دائرہ کمال تنگ ہوگا۔ بحمدہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری و منزہ ہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر کسی وقت بعض اشیاء کے مخفی رہنے کا سبب

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی، الیواقیت والجوہر میں فرماتے ہیں
شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم وعلیہم
الصلاۃ والسلام پر بعض احوال دنیا کے مخفی و پوشیدہ رہنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے قلوب
واذہان پر اللہ عزوجل کے مشاہدہ جلال کی عظمت غالب و مستولی رہتی ہے اسی سبب
سے وہ عالم وجود کی تدبیر سے پیچھے رہتے ہیں اگر یہ جلال و عظمت حائل و مانع نہ ہوتی تو
وہ دنیا کے امور و معاملات تمام لوگوں سے زیادہ جانتے۔ لیکن یہ بات بھی مخفی نہیں
کہ عالم وجود کی تدبیر و اصلاح سے ان کا حجاب ہر وقت نہیں بلکہ صرف بعض وقت اور
کبھی کبھی ہوتا ہے حدیث فرماتی ہے

لی وقت لا یسعی فیہ غیر ربی (الیواقیت والجوہر، ۲، بحث ۳۱)
میرا ایک مخصوص وقت ہے اس میں میرے رب عزوجل کے علاوہ کسی کی گنجائش
نہیں ہوتی۔

سیدنا عارف باللہ امام محمد رومی بلخی جلال الدین مولوی معنوی قدس سرہ نے مثنوی
شریف میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ بیان
فرمائی جسے انہوں نے مثنوی شریف کے دفتر ثالث کے دو تہائی حصہ کے اوائل میں اس
طرح تحریر فرمایا ہے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرما کر جب موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا آسمان سے ایک باز آیا اور حضور کے دست اقدس سے موزہ لے کر اوپر چلا گیا اور اسے پلٹ دیا تو اس سے ایک سانپ نکلا پھر وہی باز موزہ کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس جرأت و ہمت پر معذرت و معافی طلب کی حالانکہ یہ جرأت ضرورت کی بنا پر تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا شکر یہ ادا کیا۔

مولوی معنوی قدس سرہ نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔

گرچہ ہر غیبی خدا مارا نمود . . . دل دریاں لکھتے بخود مشغول بود

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر غیب دکھلا دیا مگر میرا دل اس وقت اپنے ہی میں

مشغول تھا۔
(معنوی، دفتر سوم)

حدیث

ان اللہ تعالیٰ اطلعنی علی کل غیب

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر غیب پر اطلاع بخشی لیکن دل اس وقت اپنی ذات میں مشغول و مائل تھا۔ باز نے کہا یا رسول اللہ آپ تو غفلت و بے توجہی سے پاک و منزہ ہیں مجھے یہ مقام و کرامت کہاں حاصل ہے کہ میں ہوا میں اڑتے ہوئے موزے کے اندر ڈھکے چھپے سانپ کو دیکھ سکوں، بلاشبہ مجھے جو اس مخفی و پوشیدہ بات پر اطلاع و آگاہی ہوئی وہ تو آپ کے علوم غیبیہ کی شعاعوں سے مجھ پر ایک شعاع کی تجلی اور چمک ہے۔

مشنوی شریف کے شارحین میں ایک شخص محمد رضا کہتے ہیں کہ اس وقت دل بدن کی طرف ملتفت و متوجہ نہیں تھا اور استغراق و فنایت کے سبب سے بعض غیوب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پردہ خفا میں رہتے ہیں۔

(مکاشفات رضوی شرح مشنوی، ص ۲۳۵)

ملک العلماء بحر العلوم شارح مذکور کی اس بات کو نقل کرنے کے بعد اپنی شرح

میں فرماتے ہیں

شعر کا مطلب یہ ہے کہ دل اس وقت اپنے نفس کے مشاہدہ میں مشغول تھا اور ذات اقدس جملہ اسماء کی احدیت کے ساتھ مشغول تھی اور اسماء دل میں تجلی و جلوہ گستر تھے لہذا اس شہود و حضور میں مستغرق و منہمک ہونے کے سبب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم وجود کی طرف مائل و متوجہ نہ ہوئے اسی وجہ سے بعض چیزیں شعور و ادراک سے جدا و باہر رہیں۔ ملک العلماء فرماتے ہیں کہ یہ درست اور صحیح وجہ ہے۔

(بحر العلوم، دفتر ثالث۔ ص ۱۳۹-۱۵۰)

حضور علیہ السلام کو ایک شہود دوسرے شہود سے بالکل مشغول نہیں کرتا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی۔ (فیوض الحرمین، ولی اللہ دہلوی۔ مشہد آخراشمہ فی ان الخ)

۱۵۔ ایک مسلک یہ ہے کہ مشغولیت کی یہ بات بھی ابتدائے امر میں تھی پھر اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدر مبارک کو ایسا کھولا جو بیان و اندازہ سے باہر ہے۔ پھر حضور خالق و مخلوق دونوں کا مشاہدہ و معائنہ ساتھ ساتھ کرنے لگے دونوں شہودوں میں سے کوئی ایک شہود نے دوسرے سے حضور کو مشغول نہیں کیا۔

عارف شعرانی فرماتے ہیں کہ بعض عارفین نے فرمایا کہ وفات اقدس تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات روز افزوں ہوتے رہے اور حضور دنیا و آخرت کے امور و معاملات کی تدبیر فرمانے لگے اور رب عز و جل کے مشاہدہ جلال و عظمت نے دنیا و آخرت کے امور کی تدبیر سے مشغول نہیں کیا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیک وقت اللہ عز و جل اور مخلوق دونوں پر ساتھ ساتھ متوجہ و راغب ہونے کے مکلف تھے۔ حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے مخلوق کا حجاب حائل نہ ہوتا تھا۔

(الیواقیت والجواہر، ۲، بحث ۳۱)

اقول، اور نہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ جمال مخلوق سے محبوب ہوتا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پر اقتصار و اکتفا کیا جائے تو اس پر بھی اقتصار ہوگا۔ یعنی خالق و مخلوق میں سے کوئی کسی کے لئے حاجب و حائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا مقصود و مدعا صرف اللہ کی

محبت و دوستی ہے اور مخلوق کو دیکھتے ہوئے یہ تبھی ہے اور اگرچہ تیج اصل سے محبوب نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ رب عزوجل نے حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام کے بارے میں فرمایا

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

(النور، ۳۷)

وہ مرد جنہیں عاقل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

(کنز الایمان)

ہاں شرح صدر کی شان یہ ہے کہ اصل میں مستغرق ہونا تیج کی طرف التفات سے حجاب نہیں یعنی خالق و مخلوق دونوں کی جانب توجہ ہوگی۔ اور مقام تکمیل میں یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے وارثین کا طین کی شان ہے یہ شان انہیں اسی تفاوت و تفریق پر حاصل ہوگی جو ان کے مدارج و مراتب میں فرق و امتیاز ہے یعنی ہر نبی کو اس کے مقام رفعت کے اعتبار سے یہ شان و عظمت ہوگی۔ محاسن و کمالات کی بلندی سید الانبیاء و مولاے رسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منتہی ہے۔

حضور علیہ السلام کا علم عرش سے فرش تک ہر ذرہ کو محیط ہے

حافظ الحدیث سیدی احمد جلمای قدس سرہ اپنے بزرگوار شیخ سیدی عبدالعزیز بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمان الہی و علم آدم الا سماء کلہا (اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے) کے بارے میں فرمایا اسماء سے مراد اسماء عالیہ ہیں اسماء نازلہ مراد نہیں۔ کیونکہ ہر مخلوق کے دو نام ہیں ایک اسم عالی و دوسرا اسم نازل۔

● اسم نازل وہ ہے جو سب میں مسکنی کا فرق و امتیاز بتاتا ہے
● اور اسم عالی وہ ہے جو اصلی مسکنی کی تاثیر و فوائد بتاتا ہے۔ مثلاً ایک تیشہ کو دیکھنے کے بعد یہ باتیں سامنے آئیں گی کہ یہ کس چیز سے بنا ہے، اس مسکنی کا فائدہ کیا ہے، تمام استعمالی چیزوں میں یہ تیشہ کس کام کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے اندر کیا کمال ہے اور اسے حداد کے بنانے کی کیفیت کیا ہے۔ صرف اس لفظ کے سننے سے ہی تیشہ سے متعلق تمام علوم و معارف کا حال معلوم ہو گیا۔ ہر مخلوق کا یہی حال ہے۔

الاسماء کلہا، سے مراد وہ اسماء ہیں جن کی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طاقت و وسعت تھی اور تمام انسانوں کو جن کی ضرورت ہے یا انسانوں سے ان کا تعلق و ربط ہے اور یہ اسماء ان تمام مخلوقات کے تھے جو عرش کے نیچے سے زمین کے اندر تک ہیں۔ اس میں جنت، دوزخ، ساتوں آسمان اور جو آسمانوں اور ان کے درمیان اور جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور جو زمین میں آباد و ویران، وادیاں و سمندر اور درخت ہیں

سب داخل ہیں۔ ہر ناطق و جامد مخلوق کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ وہ تینوں امور ہر مخلوق کی اصل ہیں یعنی اس کا فائدہ۔ اس کی ترتیب کی کیفیت۔ اور اس کی شکل و صورت کی وضع و ہیئت۔

لہذا جنت کے نام سے معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے پیدا کی گئی، اور کس شئی کے لئے بنی، اور اس کے مراتب کی ترتیب اور اس میں جو حور و غیرہ ہیں اور بعث و نشر کے بعد جو لوگ اس میں رہیں گے ان کی تعداد کیا ہے۔ اور لفظ 'مار' سے بھی اسی طرح کے احوال معلوم ہوئے۔ اور لفظ 'سماء' سے بھی انہیں کیفیات کا علم ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس چیز کے لئے پہلا آسمان اپنے محل میں اور دوسرا آسمان اپنے مقام میں ہے اسی طرح ہر آسمان کے بارے میں خیال ہوگا کہ وہ کیوں کس لئے اور کہاں ہے۔ اور لفظ 'ملائکہ' سے معلوم ہوا کہ وہ کس چیز سے پیدا کئے گئے اور ان کی تخلیق کی کیفیت اور ان کے مراتب کی ترتیب کیا ہے؟ اور کس سبب سے یہ فرشتہ اس مقام کا مستحق و حقدار ہوا اور دوسرے فرشتے کو دوسرے مقام پر کس وجہ سے رکھا گیا وہ اس مقام کا مستحق کس طرح ہوا اسی طرح ہر فرشتہ کے متعلق یہ معلوم ہوگا جو عرش سے زمین کے نیچے تک ہیں۔

یہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم اور ان کی اولاد میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علوم و معارف ہیں۔ اور خاص طور سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ سب سے پہلے انہیں کو یہ علوم سکھائے گئے اور ان کی اولاد و ذریت میں جس کو ان اسماء کا علم ملا تو آدم علیہ السلام کے بعد ہی ملا۔ اور یہ مراد نہیں کہ صرف آدم علیہ السلام ہی نے ان اسماء کا علم سیکھا۔ ہاں خاص طور سے اسماء کے علوم اس لئے سکھائے گئے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو انہیں کی ضرورت و حاجت تھی اور انہیں کی ان کے اندر طاقت و وسعت تھی تاکہ عدم تخصیص سے معلومات الہیہ کا احاطہ و تجدد لازم نہ آئے۔

ان اسماء کے علوم و معارف ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آدم و جملہ انبیاء

علیہم الصلاۃ والسلام کو حاصل ہیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آدم وغیرہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علم میں فرق ہے۔ انبیاء کرام جب ان علوم کی طرف توجہ فرماتے ہیں تو انہیں حق تعالیٰ کا مشاہدہ خواب کے مثل حاصل ہوتا ہے اور جب مشاہدہ حق کی طرف مائل و متوجہ ہوتے ہیں تو یہ علوم انہیں خواب کی مانند حاصل ہوتے ہیں اور ہمارے نبی گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قوت و ادراک کے سبب سے کسی ایک کے مشاہدہ و توجہ کی بنا پر دوسرے سے مشغول نہیں ہوتے لہذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ و راغب ہوتے ہیں تو حضور کو مشاہدہ تامہ و کاملہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ حضور کو ان علوم وغیرہ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جو دوسرے کی طاقت و وسعت سے خارج و باہر ہے۔ اور جب ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو حضور کو ان علوم کے ساتھ حق تبارک و تعالیٰ کا مشاہدہ جمال بھی حاصل ہوتا ہے لہذا مخلوق کے مشاہدہ سے حق کا مشاہدہ محبوب نہیں ہوتا اور نہ حق سبحانہ کے مشاہدہ سے مخلوق کا مشاہدہ پردہ خفا میں ہوتا ہے۔

(امیر شریف، احمد بن مبارک۔ باب ۷ فی تفسیرہ رضی اللہ عنہ)

۱۶۔ ایک مسلک یہ ہے جو مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”ایضاح المسائل شرح مشکوٰۃ“ میں فرمایا ”تم دنیاوی معاملات مجھ سے زیادہ جانتے ہو“ یعنی دنیا سے مجھے مشغولیت نہیں اور نہ میں اس کی طرف ملتفت و متوجہ ہوں، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا و آخرت کے تمام امور و معاملات سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ (اس کا پس منظر یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ کھجور کے پودوں میں نراور مادہ تصور کر کے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیتے خیال یہ تھا کہ اس سے پھل زیادہ آئیں گے، لوگ اسی طرح کرتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ حضور نے اس سے صحابہ کو منع فرمایا تو قدرت کی مشیت سے اس سال پھل کم آئے اور کھجور خراب نکلی صحابہ نے شکوہ کیا تو حضور نے فرمایا انتم الخ۔) (ایضاح المسائل، کتاب الایمان باب الاعتصام)

۱۷۔ ایک مسلک یہ ہے جو نسیم الریاض میں ہے، حضور سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلامتی عقل اور شدت مہارت کا تقاضا یہی ہے کہ حضور دنیاوی امور میں بھی سب لوگوں سے زیادہ علم والے ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل مبارک جملہ انسانوں سے زیادہ کامل و مکمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو جملہ وجود کے اسرار و رموز پر آگاہی و اطلاع عطا فرمائی ہے خواہ وہ وجود مذموم ہو یا محمود۔ اور فرمان اقدس کہ ”دنیاوی معاملات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو“ اس سے صحابہ کرام کی دلجوئی مراد ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع و انکساری کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اپنی ذات اقدس کی بڑائی بیان نہ کریں۔

(نسیم الریاض ۲ باب ۲ البیضا یخصم فی الامور الدینیة)

۱۸۔ ایک مسلک یہ ہے جو عمدہ و حسین اور مومنوں کے جگر کی ٹھنڈک ہے جسے شیخ محمد سنوسی نے افادہ فرمایا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منفعت و بھلائی کے خلاف پر برا بیغ نہ کرنا چاہا تا کہ توکل پر کامل وثوق و اعتماد ہو، مگر انہوں نے تسلیم تو کیا لیکن صبر نہ کیا، کاش وہ صبر کرتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا کہ وہ حضور کی بات مان لیتے اور دو سال یا کچھ زیادہ صبر کرتے اگر وہ ایسا کر لیتے تو وہ ان کے لئے کافی ہوتا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو اور دوسری باتوں کو صحابہ سے زیادہ جانتے ہیں۔

(نسیم الریاض ۳ من معجزات الباعرة)

خفاجی نے فرمایا کہ یہ مسلک غور و فکر کرنے والوں کے لئے انتہائی عمدہ و احسن ہے۔

(حوالہ مذکور)

ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ انتہائی لطیف و باریک ہے۔

(شرح الشفا علی قاری ۳ من معجزات الباعرة)

ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اس بات کے ظن و گمان میں یقیناً صواب و درستگی پر تھے اگر صحابہ بھی حضور کی بات پر ثابت و قائم رہتے تو اس فن میں وہ سب سے فوقیت لے جاتے اور ان کی مشق و معالجہ کی کلفت و تکلیف ختم ہو جاتی البتہ یہ تغیر و تبدل عادت جاری ہونے کے حساب سے ہوا کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے کھانے یا پینے کا عادی ہو جائے پھر کسی وقت وہ چیز مفقود و معدوم ہو جائے اور اس شخص کو وہ چیز نہ ملے تو اس کی حالت بدل جائے گی۔ لہذا صحابہ کرام اگر ایک یا دو سال کے نقصان و کمی پر صبر و شکر کرتے تو کھجور کے درختوں کی پہلی حالت واپس ہو جاتی اور اس پر وثوق و اعتماد سے اس میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ (شرح الشفا علی قاری، فصل حد احادیثی ج ۱)

امام ابن ابی شریف کے کلام کا اشارہ بھی اسی کی طرف ہے انہوں نے فرمایا کہ کھجور کے پودوں اور شگوفوں کو ملا نا مسبب کو مسبب سے مربوط و متعلق کرنا ہے۔ ہمارا تو اعتقاد و یقین یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو درختوں کے ملائے بغیر ہی وہ پھل دینے لگیں، اور حضور کا فرمان اقدس کہ تم زیادہ جانتے ہو اس کے منافی و معارض نہیں ہے۔ (حوالہ مذکور)

احول، ایسا فرمانا کبھی امراض و دروغروانی، ترک تعرض اور اعتراض کے معنی میں ہوتا ہے جیسے تم اپنے بیٹے کو اپنی معلومات کے مطابق اس بات کا حکم دو جو اس کے لئے مفید و نفع بخش ہو مگر وہ کچھ کرنے کی بجائے گھر کے اندر ہی بیٹھا رہے تو تم اس سے یہی کہو گے کہ بھئی تم جانو تمہارا کام جانے۔

حدیث "انتم اعلم بامور دنیا کم" کی تائید امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عروہ سے بروایت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ آوازیں سنیں فرمایا یہ کیسی آوازیں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ کھجور کے پودوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں حضور نے فرمایا اگر وہ ایسا نہ کریں تو بہتر ہے۔ پھر اس سال صحابہ نے پودوں کو آپس

میں نہیں ملایا تو پھل کم آئے اور کھجوریں خراب نکلیں۔ صحابہ نے حضور سے اس واقعہ کا ذکر کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی دنیاوی چیز ہو تو اس کا معاملہ تم جانو اور جب دینی بات ہو تو وہ میرے ذمہ ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا)

فتاویٰ ظہیریہ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، عورت کا ولی اس کا نکاح کر دے پھر اسے نکاح کی خبر ہو اور اگر وہ کہے کہ ”تم جانو“ تو یہ رضا مندی نہ ہوگی لہذا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اور اگر عورت کہے کہ ”وہ تو تمہاری طرف ہے“ تو یہ رضا مندی کی دلیل ہے اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ کتاب النکاح باب ۴ فی الاولیاء)

امام فقیہ النفس کے فتاویٰ خانیہ میں قاضی شرق وغرب امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت امام ناظمی سے منقول ہے کہ غلام نے اپنے آقا سے نکاح کی اجازت طلب کی تو آقا نے کہا کہ ”تم جانو“ تو یہ اجازت نہیں ہے۔ (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان کہ ”دنیاوی امور تم زیادہ جانتے ہو“ یہ نفی علم کی دلیل نہیں ہے یعنی صحابہ نے جب حضور کی بات نہ مانی تب حضور نے فرمایا کہ تم جانو)

(فتاویٰ قاضی خان کتاب النکاح فصل فی شرائط النکاح)

شہاب خفاجی نے نقل کیا کہ یہ کہنا زیادہ اولیٰ و انسب ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو ترک اسباب سے خواص کے توکل پر تنبیہ و تاکید فرمائی کیونکہ ترک اسباب صرف انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مخصوص مقامات رفیعہ ہیں یہ مقامات ان کے علاوہ دوسرے کو حاصل نہیں۔

(نیم الریاض باب ۴ حالہ فی جسمہ)

اقول: اس کا اولیٰ و انسب ہونا درکنار یہ تو درست بھی نہیں۔

اولاً: بالکلیہ اسباب کا ترک کر دینا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا مقام نہیں بلکہ ان کا مقام ظاہری طور پر اسباب کا سہارا لینا اور باطنی اعتبار سے ان کی طرف ملتفت و

متوجہ نہ ہوتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اونٹ کو باندھ دو اور اللہ پر توکل رکھو۔ اونٹ کا باندھنا یہ ظاہری سبب کا سہارا لینا ہے۔ ایسا کیونکر ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو شارع بنا کر بھیجے گئے ہیں ان کی پیروی و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور امت میں کمزور و ضعیف کی تعداد زیادہ ہے اور کمزور شخص اسباب کو چھوڑ نہیں سکتا۔

شافیہ: ترک اسباب کو اگر درست و حق مان لیا جائے تو یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایسے مرتبہ و منزل پر برا بھیجتے کرنا چاہا جو مرتبہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ دوسروں کو حاصل نہیں۔

۱۹۔ اگر ان توجیہات و توضیحات میں کسی کو درست نہ مانا جائے تو وہ حدیث انتم اعلم الخ، تو بذات خود خبر واحد ہے جیسے ہارگم ہونے والی حدیث اور رب عزوجل پر شاو تحمید والی حدیث اور جو بھی ان دونوں کے علاوہ اخبار و احاد ہیں ان سے باب عقائد کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہوگا چہ جائیکہ نمبر ۳ اور ۱۳ کے اقوال، (جن سے ابن قیم معتبوب و متہم ہوا) یاد رکھئے کہ انک (تہمت) اور ہارگم ہونے وغیرہ واقعات کی طرف میں نے توجہ نہ کی اور ان میں اسی کافی، دانی، شافی، ثانی جواب پر اکتفا کیا کہ وہ سب نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی باتیں ہیں اور بلاشبہ اس کا بھی (یعنی اتم علم الخ) ہی جواب کافی ہوگا کیونکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لانے کے وقت کی بات ہے۔

مسلم شریف میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے پودوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں

(مسلم، کتاب النکاح۔ باب وجوب امثال ما قالہ شرعا)

لیکن میں نے چاہا کہ اس کی تفصیل کی جانب توجہ دوں اور ان بھائیوں کا بازو

تھاموں جو دینی معاملہ میں کمزور ہیں تاکہ وہ مخالفین کی ہرزہ سرائی سے دھوکہ اور فریب میں نہ پڑ جائیں اور وہ سمجھنے لگیں کہ دنیاوی مصلحتوں اور ضرورتوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم و معلومات ناقص و کم ہیں۔ حضور کی شان اقدس کو دیکھتے ہوئے یہ بات کیسے جائز و درست ہو سکتی ہے؟ حضور کی شان و عظمت اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔

حضور علیہ السلام پورے ملک خدا پر اس کے خلیفہ اعظم اور قاسم رزق ہیں

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ مخلوقات الہی پر اللہ کے خلیفہ اکبر اور اس کے رزق کے تقسیم فرمانے والے ہیں، دین و دنیا یا عقیقی میں کسی کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ حضور ہی سے اور حضور ہی کے دست کرم و رحمت سے ملتی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیشک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (بخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ فان اللہ غنی لا یتعوز)

اور بیشک میں نے (یعنی امام احمد رضا بریلوی نے) اپنی کتاب ”سلطۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری“ میں ائمہ کرام و علماء اعلام کے اقوال و ارشادات اس سلسلے میں بکثرت نقل کئے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر شئی کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ جب اللہ عز و جل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جملہ مخلوقات پر امانت عظمیٰ اور ان کے درمیان حکم و فیصلہ اور خدا کی طاعت و بندگی کی طرف مخلوق کو بلانے کی ذمہ داری فرض فرمائی تو حضور کے لئے لوگوں کے تمام دینی و دنیاوی احوال و کیفیات کا علم ہونا لازم ہے۔ البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ خالق کے مشاہدہ جمال میں استغراق اور عدم التفات کی بنیاد پر کچھ امور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غفل رہ جائیں (اس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے) پھر شرح صدر مبارک کے

ذریعہ اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف کا ایسا اضافہ و اضافہ فرمایا کہ ان کے بعض کے بعض کے تصور و ادراک سے عقول و ادہام عاجز و قاصر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابد الابد تک ایک شہود کے سبب دوسرے شہود سے مشغول نہیں۔

(نیم الریاض، خفاجی ۴۔ فصل هذا حالہ فی جسمہ)

۱۔ صاحب حجۃ اللہ الہ بالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ”فیوض الحرمین“ میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی ہے۔ یہ بات ہندوستانی وہابیوں پر بڑی آفت اور سخت مصیبت ہے۔ آمین غفرلہ

وفات اقدس سے ایک مہینہ

قبل علم قیامت کا سوال اور چھ جواب

۲۰۔ رسالہ غایۃ المامول کو جس دلیل سے سب سے زیادہ فرحت و خوشی ہوئی وہ مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے علم قیامت کے بارے میں مروی ہے جس میں تاریخ کی صراحت و وضاحت ہے کہ یہ حدیث وفات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مہینہ پہلے کی ہے رسالہ نے سمجھا کہ اسے ایک چیز میں کامیابی ملی جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر نزول قرآن مکمل ہونے کے بعد پوشیدہ رہی لیکن اسے اس کی حقیقت کچھ معلوم نہیں یوں ہی انگلیں دوڑاتا ہے۔

فصل اول: تمہیں کس نے بتادیا کہ مولیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے ایک مہینہ قبل ہی وحی کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ جب وہ اس بات کو ثابت نہ کر سکیں تو حدیث میں جو ہے ان کے لئے وہ مفید و نفع بخش نہیں ہے۔

۲۱۔ **شافیہ:** بلکہ ثابت و واضح تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضور کی وفات اقدس تک وحی کا سلسلہ منقطع نہ فرمایا۔

ابن جریر نے فرمایا کہ اہل علم اس بات کا دفاع نہیں کریں گے کہ وصال اقدس تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وحی منقطع نہیں ہوئی بلکہ اس کا اثبات کریں گے کہ وفات سے پہلے بار بار لگا تار وحی نازل ہوتی رہی۔ (جامع البیان طبری، المائدۃ) **قلت:** ابن جریر نے سچ فرمایا، امام احمد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے وفات اقدس سے پہلے بلکہ وفات تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پے درپے لگا تار وحی نازل فرمائی اور جس دن رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس روز ہر دن سے زیادہ وحی نازل ہوئی۔

(مسند احمد مرویات انس بن مالک)

پھر تمہارے لئے یہ کہاں سے ظاہر ہوا کہ وہ وحی قرآن نہیں تھا جبکہ ابن جریر نے تو اسی سے لگا تا نزول قرآن پر استدلال کیا ہے، عنقریب اس کا بیان آئے گا اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ جسے کچھ علم و معرفت نہیں اس کا تعلق اسی سے ہو جس میں کہا گیا کہ سب سے آخری آیت ”الیوم اکملت لکم دینکم“ نازل ہوئی۔

بیشک صحیحین وغیرہا میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ اور ترمذی باقادہ تحسین اور بزار بسند صحیح ابن عباس سے، اور ابن جریر و ابن مردویہ امیر المومنین علی سے، اور ابن جریر و طبرانی امیر معاویہ سے، اور بزار و طبرانی و ابن مردویہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت (الیوم اکملت الایۃ) عرفہ میں جمعہ کے دن نازل ہوئی۔

(بخاری ۲ ترمذی ۲ کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ)

اور وہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات اطہر سے ایک مہینہ پہلے کی ہے۔ اور ابن جریر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ اس آیت (الیوم اکملت الایۃ) کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکاسی راتیں دنیا میں تشریف فرما رہے۔ (بخاری ۲ ترمذی ۲ کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ)

یہ اس قول کی بنا پر ہے جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف ۲ ربیع الاول شریف کو ہوئی ہو۔ اور ۸ ربیع الاول کے قول کی بنیاد پر جو اکثر محدثین کا مختار و پسندیدہ ہے چھ دن اور بڑھ جائیں گے اور ۱۲ ربیع الاول شریف کے قول کی بنا پر جو جمہور کے نزدیک مشہور ہے، یا ۱۳ ربیع الاول کے قول کی بنیاد پر کہ تحقیقی طور پر یہی ثابت ہے، اور روایت ہلال میں اختلاف کے باعث تطبیق کی صورت اختیار کی جائے گی جیسا کہ ہم نے علم حیاۃ و علم استھلال کے دلائل سے فتاویٰ رضویہ کی نویں جلد

(جو موجودہ ترتیب میں فتاویٰ رضویہ قدیم کی ۱۲ ویں جلد ہے) میں اس کی تفصیل کی ہے یہ مدت تین مہینے سے زیادہ ہو جائے گی لہذا اس حدیث کی تاریخ نزول قرآن مکمل ہونے کے دو مہینے بعد کی ہوگی یہ رسالہ مذکورہ کے وہم و تقریر کا خلاصہ ہے۔

جواب: آیت کریمہ، الیوم اکملت قرآن کے نزول میں آخری آیت نہیں اور یہ کسی ایسے شخص کے قول سے ثابت بھی نہیں جو لائق اتباع و تقلید ہو۔ ہاں ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی پھر اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نازل نہ ہوا۔ اور اس میں یہ بھی نہیں ہے کہ یہ نزول کے اعتبار سے آخری آیت ہے اور ہمیں خاص طور سے نزول احکام کا وہم بھی نہیں بلکہ ہمیں مطلقاً نزول قرآن کافی ہے اور وہ اس کا ثانی نہیں بلکہ اس کے مفہوم و مراد کو ثابت کرتا ہے۔ بلکہ سدی سے بذات خود بھی اس کی صراحت آئی ہے سدی نے کہا کہ سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہ ہے ”واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ“ (البقرہ: ۲۸۱) اسے ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے روایت کیا۔

(بخاری ۲، ترمذی ۲، کتاب التفسیر، جامع البیان المائدہ)

یہ مطلق ہے اور وہ حلال و حرام سے مقید ہے لہذا سدی کے اپنے ہی قول سے ثابت ہوا کہ اکملت لکم نزول میں آخری آیت نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول بھی اسی کے موافق ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ ”واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ“ ہے۔ اسے نسائی اور ابو عبیدہ نے فضائل قرآن میں اور عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر و ابن الانباری و ابن مردودہ و طبرانی اور بیہقی نے دلائل النبوة میں متعدد سندوں سے روایت کیا۔ اسی کے مثل ابن ابی شیبہ و ابن جریر نے عطیہ عوفی سے اور ابن الانباری نے کتاب المصاحف میں ابو صالح و سعید بن جبیر سے روایت کیا بلکہ ابن جریر نے سدی کے اس قول کا انکار اور اس کا دفاع کیا جیسا کہ اوپر گزرا۔

(طبری جامع البیان۔ البقرہ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نزول قرآن میں آخری آیت ”یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ“ (النساء ۷۷) ہے اور یہ آیت احکام ہے۔ اور سدی کے قول پر اسے ترجیح دی کہ نفی پر کوئی شہادت نہیں اور مثبت ثانی پر مقدم ہوتا ہے اور دین کے مکمل ہونے کا مطلب یہ قرار دیا کہ مسلمین و مشرکین سب لوگ ساتھ ساتھ حج کرتے تھے پھر سورہ برأت نازل ہوئی تو مشرکین کو بیت اللہ سے روک دیا گیا اور مسلمان حج کرنے لگے اور مشرکین میں سے کوئی بیت الحرام میں مسلمانوں کا شریک و سہم نہ ہوا اسی سے نعمت الہیہ تام و کامل ہوئی و ائمت علیکم نعمتی۔ اسے ابن جریر نے بروایت علی مرتضیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ (حوالہ مذکورہ)

امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کی علامات و نشانیاں منہدم ہو گئیں، ان کے طور و طریقہ کو ختم کر دیا گیا اور شرک کو نیست و نابود کر دیا پھر کسی برہنہ شخص نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر اعلان کر دیا۔

الْیَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِینَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِی (المائدہ ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ (کنز الایمان)

اسی طرح ابن جریر نے اسے حکم و قتادہ اور سعید بن جبیر سے روایت کیا۔

(حوالہ مذکورہ)

یہ ابن جریر کی روایات کا خلاصہ و ماحصل ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری نے ابن عباس سے اور بیہقی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ نزول میں آخری آیت ربوا کی آیت ہے۔

(بخاری ۲ کتاب التفسیر آیت و اتقوا یوما ترجعون فیہ)

ابن جریر بسند صحیح بر شرط مسلم سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

marfat.com

کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں عرش الہی سے جو قرآن میں سے نازل ہوا وہ آیت دین ہے۔ (جامع البیان طبری، البقرة آیت مذکورہ)

ابن شہاب نے دونوں روایتوں کو جمع کر دیا یعنی ابن جریر اور ابو عبیدہ کی فضائل قرآن والی روایت کو، وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت جو عرش سے نازل ہوئی وہ آیت ربا اور آیت دین ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں احکام کی آیات ہیں۔ (فضائل القرآن، ابو عبیدہ۔ باب منازل القرآن الخ)

امام جلال الدین سیوطی نے عمدہ و احسن انداز میں جمع و تطبیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آیت ربا، آیت واقفوا یوما اور آیت دین والی روایات میں کوئی منافات و تعارض نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیات ایک ہی دفعہ اسی ترتیب سے نازل ہوئیں جو مصحف کی ترتیب ہے کیونکہ ان آیات کا نزول ایک ہی قصہ میں ہوا لہذا ہر ایک نے ان میں سے بعض آیت کے بارے میں کہا کہ یہ آخر میں نازل ہوئی اور وہ درست و صحیح ہے اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ آخر میں ”یستفونک“ نازل ہوئی یعنی فرائض کے باب میں یہ آیت آخر میں نازل ہوئی۔

(الاتقان، نوع ۸ معرفۃ آخر ما نزل)

پھر فتح الباری سے سورہ بقرہ کی آیت، واقفوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ، میں اس کی ترجیح نقل کی اور اس سے وفات اقدس کی طرف اشارہ کیا گیا جو اس بات کو مستلزم ہے کہ نزول کا خاتمہ ہو گیا اور قرآن مکمل ہو چکا۔ (حوالہ مذکور)

۲۲۔ ثالثاً: بلکہ ہمارے نزدیک اللہ کے فضل سے نزول قرآن کی تاریخ اس سے بھی زیادہ قریب کی ہے۔

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، پورے قرآن میں سے جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ ”واقفوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ“ ہے اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانی دنیا میں جلوہ

فلن رہے پھر رجب الاول شریف کی ۲ تاریخ کو وصال فرمایا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم سورہ بقرہ آیت ۲۸۱ حدیث ۲۹۳۳)

ابن جریر، ابن جرید سے راوی، علماء فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانی ٹھہرے، شنبہ کے روز مرض وصال کی ابتدا ہوئی اور پیر کے روز انتقال فرمایا۔
(جامع البیان طبری، البقرة آیت واتقوا یوما الایة)

یہ روایت اس کے معارض و منافی نہیں ہے جسے فریابی نے بروایت کلبی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آیہ کریمہ ”واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ“ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے درمیان اکاسی (۸۱) دن کا فاصلہ تھا۔ یہ روایت کلبی کی کس طرح ہو سکتی ہے شاید انہیں سہوا اور آیت ”الیوم اکملت“ کی بجائے ”واتقوا یوما“ یاد رہی۔ کیونکہ ابن جریج نے الیوم اکملت میں یہ مدت بیان کی ہے، یہی درست ہے جیسا کہ گزرا۔
(درمنثور، سیوطی البقرة آیت واتقوا یوما الایة)

امام بغوی معالم میں تعلیقاً فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکیس (۲۱) دن دنیا میں جلوہ افروز رہے اور ابن جریج نے کہا کہ نورانی ٹھہرے اور سعید بن جبیر نے کہا سات (۷) راتیں۔

(معالم التنزیل بغوی البقرة)

اسی کے مثل خازن کی لباب التاویل میں بھی ہے اور تفسیر مدارک، بیضاوی، کبیر، نیشاپوری، ابوسعود، جمل، کشاف اور زاہدی وغیرہا میں بھی سات راتوں کا قول نقل کیا گیا ہے اور سب نے یہ بیان کیا کہ یہ آیت (واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ) وفات اقدس سے ۳ ساعات پہلے نازل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بہما۔

(تفسیر بیضاوی البقرة)

۲۳۔ یہ بات واضح و ظاہر ہے اور ہم عنقریب اس کی تحقیق پیش کریں گے کہ اللہ

عزوجل کی طرف علم کی نسبت کرنا بندے کے علم عطائی کے منافی و مناقض نہیں ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر اس سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جسے وہ جانتا ہے اور معلومات کے باوجود جواب نہ دے اور کہے کہ بیشک علم تو اللہ عزوجل کو ہے تو اس میں نہ کوئی حرج ہے نہ اس پر عتاب ہوگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم عطا کیا گیا وہ یہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ حضور کو اس کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ حال یہ تھا کہ لوگ بڑی دلچسپی سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خدام کے سامنے ان چیزوں کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ رکھتے جو انہیں ناگوار خاطر ہوں۔ لہذا ان کی دلجوئی کے لئے حضور نے جواب میں علم قیامت کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کر دی۔ اس لئے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب مقرر کیا ”فی اخفاء بعض العلم مخافة الفتنة“ یعنی فتنہ کے سبب سے بعض علم کو چھپانا۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھوں۔

اس کلام پر غور کرو اس میں دو وجوہوں کا احتمال ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض مجالس میں اس بات کو چھپاتے تھے یعنی اسے بیان نہیں کرتے تھے۔ علماء اور مفتیان کرام کے درمیان تو یہ ایک سنت مستمرہ اور طریقہ متوارث ہے جیسے قاتل کی توبہ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ چھپایا جاتا اور قصاص کا حکم دیا جاتا ہے۔

۲۴۔ خلاصہ: اگر ہم سب سے قطع نظر کرتے ہوئے نیچے اتر کر جواب دیں تو یہ کہیں گے کہ وفات اقدس سے ایک مہینہ قبل قیامت کے بارے میں سوال کا ہونا تو خبر واحد ہی ہے۔ خبر واحد کا حکم ہر ایک کو معلوم ہے۔

۲۵۔ یہ سب اس قول کی بنیاد پر ہے کہ ”کل شئی“ میں علم قیامت داخل ہو اور مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ربیع بنت معوذ کی حدیث اور چھ جواب

۲۶۔ بخاری کے یہاں کتاب المغازی و کتاب النکاح میں اور ابوداؤد و ترمذی کے یہاں ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں بطریق بشر بن المفضل صرف "دعیٰ ہذہ" و "قولیٰ بالذی کنت تقولین" کے لفظ ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان گانے والی بچیوں سے فرمایا (جب وہ کہہ رہی تھیں) "وفینا نبیٰ یعلم ما فی عذ" اور ہم میں وہ نبی تشریف فرما ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں) اسے رہنے دو وہی کہتی رہو جو اس سے پہلے کہہ رہی تھیں، یا اس کے ہم معنی لفظ ارشاد فرمائے جیسے یہ نہ کہو یا اس سے خاموش رہو۔

روایت مذکورہ کا سیاق و سباق ابن ماجہ کے نزدیک بطریق حماد بن سلمہ خالد سے مروی ہے اور محدثین نے حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے دنیا و آخرت میں متمتع فرمائے) کے بارے میں فرمایا کہ آخر عمر میں ان کی یادداشت کچھ ناقص ہو گئی تھی۔ امام بخاری نے ان سے احتجاج و استدلال نہیں کیا بلکہ صرف تعلیقات میں بیان کیا ہے اور امام مسلم نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا۔ سوائے ان احادیث کے جو ثابت سے مروی ہیں کیونکہ ثابت ثابت وثقہ ہیں بلکہ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور ثابت کے علاوہ حماد بن سلمہ کی بہت سی کم حدیثیں شواہد میں بیان کی گئی ہیں۔ ابن معین نے کہا کہ جو حماد بن سلمہ سے کسی قسم کی بات سنے تو وہ سمجھ لے کہ اس میں اختلاف ہے اور اگر ان سے کوئی منسوخ بات مسوع ہو تو وہ درست و صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ۳ ترجمہ ۱۴ حماد بن سلمہ)

امام بیہقی نے فرمایا کہ حماد بن سلمہ ائمہ مسلمین میں سے ایک ہیں جب ان کی عمر زیادہ ہو گئی تو ان کی یادداشت خراب ہو گئی اس لئے امام بخاری نے انہیں ترک کر دیا

لیکن امام مسلم نے انتہائی سعی و کوشش کی اور ان حدیثوں کو الگ کر دیا جو ثابت نے ان کی یادداشت بگڑنے سے پہلے ان سے سنی تھی اور ثابت کی روایت کے علاوہ جو حدیثیں حماد بن سلمہ سے مروی ہیں وہ بمشکل بارہ ہیں جنہیں شواہد میں بیان کیا گیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ۳ ترجمہ ۱۴۔ حماد بن سلمہ)

معاذ اللہ! ہم ان کا بلند رتبہ گھٹانا نہیں چاہتے بلکہ ہمیں اظہار بیان مقصود ہے، کیونکہ حدیث کو اس کا منافی و مناقض فرض کیا جائے جو قرآن عظیم سے ثابت ہے تو خبر واحد ہونے سے زیادہ اس میں معاملہ آسان و سہل ہو جائے گا جیسا کہ وہ اپنے زعم میں سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو گا اور تم بہت جلد دیکھو گے۔

۲۷۔ حدیث اگرچہ صحت کے اعلیٰ و انتہائی مرتبہ پر فائز ہو مگر قرآن سے نہیں بڑھ سکتی۔ اللہ عز و جل فرماتا ہے

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل، ۶۵)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(کنز الایمان)

اس میں ان آیات کی نفی نہیں ہے جن میں تفصیل سے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے لہذا حدیث سے نفی پر احتجاج کیونکر ہو گا؟ اسی کی طرف حافظ ابن حجر نے فتح میں اشارہ فرمایا ہے کہ اس آیت میں از خود علم حاصل ہونے کا انکار کیا گیا ہے یعنی حضور کے لئے ذاتی علم غیب ثابت کیا جائے اس آیت میں اسی بات کا انکار ہے، حضور کے لئے مطلقاً علم غیب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کے لئے غیب کی خبریں دیں ان کا علم حضور کو اللہ عز و جل کے بتانے سے ہے، ان کا علم حضور کو مستقل طور پر بالذات نہیں بلکہ سبطانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا أَمْرًا تَرْضَى مِنْ رَسُولٍ

(الحج، ۲۶، ۲۷)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (کنز الایمان) (فتح الباری، کتاب النکاح باب ضرب الدف الخ)
یہ علم کی دو تقسیمات میں سے پہلی تقسیم ہے (یعنی علم عطائی) جن پر رسالہ غایۃ المامول نے آوازہ کسا اور بلند بانگ دعوے کئے۔

۲۸۔ اس قسم کا جو واقعہ ہو جس طرح کا ہو وہ نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے ہی کا ہوگا۔

اللہ کے بتانے سے غیر اللہ کی طرف علم غیب کی نسبت جائز ہے

۲۹۔ اقول، جو بچیاں دف بجا کر حضور کی توصیف و ثنا گارہی تھیں وہ نو عمر لڑکیاں تھیں اور وہاں پر کچھ عورتیں بھی تھیں اس خیال کا خوف دامنگیر ہوا کہ یہ کہیں حضور کے لئے مستقلاً بالذات علم غیب ثابت نہ کریں اس لئے حضور نے انہیں منع فرمایا کہ یہ نہ کہو۔ علامہ سید شریف حواشی کشاف میں فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی طرف مطلقاً بغیر قید کے علم غیب کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے ذہن کی رسائی اس بات کی طرف ہو سکتی ہے کہ علم کا تعلق ابتداء ہے اگر ایسا ہو تو وہ آیت کریمہ کے مناقض و منافی ہو جائے گا لیکن جب قید لگا کر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیب سکھایا یا اسے غیب پر اطلاع بخشی تو اس میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے۔

(حاشیہ کشاف، میر سید شریف اول، البقرة آیت الذین یؤمنون بالغیب)

ایہام کے سبب سے کبھی حق

بات سے روکا جاتا ہے

علامہ ابن منیر مالکی نے ”کتاب الانتصاف علی حاشیۃ الکشاف“ میں سورہ اسراء کے اواخر میں فرمایا کہ کتنی حق باتیں وہ ہیں کہ ایہام غیر کے خوف سے ان کو بیان نہیں کیا جاتا جن کا اعتقاد جائز نہیں لہذا اعتقاد و اطلاق کے درمیان کوئی رابطہ نہیں اور اس کا معتقد لائق اکرام نہیں اور جو اس سے چمٹ رہا وہ ہلاکت سے محفوظ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یہدی السبیل۔

(کتاب الانتصاف، الاسراء آیت قل لمن اجمع الایۃ)

۳۰۔ امام محمد بن اسحق اپنی مغازی میں روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابو وجزہ یعنی یزید بن عبید سعدی نے حدیث بیان کی اور کہا کہ جب حنین کے کفار و مشرکین کو شکست ہوئی مالک بن عوف بھاگ کر طائف چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میری بارگاہ میں مسلمان ہو کر آئے تو ہم اس کے مال و اہل کو اسے واپس کر دیں گے۔ یہ خبر جب مالک بن عوف کو پہنچی تو وہ بارگاہ رسالت میں اس وقت آئے جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ سے روانہ ہو چکے تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا حضور نے انہیں ان کے مال و اہل واپس فرمادیئے اور مزید سوا دنٹ بطور انعام عطا فرمائے اس کے بعد مالک بن عوف نے اپنے قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کیا۔

غیب کی خبر دینے پر حضور علیہ السلام قادر ہیں

مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرمایا :-

ما ان رأیت ولا سمعت بواحد فی الناس کلہم کمثل محمد

اولیٰ فاعطی الجزیل لمجند ومتی نشاء یخبرک عما فی غد

میں نے انسانوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل کسی کو دیکھا نہ سنا، وعدہ وفا فرماتے ہیں اور بغیر مانگے سائل کو عظیم و جزیل انعام و اکرام عطا فرماتے ہیں۔ اور تم جب چاہو وہ تمہیں غیب کی خبریں دیتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمانوں اور قبائل شمال و سلمہ بنہم پر سردار مقرر فرمایا، اور وہ قوم ثقیف سے جنگ و قتال کرتے تھے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۳ حرف الیمیم قسم اول رقم الترجمہ ۶۸۳)

معانی کتاب الجلیس والانیس میں بطریق حرمازی ابو عبیدہ سے راوی، مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ ہوازن کے سردار تھے اسلام لانے کے بعد وفد کی شکل میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ اشعار پڑھے، اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر دی اور خلعت (کپڑوں کا جوڑا) عنایت فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

اقول: ان صحابی جلیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے حسن کلام کے تصرف کو دیکھو انہوں نے لفظ ”متی یشاء“ استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے لئے صادق ہوگا جسے علم کبھی کبھی ملتا ہے اس کے پاس موجود نہیں ہوتا نہ وہ اس پر قادر ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لئے یہ کہنا درست ہے کہ وہ جب چاہے غیب کی خبر دے کیونکہ وہ اسی وقت چاہے گا جب اسے ملے۔ لیکن لفظ ”متی نشاء یخبر“ اس کے لئے بولا جائے گا جس کے پاس علم کا

خزانہ جمع ہو اور وہ اس پر قادر ہو۔

جیسے کسی کے پاس بادشاہ کی طرف سے وقفہ وقفہ سے کبھی کبھی دس ہزار درہم آیا کرے اور وہ بادشاہ کے خزانہ سے کوئی چیز لینے پر قادر نہ ہو تو وہ فقیروں کو یہ کہہ سکتا ہے کہ جب میں چاہوں تمہیں دس ہزار درہم دیدوں، اس کے لئے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ تم لوگ جب چاہو تو میں تمہیں دیدوں۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے وصف سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی کہ حضور کل کی بات جانتے ہیں اور منضو کو معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ ان کی تحسین کی ان کے لئے دعائے خیر کی اور انہیں خلعت عطا فرمایا۔

کسی بات کے خوف سے کسی قول کے قائل پر کبھی انکار تو کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت انکار مقصود نہیں ہوتا

ان نو خیز بچیوں پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار ان کے دین کی حفاظت و صیانت کے لئے تھا تا کہ وہ حرام کی طرف تجاوز نہ کر جائیں یعنی غیر اللہ کے لئے ابتداء ذاتی علم کا اوداعا حرام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔
جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس خطیب پر انکار فرماتا جس نے اپنے خطبے میں کہا

من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى۔
جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت و پیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ بددین ہوا۔
یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو بہت برا خطیب ہے، تم اس طرح کہو

ومن يعص الله ورسوله
یعنی جس نے اللہ کی اور رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا
اسے مسلم و احمد و ابوداؤد اور نسائی نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔
(مسلم کتاب الحجۃ)

ابوداؤد کے لفظ یہ ہیں حضور نے فرمایا کہ اٹھ یا فرمایا کہ جاتو بہت برا خطیب ہے۔

(ابوداؤد ابواب الجحد)

اس ممانعت کی وجہ ظاہر کرتے ہوئے امام قاضی عیاض وغیرہ دیگر علماء کرام بیان فرماتے ہیں کہ ضمیر ”ہما“ میں اللہ و رسول دونوں کو شریک کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار فرمایا کیونکہ ضمیر ”ہما“ میں مساوات و برابری کا ایہام و شائبہ ہے۔ اور حضور نے اللہ عز و جل کی عظمت و تکریم کے لئے عطف کرنے کا حکم فرمایا تاکہ باری تعالیٰ کا اسم مبارک مقدم رہے۔

(شرح مسلم نووی، کتاب الجحد۔ فصل فی ایجاز الخطبۃ الخ)

حالانکہ یہی لفظ بعینہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ میں بھی ثابت و

موجود ہے۔

من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصہما فانہ لا یضر الا نفسہ۔

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی وہ راہ یاب ہوا اور

جس نے دونوں کی نافرمانی کی اس نے اپنے کو ہی نقصان و ضرر میں ڈالا۔

اسے ابوداؤد نے سند صحیح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(ابوداؤد، ابواب الجحد)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک اور خطبہ میں یہ لفظ ہیں

ومن یعصہما فقد غوی

جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

ابوداؤد نے اسے بھی ابن شہاب سے مرسل روایت کیا۔ (ابوداؤد، ابواب الجحد)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا

ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواہما۔

(احمد، مرویات انس بن مالک) marfat.com

یعنی اس کے نزدیک اللہ و رسول زیادہ محبوب ہوں ان تمام چیزوں سے جو ان دونوں کے سوا ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں سے احادیث صحیحہ میں اس لفظ (ضمیر حما) کی تکرار موجود ہے جیسا کہ امام ابو زکریا نووی نے اسے بیان فرمایا۔ اور انہوں نے اسے اس توجیہ پر محمول کیا کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ خطبوں کا حال یہ ہے کہ انہیں شرح و وسط اور وضاحت و صراحت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اشارات و کنایات اور رموز و اسرار سے اجتناب و احتراز کیا جاتا ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان اقدس ”ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواہما“ حکم کی تعلیم پر محمول ہے۔ جب جب لفظ کم اور مختصر ہوگا تو ذہن و حافظہ سے قریب اور یاد کرنے میں سہل و آسان ہوگا۔ بخلاف ان خطبوں کے جن میں وعظ و تذکیر ہوتی ہے ان کا محفوظ و یاد رکھنا مقصود نہیں ہوتا صرف ان کے ذریعہ پند و نصیحت مقصود ہوتی ہے۔

(شرح مسلم کتاب الجملۃ فصل فی ایجاز الخطبۃ الخ)

احول، ضمیر کا استعمال ترک کر دینا خطبہ کے واجبات و ضروریات میں سے نہیں اور نہ ضمیر کی جگہ پر اسم ظاہر کو رکھ کر وضاحت و صراحت کی شرط ہے۔ ہاں ضمیر کے استعمال سے اظہار مقصود مدعا میں وہاں رخنہ و خلل پڑتا ہے جہاں پر التباس و اشتباہ کا خوف ہو۔ اور یہاں پر (یعنی ومن بعضہما میں) کسی سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ پھر یہ اس بات کا مقتضی کیسے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خصب سے ذم و برائی کا سامنا کیا اور اس سے فرمایا جاؤ، یا اٹھو۔ حالانکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام جس طرح خود کسی مکروہ بات کا سامنا نہیں کرتے اسی طرح کسی مسلمان کے بری بات کا سامنا کرنے کو برا سمجھتے تھے یعنی حضور کو بری بات سے ناگواری ہوتی تھی یوں ہی حضور کی یہ خواہش رہتی تھی کہ کسی مسلمان کو کوئی برائی والی بات درپیش نہ ہو۔

جب کسی سے کوئی فعل یا کوئی قول ہرگز نہ ہوتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس

سے منع فرمانا چاہتے تو کنا یہ اور اشارہ سے کہتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسا ایسا کہتے یا ایسا کرتے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام میں ایسے ایجاز و اختصار کو پسند فرماتے جس سے افہام و تفہیم میں خلل نہ ہو۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا آدمی کی سمجھ و دانائی کی علامت و پہچان ہے تو تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو، بیشک بعض بیان جادو ہے۔ اسے احمد و مسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(مسلم کتاب الجمعۃ، باب فی ایجاز الخطبۃ۔ مسند احمد، حدیث عمار بن یاسر)

پھر یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبات و ارشادات میں اس قسم کی مثالوں کے ملنے سے اس وجہ و وجہ کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ تو وہی ہے جسے امام قاضی عیاض اور ان کے ساتھ دیگر علماء اعلام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اور یہ بھی ثابت و واضح ہو گیا کہ شئی کبھی بذات خود درست و صحیح ہوتی ہے لیکن کسی ضعیف احتمال و خوف کی بنا پر اس سے ممانعت کی جاتی ہے۔

وباللہ التوفیق۔ اس قسم کی مثال کے لئے احسن و عمدہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان اقدس ہے کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔ جبکہ ایک طرف یہ ارشاد والا ہے کہ میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار میں اور کچھ فخر نہیں۔ اسے امام احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(اتحاف السادة المستعین، التریبیدی۔ اصل ۷۔ ترمذی ابواب المناقب۔ احمد، مرویات ابن عباس)

پوری مخلوق میں حضور علیہ السلام کا افضل ہونا مجمع علیہ اور اصول دین میں سے ہے

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد آدم میں سب سے بہتر
پانچ حضرات ہیں، حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم
اور ان میں سب سے بہتر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اسے بزار نے بسند صحیح اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کیا۔
(کشف الاستار، باب فی منزلات)

امام ابن حجر مکی کے فتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ ”یہ مسئلہ اصول دین میں سے
انہوں نے اسے امام سراج الدین بلخینی سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ اصول دین کے مسائل
میں سے ہے۔“

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ بعض انبیاء
بعض سے افضل ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم سب سے افضل ہیں۔

(مفاتیح الغیب، البقرة و رفع بعضهم درجات)
اسی کے مثل نیشاپوری کی رغائب الفرقان میں اور امام زہد دہلوی کی روضہ میں پھر بحر الرائق و
منح الغفار اور رد المحتار میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ پوری مخلوقات میں انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیاء کرام میں افضل
ہیں۔ (رغائب الفرقان، باب صفۃ الصلوٰۃ، مطلب تفضیل البشر علی الملائکۃ)

زرقانی علی الموابب میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیاء و مرسلین اور جملہ
ملائکہ مقربین میں بالا جماع افضل ہیں۔ اسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ عز و جل کے نزدیک
پوری مخلوق میں مکرم ہیں اسی طرح لا تعداد بے شمار لوگوں کا اجماع و اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری مخلوقات میں افضل و اکرم ہیں۔ (جہانگیر)

ہے۔ ”بجہ تعالیٰ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت و صراحت اپنی کتاب ”تجلی الیقین بان نبنا سید المرسلین“ میں دس آیات قرآنیہ اور سوا احادیث نبویہ سے کی ہے۔ افضلیت ثابت کرنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ تفصیل سے مفضل علیہ کی تنقیص شان کا وہم ہو یعنی ایک نبی کی ایسی افضلیت ثابت کرنا جس سے دوسرے نبی کی تخفیف شان ظاہر ہو یہ ممنوع و حرام ہے بلکہ اگر توہین و تنقیص مقصود ہو تو کفر ہے۔ نیشاپوری نے آیہ کریمہ ”ورفع بعضہم درجات“ کی تفسیر میں اسی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ کسی شئی کی ممانعت و نہی سے واقع میں اس کا عدم مطابقت لازم و ضروری نہیں۔ کیونکہ کبھی شئی در حقیقت حق و درست ہوتی ہے مگر دوسری مشغولیت کے سبب سے اس سے منع کیا جاتا ہے۔

(غرائب القرآن، الحسین امی البقرة، آیت و رفع بعضہم درجات)
 تمہیں معلوم ہے کہ عاقل بالغ بالغ آدمی کے نزدیک ضمیر تشبیہ (حما) سے مساوات و برابری کا وہم اس ایہام استقلال سے زیادہ بعید ہے جو نو خیز لڑکیوں کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بغیر اعطائے رب علم غیب کی نسبت کرنے میں ہے۔
 ۳۱۔ اس بات سے ان بچیوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منع کرنے میں علماء کے نزدیک ایک دوسری وجہ بھی ہے۔

● حجۃ الاسلام امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ یہ تو نبوت کی شہادت ہے حضور نے بچیوں کو اس بات سے ڈانٹا اور اسی گانے کی طرف پھیر دیا جو بطور لہو وہ گاہ رہی تھیں کیونکہ علم غیب کے ادعا سے حضور کی توصیف و ثنا خاص عظمت و بزرگی ہے لہذا اسے لہو و لعب کی صورت میں ملا کر بیان کرنے سے منع فرمایا۔

(احیاء العلوم آداب السماع باب ۲ مقام ثانی)

اور جو مخ الروض میں ہے کہ ”بعض انبیاء کی تفصیل بعض پر اجمالی اعتبار سے قطعی ہے اور تفصیلی طور پر ظنی، اور معتد عقیدہ یہ ہے کہ مخلوق میں افضل ہمارے نبی حبیب کبریا ہیں۔ اور بعض کو اس پر اجماع کا دعویٰ ہے“ وہ خطائے فاحش اور واضح غلطی ہے اس سے اجتناب و احتراز واجب و لازم ہے۔ نسأل اللہ تعالیٰ (السلامۃ) (اللہ تعالیٰ علی قاری۔ تفصیل بعض الانبیاء علی بعض)

● ابن النین نے فرمایا انہیں اس لئے منع فرمایا کہ حضور کی مدح و شائق ہے اور نکاح کی محفلوں میں لہو مقصود و مطلوب ہے جب عظمت و بزرگی کو لہو و لعب میں شامل کر دیا تو اس سے روک دیا گیا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح باب ضرب الدف)

● ملا علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت مکروہ ہونے کے سبب سے ان بچیوں کو منع کیا گیا کیونکہ اللہ عز و جل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان غیب کو جانتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضور کو خبر دی ہے۔ یا دف بجانے اور مقتولین بدر کے مرثیہ کے درمیان بیان کرنے کی کراہت کے سبب سے منع فرمایا کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب نبوت اس سے بلند و بالا ہے، کھیل کی محفل میں حضور کا ذکر مناسب نہیں۔

(مرقاة المفاتیح۔ کتاب النکاح باب اعلان النکاح والخطبة۔ حدیث ۳۱۴۰)

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے پہلے ایہام استقلال کے سبب سے منع کی طرف اشارہ فرمایا اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عز و جل کے بتانے سے غیب جانتے ہیں۔ پھر بعد میں مرثیہ اور گانے کی مجلس میں ذکر ہونے کے سبب سے جائز قرار دیا مگر نامناسب سمجھا۔ اسی طرح امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں بیان فرمایا ہے۔

نیز امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ اس میں منع کرنے کا ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضور کا دصف جمیل لہو و لعب کے درمیان بیان کیا گیا جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب جلیل و مقام شریف یہ ہے کہ حضور کے فضائل و کمالات عظمت والی محفلوں میں بیان کئے جائیں۔ (ارشاد الساری ۸، کتاب النکاح)

اہول، حافظ ابن حجر نے جو اعتراض کیا اس کا جواب اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس واقعہ کا سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ بچیاں اگر مرثیہ ہی کہتی رہیں تو حضور انہیں منع نہ فرماتے کیونکہ احسن و عمدہ مرثیہ وہ ہے جس میں عظمت و بزرگی ظاہر کی جائے اسے

بطور لہو و لعب کے بیان نہ کیا جائے یعنی جائز مرثیہ میں اظہار عظمت مقصود ہوتا ہے لہو و لعب مطلوب نہیں ہوتا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح۔ باب ضرب الدف الخ)

کیونکہ مقصود یہی ہے کہ لہو و لعب کی مجلس میں حضور کا ذکر نہ کیا جائے بلکہ حضور کا ذکر تو مجلس عظمت میں کرنا چاہئے کیونکہ حضور سرور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رتبہ عالی جلیل و عظیم ہے۔ اور آباء و اجداد کے مرثیہ کی عظمت اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم کی عظمت مدح دونوں برابر کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟

رہا حافظ ابن حجر کا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان سے استدلال کرنا ”کہ آئندہ کل کا حال اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا“ اور ان کا تعلیل منع کی طرف اشارہ کرنا، تو میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ایسی علت پر اقتصار فرمانا جو رب عز و جل کی تعظیم و تکریم سے متعلق ہے وہاں کسی دوسری علت کی نفی نہیں کرنا جو حضور کی تعظیم شان سے متعلق ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں سے کچھ نہیں کہا بلکہ ان سے چشم پوشی فرمائی اس کا مشہور و معروف سبب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنی ذات کریم کے حقوق میں آسانی و نرمی کا مظاہرہ فرماتے یعنی اپنے نفس کے لئے کسی بے قصاص و بدلہ نہیں لیتے تھے مگر شریعت کی جد و تعزیر میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے۔ فافہم واستقم والحمد لله رب العلمین۔

درود و اعمال پیش ہونے کی

احادیث اور نو جواب

۳۲۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال پیش ہونے کی احادیث میں سے درود و سلام پہنچنے کی حدیثیں ہمارے نزدیک مسلم و مقرر ہیں اور وہ ہماری آنکھوں کی شہدک ہیں، اور اللہ کا شکر ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی قباحت و برائی نہیں ہے جس سے ہمارے مخالفین کو فائدہ و نفع ہو، کیونکہ اعمال امت کا بارگاہ رسالت میں پہنچنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے سے ان کا علم نہیں تھا۔ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ ان پر قصبے اور حالات پیش کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ انہیں جانتے ہیں۔ اعمال کا پیش ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پہلے سے وہ چیز معلوم نہیں، یہ تو حضور اور بادشاہوں کی بات ہے خود اللہ عز و جل پر اعمال پیش ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بارگاہ رب العزت میں صبح و شام بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں پھر ہر ہفتہ کے اعمال دوبار یعنی پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ پھر سال بھر کے اعمال شب برأت میں اور عمر بھر کے اعمال اس دن پیش ہوں گے جس دن تم بارگاہ ذوالجلال میں حاضر کئے جاؤ گے۔ یعنی قیامت کے دن، تمہاری کوئی چیز اس سے مخفی و پوشیدہ نہ رہے گی ہر چیز اور جملہ اعمال ظاہر و عیاں ہو جائیں گے۔

رسالہ مذکورہ نے اس بیان کو سمجھنے کی کوشش کی پھر اسے ذکر کر کے (ص ۶ پر) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تاویل واجب ہے کیونکہ اس کے حق میں کسی ایک شئی کا بھی علم نہ ہونا اجماعاً محال ہے لیکن اس کی وہ تاویل جو حضور سرور کونین صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے اسے حضور کے حق میں وہ بات محال نہ ہونے کے سبب سے حضور کی طرف پھیرا نہیں جائے گا بلکہ اسے اپنے ظاہر پر باقی رکھنا واجب ہے کیونکہ تاویل کی طرف لے جانے والی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ نصوص شرع میں قاعدہ مقررہ ہے۔

اقول، رسالہ مذکورہ نے جواب کا مقصد ہی نہیں سمجھا، یہ مقصود نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تاویل واجب ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں واجب ہو، یہاں تک کہ ایسا جواب دیا جائے جس سے دونوں کے درمیان فرق واضح و آشکارا ہو جائے۔ بلکہ مراد مقصود یہ ہے کہ اعمال کا پیش ہونا پہلے سے علم نہ ہونے پر موقوف و منحصر نہیں بلکہ علم و معلومات کے باوجود اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ رب تبارک و تعالیٰ پر بندوں کے اعمال صبح و شام پیش ہوتے ہیں جبکہ اس کو ہر شئی کا علم ہے۔ پھر اگر اعمال کا پیش ہونا پہلے عدم علم کو مستلزم ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی محال ہوتا لیکن یہ تو محال و ممتنع نہیں بلکہ واقع ہے، ایسا ہوتا ہے۔ لہذا ثابت و واضح ہو گیا کہ جس پر اعمال پیش ہوں یہ اس کے عدم علم پر دلیل نہیں ہے اور عرض اعمال کی احادیث سے مستدل کا استدلال باطل ہو گیا اس احتمال کے سبب سے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے علم ہے، یہ جواب کا مفہوم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ رسالہ کے کلام نے اس جواب کو ہاتھ تک نہ لگایا، یہ تو پردہ کے پیچھے سے ندا و خطاب کے مترادف ہے۔ اور رسالہ نے آخر میں کہا کہ یہ جواب ظاہر ہے۔ جبکہ نہ یہ قابل تسلیم ہے نہ وہ جواب ظاہر ہے جیسا کہ بادشاہوں کے حالات سے معلوم ہوا۔ اور اس پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں جس نے بادشاہوں کے معاملات کا تجربہ کیا ہے۔

۳۳۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عرض اعمال سے قبل حضور کو ان کا علم نہ تھا تو ظاہر حال اس کے دفع میں حجت ہے حقیقہ نہیں، لہذا یہ مستدل کے لئے مفید نہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ احتمال سے استدلال باطل و قطع ہو جاتا ہے اگرچہ احتمال اکثر ظاہر کے

خلاف ہوتا ہے۔

۳۴۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اعمال پیش ہونے سے پہلے حضور کو ان کا علم حاصل نہ تھا تو اس کا ظاہر ظنی ہے جو قطعی کے معارض و منافی نہیں۔ بیشک ظن و گمان حق سے کچھ بے نیاز نہ کرے گا۔

۳۵۔ اگر تسلیم کر لیا جائے پھر بھی رسالہ نے اعتراف و اقرار کیا کہ کسی قرینہ صارفہ سے ظاہر متروک ہو جاتا ہے اور یہ استحالہ میں موقوف و منحصر نہیں بلکہ ظاہر سے پھیرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن عظیم اور احادیث صحاح کے عمومات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر شئی کا علم حاصل ہے۔ ”ہر شئی“ میں سے اعمال اور درود و سلام بھی ہیں اور ان کے پیش ہونے سے پہلے ہی حضور کو ان کا علم ہے۔

۳۶۔ اگر مذکورہ شبہ تسلیم کر لیا جائے تو آیات کریمہ کا ظاہر عموم ہے اور تمہارے زعم و خیال میں ان احادیث کا ظاہر خصوص ہے تو ظاہر قرآن پر کس نے حکم صادر کیا؟ حدیث کے سبب سے ظاہر قرآن کا چھوڑنا اضعف ہے۔ کیا نصوص شرع میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر ہے جس سے کتاب کریم کے نصوص خارج و باہر ہوں؟

حضور علیہ السلام پر درود پاک دس بار اور جملہ اعمال پانچ بار پیش ہوتے ہیں

۳۷۔ یہ ثابت و واضح ہے کہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود و سلام اور اعمال امت کی پیشی بار بار بتکرار ہوتی ہے اور احادیث کی جمع و ترتیب سے میرے لئے یہ ظاہر و آشکارا ہوا کہ درود پاک بارگاہ رسالت میں دس بار پیش ہوتا ہے اور درود کے علاوہ دیگر اعمال پانچ بار پیش ہوتے ہیں۔ دربار نبوت میں درود پیش ہونے کے چند طریقے ہیں، چار کا ذکر بعد میں آئے گا اور باقی یہ ہیں۔

۱۔ تربت اطہر کے پاس ایک فرشتہ کھڑا ہے جو امتی کا درود پیش کرتا ہے۔

۲۔ وہ فرشتہ پیش کرتا ہے جو درود پڑھنے والے کے ساتھ مامور و موکل ہے۔

۳۔ سیر و سیاحت کرنے والے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

۴۔ حفاظت کرنے والے فرشتے درود پاک کو دن کے تمام اعمال کے ساتھ شام کو اور رات کے اعمال کے ساتھ صبح کو پیش کرتے ہیں۔

۵۔ ہفتہ بھر کے اعمال کے ساتھ درود شریف جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

۶۔ عمر بھر کے جملہ درود قیامت کے دن پیش ہوں گے۔

درود پاک پیش ہونے کے لئے ان دس کے علاوہ ایک دوسری صورت بھی بیان کی گئی ہے یعنی جمعہ کا دن اور اس کی رات، یعنی جمعہ کے دن و رات ہی درود کو بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک فرشتہ ہے جسے پوری مخلوق کا سنا عطا کیا گیا ہے

بخاری اپنی تاریخ میں، حارث اپنی مسند میں، ابن عاصم، عقیلی، طبرانی کبیر میں، بزار، ابوالشیخ کتاب العظمت میں، ابوالقاسم اصہبانی کتاب الترغیب میں، ابن جراح اپنی امالی میں، ابوعلی حسن بن نصر طوسی کتاب الاحکام میں، ابن عساکر او ابن نجار سب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اللہ عز وجل کا ایک فرشتہ ہے جسے پوری مخلوق کا سنا عطا کیا گیا ہے وہ میری تربت اطہر پر کھڑا ہے میری امت میں سے جو مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ کہتا ہے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ پر فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے تو رب تبارک و تعالیٰ بھی اس شخص پر ہر درود کے بدلے میں دس بار رحمت بھیجتا ہے۔

(القول البدیع سخاوی، کشف الاستار بیہقی حدیث ۳۱۶۲ باب الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ● ایک لفظ میں ہے کہ اس فرشتہ کو تمام بندوں کا سنا عطا کیا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال ترجمہ ۸۱۹)

● اصہبانی کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ وہ فرشتہ قیامت تک سنے گا۔

(القول البدیع سخاوی، ثواب الصلاة الخ)

● بزار کے لفظ یہ ہیں کہ قیامت تک جو شخص درود پڑھے گا وہ فرشتہ حضور سے

عرض کرے گا۔

(کتاب المغفۃ عقیلی، سفر ثالث ترجمہ ۱۲۳۶ء)

سراج منیر میں ہے شیخ نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(سراج منیر، عزیزی۔ حرف ان)

قلت، اس کا دارودار نعیم بن ضممہم پر ہے، ذہبی نے کہا بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا۔ اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اکثر نے انہیں ثقہ سمجھا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے بارے میں ذہبی کے قول کے سوا تو ثیق و تخرج کچھ نہیں دیکھی یعنی ابن حجر کے نزدیک نہ وہ ثقہ ہیں نہ ان پر جرح ثابت ہے۔

منذری اور سخاوی نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

(الترغیب والترہیب، اکثر المصلاۃ علی الخ)

قلت، امام ابن ہمام نے فتح میں افادہ فرمایا ہے کہ مختلف فیہ کی حدیث حسن کے درجہ سے نیچے نہیں گرتی، پھر ایسا کیوں؟ بلکہ واضح طور پر ان میں نہ جرح ہے نہ کوئی جارح؟ اور وہ حدیث عمران بن حصیر اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ امام منذری اور ذہبی نے فرمایا کہ عمران معروف نہیں ہیں۔

(میزان الاعتدال ۴ ترجمہ ۶۲۷۸)

امام سخاوی نے فرمایا کہ وہ معروف ہیں امام بخاری نے ان کے ساتھ نرمی کی اور فرمایا کہ ان کی موافقت نہ کی جائے۔ اسے ابن حبان نے ثقۃ تابعین میں بیان فرمایا ہے۔

(میزان الاعتدال ذہبی ۴ ترجمہ ۶۲۷۸)

شیخ محمد حجازی شعرانی نے فرمایا کہ اس کی سند میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں اور حدیث حسن ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر درود کی کثرت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تربت کے پاس ایک فرشتہ کو مامور و موکل فرمایا ہے جب میری امت کا کوئی

آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ مجھ سے عرض کرتا ہے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فلان بن فلاں نے ابھی آپ پر درود بھیجا ہے۔

(کنز العمال باب ۶ فی الصلاۃ علیہ علی آلہ حدیث ۲۱۸۱)

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزوں کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت و استعداد عطا کی گئی ہے۔

۱۔ جنت سنتی ہے۔

۲۔ دوزخ کو سننے کی قدرت دی گئی ہے۔

۳۔ میرے سر ہانے ایک فرشتہ ہے جو سنتا ہے۔

● جب میری امت میں کوئی شخص کہتا ہے، ”اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں“ تو جنت عرض کرتی ہے اے اللہ اسے میرے اندر میرے محل میں سکونت و رہائش عطا فرما۔

● جب کوئی شخص میری امت میں سے کہتا ہے، ”پروردگار مجھے دوزخ سے محفوظ رکھ، آگ سے پناہ دے“ تو جہنم عرض کرتا ہے اے اللہ اسے مجھ سے بچا، مجھ سے محفوظ رکھ۔

● اور جب میری امت کا کوئی آدمی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو وہ فرشتہ جو میرے سر ہانے ہے عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! یہ فلاں شخص ہے آپ پر سلام پیش کرتا ہے آپ اسے سلام کا جواب عنایت فرمائیں۔

اور جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس بار رحمت و غفران بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس بار درود پڑھتا ہے تو اللہ عز و جل اور اس کے فرشتے اس شخص پر سو بار رحمت بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو بار درود پڑھتا ہے اللہ رب العزت اور اس کے ملائکہ اس آدمی پر ایک ہزار بار رحمت و مغفرت کا اعلان کرتے ہیں

اور اس کے جسم کو آگ نہیں چھوئے گی۔

(القول البدیع باب ۴ فی تہلیف من یسلم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن جریر کنانہ عدوی سے راوی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بندہ کے ساتھ کتنے فرشتے رہتے ہیں؟ حضور نے فرمایا

● ایک فرشتہ تمہارے داہنی طرف تمہاری نیکیوں پر مقرر ہے اور وہ بائیں والے فرشتے پر امین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (سورہ ق، ۱۸)

کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

(کنز الایمان)

● اور دو فرشتے تمہارے آگے اور پیچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَا مُعَقِّبَاتٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ

(الرعد، ۱۱)

آدمی کے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

● اور ایک فرشتہ تمہاری پیشانی پکڑے ہوئے ہے جب تم اللہ کے لئے تواضع و انکساری کرتے ہو وہ تمہیں رفعت و بلندی دیتا ہے اور جب تم اللہ پر جبر و تکبر کرتے ہو وہ تمہیں توڑ کر ہلاک کر دیتا ہے۔

● اور دو فرشتے تمہارے لبوں پر مامور و مقرر ہیں یہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تمہارے پڑھے ہوئے درود کی محافظت کرتے ہیں، ان کا کام صرف بارگاہ رسالت میں پیش کردہ درود پاک کی حفاظت کرنا ہے۔

● ایک فرشتہ تمہارے منہ پر کھڑا ہے وہ کسی سانپ وغیرہ کو تمہارے منہ کے اندر

آنے نہیں دیتا۔

● اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر متعین ہیں۔

تو ایک آدمی پر یہ کل دس فرشتے ہوئے، رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے بعد آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ رات اور دن کے الگ الگ فرشتے ہیں لہذا ہر آدمی پر بیس فرشتے ہوئے جو رات و دن اس کی حفاظت کرنے پر مامور و متعین ہیں۔

(جامع البیان، طبری۔ سورۃ الرعد آیت ۱۱ معقبات من بین الایہ)

امام ابن امیر الحاج کی حلیہ میں نہایہ و کافی وغیرہا سے منقول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے ہوتے ہیں

● ایک اس کے داہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے

● اور دوسرا بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے

● ایک اس کے آگے جو نیکیوں اور بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے

● اور دوسرا اس کے پیچھے جو برائیوں اور مکروہات کو اس سے زائل و دور کرتا ہے

● اور ایک فرشتہ اس کی پیشانی کے پاس مقرر ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم پر پیش کئے ہوئے درود کو ضبط تحریر میں لاتا اور انہیں بارگاہ رسالت میں پہنچاتا ہے۔

(خوارزمی، الکفایہ، باب صفۃ الصلاۃ)

احمد، نسائی، دارمی، حاکم، ابن حبان بیہقی شعب الایمان، بزار، ابو نعیم، ضلعی، اسماعیل قاضی، ابوالشیخ اور طبرانی سب کے سب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عز و جل کے کچھ میرے سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں وہ میری امت کا سلام میری بارگاہ تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کے مثل ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام سبکی وغیرہ نے افادہ فرمایا کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے درجہ محبت پر ہے۔

(مسند احمد مرویات ابن مسعود، بحوالہ کتب صحیحہ، باب فصل علم انبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن ماجہ بسند صحیح اور طبرانی کبیر میں اور نمیری ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کہ وہ پیش ہوتا ہے اسے فرشتے میری بارگاہ میں حاضر کرتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ ابودرداء نے عرض کیا اور آپ کی وفات کے بعد یا رسول اللہ! فرمایا اور وفات کے بعد بھی درود پیش ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام فرمادیا ہے اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے۔ (ابن ماجہ ابواب الجنائز ذکر وفات الخ)

اور بعض نسخہ میں ”حين يفرغ منها“ کی بجائے ”حتى يفرغ منها“ حرف غایت کے ساتھ ہے۔

امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ”حين“ ثابت ہو تو وہ ظرف زمان کے لئے ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام پیش ہونے کا وہی وقت ہے جو اس سے فارغ ہونے کا وقت ہے یعنی درود پڑھنے والا جب درود پڑھ کر فارغ ہوتا ہے بغیر کسی تاخیر کے درود پاک اسی وقت بارگاہ رسالت میں پہنچتا ہے۔ اور اگر لفظ ”حتى“ ثابت ہو تو یہ بھی عدم تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔

(شفاء السقام فصل في علم النبي صلى الله عليه وسلم)

اقول، بلکہ عدم تاخیر پر ”حتى“ کی دلالت زیادہ ہے کیونکہ یہ انتہائے غایت کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ درود و سلام ختم ہونے کے وقت ہی ان کی پیشی ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا زمانہ متحد و متفق ہے چہ جائیکہ فوراً بعد پیش ہو۔

امام عبد اللہ بن المبارک سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی وہ فرماتے ہیں کہ ہر دن صبح و شام امت کے اعمال بارگاہ رسالت میں پیش ہوتے ہیں حضور انہیں ان کی علامات و اعمال سے پہچانتے ہیں۔

(کتاب الزہد ابن مبارک حدیث ۱۶۶)

بیہقی بسند حسن اور ابن عساکر بسند جید ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر جمعہ کو مجھ پر درود کی کثرت کرو کیونکہ میری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جو بکثرت مجھ پر درود پاک پڑھے گا اس کا مقام میرے نزدیک سب سے زیادہ قریب ہوگا۔

(سنن بیہقی کتاب الجمعۃ باب ما یومر بہ الخ)

سعید بن منصور خالد بن معدان سے مرسل راوی ”اس حدیث میں بھی یہی ہے کہ ہر جمعہ کو درود پاک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

(القول البدیع سخاوی، باب ۴ فی حلیفہ صلی اللہ علیہ وسلم)

طبرانی وابن شاہین وابن ابی عاصم اور ابن عساکر اس حدیث مشہور میں راوی جو کثیر ائمہ کرام سے بطریق متعددہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل امین ابھی ابھی میرے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی امت کو یہ بشارت و مژدہ دیدیں کہ جو آپ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اس کے بدلے میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں مٹا دی جائیں گی اور اس کے درجے بلند کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض رحمتیں نازل فرمائے گا اور وہ امتی قیامت کے دن آپ پر پیش کیا جائے گا۔

(معجم کبیر، طبرانی۔ حدیث ۴۷۲۱)

نیری ابن شہاب زہری سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہینے کی پہلی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ یہ دونوں دن تمہاری طرف سے میری بارگاہ میں درود پہنچاتے ہیں اور زمین انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

وہ ائمہ کرام یہ ہیں ابن ابی شیبہ، احمد، عبد الرزاق، عبد بن حمید، ترمذی، جیسا کہ در منثور میں ہے۔ دارمی، نسائی، طبرانی، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابوالقاسم صہبانی، اسماعیل قاضی، ابوبکر بن ابی عاصم، ابوطاہر مخلص، ابن شاہین، یحییٰ بن مخلد، ابن بشکوال، ابویعلیٰ، صابونی، جیسا کہ قول بدیع میں تفصیل ہے۔ سعید بن منصور، ضیاء خطیب، جیسا کہ جامع کبیر میں ہے۔ شاہدین جیسا کہ شفاء السقام میں ہے۔ ۱۲۰

والسلام کے اجسام کو نہیں کھائے گی۔ اور ابن آدم کے پورے جسم کو مٹی کھالے گی۔ مگر اس کی دم کی جڑ کو نہیں کھا سکتی۔ یہ پوری روایت ہے۔

(القول البدیع، باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں اسے بیان فرمایا اور اس کا آخری جملہ ”کل ابن آدم“ کو چھوڑ دیا اور یہ اضافہ فرمایا کہ جو مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے اسے فرشتہ اٹھا کر میری بارگاہ رحمت میں پہنچا دیتا اور درود پڑھنے والے کا نام لے کر کہتا ہے کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ (شفاء شریف باب ۴ فصل فی تخصیص الخ)

اس کا حال معلوم نہیں اور نمیری کی روایت میں بھی نہیں، اسی لئے اسے بیان کرنے کے بعد حافظ سخاوی نے القول البدیع میں اقتصار کیا اور بغیر اختساب کے کہا کہ وہ امام قاضی عیاض کی شفاء میں ہے۔

(القول البدیع باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے ”مناہل الصفا“ کے دو نسخوں میں اس کی تہمید کی تو ملا علی قاری اور شہاب خفاجی دونوں کا قول جسے نمیری نے روایت کیا، اس کی جگہ پر نہیں ہے۔ پھر شہاب خفاجی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ زمانے کی طرف درود پہنچانے کی اسناد مجازی ہے یعنی مہینے کی پہلی رات اور جمعہ کے دن فرشتے درود کو بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں۔ اور رات اور دن کو درود کو پیش کرنے کے لئے قوت گویائی دینا خلاف ظاہر ہے اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد فرشتے کے درود اٹھانے کی صراحت موجود ہے۔ (نسیم الریاض، باب ۴ فصل فی تخصیص علیہ السلام)

اقول، سبحان اللہ، حقیقت کو خلاف ظاہر قرار دیا گیا حالانکہ مجاز کی طرف عدول کے لئے ضرورت درکار ہے اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ایام ولیالی کا ادراک و شعور اور لوگوں کے لئے یا لوگوں پر ان کی شہادت و گواہی معلوم و معروف ہے۔ اور حدیث میں فرشتے کے اٹھانے کی صراحت نہیں ہے اور امام قاضی عیاض نے

جواسے بیان فرمایا احتمال ہے کہ وہ دوسری حدیث ہواسے اس کے ساتھ انہوں نے ملا دیا ہو جیسا کہ اس کتاب میں کئی مقامات پر ایسا ہے۔ اور اگر قرشتہ کا اٹھانا تسلیم کر لیا جائے تو وہ مطلق درود کے بارے میں ہے اور یہ جمعہ کے دن سے مخصوص ہے لہذا حقیقت کا انکار کہاں ہوا؟ لامحالہ امام سخاوی نے اس کے مجاز ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ رات اور دن تمہاری طرف سے درود پاک کو پہنچاتے ہیں۔ ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(القول البدیع باب ۴ السابغ فی معنی فی اثنی عشر)

جب ثابت ہو گیا کہ رات اور دن بارگاہ رسالت میں درود مبارک کو پیش کرتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ قرشی بار بار بتکرار ہوگی اور یہ کہنا واجب و ضروری ہوگا کہ حضور پر ہر درود پانچ بار یا اس سے زیادہ بار پیش ہوتا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم پہلے ہی حاصل ہوتا ہے درود و سلام اور اعمال کے پیش ہونے سے حضور کے عدم علم پر احتجاج و استدلال کرنا ایسا ہے جیسے زمین کے اوپر جس کو کچھ قرار و استحکام حاصل نہیں اسے جڑ سے اکھاڑ دینا۔ جب علم کے بعد پانچ مرتبہ پیش ہونا جائز ہے تو علم کے بعد چھ بار پیش ہونے میں کس نے منع کیا اور کون سی عقل یا نقل نے حد بندی کی ہے کہ معلوم ہونے کے بعد پانچ یا زیادہ بار پیش نہ کیا جائے بلکہ جب پانچ بار جائز ہے تو دس بار اور سو بار بھی جائز ہوگا۔ ولی کائنات و کار ساز مطلق نے کوئی ایک تعداد حد متعین نہیں کی ہے۔

۳۸۔ ابن ماجہ میں ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں ”و بعد الموت“ کا لفظ حرف عطف کے ساتھ زیادہ ہے اس حدیث کے ضمن میں امام سبکی قدس سرہ فرماتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظاہری موت و حیات دونوں حالت میں اعمال پیش ہوتے ہیں۔ (شقاء السقام، باب الثانی) **اقول**، اور ایک دوسری چیز یہ ہے کہ مقام نفی میں نکرہ عام ہوتا ہے یعنی کوئی مجھ

پر درود نہیں پڑھے گا مگر اس کے فارغ ہوتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش ہوگا، یہ قریب و بعید دونوں کو شامل ہے اور یہاں پر چند غمو مات ہیں جیسے یہ حدیث صحیح (ابن ماجہ والی) عمار کی حدیث حسن کی طرح ہے یعنی کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر قلاں بن قلاں نے درود بھیجا ہے۔

(کتاب المغفقا، سفر ثالث ترجمہ ۳۳۳ علی بن قاسم کندی حدیث ۱۲۳۶)

حاکم سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی شعب الایمان و حیاۃ الانبیاء میں اور ابن ابی عاصم فضل الصلاۃ میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر جمعہ کے دن درود پڑھتا ہے میری بارگاہ میں اس کا درود پیش کیا جاتا ہے۔

(حاکم مستدرک، کتاب التفسیر)

بلکہ ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، طبرانی کبیر میں، دارقطنی، ابن ابی عاصم فضل الصلاۃ میں، بیہقی، ضیاء مختارہ میں، ابونعیم، حافظ عبد الغنی، امام نووی کتاب الاذکار میں، ابوالخطاب بن وحیہ اور حاکم و منذری باقادہ تصحیح و تحسین اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

سب سے افضل داعی دن جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن مخلوق کو غشی طاری ہوگی لہذا اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود میری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہمارے درود کیسے پیش ہوں گے جبکہ وفات کے بعد آپ کا جسم گل چکا ہوگا؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام فرما دیا ہے۔

(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب الحجۃ)

طبرانی وابن عدی اور ابوالقاسم صہبانی کتاب الترغیب میں حضرت انس سے اور ابن ابی شیبہ و طبرانی اوسط میں اور ابن مردویہ و بیہقی شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، سعید بن منصور اپنی سنن میں حسن اور خالد بن معدان سے سب کے سب مرسل روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینے کی پہلی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں۔ (معجم اوسط طبرانی حدیث ۲۴۳)

افراد کے عموم سے احوال کا عموم ثابت ہوتا ہے علماء کرام نے اس بات کو مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے بلکہ قریب والے جو حاضر و مخاطب ہیں وہ لفظ ”کم“ میں پہلے ہی داخل ہیں۔ ان احادیث اور اس قسم کی روایات کا حال یہ ہے کہ جو شخص دربار رسالت میں خوب خوب صلاۃ و سلام پڑھتا ہے فرشتہ اس کے درود و سلام کو حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہے اور اس میں کچھ حیرت و تعجب نہیں کیونکہ یہ بادشاہوں کے دربار کا مخصوص طریقہ ہے اور دنیا کا کون بادشاہ اس مکرم و معظم بادشاہ جلیل کے ادب و احترام کا حقدار ہو سکتا ہے جو رب ذوالجلال کی سلطنت کا دولہا ہے۔ اور جب یہ بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں ہو سکتی ہے تو اوقات اقدس کے بعد بھی ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث عام ہے اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، مرتبہ میں زیادہ اور قوی ہے اور ان عموماً جلیہ کی تائید بیہقی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان میری تربت کے پاس مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مجھ تک پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے معاملات میں کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس کے لئے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ (شعب الایمان، بیہقی باب ۲۳ فصل الحج والعمرة۔ حدیث ۴۱۵۶)

ابن سمعون نے اپنی امالی میں اسے اس لفظ سے روایت کیا کہ جو شخص میری تربت کے پاس مجھ پر درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے تو اس کو پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے امور و معاملات میں کافی ہے اور میں روز قیامت اس کے لئے گواہ یا شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ (القول البدیع سخاوی۔ باب ۴ فی تہلیفہ صلی اللہ علیہ وسلم)

قول بدیع میں ہے کہ اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر احادیث صحاح و حسن کے عموماً میں سبب تقویت ہے۔

لامحالہ، جوہر منظم، کے مصنف نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضہ انور کے پاس صلاۃ و سلام کو بذات خود بلا واسطہ سنتے ہیں اور فرشتہ بھی پہنچاتا ہے اس میں حضور کی خصوصیت و عظمت شان اور حضور سے استمداد و استعانت بتانا مقصود ہے۔

(الجوہر المنظم۔ ابن حجر المہشی المحلی)

زر قانی نے اسے برقرار رکھا اور اس سے شک و شبہ کی رگ بالکل کٹ گئی اور ثابت و واضح ہو گیا کہ اس بات پر عرض و تبلیغ کی قطعاً کوئی دلالت نہیں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پیش شدہ اعمال کا علم نہیں تھا۔

جو میری تربت کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں

اقول، اللہ کا شکر ہے اسی سے ظاہر و واضح ہو گیا کہ وہ اس حدیث کے منافی و معارض نہیں جو دوسری روایت میں ہے اسے بیہقی نے بھی شعب الایمان میں بطریق سدی، اعمش و ابوصالح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اس کے لفظ یہ ہیں: جو میری تربت اظہر کے پاس مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ میری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔

(شعب الایمان باب ۱۵ حدیث ۱۵۸۳)

امام سبکی نے اس کی تعلیل اسی طرح بیان کی یعنی محمد بن مروان سدی صغیر جھوٹ سے متہم ہیں۔ اور اسے ابوالقرج نے موضوعات میں بیان کیا اور جھوٹ سے متہم کیا۔ عقیلی نے کہا اعمش کی حدیث میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور محفوظ نہیں۔ حافظ عماد الدین بن کثیر نے فرمایا اس کی سند میں نظر ہے۔

(موضوعات ابی القرج۔ باب ذکر سماء الصلاة الخ۔ تفسیر ابن کثیر۔ سورۃ الاحزاب)

ایسا اس لئے ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بذات خود سماعت فرمانا فرشتہ کے ذریعہ پیش ہونے کے متافی نہیں ہے۔ تبلیغ اور سمع میں فرق یہ ہے

● عرف و اصطلاح کے اعتبار سے دور سے نقل کرنے کو تبلیغ کہتے ہیں

● اور کان کے حاسہ سے سننے کو سمع کہتے ہیں۔ لہذا دونوں کے درمیان مقابلہ درست ہے۔

سوال: یہ ٹھیک ہے لیکن قریب سے حضور کے سننے کی خصوصیت کا وہم ہوتا ہے؟

جواب: (جواب): یہاں پر ہم اس کے درپے نہیں ہیں بحدہ تعالیٰ ہم اس سے اپنی کتاب ”سلطیہ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری“ میں فارغ ہو چکے ہیں اور یہاں پر تمہیں ایک اجمالی جملہ کافی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کریں گے اگرچہ یہاں پر اس بحث کی گنجائش نہیں لیکن ہمارا مقصود مدعا مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور رفعت شان بتانا اور ان عظیم و جلیل نعمتوں کا اظہار کرنا ہے جنہیں ان کے مولیٰ عزوجل نے ان کے لئے پسند فرمایا۔

یاد رکھو کہ ملک و حباب کی توفیق سے جواب پانچ طریقے پر ہے۔ پہلا جواب مشہور و معروف علماء کے نصوص و اقوال پر ہے اور آخری جواب تحقیقی ہے جو مختار و پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

فاقول، وبالله التوفیق

اول: یہ معلوم ہو چکا کہ عرف کے اعتبار سے ابلاغ دور سے نقل کرنے کے ساتھ

marfat.com

خاص ہے۔ اور دو طرفوں میں سے ایک کی خصوصیت اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے بتوں کے شکوے میں عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ
وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
(ابراہیم، ۳۶)

اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک بخشے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان) لوگوں کا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ہونماں کی پیروی و اتباع کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحیم و مہربان ہونا کسی شئی کے ساتھ خاص نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی حکایت میں فرماتا ہے
وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رِبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ

(النمل، ۴۰)

اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔ (کنز الایمان)

خاصی: کبھی کوئی شئی طرفین کی کسی شئی کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی مناسبت کے لئے اس کو ذکر کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی حکایت میں فرماتا ہے

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(المائدۃ، ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ (کنز الایمان)

اور فرماتا ہے

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ
اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ
بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ
(التحریم ۴)

نبی کی دونوں بیویاں اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ
ہٹ گئے ہیں اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک
ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔
(کنز الایمان)

حضور کے فضائل سے متعلق کسی چیز میں دور وایتوں کی جمع و تطبیق کا ضابطہ

ثالث: جمع کا اطلاق مزید قبول و توجہ سے سننے پر ہوتا ہے جیسے، سمع اللہ لمن حمدہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے حمد کرنے والے کی حمد سنی۔

دابع: ”فرمان اقدس کہ جو میرے روضہ کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں“ اس میں احتمال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمع محیط عطا ہونے سے پہلے فرمایا۔ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق اس قسم کی باتوں میں علماء کا یہ دائمی جواب ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ“ اور ”لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ“ کی تفصیل میں معلوم ہوا اور یہ حدیث ”ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ“ اور حدیث ”لَا تَفْضُلُونِي عَلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى“ (یعنی مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو) کے جوابات میں سے ایک جواب ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے ان روایات (اسلام ابوین کریمین) کے درمیان جمع و تطبیق میں بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ برابر بلند و بالا مقامات میں ترقی کرتے رہے، اعلیٰ مدارج و مراتب پر صعود و درود فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی روح طاہرہ کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ لہذا یہ جائز ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ درجہ یعنی سماعت فرمانے کا بعد میں حاصل ہوا لہذا نصوص کے درمیان کوئی تعارض و تنافی نہیں یہ توضیح احسن و عمدہ ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، باب وفاة احمد و ما الخ)

marfat.com

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم خدا کی مجھ پر تمہارا رکوع و خشوع مخفی نہیں میں تو اپنی پشت انور کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری کتاب الصلاة باب عظمت الامام الخ)

اس پر یہ اشتباہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم میں سے کس نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا؟ ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایسا کیا ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے حرص و طمع کو اور زیادہ کرے دوڑنا نہیں یعنی رکوع پانے کے لئے دوڑ کر نہ آنا بلکہ اطمینان سے آنا یا دو بارہ ایسا نہ کرنا بلکہ نماز کے لئے جلدی آنا۔

(بخاری کتاب الاذان۔ مسند احمد مرویات ابی بکرہ)

نسیم الریاض میں ہے کہ امام ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس فضیلت و عظمت کے عطا ہونے سے پہلے کا یہ قصہ ہے یعنی ابو بکرہ کا قصہ پشت انور کے پیچھے دیکھنے کی فضیلت عطا ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانیں ہمیشہ روز افزوں و ترقی پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

(نسیم الریاض، الجزء الاول، فصول و اماذ و عقائد صلی اللہ علیہ وسلم)

مطلب جلیل

سمع و بصر و دود و ہیں عرفی عادی اور علوی الہی

خلاصہ: یہ منقوش و مزین علامت و نشانی ہے اس کی طرف میں نے کلام میں اشارہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سننا و طرح سے ہے

۱۔ عرفی عادی جو کان کے حاسہ سے ہوتا ہے۔

۲۔ علوی الہی جس میں جسمانی آلہ و حواس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

کان سے سننا عادی ہوا کے پہنچنے کے سبب سے ہوتا ہے جو تکلیف ہو کر کان کے سوراخ تک آواز کو پہنچاتی ہے اور یہ آواز کان کے اس پٹھے سے ٹکراتی ہے جو کان کے اندر بچھا ہوا ہے لہذا مسافت کی تحدید و تعیین میں کوئی تعجب نہیں، اس مسافت سے موج والی ہوا ٹکرا کر پہنچتی ہے تو وہ آواز کی کیفیت سے تکلیف ہو کر باقی رہتی ہے۔ عادت کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ مسافت طویل ہونے کے سبب سے تموج باطل اور تکلیف تراں ہو جاتا ہے اور ایک حد کے بعد پھر سننا متصور نہیں ہاں فرق عادت کے طریقے پر سنا جا سکتا ہے اس کے لئے مسافت کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہی اس روایت (جو میری تربت کے پاس درود پڑھے میں اسے سننا ہوں) کا محمل ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسی لئے ابن حجر کی اپنے فتاویٰ میں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ ”عند“ سے مراد یہ ہے کہ قبر انور کے قریب سے ہو۔

امام سخاوی قول بدیع میں یوم جمعہ کے بعض خطباء کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جمعہ کے دن درود پاک پیش کرے تو حضور اسے اپنے کانوں سے سماعت فرماتے ہیں اور اسے قریب پر

محول کرنے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ یہی امام نووی کے جواب کا منشاء و مقصد ہے کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے تین طلاق کی قسم کھائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود پاک کو سنتے ہیں یعنی جس نے قسم یوں کھائی کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام درود پاک کو سنتے ہیں تو اس کی بیوی پر تین طلاق۔ تو کیا حضور کے اس طرح سماعت فرمانے سے وہ حائث ہو جائے گا؟ کیا اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی؟

انہوں نے جواب دیا کہ سماعت میں شک و تردد ہونے کے سبب سے اس پر حث کا حکم لگایا نہیں جائے گا۔ مگر ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حائث ہو جائے گا تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(زرقانی علی، المواعظ، جزء ۵ مقصد ۴۲ و منها انہ وکل بقمرہ الخ)

اسے زرقانی نے نقل کیا ہے، کیونکہ قسم کی بنیاد ان کے نزدیک حقیقت لغویہ پر ہے اور ہمارے نزدیک قسم کی بنیاد عرف و اصطلاح پر ہے اور دونوں یہاں پر متفق و متحد ہیں کہ سننا کان کے حاسہ سے ادراک و علم کا نام ہے اور خرق عادت کے طور پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سننا ہمیشہ مشکوک و مشتبہ ہے اور شک و تردد سے حث ثابت نہیں ہوگا لیکن جہاں پر شک و شبہ طاری ہو وہاں پر تقویٰ و پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب و احتراز کیا جائے۔ اس لئے وقوع طلاق کا حکم ہوگا اور وہ حائث ہو جائے گا۔

روحانی قوتوں سے سننا، دیکھنا پکڑنا اور چلنا عرش سے فرش تک ہر قریب و بعید کو محیط ہے

سمع کی دوسری قسم یعنی علوی الہی، اس سننے میں پٹھا اور ہوا کا دخل نہیں بلکہ اللہ عز و جل کی استعانت و عطا سے سنا جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے امام بخاری ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری رودکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ الحدیث (بخاری، کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

اور اسے احمد و بیہقی دونوں نے ”کتاب الزہد“ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

(کتاب الزہد الکبیر، بیہقی۔ الاجتہاد فی الطاعة۔ حدیث ۶۹۳)

ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جو کرتا ہوں اس میں تردید نہیں کرتا جتنا تردد مومن کی جان سے کرتا ہوں جو موت کو برا جانتا ہے اور میں اس کے برا جاننے کو برا جانتا ہوں۔ ۱۲ منہ

(عمدة القاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

marfat.com

نیز اسے ابن ابی الدنیا و طبرانی و ابونعیم و ابن حبان اور ابن عدی ام المومنین عائشہ سے اور اسمعیلی مسند علی میں امیر المومنین علی سے، طبرانی اور بیہقی کتاب الزہد میں ابوامامہ سے، ابویعلیٰ و یزید و طبرانی حضرت انس سے اور طبرانی بسند حسن مختصر ابن عباس و حذیفہ سے، اسی طرح ابن ماجہ و ابونعیم کتاب الحلیہ میں معاذ بن جبل اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا۔

حافظ ابن حجر سے منقول ہے، اس حدیث کے بعض طرق میں ہے، اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ وہ بندہ میرے ذریعہ سنتا ہے، میرے سبب سے دیکھتا ہے، میری وجہ سے پکڑتا ہے اور میری قدرت سے چلتا ہے۔

(فتح الباری کتاب الرقاق باب التواضع)

اقول، درست و حق معنی یہی ہے اس کے بعد کسی تاویلات بعیدہ کی حاجت نہیں جنہیں علماء نے بیان فرمایا ہے۔ جب سنتا اور دیکھنا اللہ عز و جل کے ذریعہ سے ہوگا تو کسی شئی سے اس کا محدود و محبوب ہونا یا کسی شئی کے قریب ٹھہرنا مستبعد ہے۔

اس بات کو ہم نے اسی کتاب میں امام قاضی عیاض و ملا علی قاری اور مناوی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نفوس قدسیہ جب علائق بدنہ سے خالی ہوں تو ان کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور وہ سب کچھ مشاہدہ و موجود کی طرح دیکھتے اور سنتے ہیں۔

(تیسرے شرح جامع صغیر، حرف الحاء)

امام ابن الحاج کی مدخل میں ہے ہم نے ان کے حوالے سے اس کتاب میں اس کو نقل کیا اور اس سلسلے میں اس کے بیان کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اللہ کے نور کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ یہ تو ان مومنین کے لئے ہے جو بقید حیات ہیں پھر ان مومنوں کا کیا حال ہوگا جو دار آخرت میں ہیں؟ (المدخل، الکلام علی زیارۃ سید الاولین الخ)

قلت، اس حدیث کو امام بخاری نے تاریخ میں اور ترمذی نے جامع میں

marfat.com

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حکیم امام ترمذی کبیر نو اور الاصول میں، سمویہ اپنی فوائد میں، طبرانی کبیر میں، ابن عدی کامل میں ابو امامہ باہلی سے، ابن جریر عبد اللہ بن عمر سے، اور ابن جریر، طبرانی کبیر میں، ابو نعیم حلیہ میں، عسکری کتاب الامثال میں ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ثوبان کی ایک حدیث میں یہ زیادہ ہے اور اللہ کی توفیق سے بولتا ہے۔

(ترمذی، ابواب التفسیر سورہ نحل۔ ترجمہ کبیر طبرانی، ترجمہ راشد بن سعد۔ حدیث ۳۹۷۷ در منثور سورۃ النحر)

امام رازی سورہ کہف ”انج علی صیہ الکرامات“ میں فرماتے ہیں۔ حجت سادہ یہ ہے اس میں شک نہیں کہ افعال کا متولی بدن نہیں روح ہے اور شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان روح کو ہوتی ہے جس طرح روح کی معرفت بدن کو ہوتی ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس کو عالم غیب کے احوال کا علم زیادہ ہوگا اس کا قلب دوسروں کے لحاظ سے زیادہ قوی ہوگا۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں قسم خدا کی میں نے باب خیر کو جسمانی قوت سے نہیں بلکہ قوت ربانیہ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسی طرح بندہ جب طاعت و بندگی پر موانعت و ہیبت کی کمی کرتا ہے تو قرب الہی کے ایسے مقام خاص میں پہنچ جاتا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کا کان اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور جب جلال الہی کا نور اس کا کان ہو جائے تو وہ قریب و بعید دونوں کو یکساں و برابر سنتا ہے، اور جب وہی نور باری اس کی آنکھ ہو جائے تو وہ دور و نزدیک دونوں کو یکساں دیکھتا ہے اور جب وہی نور یزادنی اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ سخت و دشوار، نرم و آسان اور قریب و بعید سب میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر، الکہف آیت ان فی ذلک لایات للمتوسمین)

نیم الرماض ہم ہاتھ کے اشاروں میں اللہ تعالیٰ کی عیاض کے قول کے تحت میں ہے

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اجسام وکواہر کے اعتبار سے بشر کے ساتھ ہیں اور ارواح و بواطن کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ حاصل یہ ہے کہ ان کے بواطن اور ان کی روحانی قوتیں ملکیہ ہیں اسی لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھتے اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ کو سن لیتے ہیں اور جب جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں۔

(نیمہ لریاض، ج ۳، قسم ثالث، فیما یجب للنبی علیہ السلام)

یعنی اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جو ترمذی و ابن ماجہ اور ابونعیم میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے میں تو آسمانوں کے چڑچڑانے کی آوازوں کو سنتا ہوں اور آسمانوں کو چڑچڑانے کا حق ہے وہاں پر چار انگلیوں بھر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پر فرشتے سجدے میں پیشانی نہ رکھے ہوں۔

(ترمذی، ابواب التَّحَدُّثِ)

ابونعیم کی حدیث میں ہے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرماتے تھے ناگاہ حضور نے صحابہ کرام سے فرمایا تم وہ نہیں سن سکتے جو میں سنتا ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا کہ میں آسمان کی چڑچڑاہٹ کو سن لیتا ہوں اور آسمان کو چڑچڑانے کا حق ہے اس میں بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں پر کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو۔

(حلیۃ الاولیاء، اسماعیلی، ج ۲، ترجمہ ۷۹، صفحہ ۱۷۱، بن عمر)

حضور کا غائبانہ امداد فرمانا

طبرانی صغیر میں ہے ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک شب ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے جب حضور نماز کے واسطے وضو کے لئے اٹھے تو میں نے حضور کو دوران وضو میں تین بار لیک، لیک،

لیک (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) اور تین بار نصرت، نصرت، نصرت (میں نے مدد کی، میں نے مدد کی، میں نے مدد کی) فرماتے ہوئے سنا جب حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کو وضو کرتے وقت تین بار لیک اور تین بار نصرت کہتے ہوئے سنا گویا کہ آپ کسی انسان سے بات کر رہے ہیں کیا آپ کے ساتھ کوئی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی کعب کے شہسواروں نے مجھ سے مدد طلب کی اس لئے میں نے یہ کہا وہ سمجھتے ہیں کہ قریش نے ان پر بنی بکر کی اعانت و مدد کی ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دن کے بعد جب حضور نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو ہم نے بنی کعب کے لوگوں کو پڑھتے ہوئے سنا، اے رب میرے ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے ہیں۔ یعنی بنی کعب کے لوگ فتح مندی کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا۔ (معجم صغیر، طبرانی باب المیم ترجمہ من اسرہ محمد)

زرقانی نے اس پر افادہ فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تین دن کی مسافت کے فاصلے سے سن لینا کوئی بعید و تعجب نہیں ہے حضور تو اس بلند و بالا نیلگوں آسمان کی چڑچڑاہٹ سماعت فرماتے ہیں۔

(زرقانی ۲ مقصد اول فی تشریف اللہ علیہ السلام)

روح کی سماعت و بصارت

حافظ حدیث سیدی احمد ^{ملطی} ابریز شریف میں اپنے شیخ سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ روح کی سماعت دو طرح کی ہے

● ایک سمع وہ ہے روح کی طرف جس کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت روح کے ذات میں چھپنے سے پہلے ہوتی ہے اسی کی قوت زمین کے مشارق و مغارب میں پہنچتی ہے۔

● دوسرا سمع وہ ہے روح کی طرف جس کی نسبت ذات میں چھپنے کے بعد ہوتی ہے اور یہ صرف کان کا سننا ہے۔

اور روح کی بصارت بھی دو طرح کی ہے

● ایک حجاب سے پہلے ہے اسی کے ذریعہ زمین کے مشارق و مغارب نظر آتے ہیں اور بصر کی یہی قوت زمین و آسمان کے ساتوں طبقات کو پھاڑ دیتی ہے۔

● دوسری حجاب کے بعد ہے جو صرف آنکھ سے ہوتی ہے۔

روح کی رفتار بھی دو طرح کی ہے۔

● ایک حجاب سے پہلے ہے جو زمین کے مشارق و مغارب کو ایک قدم میں طے کر لیتی ہے۔

● دوسری مٹی حجاب کے بعد ہے جو صرف حیر سے ہوتی ہے۔

اسی طرح روح کے دل کی نگاہیں بھی دو ہیں۔

● ایک حجاب سے پہلے ہے جس کا تعلق اس کی بصیرت سے ہے اور یہ بصیرت روح کے تمام جواہر میں ہوتی ہے اور ایک گھڑی میں اس کی تمام معلومات کو دیکھ لیتی ہے وہاں قرب و بعد کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جس ذات میں وہ روح ہے وہ اور عرش اعظم دونوں اس کے پاس ایک حد پر برابر ہیں۔

● اور دوسری نگاہ روح کو حجاب کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ صرف دل میں ہوتی ہے۔
(ابریز شریف، باب اول، الاما عادیث)

نیز ابریز شریف میں سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس پر ان قوتوں کا دروازہ کھولا جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو یہ وسعت دی جاتی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے سمیع میں وہ قوت دی جاتی ہے جس سے وہ ایک سال کی مسافت سے چیونٹی کے پیر کی آواز سن لیتا ہے اور اس پر آوازوں کا اختلاط نہیں ہوتا وہ ہر چیز کی آواز کو جدا جدا سنتا ہے اور ایک کی آواز سننے وقت دوسرے کی آواز سے غافل نہیں ہوتا یہاں تک کہ آن واحد میں ہزاروں لوگ جو بولتے ہیں وہ سب سن لیتا اور سمجھتا ہے۔

(ابریز شریف، الباب التاسع فی القرآن میں الجمع)

Marfat.com

عالم کے تمام حاجت مندوں کی ولی کا مدد
 کرنا اور ان کی آوازوں کا ایک آن میں
 سننا اسے کوئی چیز دوسری چیز سے غافل
 نہیں کرتی اور اس راہ میں

حضور علیہ السلام
 سے اس ولی کی مدد ہوتی ہے

امیر شریف میں ہے سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ
 کے ایک ولی کو مقام عظیم پر پہنچا ہوا دیکھا کہ وہ مخلوقات کا مشاہدہ کر رہے ہیں خواہ وہ
 مخلوق ناطق ہو یا غیر ناطق، اور وحوش و طیور، حشرات الارض اور کیڑے مکوڑے، آسمان
 اور ماہ و نجوم، زمین اور زمین کی چیزیں اور تمام کرب عالم سب اس ولی سے استمداد و
 استعانت کرتے ہیں۔ ان سب کی آوازوں اور کلام کو وہ بیک وقت سنتے ہیں۔ ہر ایک
 کی ضرورت و حاجت کے مطابق اس کی امداد و اعانت کرتے ہیں اور جو چیز اس کے
 لئے بہتر و صالح ہو اسے عطا فرماتے ہیں مگر کسی ایک میں مشغولیت کے سبب سے
 دوسرے سے غافل نہیں ہوتے بلکہ ان کے نزدیک عالم علوی و عالم سفلی ایک ہی مقام
 اور ایک ہی منزل میں ہیں۔ پھر اس ولی پر رحم کیا جاتا ہے وہ دیکھتے، غور کرتے اور سمجھتے

ہیں کہ ان کی مدد و تصرف نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت سے ہے اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد و اختیار بارگاہ رب ذوالجلال سے ہے لہذا وہ (ولی) ہر چیز کو اللہ عز و جل ہی کی طرف سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔
(امریہ شریف، باب ۶ فی ذکر شیخ التریبہ)

بعض وہ فرشتے جنہیں دائمی طور پر سمع محیط کی قدرت دی گئی ہے

اس فرشتہ کے بارے میں حدیث مذکور ہوئی جسے پوری مخلوق کا سنا عطا کیا گیا ہے، اسی کے مثل وہاں پر ایک دوسرا فرشتہ بھی ہے، ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور میں جسے طبرانی نے روایت کیا اس میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اللہ عزوجل نے ایک فرشتہ مامور و مقرر فرمایا اس کا کام یہ ہے کہ آپ کی پیدائش سے قیامت تک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود پاک پڑھتا ہے وہ کہتا ہے اور تم پر بھی اللہ تعالیٰ رحمت و برکت نازل فرمائے۔ (معجم کبیر ۵ ترجمہ انس بن مالک حدیث ۴۷۲۰)

ایک حدیث میں انہیں کے مثل اور دوسرے دو فرشتوں کا بیان ہے جسے طبرانی و ابن مردودہ اور ثعلبی نے حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے میرے لئے دو فرشتوں کو مامور و متعین فرمایا ہے جب کسی بندہ مسلم کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ درود پڑھے تو وہ دو فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں ”آمین“ کہتے ہیں۔

(معجم کبیر، ترجمہ امام انیس بنت الحسن۔ حدیث ۲۷۵۳)

دقیقی کی امالی میں یہ ہے کہ کسی مسلمان کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود بھیجے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے۔ اللہ عزوجل اور اس کے

فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں آمین کہتے ہیں۔

(درمنثور سیوطی ۵، الاحزاب آیت ان اللہ و ملائکۃ الایۃ)

اور ایک حدیث گزری کہ جنت سنتی ہے، دوزخ سنتا ہے اور میرے سر ہانے ایک فرشتہ ہے وہ سنتا ہے۔

ترمذی باقاؤہ تحسین اور ابن ماجہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مرد کو اس کی بیوی دنیا میں ایذا و تکلیف دیتی ہے تو حور عین میں سے اس کی بیوی کہتی ہے اے اذیت نہ دو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے وہ تو تمہارے پاس سے جانے والا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے تم سے جدا کر دے گا۔ (ابن ماجہ، ابواب النکاح ترمذی، ابواب الرضا ع)

یہ بات جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام و غلمان اور غلاموں کے لئے ہے کہ وہ ہزاروں سال کی مسافت کے فاصلے سے دائمی طور پر ہمیشہ سنتے ہیں تو حضور کے بارے میں کیا خیال ہے؟ دوسرے کے لئے جو بھی تصرف و اختیار ہے وہ حضور ہی کی امداد و اعانت سے ہے اور وہ حضور ہی کا صدقہ و عطیہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مطلب جلیل

کسی بندہ خدا کے لئے علم و سمع اور بصر
اگرچہ باعطاء الہی ہو عالم کی ہر شئی
کو محیط ہونا ثابت کرنے میں وہابیہ کے
دعوئے شرک پر برہان ربانی

جیسا بھی ہوا وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے وہابیہ کے شرک کو نار جہنم میں دھکیل دیا ہے
کیا وہابیہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ملائکہ اور جنت و دوزخ اور حور یہ سب دور و نزدیک سے
سننے ہیں تو یہ سب اللہ کے شریک ہیں؟ اور ایک شئی کو دیکھتے ہوئے دوسری شئی پر شرک
کا حکم مختلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی بھی شئی کسی بات میں
اس کے شریک ہو۔ لہذا جب بعض کے لئے یہ قدرت ثابت کرنا شرک نہیں تو مطلقاً اور
کسی چیز کے لئے بھی یہ ثابت کرنا شرک نہیں ہوگا اگرچہ یہ جزاف مبالغہ ہو یا باطل۔ یا
اس سے بڑھ کر عدم ثبوت یا ثبوت عدم ہو۔ اور جس طرح کسی بات کا ثبوت بعض کے
لئے شرک ہو وہ جس کے لئے بھی ثابت ہوگا اسی طرح ہر ایک میں شرک ہوگا۔ یہ بات
ہر عقل سلیم اور دین مستقیم رکھنے والے کے لئے روشن و واضح ہے۔ لیکن وہابیہ تو عقل و
شعور سے خالی اور دین کے معاملے میں کم اور باتونی ہیں۔

بعض وہابیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ زمین کا علم محیط ابلیس لعین کے
لئے نص سے ثابت ہے اور کہا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ایسا علم

ثابت کرنا شرک ہے ایمان کا اس میں کوئی شائبہ نہیں۔ اسے وہابیہ کے گرو (مولوی رشید احمد) گنگوہی نے اپنی کتاب ”براہین قاطعہ؟“ میں لکھا ہے۔

(براہین قاطعہ، بحث علم غیب)

یعنی جب اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا تو دیکھئے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے ساتھ کس طرح کفر کیا اور ابلیس ملعون پر ایمان لائے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی صفت خاصہ میں اس کا شریک ہے اسی بات کو اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے تو ان کے نزدیک شرک باللہ اور اللہ کا شریک ثابت کرنا قرار پائے۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا ہے

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ

(الحج، ۴۶)

تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

(کنز الایمان)

یہ ان کے شرک کے قتل و ہلاک کی ایک برہان ہے۔

اور دوسری برہان یہ ہے کہ وہابیہ سے پوچھو کیا وہ اس بات کا یقین و اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو ایسی قوت و طاقت عطا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ایک دن کی مسافت کے فاصلے کی آواز کو سن لے؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں تو وہ کافر ہیں اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے تو ان سے پوچھو کہ ایک مہینے کی مسافت، ایک سال کی مسافت، اسی طرح پچاس ہزار سال کی مسافت تک بڑھاتے جاؤ اور اگر سابقہ احادیث حجب کو دیکھ کر اس مسافت کو بڑھانا چاہتے ہو تو جتنا چاہو بڑھاؤ یہاں تک کہ یہ مسافت ابعادِ مثلثہ کے انقطاع تک پہنچ جائے گی۔ لہذا جہاں پر وہابیہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مسافت سے اپنے کسی بندے کو سنانے پر قادر نہیں ہے تو بیشک انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ عاجز ہے جس کے

سبب سے وہ کافر ہو گئے۔ لہذا ان کا ”ہاں“ کہنا ضروری ہے یعنی ہاں اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور جب یہ قطعاً یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ایسی قوت و ادراک عطا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی میں ہر وقت ہر آواز کو سنے تو یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ کسی کے لئے ایسی بات ثابت کرنا شرک نہیں ہوگا نہ شرک ہونا ممکن ہوگا کیونکہ شریک باری ثابت کرنے کو شرک کہتے ہیں، اور شریک محال بالذات ہے، اور محال بالذات کا تحت قدرت داخل ہونا خود محال ہے اور کسی بندہ کو سمیع کی قوت دینا تو تحت قدرت داخل ہے لہذا اس کا اثبات شرک کا اثبات نہیں تو وہ شرک نہ ہوگا۔ یہیں آکر باطل پرست ذلیل و رسوا ہوئے۔

بصر و علم کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا جائے گا یہ دونوں برہان ربانی ہیں ان دونوں پر ایمان و یقین رکھو و ہابیہ کے شرک و کفر سے محفوظ و مامون رہو گے۔

زمین سے عرش اعظم تک کی مسافت و فاصلہ کے بارے میں ابن ابی حاتم کی وہ روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ہر زمین اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور ان کے درمیان کی مسافت چودہ ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور ساتوں آسمان اور عرش الہی کی مسافت چھتیس ہزار سال ہے، یہی ہے وہ قول جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج، ۴)

وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)

(تفسیر ابن ابی حاتم، ۱۰، سورہ معارج۔ حدیث ۱۸۹۸۸)

دہابیہ اپنے اس دعوے شرک سے خود ہی مشرک ہیں

پھر اگر تحقیق کی جائے تو ان کا شرک ان پر ہی چلے گا کیونکہ دہابیہ کے نزدیک خالق کی صفت میں مخلوق کو شریک کرنے کا نام شرک ہے، اور شرکت خالق و مخلوق دونوں جانب سے ہوگی جیسا کہ مخلوق کے لئے خالق کی صفت ثابت کرنا دونوں کے درمیان شرکت کو مستلزم ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

اسی طرح خالق کے لئے مخلوق کی صفت ثابت کرنا دونوں کے مابین شرکت کو چاہتا ہے۔ دہابیہ نے اللہ عزوجل کی طرف قریب و بعید کی نسبت کرتے ہوئے مکانوں کی تقسیم کی ہے یہاں تک کہ انہوں نے دور و نزدیک سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے سننے کے قول کو مولیٰ عزوجل کی صفت میں ان کا شریک ہونا ٹھہرایا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شئی سے بعید ہونے سے بلند و بالا ہے۔ لہذا انہوں نے مخلوق کی صفت کو خالق کے لئے ثابت کیا تو شریک لازم آئی اور شرک ثابت ہوا لہذا وہ مشرک ہوئے۔ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے آخرت کا عذاب تو اور بڑا ہے کاش وہ جانتے۔

کلیم و حبیب کی جسمانی آنکھیں

طبرانی معجم صغیر میں بسند صحیح اور امام قاضی عیاض شفا شریف میں بسند خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تو پھر وہ دس میل کے فاصلے سے اندھیری رات میں چٹان پر چوٹی کود کچھ لیتے تھے۔ یہ نگاہ و بصر کی رویت ہے۔

(شفا شریف، باب ۲ قسم اول، فصل داما و نور عقل)

نسیم الریاض میں ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نور الہی نے مل کر روح حیوانیہ میں اثر کیا اور اس نور میں اضافہ کر دیا جس کے بدن میں پھیل جانے اور منتشر ہونے کے سبب سے علم و ادراک حاصل ہوتے ہیں۔

نسیم الریاض ہی میں ہے کہ جب زرقاء یمامہ جو عہد جاہلیت کی ایک عورت تھی اس کی کہاوت و مثل بھی مشہور ہے اس کی نگاہ اتنی تیز تھی کہ وہ چند میل کے فاصلے سے دیکھ لیتی تھی۔ پھر ان نفوس قدسیہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(نسیم الریاض، باب ۲ قسم اول)

جب حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ و رویت کا یہ عالم ہے جبکہ انہوں نے رب عز و جل کو نہیں دیکھا بلکہ صرف اس کی تجلی دیکھی، پھر حبیب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بصر و رویت کے بارے میں کیا خیال ہے جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چشم سر سے رب کا دیدار کیا؟ ”فہذہ رویۃ البصر“ (یہ بصر کی رویت ہے) کہہ کر شفا میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن کریم سے روحانی بصر محیط کا ثبوت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح طیبات کی رویت فرسخ و میل اور مراحل و منازل سے مقید نہیں وہ تو عرش کی بلندی سے فرش کے تحت مغرئی تک تمام حجابات کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہے کیا رب تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان مقدس نہیں ہے

وَكَذَلِكَ نُبَيِّنُ لَكَ آيَاتِنَا لَعَلَّكَ تَعْلَمُ (الانعام، ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(کنز الایمان)

ابن جریر و ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باطنی اور ظاہری امور روشن و بجلی فرمادیئے اور مخلوقات کے اعمال میں سے ان پر کچھ بھی مخفی و پوشیدہ نہ رہا۔ (جامع البیان طبری۔ الانعام آیت و كذلك نری الایۃ)

آدم بن ابی ایاس و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں مجاہد سے راوی، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ساتوں آسمان کو کھول دیا گیا انہوں نے ان میں نظر کی تو ان کی نگاہ عرش عظیم تک پہنچ گئی اور ان کے لئے ساتوں زمینوں کو کھولا گیا تو انہوں نے زمین کی تمام چیزیں دیکھ لیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام آیت مذکورہ حدیث ۷۵۰۱)

سعید بن منصور و ابن منذر و ابن ابی حاتم سدی کبیر سے راوی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ساتوں آسمان کو کھول دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش تک دیکھا اور جنت میں اپنے مقام کو دیکھ لیا۔ پھر ان کے لئے ساتوں

زمینوں کو کھولا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اس چٹان کو دیکھا جس پر زمینیں قائم ہیں۔
جب یہ مقام و منصب خلیل جلیل کے لئے ثابت ہے تو حبیب جمیل کے لئے بدرجہا
اولیٰ ثابت ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ وبارک وسلم۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام آیت مذکورہ حدیث ۷۵۰۲)

مطلب عظیم جو فضیلت و معجزہ اور عزت کسی نبی کے لئے ثابت ہے وہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت ہے

جب ہم کوئی فضائل و معجزات کسی نبی کے لئے دیکھتے ہیں تو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ان کے ثبوت کا حکم دگا دیتے ہیں اس کے لئے ہمیں مزید کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کسی نبی کے لئے اس فضیلت و معجزہ کا ہونا ہی کافی ہے۔ اور صورت یا ظاہر کا اعتبار نہیں بلکہ حقیقت کا اعتبار ہے۔

اولا: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمان باری تعالیٰ ”ومن عصانی فانک غفور رحیم“ (ابراہیم ۳۶) اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے) کے تحت میں دلیل قائم کر نیکی بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں پر نافرمان سے مراد وہ مومن ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے۔

یہ آیت مقدمہ گناہ کبیرہ والوں سے قبل توبہ عذاب و عقاب ساقط ہونے میں شفاعت ہے، جب اس شفاعت کا حصول حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ثابت ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں چند وجوہ سے ثابت ہے۔
۱۔ فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

۲۔ یہ تمام مناصب میں افضل و اعلیٰ منصب ہے، اگر یہ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ

المصلاۃ والسلام کو حاصل ہو اور حضور کے لئے حاصل نہ مانا جائے تو یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں چند وجوہ سے نقصان دہی کا باعث ہوگا۔

(تفسیر کبیر، سورہ ابراہیم آیت ۱۲ ومن عصانی فانک غفور رحیم)

وشافیا: امام قاضی عیاض کی شفا شریف اور امام سیوطی کی خصائص کبریٰ اور امام قسطلانی کی مواہب لدنیہ اور شہاب مکی کی افضل القرئی وغیرہ علماء اعلام کی کتابوں میں ہے، شفا شریف کے لفظ یہ ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں جن کو جو فضیلت و کرامت دی گئی ان کے مثل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی دی گئی ہے۔

(شفا شریف، باب اول فصل ۷)

خصائص کبریٰ کے لفظ یہ ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ جس نبی کو جو فضیلت و معجزہ دیا گیا ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس کی نظیر بلکہ اس سے بڑھ کر موجود ہے۔

(خصائص کبریٰ، سیوطی۔ ذکر موازاة الانبیاء فی الخ)

افضل القرئی میں ہے کہ علماء نے تجربہ و تحقیق کی روشنی میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پھر ان خصائص و فضائل کا موازنہ اور تلخیص کرنے لگے جو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بیان فرمایا ہے اور دونوں بزرگوں نے طلب و تلاش اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت چیزیں باقی رکھی ہیں ان میں بعض کا ذکر عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز خصائص کبریٰ میں ہے: کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے جن خصائص کا شمار کیا گیا ہے وہ سب کے سب حضور کی ذات اقدس میں جمع ہیں جو معجزات و فضائل دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو عطا کئے گئے اور حضور کے علاوہ کسی دوسرے کی ذات میں جمع نہیں بلکہ ہر نبی کے لئے ایک نوع کا معجزہ مخصوص ہے۔ اس سلسلے میں امام مطلبی عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت عنقریب آئے گی۔

(خصائص کبریٰ، باب و اخص بان الخ)

امام نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ کے تحت میں فرماتے ہیں کہ جو دلائل نبوت کی کتابوں میں غور و فکر کرے وہ ہر اس معجزہ کے مقابلے میں جو حضور سے پہلے کسی نبی کو دیا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ اس سے افضل و اعلیٰ پائے گا۔

(غرائب القرآن نیشاپوری، البقرة۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا)

علامہ قاسی مطالع السمرات میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک ”جامع“ ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام صفات کے جامع ہیں جو متفرق و جداگانہ طور پر دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء و علماء رحمہم اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں یہ اس لئے ہے کہ وہ سب حضور کی تفصیل کی صورتیں اور حضور کے خلفاء اور حضور کے مقامات کے مظاہر ہیں ان میں جو بھی ہیں وہ اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے حضور کے نور میں تیرتے اور حضور ہی کے بحر عطا سے پھلتے پھولتے ہیں۔ اس کا پورا مضمون آگے آنے والا ہے۔

(مطالع السمرات، علامہ قاسی۔ فصل فی الاسماء)

ہمارے نبی ہی ہر فضل کی اصل ہیں اور در اصل ہر فضل حضور ہی کے لئے ہے

وفاقت: ائمہ کرام کی تصریحات یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہر فضیلت کی اصل ہیں اور ہر فضل و کمال در اصل حضور ہی کے لئے ہے حضور ہی سے اس کی ابتدا و آغاز ہے اور حضور ہی کے دست رحمت پر اس کی تقسیم موقوف ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تقسیم فرماتے ہیں اور اللہ عز و جل عطا فرماتا ہے۔

امام محمد بصری قدس سرہ فرماتے ہیں

وکل آی اتی الرسل الکرام بها فانما اتصلت من نورہ بہم
جو آیات و نشانیاں رسولان کرام کو دی گئیں وہ حضور ہی کے نور سے ان سے متعلق
و متصل ہیں۔

فانہ شمس فضل ہم کو اکھا یظہرون انوارہا للناس فی الظلم
حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل و کمال کے آفتاب اور انبیاء
کرام نجوم و کواکب ہیں لوگوں کے لئے ان کے انوار و تجلیات تاریکیوں میں ظاہر و
آشکارا ہوتے ہیں۔

حتی اذا طلعت فی الکون عم ہذا ہا العلمین و احیت سائر الامم
یہاں تک کہ جب وہ آفتاب رسالت طلوع ہوتا ہے تو دونوں جہان میں اس کی
ہدایت عام ہو جاتی ہے اور اپنی جلوہ بازیوں سے وہ امتوں کو زندگی عطا کر دیتا ہے۔

(الکواکب الدریہ، امام شرف الدین بصری)

ملا علی قاری ان اشعار کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر علم و معرفت اور تمام نکتہ و

حکمت سب حضور ہی کے انوار و تجلیات کی شعاعیں اور حضور ہی کے اسرار و رموز کی تابانیاں ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (الزبدۃ المہمدی فی شرح البردۃ۔ علی قاری، فصل ۳)
امام بوصری قدس سرہ اور فرماتے ہیں

فاق النیین فی خلق و خلق ولم یدانوا فی علم ولا کرم
حضور علیہ الصلاۃ والسلام اخلاق و کردار میں تمام انبیاء پر فوقیت لے گئے علم و کرم
میں کوئی بھی حضور کے قریب و ہمسر نہ ہوئے۔

(الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ، امام شرف الدین بوصری)
امام بوصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں پر لفظ ”علم“ کو نکرہ استعمال کر کے عموم
افراد کی طرف اشارہ کیا اور یہ اقادہ فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام حضور کے
علوم و معارف میں حضور کے قریب نہ ہوئے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس شعر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ کوئی نبی حضور
کے اجتناس علم کی کسی جنس اور حضور کے انواع کرم کی کسی نوع میں حضور کے قریب و
برابر نہ ہوئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیہم وبارک وسلم۔ (شرح البردۃ، علی قاری)

امام عبدالوہاب شعرانی ”الیواقیت والجواہر“ میں فتوحات کے باب ۳۳۷ سے
نقل کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے حضور کی سیادت و
سررداری اور حضور کی نبوت و رسالت کا عہد و پیمان لیا گیا اس عہد کی بنیاد پر حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیوں کے نبی ہیں۔ اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے واذا اخذ
اللہ میثاق النیین، الایۃ (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد و پیمان لیا) تو حضور
کی رسالت و شریعت تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ لہذا جس نبی کو بھی کوئی خاص
چیز دی گئی وہ دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور وہ حضور ہی
کے فیضان کی عطا ہے۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲ نبوت رسالت نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

دونوں جہان میں کسی کو کوئی نعمت وفضیلت حضور کے بغیر حاصل ہوئی نہ ہو رہی ہے نہ کبھی حاصل ہوگی

مطالع المسرات کے حوالے سے اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر خیر و برکت کم ہو یا زیادہ وہ حضور ہی سے حاصل ہوتی ہے اور حضور ہی کی طلعت زیا سے ظاہر و آشکارا ہوتی ہے اور تمام وجود حضور ہی سے متجلی ہو کر پھیلا جس طرح درخت بیج سے پھیلتا ہے، حضور ہی وجود کے بیج اور موجود کے قریب تر ہیں۔ حضور ہی ارواح کی اصل اور روح اعظم و آدم اکبر ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(مطالع المسرات، شیخ قاسی۔ فصل فی الاسماء)

اسی میں ہے، حضور سرور کوین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم میں اللہ عز و جل کے خلیفہ اور بارگاہ عزت کے واسطہ و وسیلہ اور اللہ کے انعام و عطا تقسیم فرمانے کے متولی ہیں۔ جس کو بھی وجود میں رحمت و برکت حاصل ہوئی یا دنیا و آخرت، ظاہر و باطن، علوم و معارف اور طاعت و بندگی میں سے جسے رزق کا کوئی حصہ ملا وہ حضور ہی کے واسطہ اور حضور ہی کے دست رحمت سے ملا۔ حضور ہی جنتیوں میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔ اسی سبب سے ائمہ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا ہے کہ حضور کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کنجیاں اجناس علم کے خزانے ہیں علماء کو ان کی طلب کے مطابق دیا جاتا ہے، عالم میں جس چیز کا بھی ظہور و بروز ہے وہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا و بخشش ہے

کیونکہ حضوری کے دست اقدس میں کنجیاں ہیں خزان الہیہ سے جو بھی چیز نکلتی ہے وہ حضوری کے ہاتھوں نکلتی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(مطالع المسرات، فی کیفیۃ الصلاۃ الخ)

اقول: ہم نے اپنی کتاب ”اکمال الطامۃ علی شرک سوی بالامور العالمۃ“ میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو کنجیاں عطا ہونے کا حال آیات قرآنیہ اور احادیث کثیرہ کے حوالے سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے ان کے مطالعہ سے مومنین کے سینے کھل جائیں گے کہ وہ روشن آفتاب حق و ہدایت کا مطلع انوار ہے۔

مطالع المسرات میں ہے، مخلوق کو جو نعمت و برکت پہنچتی ہے وہ حضوری کے ذریعہ سے موصول ہوتی ہے حضوری بر نعمت کے ون و مولیٰ اور حضوری نعمتوں کے ذریعہ احسان فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیمًا کثیرا ابدالابدین۔ اور اس میں کوئی شک و ریب نہیں کہ جو بھی پردہ عدم سے عرصہ وجود میں آیا اسے حضوری کی رحمت دی گئی ہے حضور عین رحمت و جان رحمت ہیں، حضور کا وجود سر اسر رحمت ہے، ہر ایک پر حضوری کے دست اقدس اور حضوری کے ذریعہ سے رحمت ہوتی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (مطالع المسرات، فصل فی کیفیۃ الصلاۃ والتسلیم علیہ)

سیدی ابوالحسن بکری محمد صدیقی مصری قدس سرہ فرماتے ہیں

ما ارسل الرحمن او يرسل من رحمة نفعه او تنزل

فنی ملکوت اللہ او ملک من کل ما يختص او يشمل

الاوطه المصطفیٰ عبده فیہ مختاره المرسل

واسطۃ واصل لہا یعلم هذا کل من یعقل

یعنی رحمن نے جو بھیجایا بھیجے گا، اللہ کے ملک و سلطنت میں جو رحمت چڑھتی یا

اترتی ہے، وہ خاص ہو یا عام ہو سب کے لئے رحمن کے بندے نبی مختار رسول کردگار محمد

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ و وسیلہ اور واصل ہیں اس بات کو بر عقل سلیم رکھنے

والا جانتا ہے، سیدی بکری نے افادہ فرمایا کہ جسے عقل نہیں وہ اسے نہیں جانتا۔

(حوالہ مذکور)

امام ابن حجر مکی جو ہر منظم میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے خلیفہ اعظم ہیں اسی نے کرم کے خزانوں اور نعمتوں کے دسترخوانوں کو حضور کے ہاتھوں کے تابع فرمان اور حضور کے ارادہ و اختیار میں کر دیا ہے حضور جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ (الجوہر المظم، ابن حجر مکی مکی۔ فی زیارة القبر الشریف) شہاب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افضل القرئی میں فرماتے ہیں، جس فضل و کمال سے کاملین آراستہ و مزین ہوئے وہ حضور ہی کے فضل و شرف سے ہستمداد و استعانت کے واسطہ سے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (افضل القرئی، شہاب المکی)

ہر فضل حضور کے فضل کا پر تو اور

حضور ہی سے مستعار ہے

امام محمد بوسیری قدس سرہ ام القرئی میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع دے۔

کل فضل فی العلمین فمن فضل النبی استعاره الفضلاء
دونوں جہان میں جو بھی فضل ہے فضل والوں نے اسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے مانگے لیا ہے۔

شارح مکی فرماتے ہیں کہ فضل والوں سے مراد انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین ہیں کیونکہ حضور ان کے حامی و مددگار ہیں حضور ہی بارگاہ الہی کے وارث و جانشین ہیں، حضور ہی بارگاہ عزت سے بلا واسطہ استمداد و استعانت کرتے ہیں کسی اور کو یہ منصب جلیل حاصل نہیں کیونکہ بارگاہ رب ذوالجلال سے حضور ہی کے وسیلہ سے مدد مانگی جاتی ہے جس کامل کو جو چیز ملتی ہے وہ حضور کی بعض مدد اور حضور ہی کے دست اقدس سے ہوتی ہے۔

امام بوسیری نے ”استعارہ الفضلاء“ کی بجائے ”استعارہ الفضلاء“ فرمایا تا کہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کا فضل و کمال سے متصف ہونا معلوم ہو جائے۔ یعنی وہ حضرات بقیہ عالم پر فضائل و کمال میں کامل ہونے کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے استمداد کرتے ہیں انہیں یہ فضل اصالت و استقلال کے طور پر نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ہے عاریت دینے والا جب چاہے تو اسے واپس لے سکتا ہے۔
(الفتوحات الاحمدیہ، سلیمان الجمل تحت بیت مذکورہ)

اقتول، ناظم قدس سرہ کے کلام میں تیج لفظ اور استعارہ، استمداد اور اقتباس کے معنی میں ہے ہمیں کوئی شک نہیں کہ یہ استعارہ کریم و رحیم کی عطا و بخشش ہے جو رد نہیں ہوگی اور نہ وہ رد کرنا چاہے۔

وَإِنْ يُرِيدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ

(یونس، ۱۰۷)

اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔ (کنز الایمان) مگر دیکھو کہ اس کے مقابل میں کیسا استثناء کیا گیا۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ

(الانعام، ۱۷)

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا۔

(کنز الایمان)

حضور کے فضل سے فضلاء کے استعارہ کرنے کے معاملہ کو بھی مطلق رکھا اس میں کچھ استثناء نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ شیخ سلیمان جمل پر رحم فرمائے انہوں نے اس کی شرح میں اس کلام کی تلخیص کی اور حدیث رد کو اس سے ساقط کر دیا۔

حکم، حضور علیہ السلام ہی کا نافذ ہوتا ہے،

اس کا پھیرنے والا کوئی نہیں

امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راز و رموز کا خزانہ اور نفوذ امر کا مقام و مرکز ہیں، حضور ہی کی طرف سے حکم نافذ ہوتا ہے، حضور ہی کی طرف سے بھلائی منتقل ہوتی ہے۔

الاسبابی من کان ملکاً وسیداً و آدم بین الماء والطین واقف
من لومیرے ماں باپ اس پر قربان جو بادشاہ و سردار تھے جبکہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام پانی اور مٹی کے درمیان ٹھہرے تھے۔

اذا رام امر الا یكون خلافہ ولیس لذلك الامر فی الیوم صارف
جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا خلاف نہیں ہوتا بات یہ ہے کہ کائنات میں اس امر کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ (المواہب لدنیہ، قسطلانی۔ المقصد الاول)
نظر ثالث کے آخر میں امام بحر حقائق پھر امام عبد الوہاب شعرانی کے حوالے سے گزرا کہ دنیا میں جس کو جو علم ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باطنیت سے ملتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا علماء جو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے گزرے یا بعد میں ہوئے۔ (الیواقیت و الجواہر، بحث ۳۳)

لہذا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانا حبیب کریم محبوب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات کی چمک کی روشنی اور شعاعوں سے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کو دیکھنا حضور

کے لئے اصالۃ اور خلیل کے لئے تبعاً ہے۔ علیہما الفضل الصلاة والتسليم۔
 پھر صحیحین کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شئی ایسی نہیں جو مجھے دکھائی نہ گئی اور
 ہر شئی کو میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھا۔ (بخاری، کتاب العلم۔ مسلم کتاب الکسوف)
 اور ایک حدیث یہ ہے کہ میں تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ
 ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا ہوں۔ (کنز العمال، حدیث ۳۱۹۷۱)
 حضور کے واسطے سے یہ تمام انبیاء کرام کو بھی حاصل ہے۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

مطلب نفیس

قرآن عظیم سے مطالب ثابت کرنے میں بہت سارے لوگ غافل ہیں

اقول: قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ کسی چیز کے ذکر میں ایک لفظ پر اقتصار و اکتفا کرتا اور اسی لفظ سے اس سے بڑی بات برہان کے طریقے پر ثابت فرمادیتا ہے جیسے لا تقل لہما اف میں والدین کو اف کہنے کی ممانعت دہی پر اکتفا کہا جبکہ اسی لفظ سے انہیں سب و شتم اور مارنے، تکلیف دینے کی ممانعت بھی ثابت ہے۔ اس کی عمدہ اور نفیس نظیریں ہیں جن سے ظاہر میں نگاہیں بہت ہی کم آگاہ و آشنا ہیں۔

● حیات شہداء کا ذکر و مقامات پر ہے اور حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکرے سے قرآن خاموش ہے۔

● انہیں میں سے یہ ہے کہ فرشتوں کی عصمت پر قرآن میں نص موجود ہے۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم، ۶)

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ (الانبیاء، ۲۷)

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کار بند ہوتے ہیں۔

(کنز الایمان)

پہلی آیت میں فرشتوں سے قصد اودانستہ اور دوسری آیت سے خطا و گناہ کی نفی کی گئی ہے کیونکہ انہیں قول و فعل دونوں کے اعتبار سے مطیع و فرمانبردار بنایا گیا ہے۔

قرآن کریم نے فرشتوں کی عصمت بیان فرمائی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت و عفت کا ذکر چھوڑ دیا۔

● قرآن عظیم میں یہ صراحت ہے کہ تمام امتوں پر یہ امت (محمدیہ) افضل ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران، ۱۱۰)

تم بہتر ہوا ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ (کنز الایمان)
جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جہاں اس امت کے نبی کی افضلیت بیان فرمائی وہاں کنایہ اور لفظ محتمل کا استعمال فرمایا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرة، ۲۵۳)

اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ (کنز الایمان)

اسی احتمال کی بنیاد پر اگر کوئی دین دار مسلمان اس آیت سے حضور کے ثبوت افضلیت میں شک کرے تو جائز ہے حرام نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسرے نبی پر اس کو محمول کرنا جائز ہے جیسا کہ کشاف نے کیا اسی طرح یہاں پر بھی احتمال ہے۔

عدم صراحت میں شاید یہ حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات سے بری کرنا مقصود ہے کہ کہیں جبلاء و سفہاء یہ نسبت نہ کر دیں کہ حضور نے خود اپنی تعریف کی ہے جیسا کہ بعض اشقیاء نے کہا کہ محمد تو چاہتے ہیں کہ ہم ان کو حنّان و مہربان بنالیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انبیاء سابقین کے لئے جو خصائص شمار کئے گئے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ان سب کے ثبوت کا اظہار و تذکرہ

اگر سوال ہو کہ پھر تو بد بثناء مذکور یہ لازم آئے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو فضیلت حاصل نہیں ہوئی وہ فضیلت کسی نبی کے لئے نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب عصا کو سانپ بنایا اور کب ہاتھ کو بیضاء (چمکدار) کر کے نکالا؟ (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو یہ بیضاء کا معجزہ دیا گیا)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مردوں کے زندہ کرنے اور مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرنے کا معجزہ کب دیا گیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی کا پرندہ بنایا اس میں پھونک ماری تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن کر اڑ گیا۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام فرشتوں نے کہاں سجدہ کیا؟

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند ہوا اور وحوش و طیور اور شیاطین و جن کو ہمارے حضور کے لئے کب مسخر و فرماں بردار کیا گیا؟ یہ سب سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں صفوں کی ترتیب سے شامل ہو کر جایا کرتے تھے۔ انہوں نے بارگاہ الہی میں

هَبْنِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي

(سورہ ص، ۳۵)

مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (کنز الایمان)

اور ان واقعات سے جواب دفع نہیں ہوگا جو حضور سے کبھی کبھی بعض حیوانات کے بارے میں واقع اور مذکور ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ اسے بخاری و مسلم نے ابن عباس اور بزار نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسند حسن روایت کیا۔

(بخاری، کتاب الانبیاء۔ مسلم کتاب الحجۃ)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پیر برہنہ بدن اور غیر محتون لایا جائے گا سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے خلیل کو کپڑا پہناؤ پھر جنت کی دوسفید چادریں فرشتے لا کر ان کو پہنائیں گے، ان کے بعد مجھے کپڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی داہنی طرف ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں پر اولین و آخرین مجھ سے غبطہ و رشک کریں گے۔ اسے داری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(داری، باب فی شان الساءۃ، حدیث ۲۸۰۳)

حضور سید کوئین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور مجھے بھی ان کے ساتھ بے ہوشی طاری ہوگی پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے کنارے کو پکڑے ہوں گے اب یہ معلوم نہیں کہ بے ہوش ہونے والوں میں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا اللہ نے ان کا استثناء فرما دیا کہ وہ بے ہوش ہی نہ ہوں گے۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(بخاری، کتاب التوحید۔ مسلم، کتاب الفعائل)

تقابل و موازنہ میں جو روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں ان دونوں روایتوں کو ابو نعیم و سیوطی اور ابن حجر نے ذکر نہیں کیا ہے۔

شارحین حدیث و سیرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ جزئی فضیلت ہے جو کسی نبی کو حاصل ہے۔ اور جو تم نے ثابت کیا وہ فضیلت حضور پر کسی کو حاصل نہیں اگرچہ جزئی طور پر ہو۔ یعنی جو معجزہ یا فضیلت کسی نبی کے لئے مخصوص ہے اس میں بھی وہ نبی حضور سے افضل نہیں بلکہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی افضل المرسلین ہیں۔

حضور علیہ السلام کو ہر طرح سے دونوں جہان پر فضیلت حاصل ہے کسی چیز میں کسی کو حضور پر کوئی فضیلت نہیں

اقول، و باللہ التوفیق

ہاں ہمارے نزدیک تو یہ ایسا ہی ہے بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر عظیم و جلیل ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں جملہ اولین و آخرین پر حضور ہی کو ہر طرح سے فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اور یہ ہم پر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ ہمیں اس ممکن سے مکمل آرام اسی وقت ملے گا جب ہم اس باب میں وارد شدہ اعتراض کا جواب دینے کے لئے کمر بستہ ہوں گے۔ بیشک یہ وہ طریقہ ہے جس پر شارحین متاخرین کا مزین ہے جبکہ اس میں عہد ماضی کے ائمہ کی کوئی روایت و نص موجود نہیں یعنی اس بات کا التزام نہیں کہ بعض انبیاء کو بعض امور میں حضور پر فضل جزئی حاصل ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بارک و سلم۔ کسی کا کوئی فضل جزئی حضور کے فضل کے معارض و منافی نہیں کیونکہ حضور کا فضل کلی ہے اور تقاضی و برتری میں فضل کلی ہی کا اعتبار ہے۔

اگر ہم آرام و آسانی چاہیں تو مسلک و مختار تو یہی ہے لیکن جہاں ہمارے نزدیک یہ ثابت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہر فضل و شرف میں اصل ہیں اور دیگر انبیاء کے فضائل و محامد حضور کے محاسن و فضائل سے مستعار ہیں بلکہ وہ حضور کے فضل و شرف کا پرتو اور عکس ہیں۔ امام بصری قدس سرہ قصیدہ حمزہ کے مطلع میں

فرماتے ہیں

کیف ترقی رقیب الانبیاء یاسماء ما طار لتها مماء
لم یدانوک فی علاک وقدحا ل سنامک دونهم و سناء
انما مثلوا صفاتک لنا من کما مثل النجوم الماء

(ام لقری، امام بومیری)

آپ کی بلند منزلوں تک انبیاء کرام کیسے پہنچ سکتے ہیں، اے آسمان تیری بلندیوں کے برابر کوئی آسمان بلند نہیں ہو سکتا، انبیاء کرام آپ کی بلندیوں کے قریب نہ پہنچ سکے آپ کی بلندی و برتری ان کی بلندیوں میں حائل ہو گئی، البتہ وہ لوگوں کو آپ کی صفات کا پرتو دکھا رہے ہیں جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔

پھر یہ کیسے درست و صحیح ہے کہ سایہ کا کوئی حصہ الگ جدا ہو جائے چہ جائیکہ اصل سے بڑھ جائے ہم نے بقدر وسعت یہ ثابت کیا کہ حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائنات میں سب سے افضل و برتر ہیں اور حضور پر کسی کو کوئی فضل و بزرگی حاصل نہیں خواہ جزئی ہی کیوں نہ ہو، یہ وہی قائدہ ہے جو اس سے پہلے علماء کے حوالے سے یہاں بیان کیا گیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں متفرق و جداگانہ طور پر موجود تھا اور مزید وہ عطاۓ ربانی ہے جسے مخلوق شمار نہیں کر سکتی۔

صاحب قصیدہ بردہ و ہمزہ کا تذکرہ

اسی طرح امام بوسیری کے کلام میں صراحت و وضاحت ہے ”ولم یدانواہ فی علم ولا کرم“ یعنی علم و کرم میں کوئی نئی حضور کے قریب نہ پہنچے، جیسا کہ یہ گزر چکا ہے اور قصیدہ ہمزہ کے اشعار تمہیں کافی ہیں اور وہ حدیث صحیح کافی ہے جس میں یہ ہے کہ دونوں جہان میں جس کو جو فضیلت و بزرگی حاصل ہے وہ حضور ہی کے فضل و کمال کا صدقہ و حصہ ہے۔ قصیدہ ہمزہ کو تم حقیر و کمتر نہ سمجھو اور نہ اسے شاعرانہ تخیل کہو بلکہ یہ تو امام کبیر کا قول ہے جو جلیل القدر علماء کبار کے شیخ ہیں مثلاً امام عز الدین بن جماعہ، امام ابوالفتح بن سید الناس، امام ابو حیان مفسر، امام العز بن جماعہ، شیخ المحمد شین امام حافظ زین الدین عراقی، امام سراج الدین ابن ملقن، امام سراج الدین بلقینی، حافظ الشان امام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام امام ابوزکریا انصاری، امام ابن حجر مکی، ان ائمہ نے قصیدہ ہمزہ کو ایک دوسرے سے روایت کیا اور اسے اپنی اپنی تصانیف میں برقرار رکھا۔

اور قصیدہ بردہ شریف کا حال تو مخفی و پوشیدہ نہیں اس میں صرف امام ابن حجر کا قول کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اتنی زیادہ شہرت و مقبولیت ہوئی کہ لوگ قرآن عظیم کی طرح گھروں اور مساجد میں اس کا درس لینے لگے۔

(افضل القری لقراء امام القری، ابن حجر۔ فی المقدمة)

ید بیضا، اور عصا کا اثر دہا ہونا، مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرنا اور ان سب کا جواب

اب رہا ہاتھ کا چمک دار نکالنا اور عصا کا اثر دہا کر دینا، مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کر دینا۔

تو میں کہتا ہوں کہ بیشک فضل و بزرگی تو صفت میں ہے اور فعل مصلحت کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً دو اچھے بزرگ کا تب جن کی کتابت حسین و عمدہ اور فائق و مشہور ہو، ان میں سے ایک کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی چیز لکھے اور دوسرا اسے چھوڑ دے تو جس نے نہیں لکھا اس پر لکھنے والے کو کوئی فضیلت نہیں بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس نے نہیں لکھا اس کی کتابت لکھنے والے سے اچھی ہو۔

کیا تم نے وہ نہیں دیکھا جسے ابو یعلیٰ و ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اور ابن مردویہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ جب آیہ کریمہ ”وانسذر عشیرتک الاقربین“ (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبل ابوقیس پر کھڑے ہو کر آواز دی اے عبد مناف کی اولاد! میں غریب اور ڈرانے والا ہوں، یہ سن کر قریش آئے حضور نے انہیں خوف دلایا اور ڈرایا۔ قریش نے کہا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر و تابع کر دیا گیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دریا کو خشک کر دیا گیا اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ پہاڑ یہاں سے

ہٹ جائیں اور زمین سے نہریں جاری ہو جائیں پھر ہم وہاں کی زمینوں کو کھیت بنا لیں انہیں جو تبن، فصل بوئیں اور کھائیں۔ یا آپ اللہ سے دعا کیجئے وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے ہم ان سے بات کریں وہ ہم سے بات کریں۔ یا اللہ سے یہ دعا فرما دیں کہ جس چٹان پر آپ کھڑے ہیں وہ سونا بن جائے پھر ہم اسے تراشیں اور ہم گرمی و سردی کے سفر کی مشقت و کلفت سے بے نیاز ہو جائیں کیونکہ آپ کا خیال ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے مثل نبی ہیں۔ ہم حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے تھے اور یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضور پر وحی اترنے لگی جب وحی کی کیفیت زائل ہوئی تو حضور نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ سب عطا فرما دیا جو تم نے سوال کیا اگر میں چاہوں تو وہ سب ہو جائے لیکن مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ یا تو تم رحمت کے دروازے میں داخل ہو گے تو تمہارے ایمان والے محفوظ رہیں گے یا یہ کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا اور تم اپنے لئے خواہش نفس کی چیز پسند کر لو گے تو رحمت کے دروازے سے ہٹ جاؤ گے اور ایمان والے بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے اسی لئے میں نے رحمت کا دروازہ اختیار کیا تاکہ تمہارے ایمان والے محفوظ و مامون رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بتایا کہ اگر وہ تمہیں وہ سب چیزیں عطا فرما دے پھر بھی تم کفر کرو تو اس پر وہ تمہیں ایسا دردناک عذاب دے گا کہ دونوں جہان میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ (۵۹)

(بنی اسرائیل، ۵۹)

(تین آیات تلاوت فرمائیں)

اور ہم ایسی نشانیاں بھیجے سے یوں ہی باز رہے کہ انہیں انگلوں نے جھٹلایا۔ (کنز الایمان)

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ

اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے۔ (کنز الایمان)

(مسند ابو یعلیٰ، مرویات زبیر بن العوام۔ حدیث ۶۸۵)

حضور علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے،
پہاڑوں کو ہٹانے، نہر جاری کرنے،
چٹانوں کو سونا بنانے پر قادر ہیں لیکن
حضور نے ایسا قصد نہیں کیا

ابرین میں ہے کہ ولی پوری مخلوق کو ایک لمحہ میں ہلاک و برباد کرنے پر قادر ہے
لیکن اس کو ایسا کرنا جائز نہیں۔

رب تبارک و تعالیٰ کے قدرت دینے سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مردوں کو زندہ کرنے، پہاڑوں کو ہٹانے، زمین سے نہریں جاری کرنے اور چٹانوں کو
سونے سے بدلنے پر قادر ہیں لیکن حضور نے قصد ایسا نہیں کیا۔ اور ملا علی قاری کا یہ
قول گزر چکا ہے کہ جب لوگوں نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مردہ زندہ
کرنے کی گزارش کی تو حضور نے ان کے جواب میں (استغفروا لا ھیکم یعنی اپنے

ابرین شریف میں ہے کہ چہرہ کو آگے سے پیچھے کرنے کے وقفہ میں ولی پوری مخلوق کو ہلاک و برباد
کر دینے پر قادر ہے اس کے باوجود جب وہ مسلمانوں اور کفار کے معرکہ کاراز میں موجود ہو تو اس
قدرت اور اس راز سے کافروں پر تصرف کرنا ولی کے لئے حرام ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی اقتدا و پیروی کرتے ہوئے کافروں سے عادت کے مطابق لڑائی کرے۔ اس میں ایک
دلیل یہ بھی ہے کہ فرشتے کافروں کے ہلاک کرنے پر قادر ہیں مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی
حفاظت کرتے ہیں۔ ایک ولی نے باطنی قدرت سے کافروں کی کشتی میں آگ لگا دی تو اس سے
بڑے ولی نے اس کا حال سب کر لیا۔ ۱۲ منہ

بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو) فرمایا تا کہ دوسروں کے لئے سد باب ہو جائے۔
لوگ بار بار آ کر کسی مردہ کو زندہ کرنے کی گزارش نہ کریں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں تھے۔ کیا تم نے نہ سنا کہ حضور نے فرمایا اگر میں چاہوں
تو ایسا ہو جائے۔ اسی پر علماء کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں ”احیاء موتی“ اور مصیبت
زودہ بیماروں کا شفا یاب ہونا وغیرہ ابواب قائم کئے۔ اور حضور کے خدام اور غلاموں سے
یہ بات اس کثرت سے صادر ہوئی جو حد تو اتر کر پہنچ گئی ہے۔ واللہ الحمد۔

حضور علیہ السلام ہر ایک کے جملہ احوال کے عالم ہیں

یواقیت و جواہر باب ۳۳۷ میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ
مقامات ہیں کوئی نبی ان میں حضور کے شریک و سہیم نہیں ہیں۔

● ایک مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر ایک
ماحوال و کیفیات کا علم عطا فرمایا کیونکہ حضور تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے
ہے۔ اور یہ معلوم و ظاہر ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف و متفادات ہوتے ہیں لہذا حضور
رسالت کا ہر ایک کے جملہ حالات کے لئے عام ہونا ضروری ہے۔

● ایک مقام یہ ہے کہ اللہ عز و جل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احوال و اموات
و حسا عطا فرمایا بخلاف دوسرے نبی کے کہ انہیں حقیقتہً یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔

(الیواقیت و الجواہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالۃ نبینا الخ)

بیہقی بطریق ابو حاتم رازی اور ابن ابی حاتم مناقب شافعی میں راوی، عمرو بن
دکبتے ہیں کہ مجھ سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
سب اکبر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ فضل و کمال عطا فرمایا جو کسی نبی کو نہیں
میں نے عرض کیا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احوال و موتی عطا فرمایا، امام شافعی نے
یا کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کعبور کے تنے (استمن حنانہ) کے
نے کا معجزہ عطا فرمایا استمن حنانہ کا رونا احوال و موتی سے بڑھ کر ہے۔

(دلائل النبوة: بیہقی سفر سادس۔ باب فی حنین الجزع)

(امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ) میرے والد ماجد مولانا مفتی خاں صاحب قدس سرہ اپنی کتاب مستطاب ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا کہ درست و صحیح ہے کیونکہ مردہ تو زندہ تھا اور صورت انسانیہ نفس ماطقہ سے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ بعد میں بھی باقی ہے۔ بخلاف خشک لکڑی کے کہ وہ ابھی جان حیات کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ اس پر کبھی روح حیوانیہ کا فیض ہوگا۔

(سرور القلوب فی ذکر المحبوب۔ باب الخصائص الشریطہ)
حاصل یہ ہے کہ مردہ زندہ کرنے میں روح کا اعادہ ہے اور استن حنانہ کو قوس گویائی دینے میں ابتداء صلاحیت عطا کرنا ہے، احیاء مجازی کو دیکھتے ہوئے اعادہ آسان ہے اور فاعل حقیقی پر کوئی چیز مشکل و دشوار نہیں اور اس پر کوئی چیز آسان یا مشکل نہیں ہے۔

اللہ عز وجل کا فرمان، وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ
(الروم، ۷۷)
یعنی اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (کنز الایمان)

حضرت مسیح کا پرندہ کی شکل بنانا اور اس کا جواب

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پرندہ کی صورت بنانا یقیناً ان کا معجزہ ہے، امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کھجور کی ایک شاخ کو لوہے کی تلوار بنادیا، اس کو ابو نعیم نے مٹی سے پرندہ بنانے کی نظیر قرار دیا۔

(المختصر الکبریٰ، سیوطی۔ باب ما اوتی عیسیٰ علیہ السلام)

حلت، ابو نعیم نے اسی سے متصل کلام کو ترک کر دیا میں اسے مکمل طور پر ذکر کروں گا پھر کچھ زیادتی کے ساتھ مزید اس کی وضاحت کروں گا۔

ابو نعیم اپنی کتاب ”دلائل النبوة“ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے پھر وہ اللہ کے حکم سے اڑ جاتا، اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کی نظیر و مثال موجود ہے جنگ بدر میں عکاشہ بن محسن کی تلوار ٹوٹ گئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں لکڑی کی ایک ٹہنی دی اور فرمایا کہ جاؤ اس سے لڑائی کرو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں سخت مضبوط سفید لوہے کی جیسی تلوار بن گئی پھر اسی سے انہوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمائی۔ پھر اسی تلوار کے ساتھ وہ دیگر غزوات میں فتنہ ارتداد کے زمانے تک شریک ہوتے رہے۔ لہذا جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکڑی کو لوہے کی تلوار بنادینے اور اس کے ایک طویل زمانہ تک باقی رہنے میں ہے وہی بات حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مٹی سے پرندہ بنادینے میں ہے۔ پھر یہ کہ حضور

کے دست رحمت سے خاموش پتھروں سے تسبیح و تہذیب اور لا الہ الا اللہ کی آواز سننا، پتھروں اور درختوں کا نبوت کی گواہی دینا اور حضور کا درختوں کو جمع ہونے، آپس میں ملنے اور جدا ہونے کا حکم فرمانا یہ سب احیاء موتی اور مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دینے کے ہم جنس و برابر ہیں۔ (دلائل النبوة، ابو نعیم۔ ذکر نصب الاعلام لیلۃ مولدہ)

اقول، سیدنا عیسیٰ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے جو کیا اس میں دو امر ہیں
اول: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پرندے کی شکل اپنے ہاتھوں سے بنائی۔
ثانی: پھونک کر اس میں روح ڈالی۔

پہلی قسم فضیلت و معجزہ میں سے کچھ نہیں البتہ یہ معجزہ کی تمہید ہے۔ اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں تصویر بنا جائز و حرام نہیں تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصویر کی حرمت و ممانعت لے کر تشریف لائے اس لئے حضور نے تصویر نہیں بنائی۔ اور ہاتھ سے چھو کر روح ڈالنا بذریعہ پھونک کے روح ڈالنے سے بڑھ کر ہے کیونکہ نبی کے منہ سے جو سانس نکلتی ہے وہ اس پر متجلی ہوتی ہے، نبی سے اور نبی کے منہ سے جو کلام الہی نکلتا ہے وہ زیادہ برکت والا ہے لہذا کنکریوں میں چھو کر روح ڈالنا مٹی میں بذریعہ پھونک روح ڈالنے سے بڑھ کر ہے اور کنکریوں کا کلام کرنا مٹی کے پرندہ کے اڑنے سے زیادہ عظیم ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر صرف حکم سے روح ڈالنا ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درختوں میں کیا، حضور نے حکم فرمایا ہر درخت نے سمجھا، سنا، حکم بجا لایا، حرکت کی، زمین کو پھاڑا، بارگاہ اقدس میں حاضر آیا اور وہ آپس مل گئے پھر حکم فرمایا تو درخت جدا ہو کر واپس چلے گئے۔ لہذا درختوں کا ملنا، جدا ہونا، سامنے ہونا، قریب ہونا اور بغیر قدم کے تنے پر آنا اور جانا یہ سب اس مٹی کی صورت کا پرندہ بن کر حرکت کرنے کے برابر و مقابل ہیں بلکہ درختوں میں سمجھنے اور سننے کی صلاحیت پیدا کر دینا اس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر درختوں کے پاس سے صرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزرنا روح کا افاضہ و افادہ کرتا ہے جب حضور درختوں کے قریب سے تشریف لے گئے تو درختوں نے دیکھا، معلوم کیا اور سمجھا کہ یہی رب العلمین کے خلیفہ اکبر اور یہی پوری مخلوق میں انتہائی تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں پھر درخت حضور کے لئے سجدے میں گر گئے۔

پھر اس سے بھی عظیم و بڑھ کر صرف حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے زبان پتھروں کے پاس سے گزرنے سے ہی روح کا پڑنا، پتھروں کا سمجھنا، دیکھنا اور انسان کی طرح ان کا بولنا ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھروں کے قریب سے تشریف لے گئے تو پتھروں نے سلام کیا اور حضور کے لئے رسالت و نبوت کی شہادت دی۔ والحمد لله رب العلمین۔

فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور ان کا جواب

پیشانی آدم علیہ السلام میں نور محمدی کے سبب سے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ فرشتوں کے سجدہ کرنے میں مسجودہ کو قبلہ پر فضیلت ہے نہ کہ قبلہ کو مسجودہ پر، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبلہ تھے اور مسجودہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسے امام رازی نے مفتاح الغیب میں اور امام نیشاپوری نے رغائب الفرقان میں آیہ کریمہ **وَلِلّٰهِ الْمُلْكُ** الرسل فضلنا کے تحت میں بیان فرمایا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ پیشانی آدم میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔

(مفتاح الغیب، امام رازی۔ سورۃ البقرۃ)

امام نیشاپوری نے رغائب الفرقان میں جو فرمایا وہ اس سے زیادہ عظیم و اعلیٰ اور زیادہ لذیذ و شیریں ہے کہ آدم کو وہ سجدہ اس وجہ سے تھا کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدم کی پیشانی میں جلوہ فگن تھا کیونکہ فکر پہلے ہوتی ہے پھر عمل ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لَوْلَا كَلَّمَا خَلَقْتَ الْاَفْلَاكُ

اے محبوب اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا۔

(غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورۃ البقرۃ)

امام ابن حجر ”مخ المکیۃ فی شرح الہمزیۃ“ میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش میں مقصود حقیقی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اسی سبب سے فرشتوں کا سجدہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ زن تھا۔ امام فخر الدین رازی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔

(المخ المکیۃ فی شرح الہمزیۃ لابن حجر۔ اول، ص ۱۴۶)

marfat.com

اسم محمد کی برکت سے نوح کی کشتی جاری ہوئی اسی سے سلیمان علیہ السلام کے لئے شیاطین مسخر ہوئے

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سلیمان علیہ السلام کی انگشتی میں منقوش تھا اسی کی برکت سے وہ عظیم سلطنت کے مالک ہوئے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت و سلطنت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کی برکت سے قائم تھی یہ سلطنت سلیمان علیہ السلام کو حضور کے دست رحمت سے عطا کی گئی اور یہ حضور کے فضل و کرم کا پرتو و عکس ہے اور اصل تو حضور ہی کے دامن کرم میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

علامہ ابن العماد کشف الاسرار میں پھر زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر کی برکت سے سلیمان علیہ السلام کے لئے شیاطین مطیع و مسخر کئے گئے۔

... (زرقانی شرح المواہب۔ المقصد الثانی فی اسمائہ)
امام زرقانی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے خواص میں سے یہ بات بھی ہے کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی اسی کی برکت سے جاری ہوئی۔ (حوالہ مذکور)

اور یہ بات بھی معلوم و مشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت ان کی انگشتی میں تھی ان کی حکومت اور جن و انس اور وحوش و طیور وغیرہ پر ان کی حکمرانی کا راز ان کی

انگشتری مبارک میں مضرو پنہاں تھا۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے اور اس میں یہی راز تھا کہ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب عزوجل کے اسم پاک کے ساتھ منقوش تھا اور یہ نقش آسمانی تھا۔

طبرانی کبیر میں اور ابن عساکر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد علیہما الصلاۃ والسلام کی انگشتری کا نگینہ آسمانی تھا اسے سلیمان علیہ السلام کے پاس ڈالا گیا انہوں نے اسے لے کر اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اس کا نقش یہ تھا۔

انا اللہ لا الہ الا انا محمد عبدی ورسولی

(تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ابن عساکر۔ ذکر سلیمان بن داؤد علیہما السلام)

حضور علیہ السلام کے سوا کوئی حاکم نہیں حضور کسی کے محکوم نہیں

یہ بات معلوم ہے کہ تمام عالم پر اللہ کی خلافت کبریٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اس میں حضور کا کوئی شریک و سہیم نہیں، آدم و داؤد اور جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب ہیں حضور ہی کے دست اقدس پر انبیاء کی تولیت ہوئی۔ جس طرح بادشاہ کسی شہر یا اپنی سلطنت کے کسی علاقے و خطے پر اپنے خواص میں جسے چاہے والی و نگران بناتا ہے۔ لہذا انبیاء کی شریعتیں اور حقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت اور ان کی حکومت حضور کی حکومت ہے، حضور ہی علی الاطلاق حاکم ہیں انفس و آفاق میں حضور کے سوا کوئی حاکم نہیں اسی لئے قیامت کے دن جملہ انبیاء کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے پھر دیکھنے والوں کے لئے سیادت و سرداری میں حضور کا تفرد و امتیاز ظاہر ہوگا اور حضور ہی کی جانب پوری مخلوق راغب و متوجہ ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مائل ہوں گے جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے

قصیدہ بردہ شریف میں ہے

فینا الامر الناہی فلا احد

ابر فی قول لامنه ولا نعم

۱۔ اسے امام اجل تقی الدین سبکی قدس سرہ نے اپنی ضخیم و جلیل کتاب ”لغو من بہ و لتصر نہ“ میں واضح و آشکار انداز میں بیان فرمایا ہے اور اسے امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے شروع میں نقل فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

marfat.com

نسیم الریاض فصل ”جودہ و کرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ میں اس شعر کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی حاکم نہیں حضور حاکم ہیں، محکوم نہیں اور کوئی ایسا نہیں جو حضور کے صادر شدہ فرمان کو رد کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کو منع کرے۔

لہذا ثابت ہوا کہ سلطنت کی حقیقت و معنی، اس کا عموم و اطلاق اور اس کا تقدم و استمرار روز اول سے ابد الابد تک سب کے سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے لئے مختص ہے اس میں کوئی حضور کا شریک و برابر نہیں ہے۔

(نسیم الریاض خفاجی، فصل واما الجود و الکرم)

حضور علیہ السلام نے بادشاہ کی صورت اپنے اختیار سے ترک فرمائی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر کو مراد نہیں لیا اور نہ اسے حضور کے لئے مناسب سمجھا گیا حالانکہ پوری دنیا و مافیہا کو حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا مگر حضور نے سب کو ٹھکرا دیا۔ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت انور میں عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو میں تہامہ کے پہاڑوں کو زمرہ دیا قوت اور سونا و چاندی بنا کر آپ کے ساتھ لے کر چلوں۔ اسے بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (اتحاف السادة المتقين جلد ۹۔ الزہد)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ اسے ابن سعد و ابن عساکر اور احمد نے کتاب الزہد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

(احمد کتاب الزہد، مقدمۃ الكتاب)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں کہ وہ تہامہ کے پورے علاقے کو سونا بنا دے تو وہ ضرور بنا دے گا۔ طبرانی نے اسے ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ (معجم کبیر، ۲۵۰ حدیث ۲۹۵)

بیشک اللہ عز و جل نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ وہ نبی بادشاہ بنیں یا نبی بندہ، تو حضور نے رب عز و جل کی تواضع و اعکاسی کے لئے نبی بندہ بننا پسند فرمایا، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے اسے امام احمد نے ابو ہریرہ سے اور بیہقی

نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی ہریرہ)
 فریابی و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم اور ابن
 مردوہ خثیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اگر
 آپ چاہیں تو آپ کو زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں دیدی جائیں جو آپ سے
 پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیا جائے گا اور نہ اس سے بارگاہ
 خداوندی میں آپ کا مرتبہ کچھ کم ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو انہیں آپ کے لئے آخرت
 میں جمع رکھا جائے، حضور نے عرض کیا انہیں میرے لئے آخرت میں جمع رکھا جائے۔
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

تَبَرَّكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَدَّتِ
 تَجْدِرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا (الفرقان، ۱۰)

بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لئے بہت بہتر اس سے کر دے جتنیں
 جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لئے اونچے اونچے محل۔ (کنز الایمان)
 (جامع البیان ابن جریر سورہ فرقان)

ابن مردوہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس معنی کی حدیث روایت کی۔
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ”لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي“
 (میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں) کا یہی مطلب ہے۔ اور یہ اس بات پر
 دلالت کرتا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہ کی صورت اپنے
 اختیار و ارادہ سے ترک فرمائی۔

نیز صحیحین و نسائی و غیر ہم ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عفریت نے رات کو میری نماز توڑنے
 کے لئے دسوسہ ڈالا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی میں نے چاہا کہ اسے مسجد
 کے ایک کھمبا سے باندھ دوں جب تم لوگ صبح کرو تو سب کے سب اسے دیکھو پھر مجھے

اپنے بھائی سلیمان کا قول یاد آیا انہوں نے کہا تھا

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْقُصُنِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (سورہ ص، ۳۵)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو

لائی نہ ہو۔ (کنز الایمان)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عفریت کو ذلت و خواری کے ساتھ دور کر دیا۔

(بخاری کتاب الانبیاء مسلم، کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلاۃ)

امام احمد ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے قرأت شروع فرمائی تو حضور پر قرأت مشتبہ ہو گئی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ کاش تم لوگ مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کا گلا دبا کر رکھا یہاں تک کہ دو انگلیوں ابہام و سبابہ کے درمیان ابلیس کے تھوک کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو صبح تک وہ مسجد کے ایک کھمبے سے بندھا رہتا پھر اس سے مدینہ کے بچے کھینچتے۔

امام احمد و ابن مردویہ و عبد بن حمید و بیہقی عبد اللہ بن مسعود سے اور طبرانی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی سعید الخدری)

قلت: یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، یہ نماز صبح میں ابلیس کے بارے میں

اور وہ رات کی نماز میں عفریت کے بارے میں ہے، کیونکہ عفریت وانی روایت میں

البارحة (رات) اور "حتى تصبحوا" کا لفظ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روز قیامت خلیل اللہ کو کپڑا پہنانے کی اولیت اور اس کا جواب

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا پہنانے کے بارے میں اولاً میں کہتا ہوں کہ ان کی تعظیم و تکریم کے لئے پہلے انہیں کپڑا پہنایا جائے گا حالانکہ اس دن تو پوری کرامت و عظمت کثیر و قلیل اور دقیق و جلی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے دست اقدس میں ہوگی۔

داری حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام میں قبر انور سے سب سے پہلے میں نکلے گا، جب وہ چلیں گے تو میں ان کا قائد رہنما ہوں گا، جب وہ خاموش و ساکت ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا اور جب وہ مایوس و ناامید ہوں گے تو میں انہیں بشارت و خوشخبری دوں گا، کرامت و عظمت اور کنجیاں اس دن میرے ہی دست رحمت میں ہوں گی میں بارگاہ خداوندی میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں میرے ارد گرد ایسے ہزاروں خدام ہوں گے جیسے وہ ڈھک رکھے ہوئے انڈے یا پھیلے ہوئے موتی ہیں۔ اسے ترمذی نے اختصار

۱۔ یہی حدیث مشکوٰۃ میں کچھ لفظوں کی زیادتی کے ساتھ اس طرح ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں انھوں گا اور جب وہ چلیں گے تو میں ان کا قائد رہنما ہوں گا، جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع و نجات دہندہ ہوں گا، جب وہ مایوس و غمگین ہوں گے تو میں انہیں بشارت و مشرودہ دوں گا، لوا، الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، بارگاہ عزت میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معظم میں ہوں اس میں کچھ فخر اور اترانا نہیں۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فص عانی)

وزیادتی کے ساتھ روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(دارمی، حدیث ۴۹۔ ترمذی ابواب المناقب، باب فضل النبی علیہ السلام)

لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی حق ابوت کی رعایت کے سبب سے اپنے باپ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکرم و تعظیم کریں گے۔ فضل و شرف تو حضور ہی کے لئے ہے۔

ثانیاً: حدیث صحیح میں ہے جسے ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور کہا یہ حسن غریب صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی میں جنتی جوڑا زیب تن کروں گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا میرے علاوہ مخلوق میں سے کوئی اس مقام پر کھڑا نہ ہوگا۔

(ترمذی ابواب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل النبی علیہ السلام)

یہاں پر حدیث میں لفظ اولیت اور فاء کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو سب سے پہلے جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔ ابن عباس کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کی اولیت کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ تمام لوگوں کی نسبت سے اولیت مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے آغاز میں ہے تم لوگ ننگے پیر برہنہ بدن اٹھائے جاؤ گے۔ یعنی لوگوں میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑا پہنایا جائے گا اور انبیاء میں سب سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

حدیث دارمی کے لفظ یہ ہیں تمہیں برہنہ بدن غیر محتون لایا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔

(دارمی باب ما اعطی النبی علیہ السلام من الفضل۔ حدیث ۴۹)

اس حدیث میں معنی مذکور کا زیادہ دخل ہے۔ مگر حدیث ابن عباس میں ہے کہ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے بعد کپڑا زیب تن کروں گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور کو یہ

marfat.com

دوسرا جوڑا عطا کیا جائے گا۔ بیہقی و قرطبی اور زرقانی کے نزدیک بھی حدیث کا یہی مطلب ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو جوڑے پہنائے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی شرح المواہب، القسم الرابع، ما اخص بہ الخ)

حاصل یہ ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے پہلے انھیں گے صرف زمین کے شق ہونے سے ہی حضور کو ایک جنتی جوڑا پہنایا جائے گا پھر حضور حشر میں ملبوس تشریف لائیں گے اور حضور کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا لوگ سر تا پا برہنہ ہوں گے یہاں تک کہ حشر مکمل ہو جائے گا اور لوگ محشر میں جمع ہوں گے پھر اس وقت خلیل اللہ کو کپڑا پہنانے سے ابتدا ہوگی کیونکہ حبیب علیہ السلام کو اس سے پہلے ہی پہنایا جا چکا ہوگا۔ جن لوگوں کا حشر برہنہ ہوگا ان لوگوں کی بہ نسبت یہ اولیت حقیقیہ ہے اور اسے اولیت اضافیہ قرار دینے کی حاجت نہیں۔ پھر باز گاہ رب ذوالجلال میں بر سر مجلس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ اور قربت عظمیٰ کا جوڑا عطا کیا جائے گا حضور اسے زیب تن فرمائیں گے اور عرش کے داہنی جانب قیام کریں گے بلکہ عرش پر جلوس فرمائیں گے جیسا کہ امام مجاہد نے فرمایا اور میں نے اسے اپنی کتاب ”تجلی الیقین بان مینا سید المرسلین“ میں بیان کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ معنی درست و صحیح ہے اس پر کوئی گروہ غبار نہیں۔ یہ بندہ فقیر پر مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کا فیضان و احسان ہے۔

پھر میں نے مرقاة شرح مشکوٰۃ کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ ملا علی قاری نے باب الحشر میں تقدیم خلیل کی چند وجوہ تحریر کی ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور کے باپ ہیں اسی عزت ابوت کے سبب سے ان کو کپڑا پہنانے میں مقدم کیا گیا۔ اس قول کا میلان ادھر ہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولیت میں اولیت حقیقیہ یا اولیت اضافیہ دونوں ہونے کا احتمال ہے۔ اور ابھی تمہیں معلوم ہوا کہ اولیت اضافیہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

(مرقاة علی قاری۔ کتاب الفتن حدیث ۵۵۳۵)

- پھر ملا علی قاری نے باب الشفاعة میں تحریر فرمایا کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فرمان میں داخل نہیں ہیں کیونکہ متکلم اپنے خطاب میں داخل نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ علی قاری، کتاب الفتن، حدیث ۵۵۹۶)

یہ ابوالعباس احمد قرطبی مصنف ”المفہم شرح تلخیص صحیح مسلم“ کا قول ہے۔ اور اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری اور امام عینی نے بھی عمدۃ القاری کتاب الانبیاء میں جائز رکھا ہے اور زرقانی نے شرح مواہب باب الخصائص میں اس کی متابعت و پیروی کی ہے۔ لہذا یہ تیسرا جواب ہے اگرچہ ہمیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ملا علی قاری نے جو اس کا رد کیا وہ قرطبی کے شاگرد ابو عبد اللہ محمد قرطبی کی پیروی میں کیا ہے ابو عبد اللہ محمد قرطبی نے کتاب التذکرہ میں اس انداز میں لکھا ہے کہ ”یہ خود قائل کی صراحت سے غفلت ہے“ جبکہ ”ثم اکتفی علی التورہ“ کی تصریح موجود ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد کپڑا پہنایا جائے گا۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، علی قاری، کتاب الفتن حدیث ۵۵۹۶)

مناقول: اس بات کو رد کرنے والی دلیل معلوم ہو چکی ہے البتہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ پہنایا جانا برہنگی ہی سے ہوتا ہے حالانکہ یہ لغت و عرف دونوں کے اعتبار سے غلط و باطل ہے اور ترمذی کی جو صحیح حدیث وارد ہوئی اس کے منافی و معارض ہے۔

پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملبوس تشریف لائیں گے مگر کرامت و تعظیم کے لئے دوبارہ پھر لباس زیب تن کرایا جائے گا، بخلاف اس کے کہ دوسروں کو برہنگی کے سبب سے پہنایا جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ وہی جواب ہے جو ہم نے دو نمبر پہ ذکر کیا ہے۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الفتن حدیث ۵۵۹۶)

لیکن ملا علی قاری کا یہ قول کہ ”یہ بہت ہی مستبعد ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ تمام انبیاء برہنہ اٹھائے جائیں گے۔“ (حوالہ مذکور)

اقول: دعویٰ تو بہت دور کا کیا گیا مگر وجہ بیان نہیں کی گئی بلکہ یہ تو قریبی وجہ ہے

جس کی توجیہ حدیث صحیح سے ہوتی ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔

اور جس شق کو ملا علی قاری نے خود اختیار کیا وہ تو بہت ہی زیادہ غلط و شنیع ہے وہ کہتے ہیں کہ جب خلیل اللہ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں تو انہیں سے کپڑا پہنانے کی ابتدا ہوگی۔
(حوالہ مذکور)

اقول، اللہ سے ہم امن و سلامتی مانگتے ہیں، ان کی طرف سے عمدہ عذر یہ ہے کہ انہوں نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت مراد لی ہوگی لیکن ان ہی سے مطلقاً ابتدا کرنے کا دعویٰ مناسب نہیں بلکہ بعض قیود کی ضرورت ہے۔

پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جب ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو لباس پہنانے کا سلسلہ حضور ہی سے ختم ہوگا۔
(حوالہ مذکور)

اقول، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا حالانکہ یہ قطعاً یقیناً باطل ہے۔ اور دوبارہ یہ نہ کہا جائے کہ ہزاروں کے درمیان یہ سلسلہ حضور سے ختم کیا جائے گا۔

پھر میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الرقاق باب الحشر میں یہی بیان فرمایا ہے۔ اور بیشک میرے لئے ابھی یہ ظاہر و آشکارا ہوا کہ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور سے انہیں کپڑوں میں باہر تشریف لائیں گے جن میں وصال اقدس ہوا اور اس وقت جو جنتی جوڑا زیب تن فرمائیں گے وہ کرامت و تکریم کا خلعت ہوگا اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پا یہ عرش کے قریب کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔ لہذا کپڑا پہننے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت بقیہ مخلوق کے اعتبار سے ہوگی۔

(فتح الباری کتاب الرقاق حدیث ۶۵۲۲-۶۵۲۹)

یہ وہی بات ہے جس کی طرف میں نے دوبارہ اشارہ کیا اور بیشک ہم نے اس بحث میں جو تقریر کی وہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پسندیدہ و شیریں ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و اولیاء اور شہداء حشر میں ملبوس ہوں گے اور عام لوگ سرتاپا برہنہ

اقول، یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارا رب عزوجل جی و کریم ہے۔ ہاں حشر میں عام لوگ برہنہ اور ننگے ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ حساب و کتاب وغیرہ میں ایسے مشغول ہوں گے کہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے غافل و بے پروا ہوں گے۔ ہر شخص کا اس دن عجیب و غریب حال ہوگا جس کے سبب وہ دوسرے کی طرف دیکھنے وغیرہ سے بے نیاز ہوں گے، حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پیر برہنہ بدن غیر مختون اٹھایا جائے گا حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ فرمایا اے عائشہ معاملہ تو بہت ہی سخت و شدید ہے بھلا لوگ کسی کی طرف کیسے دیکھیں گے؟ (بخاری کتاب الرقاق۔ مسلم کتاب الجہاد)

مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب اس دن نظریں اٹھیں گی حضور ہی کی طرف پوری مخلوق راغب و متوجہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضور کی نظر کرم کے متمنی ہوں گے اور حضور ہی کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور سے اپنے دونوں صحابی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے۔ ترمذی نے باقائدہ

تحسین اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسے روایت کیا۔

(ترمذی ۱۲ ابواب المناقب باب مناقب الفاروق)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ترمذی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں اس طرح تشریف لائے کہ ابو بکر صدیق حضور کے واپسی طرف اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بائیں جانب اور حضور دونوں حضرات کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اسی حال میں حضور نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے۔

(ترمذی ۱۲ ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر)

اور یہ بات قطع و یقین سے معلوم ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جو ہول قیامت اور اس کی گھبراہٹ و خوف سے مامون و محفوظ ہوں گے۔

ابوداؤد و ابن حبان باقادہ صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نزع کے وقت نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردے کو انہیں کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اس کی موت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الجنائز)

یہ روایت ان احادیث مذکورہ کے مخالف ہے جن میں یہ ہے کہ ”تم لوگ برہنہ اٹھائے جاؤ گے“ علماء و محدثین نے ان کی جمع و تقسیم میں چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں یعنی بعض لوگ ننگے اٹھیں گے اور بعض کپڑوں میں۔

اقول، یہ تقسیم کپڑوں میں اٹھائے جانے والوں کے حق میں زیادہ مناسب ہے۔ یعنی بعض لوگ تو انہیں کپڑوں میں اٹھیں گے جن میں ان کی موت ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اور بعض اپنے اپنے کفنوں میں اٹھیں گے۔

جیسا کہ ابن ابی الدنیا سند حسن عمرو بن اسود سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو دفن کیا انہوں نے

ہمیں تھے کپڑوں میں کفن دینے کا حکم دیا اور کہا کہ اپنے مردوں کو عمدہ اور اچھے کفن دو کیونکہ وہ انہیں میں اٹھائے جائیں گے۔ (فتح الباری، کتاب الرقاق۔ باب الحشر) اور تحقیق کہ تقسیم میں یہ حدیث نص ہے جسے احمد و نسائی و حاکم اور بیہقی نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت لوگ تین گروہ میں انھیں گے۔

۱۔ آسودہ حال کپڑے پہنے ہوئے سوار ہو کر۔

۲۔ ایک گروہ پیدل چلے گا۔

۳۔ اور ایک گروہ کو فرشتے ان کے چہروں کے بل تھپتھپ کر لائیں گے۔

(مسند احمد ۵ مرویات ابی ذر۔ حاکم مستدرک کتاب الاحوال)

اس روایت میں حشر اور اٹھائے جانے سے مراد قرب قیامت اٹھایا جاتا ہے، اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اس روایت میں ”یوم قیامت“ کا لفظ قرب قیامت ہونے کے سبب سے مجازاً استعمال کیا گیا یا یہ بعض راوی کا اضافہ ہے۔

مجہد الاسلام امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کے کفن میں مبالغہ کرو اور اچھا و عمدہ کفن دو کیونکہ میری امت اپنے کفن میں اٹھے گی اور دوسری تمام امتیں برہنہ۔ (فتح الباری کتاب الرقاق)

حافظ ابن حجر ابی الحشر میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (حوالہ مذکور) امام عینی کتاب الانبیاء ذکر ابراہیم علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسے سفیان نے مستدرک روایت کیا۔ (عمدة القاری ۱۵ کتاب الانبیاء)

یہ معلوم ہو چکا کہ دونوں صحابی جلیل حضرت ابوسعید خدری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی حدیثوں کو ان پر محمول کیا جو شہداء سے عام ہیں لیکن جمہور علماء نے انہیں شہداء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے کیونکہ شہداء کے لئے حکم ہے

انہیں ان کے کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ اسی طرح قرطبی نے امام غزالی کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ثابت ہو جائے تو وہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے شہداء پر محمول ہے تاکہ اخبار و احادیث میں تناقض و تعارض لازم نہ آئے۔ (فتح الباری کتاب الرقاق)

اقول، اس بنیاد پر کپڑے پہننے والوں میں تقسیم و توزیع باقی نہ رہے گی کیونکہ شہداء کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں اور جمہور کے قول کے بموجب یہ تقسیم امت کے حق میں ثابت ہوگی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسے شہداء ہی پر محمول کیا جائے کیونکہ وہی اپنے کپڑوں میں دفن کئے جاتے ہیں پھر وہ انہیں کپڑوں میں اٹھائے جائیں گے تاکہ غیروں سے وہ ممتاز و منفرد رہیں۔ اسے ابن عبدالبر نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق۔ باب المحشر)

اقول، جب یہ شہداء کے امتیاز و تفرد کے لئے ہے تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ بدرجہا اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ وہ ضرور اس کے مستحق اور ہر طرح کی تکریم و تعظیم کے حقدار ہیں۔

مواہب لدنیہ شریف میں حافظ محبت الدین طبری کی ”ذخائر العقبی“ سے منقول ہے حافظ طاہر سلفی بسند خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جانوروں پر سوار ہو کر اٹھیں گے۔

● حضرت صالح علیہ السلام اپنی اوثنی پر تشریف لائیں گے۔

● اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونوں بیٹے حضرت حسن و حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری اوثنی عضباء اور قصو پر سوار ہو کر آئیں گے۔

● اور میں براق پر تشریف لاؤں گا اس کا قدم حدنگاہ کے فاصلے کے پاس ہوگا۔

● اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی اونٹنی پر آئیں گے۔ (مواہب اللندنیہ ۳ مقصد ۱۰، فصل ۳)
حاکم و طبرانی نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے اس کے آغاز میں ہے کہ روز
قیامت انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام محشر میں سوار ہو کر تشریف لائیں گے اور فرمایا کہ
میرے بیٹے حسن و حسین جنت کی دو اونٹیوں پر آئیں گے۔

(معجم کبیر، طبرانی۔ حدیث ۲۶۲۹)

ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ایک حدیث طویل مروی
ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیہ کریمہ یَوْمَ نَخْشِرُ الْمُشْقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفُذًا
(مریم، ۸۵) (جس دن ہم پرہیزگاروں کو رخن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر۔
کنز الایمان) کے تحت بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بطریق
حدیدہ اس کی تخریج کی اور اسے درمنثور میں بیان کیا گیا ہے۔

(درمنثور سیوطی، آیت یوم نخسر المتقین)

لہذا سوار یوں کے ذریعہ جن کی تکریم و تعظیم کی جائے گی انہیں بغیر کپڑوں کے
برہنہ چھوڑ دینا بہت ہی بعید ہے۔ میرے رب سے مجھے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام
کے بارے میں ظن و امید ہے کہ وہ کپڑوں میں ملبوس انھیں لے گئے بلکہ جوان سے کم درجہ
کے ہیں وہ بھی یہاں تک کہ شہدائے کرام بھی کپڑے پہنے ہوئے انھیں لے گئے۔ اور ابن
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث عام لوگوں کے بارے میں ہے اور ہمارے نبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین شق ہونے کے فوراً بعد جنتی جوڑا زیب تن فرمائیں گے پھر محشر
میں لوگوں کے روبرو تشریف لائیں گے اس کے بعد انبیاء کرام کو برسر مجلس کرامت و
تعظیم کے جوڑے پہنائے جائیں گے اور وارثین انبیاء میں اللہ تعالیٰ جنہیں چاہے
انہیں بھی خلعت عطا فرمائے گا پھر حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خلعت و
حلی پہنانے کی ابتدا ہوگی ہمارے نبی سردار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربت
عظمیٰ اور شفاعت کبریٰ کا جوڑا دوبارہ زیب تن اقدس کرایا جائے گا حضور کو وہ مقام

رفیع حاصل ہوگا جس کے لئے کوئی بشر کھڑا نہ ہو سکے گا پھر حضور عرش الہی کے دہنی جانب کھڑے ہوں گے جہاں پر اولین و آخرین رشک و اغبطا کریں گے۔

ہم حضور کے رب سے حضور کے اور اس کے اولیاء کے واسطے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری ستر عورت کرے ہمیں بندہ نہ کرے ہمیں خوف محشر سے محفوظ و مامون رکھے، ہماری خطاؤں اور گناہوں کو بخش دے۔ و حسبنا اللہ و نعم الوکیل والحمد للہ رب العلمین۔

کلیم اللہ کا ہوش میں آنا اور اس کا جواب

رہا حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہوش میں آنا تو یاد رکھو کہ اس حدیث نے بہت سارے علماء جدید و قدیم کو مشکل میں ڈال دیا ہے یہاں تک کہ امام قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اشکل احادیث میں سے ہے۔ اس کی تاویل و توضیح مشکل ہے۔ (شرح مسلم نووی کتاب الفہائل)

یہ دونوں امام اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر شارحین اور غور و فکر کرنے والے اس میں کافی مضطرب و بے چین اور متفکر ہیں یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین کی حدیث میں ثقہ راویوں کو وہم و غلج ہو، اگر میں اس بحث کے متفرقات کو جمع کروں اور ان میں سے ہر ایک میں جو کلام ہے اسے بیان کروں تو منزل مقصود سے بہت دور ہو جاؤں گا، کلام اتہائی طویل اور نظام تحریر بگڑ جائے گا۔ اور ہم نے فتح الباری و عمدۃ القاری اور مرقاۃ وغیرہا کے حاشیے پر اس مضمون پر تبصرہ کیا اور اللہ عز و جل کی توفیق رفیق سے تحقیق کی ہے کہ جن اشکال کا حل مشکل و دشوار سمجھا گیا ان میں سے صرف ایک وارد ہو سکتا ہے اور علماء نے جن اشکال کو حل کرنے کا قصد و خیال کیا ان میں سے صرف ایک کی توجیہ درست ہے۔

جو اشکال وارد ہوئے ہیں امام مینی نے عمدۃ القاری میں ان کا افادہ اس قول سے فرمایا کہ ”چٹک نص وارد ہوئی، نیز علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زمین شق ہوگی۔“

(عمدۃ القاری ۱۵، کتاب الانبیاء باب قول اللہ واعدنا موسیٰ الایہ)

شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ

marfat.com

تعالیٰ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے پھر حضور نے ”لا ادری“ کیونکر فرمایا (یعنی مجھے معلوم نہیں) کہ نفع صور کے بعد موسیٰ علیہ السلام پہلے ہوش میں آئیں گے یا میں؟
(اشعة اللمعات، کتاب الفتن)

حافظ ابوالحجاج مزی مصنف ”کتاب تہذیب الکمال“ فرماتے ہیں ان سے ابن القیم نے ”کتاب الروح“ میں نقل کیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے قبر انور سے باہر تشریف لانا درست و صحیح ہے۔

(کتاب الروح، ابن قیم جوزی۔ المصنف الرابع۱۰۰)
اسی پر جزم و یقین کی بنیاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے میں جو بیان ہوا وہ شک و تردید کو چاہتا ہے اور وہ اس حدیث کے راوی کا وہم و خیال ہے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ بعث و نشر میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو تقدم و اولیت حاصل نہیں ہے۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الفتن حدیث ۵۷۰۹)
ملا علی قاری نے اس کے حل کا قصد کیا اور بیان فرمایا کہ اس حدیث میں جو غشی طاری ہونے کا ذکر ہے وہ بعث سے قبل نفع فزع (وہ صور جس سے خوف و گھبراہٹ طاری ہوگی) کے وقت ہے۔
(حوالہ مذکور)

اور تمہیں معلوم ہے کہ بعث سے پہلے نفع قیامت کے سوا کوئی نفع نہیں ہے۔ اور ملا علی قاری نے حدیث کی شرح میں خود ہی فرمایا کہ ”تمام لوگ قیامت کے دن نفع اولیٰ کے وقت بے ہوش ہو جائیں گے (حضور فرماتے ہیں کہ) مجھے بھی ان کے ساتھ غشی طاری ہوگی۔“
(مرقاۃ کتاب الفتن، حدیث ۵۷۰۸)

اور وہ صرف خوف و گھبراہٹ کا نہیں بلکہ موت کا نفع ہوگا۔ مگر یہ کہ اس میں معاملہ سہل و آسان ہے، لہذا یہ کہا جائے گا کہ نفع صور سے ہر جاندار خوف و ہراس میں مبتلا

ہوں گے مگر اللہ جسے چاہے وہ خوفزدہ و غمگین نہ ہوگا پھر سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور جس جاندار کو اس سے پہلے موت نہیں آئی اس کے بعد اسے موت آجائے گی اور جن لوگوں کو پہلی موت اس سے پہلے ہی آئی پھر وہ زندہ ہو گئے ایسے لوگ صرف انبیاء کرام اور شہداء عظام ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام انہیں صرف غشی طاری ہوگی پھر وہ ہوش میں آجائیں گے، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اقبول، لیکن ملا علی قاری کا مقصود وہ عا اس وقت پورا ہوگا جبکہ بے ہوشی سے افاقہ بعث سے پہلے ہوتا کہ اس میں کلیم اللہ کی سبقت سے بعث میں ان کی سبقت لازم نہ آئے حالانکہ یہ صحیحین کی حدیث صریح سے مردود و باطل ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء ذکر یونس علیہ السلام اور مسلم کتاب الفہما کل دونوں بطریق عبد اللہ بن الفضل عن الاعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہے وہ اس ہول و خوف سے محفوظ رہے گا پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں انہوں گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے۔ (بخاری کتاب الانبیاء، مسلم کتاب الفہما کل)

یہاں پر اس بات کی صراحت ہے کہ افاقہ سے مراد بعث ہے اسی سے وہ بات زائل و دفع ہو جاتی ہے کہ ملا علی قاری اور امام قاضی عیاض وغیرہما نے افاقہ کو غیر بعث پر محمول کیا ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فرمان "افساق" سے اس کی تعبیر فرمائی۔ کہا جاتا ہے "افساق من الغشی" (ہوش میں آنا) "بعث من الموت" (موت کے بعد زندہ ہونا) اسی طرح صحیحہ طور کی تعبیر افاقہ سے کی گئی ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ موت نہیں تھی۔ (شرح مسلم نووی، کتاب الفہما کل)

بیشک میں نے بعث سے افاقہ کی تعبیر دیکھی ہے، اسی طرح ابن ابی الدنیا و ابن جریر کی کتاب البعث کی مرسل حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا اللہ عز وجل نے موسیٰ علیہ السلام کا استثناء فرمادیا کہ انہیں نفخ صور کا احساس ہی نہ ہوا وبعث قبلی، یادہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔
(جامع التبیان، طبری۔ الزمر آیت: نفخ فی الصور الا یہ)

صور پھونکنے کی تعداد

دوسرے لوگوں نے حیلہ کر کے اتنے بعث کے بعد کی غشی کی طرف پھیر دیا ہے، اسے امام قاضی عیاض و نووی اور ابن قیم و عسقلانی نے جائز رکھا ہے اور امام عینی نے احادیث الانبیاء میں اور شیخ محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس پر جزم کیا ہے اور قرطبی نے اس کا رد کیا اور زرقانی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ زرقانی کے لئے یہی لائق و مناسب ہے۔

اولاً: صحیحین کی حدیث جو ابھی مذکور ہوئی اس کے رد کو کافی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ یہ صعق (غشی طاری ہونا) اور افاقہ (ہوش میں آنا) دونوں کے وقت ہے۔ سورہ زمر کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بخاری کی روایت بھی اسی طرح ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوسرے نفخ کے بعد سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش سے لیٹے ہوں گے معلوم نہیں کہ وہ پہلے ہی سے اس حال میں رہے یا نفخ کے بعد عرش سے متعلق ہوئے۔
(بخاری کتاب التفسیر، سورہ الزمر)

اور وہاں تو صرف دونی بار صور پھونکا جائے گا ایک بار قیامت کا اور دوسری بار بعث و نشر کا۔ انہیں دونوں نفخوں کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ دو بار سے زیادہ کا امکان ثبوت کے ساتھ ہو سکتا ہے لیکن نہ اس کا ثبوت ہے نہ جزم و یقین۔ امام عینی کرمانی سے نقل کرتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ دو ہی بار صور پھونکا جائے گا۔

(عمدة القاری ۲۳ کتاب الرقاق باب نفخ الصور)

ابن حجر عسقلانی قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ ثبوت استثناء کے ساتھ وہ صرف دو

ی نفخ ہیں ”الا من شاء الله“ سے دونوں آیتوں میں استثناء موجود ہے (سورہ نمل کی آیت میں فزع اور سورہ قصص کی آیت میں فصق وارد ہوا ہے) ابن حجر فرماتے ہیں کہ فزع کو فصق کی مغایرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفخہ اولیٰ سے دونوں ساتھ ساتھ حاصل نہ ہوں۔ (فتح الباری ۱۱، کتاب الرقاق)

اسی سے امام یحییٰ نے اس کا رد کیا اور وہ درست ہے۔
عسقلانی کے استثناء سے استدلال کی صورت میں ہم کہیں گے کہ اگر نفحات دو ہوں تو ان میں استثناء کے ثبوت سے مانع کیا چیز ہے؟

اسی سبب سے عسقلانی نے حدیث مسلم سے استدلال کیا جو عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے اس حدیث کے درمیان میں یہ لفظ ہیں

ثم ينفخ في الصور (الی قولہ) ثم ينفخ اخرى فاذا هم قيام ينظرون۔
پھر صور پھونکا جائے گا (یہاں تک فرمایا) پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔ (فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

اور بیہقی کی حدیث بسند قوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اس میں نفخہ موت کے بیان کے بعد ہے۔

ثم يكون بين النفختين ما شاء الله ان يكون۔

پھر دونوں نفخوں کے درمیان اتنا وقفہ دیا ملے ہوگا جتنا اللہ عز و جل چاہے۔

(فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے۔

(فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

بين النفختين اربعون۔

دو نفخوں کے درمیان چالیس کا عرصہ ہوگا (معلوم نہیں کہ چالیس دن یا چالیس

مہینے یا چالیس سال کا عرصہ ہوگا)

ہر ایک روایت میں یہی دلالت و اشارہ ہے کہ صرف دو بار ہی صور پھونکا جائے گا۔

(حوالہ مذکور)

اقول، دونوں کا قول تو ٹھیک ہے بہتر ہے مگر صرف ایک نفع کا قول کہاں سے درست ہے اور اس سے بھی زیادہ ضعیف یہ ہے کہ تم اوس بن اوس ثقفی کی حدیث سے تمسک و استدلال کرنا دیکھ رہے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنوں میں سب سے افضل و اعلیٰ جمعہ کا دن ہے اسی دن صعق اور اسی دن نفع ہوگا۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق۔ باب نفع الصور)

اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے بلکہ معاملہ یہ ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ ثبوت کے ساتھ ہی دو سے زائد نفعی کا اثبات ہوگا۔ اور ابو بکر بن العربی نے فرمایا کہ نفعات تین ہیں حافظ ابن حجر کو طویل حدیث صور میں اس کی سند ملی ہے جسے عبد بن حمید اور علی بن معبد نے کتاب الطاعة والحصان میں روایت کیا اور ابو یعلیٰ و ابو الحسن و ابو موسیٰ مدینی اور ابن القطان و طبرانی سب نے مطولات میں بیان کیا ہے اور ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے کتاب العظمت میں اور بیہقی نے کتاب البعث والمنشور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفع فزع۔۔۔۔۔ جس سے خوف و گھبراہٹ طاری ہوگی۔

۲۔ نفع صعق۔۔۔۔۔ لوگوں پر غشی طاری ہو جائے گی۔

۳۔ تیسری بار کے صور کے بعد لوگ رب العلمین کے لئے سر دپا کھڑے ہو جائیں گے۔

طبری نے اس حدیث کو اسی طرح مختصر روایت کیا ہے اور ابو بکر بن العربی نے کتاب السراج میں اور قرطبی نے کتاب التذکرہ میں اس حدیث کی تصحیح کی اور بیہقی اور عبد الحق نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(جامع البیان طبری، الزمر۔ قرطبی کتاب التذکرہ باب منہ امور نکون الخ)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عبد الحق کا قول اولیٰ و انسب ہے کیونکہ اس کی سند

ضعیف مضطرب ہے اس کا دار و مدار اسماعیل بن رافع پر ہے اور وہ ضعیف الحفظ ہیں ان سے بڑھ کر واضح جرح والا شخص دیکھا نہیں گیا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی برائی نہ تھی۔ خفاجی نے کہا کہ یہ صدوق ہیں انہیں وہم ہوتا تھا۔ ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم نے انہیں ضعیف قرار دیا اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ثقہ ہیں حدیث میں میانہ روی اختیار کرتے تھے۔ ذہبی نے سمجھا کہ وہ ترمذی کی تلمیذ ہیں۔ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے مگر اس کے قلمی نسخہ میں اس مقام پر لفظ مبہم وغیر واضح ہے اس کا مطلب اللہ عز وجل بہتر جانتا ہے۔ ترمذی پر یہ القباس و اشتباہ ہوا کہ امام بخاری نے دوسرے کی توثیق کی تو ترمذی نے سمجھا کہ انہوں نے اسماعیل بن رافع ہی کی توثیق کی ہے۔ ذہبی نے اپنا دعویٰ بیان نہیں کیا۔ اور تہذیب التہذیب میں ان پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ترمذی کا قول تہذیب میں نقل کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتح الباری ۱۱، کتاب: رفاق - تہذیب التہذیب ترجمہ ۵۴۷)

ماتول، انہیں یہ نفع نہ ملے گا کیونکہ اس قول کی بنیاد پر نفعی بحث سے پہلے دو نفعی اور ہوں گے۔ کو اکب الدراری اور عمدة القاری میں ہے کہ قول ثانی یہ ہے کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفعی فزع

۲۔ نفعی صحت

۳۔ نفعی بعث (مردوں کو اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا)

(عمدة القاری ۲۳، کتاب: رفاق)

اور روایت ابن جریر کی حدیث طویل جس میں بروایت ابو جریر حدیث صور مذکور ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صور تین بار پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفعی فزع

۲۔ نخی صق

۳۔ رب العلمین کے لئے قیام کا نخی

اس بنیاد پر بھی بحث کے بعد کوئی نخی نہیں ہے۔ (جامع البیان، طبری۔ سورۃ الزمر)
لیکن ابن حزم نے جو یہ سمجھا ہے کہ وہ چار نختات ہیں تو بحث کے بعد دو نختے اور ہیں
ایک صق کے لئے اور دوسرا الفاظ کے لئے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس کے قائل کی اس میں
کوئی سند و دلیل نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسے رد کر دیا ہے۔

(فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاة موسیٰ الخ)

بخاری کتاب الخصومات کی حدیث جو ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی
ہے وہ اسے صراحتہ رد کر رہی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک
روز قیامت لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی اس
وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(بخاری کتاب الخصومات، باب ما یدکر فی الخ)

یہ واضح و مفسر نص ہے اسی کے مثل حدیث ابن مردویہ بطریق محمد بن عمرو عن ابی
سلمہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے
ہیں کہ روز قیامت زمین سب سے پہلے جس سے شق ہوگی وہ میں ہوں میں اپنے سر
مبارک سے مٹی جھاڑ کر عرش کے پائے کے پاس آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے
پاس کھڑے پاؤں گا معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سر سے مٹی مجھ سے پہلے صاف کر
لی یا اللہ تعالیٰ نے ان کا استثناء فرما دیا کہ انہیں اپنے سر سے مٹی صاف کرنے کی نوبت
ہی نہ آئی۔ (فتح الباری، کتاب الانبیاء)

جب ابو سعید خدری کی اس حدیث کا جواب ممکن نہ ہوا تو حافظ ابو الحجاج نے یہ
یقین کر لیا (ان سے ابن قیم نے بھی اسے اپنی کتاب الروح میں نقل کیا ہے) کہ یہ لفظ
(ای فاکون اول من تنشق عن الارض) اس کے راوی کا وہم ہے اور درست و

صواب وہ ہے جو دوسری روایت میں ہے یعنی ”فا کون اول من یفیک“ ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلے میں ہوں گا۔ اور زمین شق ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اول ہونا حق و صحیح ہے لیکن دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مذکور نہیں ہے۔ (فتح الباری ۷، کتاب احادیث الانبیاء باب وفاة موسیٰ و ذکرہ بعد)

اقول، امکان جمع کے باوجود ثقہ راویوں کے وہم اور صحاح کے راویوں کے رد کی طرف کوئی سبیل و راستہ نہیں ہے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ پھر تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ افاقہ اور اشتقاق ارض دونوں روایتوں کا مرجع و محور ایک ہے پھر وہم کا انتساب کیا مفید ہوگا۔ اسی طرح داؤدی اور ابن اسہن نے سمجھا کہ صحیحین کی حدیث ”او کان ممن استثنی اللہ عز و جل“ میں راوی کا وہم ہے یہ حدیث بخاری کتاب الخصومات (جو اس سے پہلے سوال میں گزر چکی ہے) اور کتاب الانبیاء و کتاب الرقاق میں اور مسلم کی کتاب الفصائل میں ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام میت مقبور ہیں وہ نوحہ کے بعد انھیں گے تو پھر وہ مستثنیٰ کیونکر ہوں گے۔ حافظ ابن حجر نے اسے سورہ زمر کی تفسیر میں نقل کیا اور کتاب الانبیاء میں اس کے رد کا افادہ فرمایا تو مکمل طور پر رد فرمایا۔

(فتح الباری ۸، کتاب التفسیر)

اسی طرح ابن قیم نے کتاب الروح میں سمجھا کہ یہ بعض راوی کا وہم ہے اور یہ الفاظ ”او جوزی بصحۃ الطور“ وہم سے محفوظ ہیں۔

(کتاب الروح ابن قیم جوزی مسئلہ رابعہ)

ان کا یہ بیان ایسا ہے جو کچھ بھی مفید نہیں جیسا کہ فتح الباری کے حاشیہ پر ہم نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اور یہاں پر مجھے داؤدی و ابن اسہن اور قاضی عیاض و نووی اور امام عینی و ابن قیم کے اشکال بیان کرنے میں کوئی رنج و تکلیف نہیں، اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی نے ان میں سے بعض اشکال کا جواب دے دیا ہے۔ اور فقیر (امام احمد رضا بریلوی) نے ان تمام اشکال کا کتب ائمہ کے حاشیہ پر جواب دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ

اشکال درست و صحیح ہوں یا نہ ہوں مگر جواب وہی ہے جو میں نے تحریر کیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ حدیث کا محمل نہیں ہے مگر وہی جسے لوگوں نے مشکل سمجھا ہے۔ جب تو حدیث ضروری طور پر مشکل ہی ہوگی اس سے احتجاج و استدلال نہیں ہوگا یہ بات ہمارے لئے آرام دہ اور سکون بخش ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو قبل بعثت صعدہ سے افاقہ پر حمل کیا جائے گا یا بعثت کے بعد کے صعدہ پر، ان دونوں محملوں کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

فتح الباری میں اسی کے اخذ کا میلان ہے جو قاضی عیاض اور نووی نے احادیث ناطقہ کی تاویل کے لئے احتمال کے طور پر بیان کیا ہے کہ زمین شق ہونے کے بعد باہر تشریف لانے والے سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ حافظ ابن حجر نے کتاب الانبیاء میں حدیث مبارک ”فاکون اول من یفیک“ کے تحت فرمایا کہ اطلاق اولیت میں صحیحین کی روایات میں اختلاف نہیں ہے۔

احمد و نسائی کے نزدیک ابراہیم بن سعد کی روایت (جو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے) میں ہے

فاکون فی اول من یفیک۔ (فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء، باب وفات موسیٰ) ہوش میں آنے والوں میں سب سے اول میں ہوں گا۔

اسے احمد نے ابو کمال سے اور نسائی نے بطریق یونس بن محمد اور دونوں نے ابراہیم سے روایت کیا۔

لہذا معلوم ہوا کہ اس کے غیر میں اولیت کا اطلاق اسی پر محمول ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اول ہونے میں شک و تردد ہے۔ اسی محمل پر وہ تمام روایات ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسے مسلم کے نزدیک حضرت انس کی حدیث مرفوعہ ”انا اول من تنشق عنه الارض“ (زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی) اور جیسے طبرانی کے نزدیک عبد اللہ بن سلام کی حدیث۔

(فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء)

marfat.com

اقول، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ سہو ہے خود بخاری کتاب الرقاق میں بطریق ابراہیم بن سعد ہے۔

ان الناس يصعقون يوم القيامة فاكون في اول من يفيق فاذا موسى۔ الحديث
لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا
اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(بخاری باب فتح الصور کتاب الرقاق)

اور مسلم میں بطریق عبد اللہ بن الفضل ہاشمی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

ثم ينفخ فيه اخرى فاكون اول من بعث اوفى اول من بعث فاذا
موسی۔ الحديث

پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا
اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش الہی کا پایہ پکڑے ہوں گے۔ یہ حدیث شک کے ساتھ
اسی طرح مروی ہے۔ (مسلم کتاب الفعائل)

پھر اگر کسی کتاب میں لفظ ”فی“ نہ آئے تو اس پر اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو اس وقت خود اپنی ذات کریمہ
کو اولیت مطلقہ کا جزم و یقین نہ تھا ورنہ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولیت میں شک و
تردد درست و صحیح نہ ہوگا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو شک و تردد کا سبب بیان
کیا گیا وہ سب نفس احادیث ناطقہ ”فاکون اول من یفیک“ و ”اکون اول من
بعث“ سے واضح و ظاہر ہے، اس میں خارج سے ”فی“ والی روایت حاصل کرنے کی
ضرورت نہیں۔ مگر یہ کہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علی الاطلاق اپنی
ذات شریف کی اولیت کا یقین نہ تھا اسی طرح اس کے عدم کا بھی یقین نہ تھا۔ کیونکہ یہ
حالت شک و تردد کی حالت ہے۔ لہذا اس حدیث سے وہ مراد لینا واجب ہے جو

اولیت مطلقہ سے اعم ہے، جو اس کا مبائن ہے وہ مراد نہیں خواہ لفظ ”فی“ کے ساتھ ہو یا لفظ ”فی“ کے بغیر ہو۔

یہ نصوص اس بات پر ناظر و شاہد ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے تشریف لائیں گے اور ان نصوص میں حضور کی اولیت مطلقہ کے خصوص کا افادہ جزم و یقین ہے، مطلق و محتمل ان کا معارض نہ ہوگا۔ اور ہمارا میلان و راستہ جزم و یقین کے لئے شک کا پردہ چاک کرتا ہے کیونکہ یہی روایات مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں مرکوز و مرتسم ہو گئی ہیں اور اسی پر اولین و آخرین کے کلمات ایک دوسرے کی تائید و تصدیق میں ہیں اور بعض نے اس پر پوری امت کا اجماع ہونا نقل کیا ہے۔

امام علامہ محمود بدر الدین عینی نے کتاب الخصومات باب الاشخاص میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا جو گزرے ہوئے تینوں مسالک کی بہ نسبت حق و صواب سے زیادہ قریب ہے، انہوں نے فرمایا کہ قائل کو یہ کہنا چاہئے کہ ہمارے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افاقہ کے وقت جب نگاہ اٹھائیں گے تو حضور کی نگاہ مبارک عرش کی ایک جانب ہوگی پھر جب دوسری بار دوسری طرف دیکھیں گے تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ملیں گے۔ اس تو جمیع سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ”انا اول من تنشق عنه الارض“ درست ہو جائے گا۔

(عمدة القاری ۱۱۔ کتاب الخصومات)

یعنی افاقہ کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عرش کی اس جہت کے سوا ہوگی جس طرف کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پہنچیں گے اور اگر حضور پہلے ہی اس جہت کی طرف دیکھتے تو اس کو خالی پاتے اور اس مدت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آکر عرش سے متعلق ہوں گے۔ پھر جب اس جہت کی طرف حضور کی توجہ ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کو اس حال میں پائیں گے تو حضور کو

یہ احتمال ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام حضور سے پہلے ہوش میں آئے یا وہ بے ہوش ہی نہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے۔

اقول، یہ کہنا زیادہ بہتر و مناسب ہے کہ ہر ایک سے پہلے زمین حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شق ہوگی اور حضور عرش کی طرف چلیں گے تو موسیٰ علیہ السلام کو پائیں گے اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوامروں کا احتمال ہوگا اور عرش تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تاخیر سے پہنچنے میں ایک خاص وجہ ہے سوائے اس کے کہ حشر شام کی طرف برپا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور صحرا بیت المقدس کے قریب ہے اسی پر عرش کا ایک پایہ رکھا جائے گا اور موسیٰ علیہ السلام اٹھتے ہی چل دیں گے اور محمد رسول اللہ (اللہ تعالیٰ حضور پر ازل سے ابد تک درود و سلام نازل کرے) اٹھ کر بقیع مقدس تشریف لائیں گے۔ اہل بقیع کے اٹھنے کا انتظار کریں گے انہیں اپنے ساتھ لیں گے پھر حرمین کریمین کے درمیان اہل مکہ کا انتظار فرمائیں گے۔ اہل مکہ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائیں گے۔

جعلنا اللہ تعالیٰ من اللاحقین بنعالمہ المتعلقین باذیالہ بمنہ و افضالہ
آمین رب محمد آمین وصل وسلم و بارک علیہ و علی آلہ و صحبہ
و ابنہ و حزبہ اجمعین۔

جیسا کہ یہ حدیث ترمذی سے ثابت ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، یہ حدیث گزر چکی ہے۔

اقول، اس پر یہ التباس و اشتباہ ہے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے حضور ہی باہر تشریف لائیں گے مگر حضور ہی کے بتانے سے، پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ مطلقاً حضور ہی اول ہیں تو اس وقت اور

دیگر معاملہ کا احتمال کیونکر ہوگا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کی شدت و سختی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذہول واقع ہوا اور حضور کا قلب انور امت کے معاملے سے متعلق ہو گیا۔

عمدہ حل

اولاً: وہ ہے جسے امام قاضی عیاض اور امام نووی نے جائز رکھا، امام احمد قسطلانی نے اس سے صرف نظر و روگردانی کی اور علامہ زرقانی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ جو بات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و محاسن سے متعلق ہوتی ہے، علامہ زرقانی اس میں درمیانی راہ پر قدم رکھتے ہیں، کما تقدم۔

امام احمد اور ان کے شارح امام محمد کے لفظ یہ ہیں، ظاہر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت اس بات کا علم نہیں تھا کہ حضور ہی اول ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتایا کہ حضور ہی اول ہیں اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریم کے بارے میں خبر دی کہ زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے قبر انور سے حضور ہی باہر تشریف لائیں گے یہ مضمون احادیث مفیدہ میں گزر چکا ہے پھر حضور کو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنے افاقہ کا علم ہوا۔

(شرح المواہب زرقانی ۵۔ ومنہا اول من اخرج)

اقول، گویا کہ پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف وحی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہوش میں آنے والوں میں آپ ہی سب سے اول ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے نزدیک افضل ایام جمعہ کا دن ہے۔ حدیث اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب ابواب الحمد) بیہقی شعب الایمان میں بسند حسن ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمہاری عمدہ و بہترین خوشبو مشک ہے۔

(شعب الایمان ۳ باب ۲۳)

ساتھ میں یہ بھی فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عمدہ اور اچھی خوشبو مشک ہے۔
یہ حدیث نسائی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(نسائی کتاب الجناز المسک)

احمد و مسلم ابوداؤد اور نسائی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کی کتنی نظیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور پر وحی نازل ہوئی کہ آپ اپنے مزار کریم سے باہر نکل کر عرش کے پاس آئیں گے تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملیں گے پھر نزول وحی کے بعد حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(مسلم کتاب النعمان۔ حدیث ۷۳۳۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ حدیث ۴۰۵۱)

اس وقت اس بات کی وحی ظاہر و واضح انداز میں نازل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اول مطلق ہیں بلکہ حضور کو صرف اس بات کی خبر دی گئی تھی کہ حضور افاقہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے۔ دئے پائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام حضور سے پہلے ہوش میں آئے پھر رب عزوجل نے حضور کو بتایا کہ زمین شق ہونے کے بعد حضور ہی سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے، لہذا احتمال زائل و دور ہو گیا اور تحدیث نعمت کے طور پر حضور نے رب ذوالجلال کے احسان و انعام کا اظہار فرمایا۔

یہ اقوال ائمہ کی شرح اور ان کا خلاصہ ہے اور یہی کافی و وافی ہے کیونکہ احتمال سے استدلال قطع ہو جاتا ہے شاید یہ امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کاریگری کا اشارہ ہے کہ انہوں نے خصائص کبریٰ میں ایک باب مقرر کیا ”باب اختصاصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ اول من تنشق عنہ الارض و اول من یفیک من الصعقۃ“ اور اس میں شیخیں کی حدیث تحریر کی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

marfat.com

فرماتے ہیں کہ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔
 (الخصائص الکبریٰ ۳ باب اختصاصہ علیہ السلام بان اول الخ)
 امام سیوطی نے اسی پر اقتصار کیا اور اس کے بعد والے حصہ کو بالکل جمع نہیں کیا
 ورنہ اس اقتصار میں اخذ اور مخالف مقصود کا حذف لازم آتا اور انہوں نے اسی کو جائز و
 برقرار رکھا کیونکہ یہ چیز ظاہر و باہر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس میں کوئی استثناء نہیں
 ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روز قیامت انبیاء و صدیقین و شہداء کو بیہوشی و غشی طاری نہیں ہوگی

و ثانیاً انا اقول وبالله التوفیق

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ”
فاصعق معہم“ (میں بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہوں گا) ہو سکتا ہے اس بات کے علم
سے پہلے کا ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غشی طاری نہ ہوگی کیونکہ یہ ثابت
ہو چکا ہے کہ تمام شہداء کا اللہ عز و جل نے استثناء فرما دیا ہے کہ وہ بے ہوش نہیں ہوں
گے۔

(فتح الباری ۱۱، کتاب الرقاق باب نفخ الصور)

اسحق بن راہویہ، ابویعلیٰ، دارقطنی کتاب الافراد میں، ابن منذر، حاکم بافادۃ التعلیج،
ابن مردویہ اور بیہقی کتاب البعث والنشور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
راوی حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
اس آیت کریمہ ”من الذین لم یشاء اللہ ان یصعقوا“ کے بارے میں پوچھا کہ
وہ کون لوگ ہیں جنہیں غشی طاری نہ ہوگی جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ اللہ عز و
جل کے شہداء ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ائمہ ہیں۔ (حوالہ مذکور)
سعید بن منصور وابن حمید ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں،
جبریل نے عرض کیا کہ وہ شہداء ہیں اللہ عز و جل نے ان کا استثناء فرما دیا ہے کہ ان پر
غشی طاری نہیں ہوگی۔ (در منثور سیوطی۔ سورۃ الزمر)

سعید بن منصور و حناؤ بن سری کتاب الزہد میں ایسی سند سے روایت کرتے

marfat.com

ہیں جس کے لئے ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ وہ صحیح ہے اور ابن حمید و ابن جریر اور ابن منذر سعید بن جبیر سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اور اس میں اتنا زائد ہے کہ شہداء کرام عرش کے ارد گرد وٹکوا رکھائے ہوں گے۔ (جامع البیان طبری الزمر)

طویل حدیث صور جو قیام قیامت کے وقت خوف اور گھبراہٹ کے ذکر کے بعد مذکور ہوئی اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مردوں (یعنی شہداء) کو ان خوف والی چیزوں سے کچھ معلوم نہ ہوگا۔ راوی نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں کس کا استثناء فرمایا ہے۔

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ

(الزمر، ۶۸)

تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے۔ (کنز الایمان)

حضور نے فرمایا کہ وہ لوگ شہداء ہیں، بیشک یہ گھبراہٹ دنیاوی زندگی والوں کو ہوگی اور شہداء تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے خوف و گھبراہٹ سے بچالے گا اور اس سے انہیں محفوظ و مامون رکھے گا۔

(در منثور سیوطی، الزمر آیت وفتح فی الصور فصعق)

جب یہ بات شہداء کے لئے ہے تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ان سے زیادہ مستحق و حقدار ہیں لامحالہ ذہبی اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے استثناء کردہ ہیں۔ اسی طرح فتح الباری، کتاب الرقاق اور کتاب الانبیاء میں ہے کہ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بازگاہ عزت میں زندہ ہیں اگرچہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں، اور یہ بات تو شہداء کے لئے ثابت ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انبیاء کرام کا رجبہ شہداء سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

(فتح الباری کتاب الرقاق و کتاب الانبیاء)

گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مذکورہ آیت مقدسہ نازل ہوئی اس میں استثناء مجمل و مبہم ہے تو حضور نے اسے حاطین عرش اور ملائکہ اربعہ پر محمول کیا۔
صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم۔

فریابی و ابن حمید و ابو نصر سجری کتاب الابانہ میں اور ابن جریر و ابن مردویہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کا استثناء فرمایا ہے حضور نے فرمایا وہ حضرات جبریل و میکائیل و ملک الموت و اسرافیل اور حاطین عرش ہیں۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

(طبری جامع البیان، الزبر و نغنی الصور فصیح من الایہ)

اور ایک روایت میں ابن عباس و یحییٰ بن سلام سے ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریم پر عام حکم لگایا پھر رب عز و جل نے حضور کو بتایا کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مستثنیٰ ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی افضلیت مطلقہ کے علم سے پہلے یہ حکم لگایا تھا کہ مخلوقات میں سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر رب عز و جل نے حضور کو بتایا کہ تم ہی پارگاہ رب العزت میں اولین و آخرین میں معزز و مکرم ہو آدم اور ان کے سوا دیگر انبیاء سب حضور کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے قیامت کے دن پوری مخلوق حضور ہی کی طرف نکلے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی حضور کی طرف راغب ہوں گے۔

اگر بالفرض انبیاء و صدیقین و شہداء کو

صعق و غشی طاری ہو پھر بھی ہمارے

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صعق و

افاقہ دونوں میں فضیلت حاصل ہے

ثالثاً: اقوال، اگر ان سب سے ہم قطع نظر کر کے آگے بڑھیں اور انبیاء و غیرہم کے لئے تسلیم کر لیں کہ یہ صعق موقف حشر میں بعث کے بعد ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے (جیسا کہ ابن قیم نے سمجھا اور حدیث مبارک ”او کان ممن استثنیٰ اللہ عز وجل“ میں ثقہ راویوں کے وہم اور صحاح کے رد کی اس پر بنیاد رکھی ہے۔ اور اسے شعور نہ ہوا کہ نفس حدیث ہی میں اس صعقہ میں استثناء کا اثبات موجود ہے۔ یہ مضمون شروع کلام میں صحیحین کے حوالے سے گزر چکا ہے) پھر اگر یہ صعق قیامت کا صعق ہے؟ حکم وہی ہے اور اگر دوسرا ہے جیسا کہ علماء سمجھتے ہیں تو اس میں اسی تہنق علیہ حدیث سے استثناء ثابت ہوگا۔ لیکن ہم انبیاء و غیرہم کے لئے استثناء تسلیم کر چکے ہیں، اگر اس میں استثناء مراد نہیں تو یہ راویوں کا تیسرا وہم ہے اور اگر دونوں کا ذکر کریں تو چوتھا وہم ہے اور ابن حزم نے کہا کہ بعث کے بعد بھی دو نفعے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اس میں بے ہوش نہیں ہوں گے یا بے ہوش ہوں گے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آجائیں گے۔ ان سب کے بعد حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

صعق و افاقہ دونوں میں فضیلت حاصل ہوگی خواہ بے ہوشی طاری ہونے کے بعد والا افاقہ ہو یا بے ہوشی طاری ہی نہ ہو اور افاقہ رہے جسے افاقہ اصل یہ کہتے ہیں اور یہ عدم صعق کے معنی میں آتا ہے۔ افاقہ میں حضور کی فضیلت اس لئے ہے کہ جب رب عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے پہاڑ پر تجلی ظاہر فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ابن مردویہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک ہفتہ تک بے ہوش رہے۔

(درمنثور سیوطی، الاعراف، آیت فلما تجلی ربہ للجبل الایۃ)

احمد و عبد بن حمید و ترمذی باقائدہ تصحیح و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابن عدی و ابن مردویہ و ابو الشیخ و حاکم باقائدہ تصحیح اور بیہقی کتاب الرویۃ میں بطریق عدیدہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت قُلْنَا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ (الاعراف، ۱۳۳) (پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا) تلاوت فرمائی تو انھیں انکسار کے اشارے سے فرمایا کہ اس طرح تجلی ظاہر ہوئی اور ابھام کے کنارے کو خنصر کے اوپر والے حصے پر رکھا یعنی تجلی اتنی سی تھی۔ ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ اور یہ نور کی تجلی تھی، ذات کی تجلی نہ تھی جو بعض و تجزی یا جزیت و بعضیت سے منزہ و پاک ہے۔

(حاکم مستدرک، باب التفسیر۔ ابن جریر جامع البیان۔ فلما تجلی ربہ للجبل الایۃ) پھر اس تجلی کی مقدار اتنی ہی کم تھی اور وہ پہاڑ پر ظاہر ہوئی ذات کلیم پر نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کو دیکھا۔ براہ راست تجلی کو قصد بغور نہ دیکھا، اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے وَلَٰكِن اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ، ہاں اسے موسیٰ اس پہاڑ کی طرف دیکھ (الاعراف، ۱۳۳) اور اگر کوئی کسی چیز کو دیکھے پھر اس پر بجلی گرتے ہوئے دیکھے، اور کوئی خود بجلی کو قصد نگاہ جما کر دیکھے تو دونوں کے درمیان فرق ہے۔ ان چاروں صورتوں کے باوجود کلیم اللہ

علیہ الصلاۃ والسلام اس کو برداشت نہ کر سکے اور ایک ہفتہ تک بے ہوش رہے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو چشم سر سے دیکھا تو نہ بے ہوش ہوئے نہ خوف اور گھبراہٹ طاری ہوئی۔ مازاغ البصر و ما طغی، آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ لہذا اس مقام عظیم پر کون ثابت قدم رہ سکتا ہے جس پر نہ کوئی نبی اور نہ کوئی فرشتہ قوت روحانیہ سے ثابت رہ سکے اور نہ کوئی پہاڑ اور آسمان جسمانی شدت و سختی سے قائم رہے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو افاقہ وغیرہ میں ہر طرح کا فضل و شرف حاصل ہے۔

مگر صعق کے بارے میں اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موقف حشر میں بے ہوش ہوں گے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے، تو اللہ کی پاکی ہے وہ غشی کسی خوف و گھبراہٹ کے سبب سے نہ ہوگی کیونکہ اللہ کے خاص بندے اور حضور کے غلام روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہیں فزع اکبر سے انہیں حزن و ملال نہ ہوگا۔ بلکہ جس وقت وہ بڑی مصیبتیں آپڑیں گی تو حضور رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب کریم اپنی کمزور امت پر شفقت و رحمت سے بے چین و مضطرب ہو جائے گا کہ روز قیامت حضور کو اپنا کوئی غم نہ ہوگا صرف اپنی امت کی فکر ہوگی، بالفرض اگر حضور کو بے ہوشی طاری ہوگی تو امت کے غم میں ہوگی۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شفیق باپ اپنے بیٹے پر اچانک کوئی مصیبت آپڑنے سے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنین کے لئے رؤف رحیم بن کر تشریف لائے ہیں حضور اپنے ہر امتی پر مادر شفیقہ سے زیادہ مہربان ہیں۔ بیشک ہم نے ایک عورت کو دیکھا ہے کہ جب اس کے داماد کے مرنے کی خبر آئی تو اس پر اس وجہ سے غشی طاری ہو گئی کہ اس کی بیٹی پر کیا مصیبت ٹوٹی۔

لیکن حضور کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو صرف اپنا ہی غم و اندوہ ہوگا، اس پر شفاعت کی حد۔ یہ مشہور اور معزز رسولوں کی نفسی نفسی کہنا واضح و صریح دلیل ہے،

صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین۔ حالانکہ رب عزوجل نے انہیں خود محفوظ رکھا ہے اور انہیں میں سے بلکہ ان سے افضل سیدنا کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان کا بے ہوش نہ ہونا یا بے ہوشی کی مدت و وقفہ کا کم ہونا اسی طور سے اس صفحہ سے کیونکر بڑھ کر ہوگا جس سے اس فضل عظیم کا پتہ چلتا ہے جس کے ثمرات و نتائج میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ سے ممتاز و منفرد ہیں، ہاں عبرت و اعتبار پیدا شدہ کا ہے پیدا کردہ کا نہیں، بلکہ حضور کا وہ صفحہ بلاشبہ فضل و شرف میں ہزار افاقہ سے بڑھ کر ہے۔ والحمد للہ رب العلمین

یہ تین وجوہ ہیں ان کی درمیانی یعنی دوسری وجہ جگر کی ٹھنڈک کی باعث ہے انشاء اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لہذا ظاہر و ثابت ہوا کہ کسی بھی وجہ سے حضور پر کسی کو فضل حاصل نہیں بلکہ تمام چیزوں میں سب پر حضور ہی کو فضل و شرف حاصل ہے، والحمد للہ رب العلمین۔

ہو سکتا ہے کہ کسلمند ناظر و قاری یہ کہے کہ میں نے بیان کو کافی طویل کر دیا حالانکہ میں نے اختصار سے کام لیا ہے ہاں میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے نبی کا فضل و شرف ظاہر و ممتاز کیا اور اپنے رب کریم کا فضل و انعام جمع کر لیا ہے۔ ان شاء السجود الکریم لہ الحمد ابدًا وعنٰی حیّہ الصلاۃ والتسلیم، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

ہم جس بحث کی تحقیق میں تھے پھر اسی کی طرف پلٹتے ہیں۔

دنیاوی زندگی میں حضور علیہ السلام پر متعدد بار امت اور دیگر مخلوقات کے جملہ اعمال پیش ہوئے

۳۹۔ وفات اقدس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پوری امت کے تمام اعمال پیش ہونے کا مسئلہ ثابت ہو چکا ہے۔

احمد و مسلم و ابن ماجہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ پر میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی ذر)

طبرانی کبیر میں اور ضیاء متدی صحیح مختارہ میں بسند صحیح حدیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گزشتہ رات اس حجرہ کے قریب مجھ پر میری امت کے جملہ اولین و آخرین پیش ہوئے میں نے ہر ایک شخص کو اس طرح پہچان لیا جس طرح آدمی اپنے ساتھی کو پہچانتا ہے، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر تو وہ لوگ پیش ہوئے جو پیدا ہو چکے ہیں مگر وہ لوگ کیونکر پیش ہوئے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے مٹی میں ان کی صورتیں ظاہر کی گئیں۔ اس مفہوم میں سدی کی روایت شروع بحث میں آیہ کریمہ ”لا تعلمہم“ کے تحت گزر چکی ہے۔ (معجم کبیر طبرانی، حدیث ۲۰۵۵)

ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردودہ و بزار و ابویعلیٰ اور بیہقی بروایت ابوالعالیہ

marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شب معراج کی حدیث طویل میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے فضیلت عطا فرمائی مجھے دونوں جہان کی رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا (یہاں تک فرمایا) مجھے فوائح کلم (سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات) اور خواتم کلم (کچھ سورتوں کی آخری آیات) اور جوامع کلم (یعنی لفظ کم اور معنی زیادہ) عطا کئے گئے۔ اور مجھ پر میری امت پیش کی گئی تو مجھ پر کوئی بائع و متبوع پوشیدہ نہ رہا (یہاں تک فرمایا) مجھ پر وہ بھی پوشیدہ نہ رہے جو میرے بعد مجھ سے ملنے والے ہیں۔

(کشف الاستار، باب الاسراء حدیث ۵۵۔ جامع البیان، بحن الذی اسری الایہ) نسیم الریاض باب ثالث کی فصل اول میں اس حدیث کے ضمن میں فرمایا، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر امت کے ہر شخص کے اپنے اپنے زمانے میں ان کے احوال ان کی ذوات و صفات اور ان کے تمام تصرفات کی تفصیل وحی کے ذریعہ ظاہر فرمائی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے امت کو حقیقتہً گروہ در گروہ ظاہر فرمادیا جو اپنے اعمال میں غرق تھے اور انہیں اس طور سے پیش کیا گیا کہ ہم اس کی حقیقت سے آگاہ و آشنا نہیں ہو سکتے ہیں۔

عراقی شرح مہذب میں بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آدم علیہ السلام سے قیامت برپا ہونے تک کی پوری مخلوق کو پیش کیا گیا حضور نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ السلام نے اشیاء کے نام سیکھ لئے۔

(نسیم الریاض، باب ۳ الفصل الاول)

لہذا ثابت ہوا کہ وفات اقدس کے بعد اعمال امت کی پیشی علم اقدس کے بعد ہی ہوئی ہے اور یہ پیشی صرف ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار ہوئی ہے

● ان میں سے ایک بار شب اسری ہوئی۔

● دوسری بار حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں ہر چیز کو ملاحظہ

فرمایا، صحیحین کی حدیث سے یہ مضمون گزر چکا ہے۔

● تیسری بار جب رب عزوجل نے حضور کے دونوں موٹھوں کے درمیان دست قدرت رکھا تو حضور پر ہر چیز روشن و مستنیر ہو گئی اور حضور نے جان لیا۔ حدیث صحیح سے یہ روایت بھی گزر چکی ہے۔

● اور چوتھی بار حضور پر قرآن کریم کے نزول سے جملہ اشیاء کے علوم و معارف حاصل ہوئے، کیونکہ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔

اور ہم نے یہی کہا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہر درود دس بار پیش ہوتا ہے اور درود شریف کے سوا دیگر اعمال چھ بار بلکہ سات بار پیش ہوتے ہیں۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ ثابت ہو جائے کہ درود پاک کی طرح قیامت کے دن حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال بھی پیش ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۰۔ فرض کرو کہ ”رسالہ غایۃ المامول“ غافل ہے بھولکتا ہے ہماری تحریر کردہ بحث کو وہ جان ہی نہ سکا مگر اس سے اس کو کس نے غافل کر دیا جو وہ ہماری کتاب میں سن چکا ہے کہ اخبار احاد قرآن کریم کے معارض و منافی نہیں ہیں۔

حضرت ابن مسعود کا قول ”الا مفتاح الغیب“

اور دو وجہوں سے اس کا جواب

۴۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوائے غیب کی کنجی کے ہر چیز عطا کی گئی۔ (درمنثور، سورہ انعام) اس تفریق اور استثناء کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کا ماخذ و مرجع آیت کریمہ ”وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ“۔ (اور اسی کے پاس ہیں کنجیوں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔ الانعام، ۵۹، کنز الایمان) اس آیت کی تفسیر میں ہم نے پانچ احادیث پیش کی ہیں۔ اس آیت شریفہ اور احادیث مبارکہ عظیمہ کے بحث پر کافی و شافی کلام کے لئے ہمارے کتاب ”الدولة المحكية بالمادة الغيبة“ میں ”نظر سادس“ کے عنوان سے ایک مستقل فصل قائم کی گئی ہے۔ لیکن رسالہ مذکورہ ”غایۃ المامول“ نے اسے الگ کر دیا اور اس سے رسالے کا دوسرا باب شروع کیا۔ اور اس آیت میں لفظ ”مفتاح“ ”کنجی کے معنی میں متعین ہے۔ بخلاف آیت کریمہ میں لفظ ”مفاتیح“ کے۔ کہ کبھی لفظ مفاتیح کی تفسیر خزائن سے بھی کی جاتی ہے اس لئے اس نے اسے بھی اسی شمار و گنتی میں شامل و داخل کر دیا۔ اللہ کی توفیق سے یہاں پر ایک حرف کا ذکر کافی و شافی ہو گا اور پوری سیر حاصل بحث بعونہ تعالیٰ عنقریب آنے والی ہے۔

مناقول: مفتاح دینے کی نفی، علم غیب دینے کی نفی پر کیسے دلالت کرے گی؟ کیونکہ کبھی کبھی کریم اپنے خزانہ کرم سے اپنے خواص میں سے جسے چاہتا ہے بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اگرچہ اسے کبھی عطا نہیں کرتا۔

اور دوسری وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ کیا مفاتیح غیر غیب ہے یا عین غیب؟
● بر تقدیر اول مفاتیح کی نفی، غیب کی نفی کیوں ہوگی؟

● اور بر تقدیر ثانی سلب عموم مراد ہے یا عموم سلب؟

☆ اول کی بناء پر بعینہ وہی بات ہے جو ہم کہتے ہیں

☆ ثانی کی بناء پر قرآن کریم کے نصوص کا اور احادیث صحاح اور اجماع امت کا رد لازم آئے گا بلکہ نبوت ہی کا انکار ہو جائے گا، امام قاضی عیاض اور امام احمد قسطلانی کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ”اطلاع علی الغیب“ کو نبوت کہتے ہیں۔

(شفا شریف، باب ۲۔ فیما اظهرہ علی بدیہ من المعجزات)

اسے رسالہ مذکورہ پھر وہ تو تمہارے اقرار کے بھی خلاف ہے جب تم نے صفحہ ۲۷ پر امام نووی کے حوالے سے نقل کیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ”تمام معلومات کا احاطہ اور مستقلاً وبالذات علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن معجزات و کرامات سے جو علم ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء کو بتانے سے ہی ہوتا ہے اسی طرح جو علم عادت جاریہ سے حاصل ہو وہ بھی اللہ کی عطا اور تعلیم سے ہوتا ہے۔

رسالہ کے صفحہ ۲۳ پر امام ابن حجر سے منقول ہے ”بعض غیوب پر اولیاء کی اطلاع سے جو ثابت ہو چکا ہے دونوں آیتیں اس کے منافی و معارض نہیں ہیں۔“

صفحہ ۲۷ پر عدم منافات کی وجہ یہ ہے کہ ”انبیاء و اولیاء کا علم انہیں اللہ عز و جل کے بتانے سے ہے۔ اور ہمیں اس کا جو علم ہے وہ ہمیں انبیاء و اولیاء کے بتانے سے ہے۔ (یہاں تک کہا کہ) اللہ تعالیٰ کا انبیاء و اولیاء کو بعض غیوب بتانا ممکن ہے کسی وجہ سے محال کو مستلزم نہیں، اس کے وقوع و صادر ہونے کا انکار عناد و بغض ہے۔ وغیرہ وغیرہ“

بلکہ رسالہ غایۃ المامول کا انتساب سید فاضل (سید احمد برزنجی) کی جانب ہے ان کا ایک رسالہ ”منہج الوصول فی تحقیق علم غیب الرسول“ کے نام

ا۔ شاید یہ وہابیہ کے کذب و افترا کی علامت ہے ورنہ لفظ ”وصول“ کا صلہ ”الی“ آتا ہے اور مرکب اضافی مضاف نہیں ہوتا بلکہ مضاف الیہ ہوتا ہے لہذا معنی مراد اس سے حاصل نہیں ہوا۔ مراد یہ ہے کہ اس علم غیب کی تحقیق جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اس جملہ سے معنی یہ ہو رہا ہے کہ رسول کے غیب یعنی رسول کی غیر موجودگی سے علم کی تحقیق، یا یہ معنی ہوگا کہ اس سے کسی کے علم کی تحقیق جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوشیدہ اور غائب ہے۔ وھو کا تری ۱۲ منہ

سے ہے اس میں انہوں نے اس کا اعتراف و اقرار کیا ہے اور انہوں نے سمجھا ہے کہ رسالہ غایۃ المامول اس کا تہہ ہے۔ پھر شنی کا تہہ اس کے لئے سبب بطلان کیونکر ہوگا۔ واللہ الہادی۔

اور وہ بھولنا نہیں چاہئے جو ہم نے کتاب کے اوائل میں بیان کیا ہے کہ رسالہ مذکورہ نے امام نووی اور امام ابن حجر کا کلام پیش کر کے اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان خود ہی پیدا کر لیا ہے کیونکہ دونوں اماموں نے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کو علم استقلالی اور علم محیط کلی پر محمول کیا ہے۔ یہ بعینہ وہی بات ہے جس کی طرف ہم چل رہے ہیں جو ہمارا مرکز قلم ہے اور اس میں علم کی وہ تقاسیم ہیں جن سے رسالہ مذکورہ کے نزدیک دونوں امامین مکرمین علماء شریعت اور ارباب عقول سلیمہ سے نکل جاتے ہیں (والعیاذ باللہ تعالیٰ) اور ان لوگوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں کچھ مسلمان بہت دور کی حیرت و استعجاب میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے دین کی مضبوط و مستحکم بنیاد کو ہلا دیا۔

پھر اس کے باوجود رسالہ نے ان دونوں سے احتجاج و استدلال کیا اور انہیں ائمہ دین میں شمار کیا، حالانکہ ان دونوں کا ائمہ دین میں سے ہونا حق و درست ہے لیکن وہابیہ افترا باز قوم ہے نہ ان کے پاس عقل سلیم ہے اور نہ ان کا دین و ایمان محفوظ ہے وہ عقل و ایمان سے بیگانہ ہیں۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

حجۃ الاسلام کا قول اور پانچ جواب

۴۲۔ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ کا قول چار جملوں پر مشتمل ہے وہ رسالہ مذکورہ کی کسی چیز میں حجت نہیں ہے۔

پہلا جملہ: علم باری تعالیٰ ہے اولین و آخرین کے علوم کو کیا نسبت ہے۔ یہ بلاشبہ حق و درست ہے ہم نے اسے متعدد بار ثابت کیا اور بیان قاطع سے واضح و آشکارا کیا کہ پوری مخلوق کے مجموعہ علوم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے بالکل کوئی نسبت ہی نہیں ہے اور نہ ایسی نسبت ہے جیسی ایک قطرہ کے ہزاروں ہزار جز کو ہزاروں ہزار بحرِ خار سے ہے کیونکہ متناہی کی نسبت غیر متناہی سے کسی بھی نسبت سے ہو محال و ممتنع ہے۔ امام غزالی نے اس بحث میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے باری تعالیٰ کے علم کی توصیف اس طرح کی ہے کہ وہ تمام معلومات کو ایسا محیط ہے جو حد و نہایت کی حدود سے خارج ہے۔ اور انہوں نے اپنے کلام کو اس پر ختم کیا کہ اللہ عز و جل کے علم کو مخلوق کے علم پر یہ فضیلت ہے کہ وہ نہایت و انتہا کے دائرہ سے خارج ہے کیونکہ معلومات الہیہ کی کوئی نہایت و حد نہیں ہے اور مخلوق کی معلومات متناہیہ ہیں۔

(احیاء علوم الدین، کتاب المحبۃ والشوق)

رسالہ مذکورہ نے ان سب اقوال کو نقل کیا اور سمجھ نہ سکا کہ بعینہ یہی ہمارا مسلک و مدعا ہے اس سے استناد کی بنیاد رسالہ مذکورہ کے جھوٹ و افترا پر ہے کہ ”ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل کو محیط ہے۔“

۴۳۔ دوسرا جملہ: اللہ عز و جل نے پوری مخلوق کو مخاطب کیا اور فرمایا ”وما اوتینم من العلم الا قليلا“ اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا۔

(بنی اسرائیل ۸۵) (حوالہ مذکور)

اگر رسالہ مذکورہ نے اس سے علم جلیل عز جلالہ کی بہ نسبت تقلیل سمجھا تو بعینہ یہی ہمارا مقصود و مدعا ہے بلکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ مخلوق کے علم کو اللہ کے علم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لہذا اس سے احتجاج و استدلال کرنا ہمارے مذہب سے لاعلمی و جہالت کی دلیل ہے۔ اور اگر رسالہ کو یہ وہم و خیال ہو کہ فی نفسہ تقلیل مراوے ہے تو یہ بدایہ باطل ہے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ نہ کسی اور نبی کے بارے میں ایسا کہنے کی جرأت بے جا کمینہ و ہابیہ کے سوا کوئی نہ کرے گا اور نہ اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک آیت کریمہ کا یہ مفاد و منشا ہے۔

رسالہ غایۃ المامول نے صفحہ ۳۰ پر خود کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین اور دنیا و آخرت کے مہمات، دین و دنیا کے حوائج و مصالح کا علم دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلومات کے احاطہ میں علم الہی کے برابر و مساوی ہو جائے بلکہ اس کا اعتقاد و یقین ہی جائز نہیں۔ جو علم بھی ہوا اگرچہ وہ وسعت و احاطہ میں اپنی انتہا کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے وہ قلیل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا آتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ کنز الایمان)

(فی اسرائیل ۸۵)

ابن اسحاق و ابن جریر اور ابن ابی حاتم ابن عباس سے اور ابن اسحاق و ابن جریر عطا بن یسار سے راوی انہوں نے کہا کہ ”وَمَا آتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“ کے میں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی حضور کی خدمت میں یہود کے احبار و علماء آئے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کہتے ہیں وَمَا آتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا) اس سے آپ ہمیں مراد لیتے ہیں یا اپنی قوم کو؟ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔ یہود نے عرض کیا کہ آپ یہ بھی تملادت کرتے ہیں کہ توریت دی گئی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود

ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز عطا فرمائی ہے اگر تم اس پر عمل کرو گے تو نفع پاؤ گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ (الہی قولہ تعالیٰ)
إِنَّ اللَّهَ سَبِغَ بَصِيرُ
(لقمان، ۲۷-۲۸)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاحی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بیشک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا بیشک اللہ مستفاد دیکھتا ہے۔ (کنز الایمان) (جامع البیان آیت و یسنلونک عن الروح)
اس آیت کریمہ کے نزول سے یہ حکم و اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور یہ یقیناً حق و درست ہے اور رسالہ مذکورہ نے جو افادہ کیا وہ صریح باطل و غلط ہے۔

بلکہ ابن ابی حاتم یزید بن زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ دو لوگوں نے آیت کریمہ ”وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“ کے بارے میں اختلاف کیا ایک نے کہا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں دوسرے نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں پھر ان میں سے ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور اس کے بارے میں پوچھا، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تم نے سورہ بقرہ نہیں پڑھی اس شخص نے کہا ہاں کیوں نہیں، اس پر ابن مسعود نے فرمایا کہ کون ایسا علم ہے جو سورہ بقرہ میں نہیں ہے مگر اس آیت مبارکہ سے اہل کتاب مراد ہیں (ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں)۔ (درمنثور سیوطی و یسنلونک عن الروح)

اور رسالہ مذکورہ نے اس قسم کی روایات کو نہیں دیکھا بلکہ انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ہمیں سے ظاہر و واضح ہو گیا کہ رسالہ مذکورہ کے حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول بیان کرنے کے بعد شارح سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام ذکر کرنے سے مقصود

صرف فضول باتوں میں زیادتی اور اس کے رد میں اضافہ ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ مخلوق کے علم پر خالق کے علم کو تین خواص سے فضیلت و برتری حاصل ہے۔

اقول، ہمارے نزدیک یہ تقصیر و کمی ہے بلکہ اللہ کے علم سے مخلوق کے علم کو کسی چیز میں کسی طرح کی کوئی مناسبت ہے ہی نہیں بلکہ وہ دونوں بالذات متبائن و متفائر ہیں کسی خاصیت یا چند خواص سے دونوں میں تفریق و مفارقت نہ ہوگی۔

پہلی خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کی معلومات چاہے کتنی وسیع ہوں پھر بھی وہ اس کے دل ہی میں محصور و محدود ہے پھر اس محدود علم کو غیر متناہی علم سے کیا تعلق و مناسبت؟ اور تمہیں معلوم ہو چکا کہ یہی بعینہ ہمارا مقصود و مدعا ہے۔
(اتحاف السادة المتقين، انزبیدی، کتاب المحبة والشوق)

علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم

اقول مخلوق کی معلومات کے قیاسی ہونے کے ثبوت میں یہ کہنا کہ مخلوق کے دلوں میں معلومات کا انحصار ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ معلومات ہمارے نزدیک دل میں متمکن نہیں ہوتیں اور نہ دل میں شئی کے حلول کرنے کا نام علم ہے اور نہ فلاسفہ کی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ”عقل کے نزدیک صورت حاصل کا نام علم ہے“ چہ جائیکہ اس کا نام علم ہو جو دل میں حلول کرے۔ ہمارے علماء نے وجود ذہنی کا جو انکار کیا ہے اس کا یہی معنی و مطلب ہے۔

اور ہمارے اصحاب محققین جیسے امام علم الہدیٰ ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک علم اس حالت انجوائیہ کا نام ہے جس سے شئی اس پر منتجلی ہوتی ہے جس پر نفس الامر میں وہ ہے۔ پھر ان کا یہ قول علم کی دو تقسیم میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے جن پر رسالہ مذکورہ نے بارہا چکر لگایا۔

دوسری خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بندے کی معلومات منکشف ہو جائیں پھر بھی اس حد و انتہا کو نہیں پہنچیں گی جس کا ماورائے ممکن نہ ہو۔
(اتحاف السادة المتقين، کتاب المحبة والشوق)

اقول، یہ بھی بعینہ ہمارا ہی مذہب و مسلک ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم بلکہ جملہ مومنین کے علوم ابد الابد

تک ہمیشہ بڑھتے رہیں گے لہذا یہ اس معنی کے اعتبار سے غیر متناہی ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتا۔ اور جو بحث اس سے پہلے گزر چکی ہے اللہ کا شکر ہے کہ وہ بیان اس سے زیادہ اجلی اور اعلیٰ ہے۔ میں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم ہے پھر خالق کی طرح مخلوق کے لئے شئی کیونکر اور کیسے منکشف ہوگی۔

تیسری خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کا علم اشیاء سے مستفاد نہیں بلکہ اشیاء اس سے مستفاد ہیں اور بندے کا علم اشیاء کے تابع ہے اور اشیاء کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، التریبیدی۔ کتاب المحبة والشوق)

علم ذاتی اور غیر ذاتی کے فرق پر یہ عملی اقدام اور خامہ فرسائی ہے اور یہ دونوں تقسیم میں سے پہلی تقسیم ہے۔

علم الہی کی تقسیم، فعلی اور انفعالی، کرنا

ثم اقول: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں دو وجہ سے نظر ہے **ہذا:** ان کا شروع کلام بعض ان باتوں کی طرف مشیر ہے جن پر جہلاً، غلامیہ، فریفتہ و شیفتہ ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے ایک فعلی اور دوسرا انفعالی۔ اور حق و صواب یہ ہے کہ علم صفات موثرہ میں سے نہیں ہے جیسا کہ ہمارے علماء نے بیان فرمایا اور اشیاء اپنی افادیت سے مستفاد ہوتی ہیں اور اشیاء کی افادیت ان کا اپنے وجود میں موثر ہونا ہے

ہاں مخلوق کے علم کے لئے اختیار شرط ہے اور شروط و مشروط کا قائم و دائم دینی ہیں۔ یہ شرط علم فعلی میں ہے۔ رہا انفعالی، تو انہوں نے اپنے منہ سے بڑی بات نکالی، وہ تو جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موثر حقیقی ہے وہ کسی کا اثر قبول کرنے سے بلند و بالا اور پاک ہے، کافر سے تو یہ کوئی تعجب نہیں چٹک تعجب تو ان متاخرین منطقیین سے ہے جو مسلمان ہیں کہ انہوں نے اس صریح باطل اور جھوٹ کی پیروی کس طرح اور کیونکر کر لی

اور فلاسفہ کے لئے انہوں نے اسے لازم کر لیا۔ اور انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح ہے، قدیم اور حادث۔ اللہ کے ساتھ کسی حادث کا قیام ہو وہ اس سے بلند و بالا ہے اور اگر اس کے ساتھ قائم نہ ہو تو وہ اس کا علم کس طرح ہوگا، یہ تو معتزلہ کے ہڈیان و خرافات کے مثل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام حادث کے ساتھ متکلم ہے اس کے ساتھ وہ قائم نہیں ہے۔ نسال اللہ السلامة۔

و ثانیاً: معلوم کے لئے علم کی تبعیت اگر اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ علم کا اس کے موافق و مناسب ہونا ضروری ہے جس پر فی نفسہ معلوم ہے تو یہ قطعاً یقیناً علم قدیم میں بھی واجب ہے، متکلمین نے اس کی صراحت و وضاحت کی ہے اگرچہ ہمارے نزدیک لفظ ”تبعیت“ مناسب و پسندیدہ نہیں۔ اور اگر اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ حصول علم، حصول معلوم کے تابع ہے جب یہ حاصل نہیں ہوگا تو وہ بھی حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ سید مرتضیٰ کے کلام کا مفاد و منشاء ہے تو یہ قطعاً باطل ہے ورنہ قیامت وحشر اور معاد پر ایمان رکھنا محال ہو جائے گا اگرچہ وہ اعیان ثابتہ کی پناہ اور سہارا لے، کیونکہ اعدام متمایز نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود جسے وجود کی بنیاد ملی وہ بھی فلاسفہ کے نزدیک علم قدیم میں ثابت ہے۔ رسالہ مذکورہ ان حقائق سے مجرد و خالی ہونے کے سبب سے ایسا ہے جیسا رات کا لکڑی چھنے والا جلدی سے جو پاتا ہے اسے اٹھا لیتا ہے خواہ وہ درست ہو یا نہ ہو۔

۲۴۔ تیسرا جملہ: امام غزالی فرماتے ہیں کہ اگر آسمان و زمین والے سب ایک چیونٹی یا پھر کی تخلیق کی تفصیل میں اللہ کے علم و حکمت کا احاطہ کرنے پر جمع ہو جائیں تو اس کے حشر و عیش پر مطلع نہیں ہو سکیں گے۔ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے یعنی اس کی مشیت کے بغیر حصول علم ممکن نہیں۔ (احیاء العلوم، کتاب المحبة الشوق)

اقول، حجة الاسلام امام غزالی نے سچ فرمایا اور ان کا کلام اس میں ہے جس میں مخلوق اپنی نظر و فکر سے استنباط و استخراج کرتی ہے، وہ علم مراد نہیں جو اللہ کے وہب و

عطا اور اس کے انوار کی تجلی سے دیا جاتا ہے۔ اسی سے ہم نے یہ کہا کہ ہر ذرے میں جو دینی علوم ہیں ان کی تفصیل اللہ عزوجل کے بتائے بغیر جاننے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کریم دونوں جہان کے ہر ہر ذرے کی تفصیل پر محیط و حاوی ہے اور ان پر صرف خواص کاملین کے اکابر ہی مطلع و آگاہ ہیں۔ جنہیں اللہ عزوجل نے اپنا قرب خاص عطا فرمایا ہے۔

انبیاء کرام جملہ مخلوقات کو ان کے اشخاص و احوال کے ساتھ جانتے ہیں اور ہر فرد کی تخلیق میں جو حکمت الہیہ ہے اسے بھی جانتے ہیں

امام فخر الدین رازی اور علامہ نظام مینشا پوری آیت کریمہ و کذلک نری
ابراہیم ملکوت السموات والارض۔ (اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں
ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی) کے تحت فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر مخلوق میں اس
کے اجناس و انواع اس کے اصناف و اشخاص اس کے احوال و عوارض اور اس کے
لواحق و تابع وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں ہیں ان کے آثار و علامات پر اکابر
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آگاہی و اطلاع حاصل ہے اسی معنی کے اعتبار سے
ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے الہی ہمیں اشیاء کے
حقائق دکھاوے۔

(مفتاح الغیب، امام رازی۔ سورہ انعام)

اور حجۃ الاسلام امام غزالی اور مناوی تیسیر میر فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ حضور
انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم بالا کے تمام خواص و اسرار کا کشف فرماتے ہیں۔

(تیسیر مناوی اباب الحاء)

۴۵۔ چوتھا جملہ: امام غزالی فرماتے ہیں کہ علم کی جو تھوڑی سی مقدار پوری مخلوق کو حاصل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے ہی سے ہوئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

(الرحمن، ۳-۴) (احیاء العلوم، کتاب الحمیہ والشوق)

انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان و ما یكون کا بیان انہیں سکھایا۔

(کنز الایمان)

اہل حق، اسی کے مثل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے ”وَمَا أَوْتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“

(الاسراء، ۸۵)

(اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا) اور یہ فرمان ”وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“

(البقرة، ۲۶۹)

(اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی) ہے۔ ان دونوں میں جمع و تطبیق صرف

یہود پر پوشیدہ ہے۔

امام احمد، ترمذی باقادہ تصحیح، نسائی، ابن حبان، ابن منذر، ابوالشیخ کتاب العظمت، حاکم باقادہ تصحیح، ابن مردودہ اور ابونعیم و بیہقی دونوں دلائل النبوة میں راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے یہود سے کہا، ہمیں کوئی ایسی چیز دو جس کے بارے میں ہم اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سوال کریں، یہود نے کہا ان سے روح کے بارے میں پوچھو وہ کیا کہتے ہیں، قریش نے حضور سے روح کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

(الاسراء، ۸۵)

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے

اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

(کنز الایمان)

یہود نے کہا ہمیں علم کثیر دیا گیا، ہمیں توریت عطا کی گئی اور جسے توریت دی گئی اسے بہت بھلائی ملی، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِذَادًا لَّكَلَّيْتُ رَبِّي لَتَفِدَّ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ
كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِشَلْبَةٍ مِذَادًا
(الکہف، ۱۰۹)

تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔
(کنز الایمان) (ترمذی ابواب التفسیر، سورۃ الاسراء)

یہی روایت ابن مردودہ کے نزدیک طوالت کے ساتھ ہے ان کے لفظ میں قریش کی جگہ یہود کا قول ہے لہذا یہ روایت مختلف فیہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ فرمان نازل ہوا کہ اگر زمین کے درختوں کو قلمیں بنالیں اور پوری مخلوق کا تب ہو جائے اور یہ سمندر سیاہی ہو اس میں سات سمندر اسی کے مثل اور ہوں تو یہ تمام لکھنے والے مرجائیں گے اور یہ سارے قلم ٹوٹ جائیں گے اور یہ آٹھوں سمندر خشک ہو جائیں گے مگر اللہ کا کلام کچھ بھی کم نہ ہو گا وہ اسی شان پر باقی رہے گا مگر اے یہود تمہیں توریت دی گئی اس میں اللہ کی جو حکمتیں ہیں وہ اس کی حکمتوں کے سامنے قلیل و کم ہیں پھر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توریت منگائی اور یہود کو یہی آیت پڑھ کر سنائی اس کے بعد یہود ناک بھوں چڑھاتے ہوئے غصے میں واپس چلے گئے۔

(درمنثور سیوطی۔ سورہ لقمان، آیت ولو ان مافی الارض الایۃ)

ابن جریر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود نے کہا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا جالانکہ ہمیں توریت دی گئی ہے جو سراسر حکمت ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی ملی حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍۭٓ اَوْ اَقْلَامٍۭ ۙ وَالْبَحْرِ يَمْدُ ۙ مِنْۢ بَعْدِ
سَبْعَةٍۭ اَنْحَرُ مَا نَفِذْتُ كَلِمَتُ اللّٰهِ
(لقمان، ۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے بیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو علم دیا گیا اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم کو دوزخ سے نجات دے گا۔ اس اعتبار سے وہ کثیر و طیب ہے اور وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں بہت ہی قلیل و کم ہے۔ (جامع البیان طبری، لقمان آیت مذکور)

ابن منذر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ جی بن اخطب (یہودی) نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو حکمت دی گئی ہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں بہت تھوڑا علم ملا ہے، پھر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کیسے جمع ہوں گی؟ (یعنی جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی ہمیں تو ریت ملی ہے جو سراسر حکمت ہے پھر ہمارا علم تھوڑا کیوں ہے؟) اس کے بعد یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں "وَلَوْ اَنْ مَّاسَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ" اور "قُلْ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّکَلَّمَاتِ رَبِّی" (در منثور، لقمان آیت مذکورہ)

لہذا یہ شبہ یہود کا شبہ ہے اور جواب غفور و ودود اور حبیب محمود کا جواب ہے، جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ابد الابد، اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اسی طرح اس کی حکمت، بلکہ وہ مصلحتیں بھی غیر متناہی ہیں جن کی عالم کے ہر ذرے میں رعایت کی گئی ہے جیسا کہ گزشتہ ابحاث میں اسے بیان کیا گیا کہ ہر ذرے کے احوال ممکنہ غیر متناہی ہیں اور جب ایک حالت کو لیا جائے اور اس کے ماسوا حالتوں کو چھوڑ دیا جائے تو ان کی حکمتیں بھی غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو لیا اور جس کو چھوڑ دیا وہ سب حکمت بالغہ کے سبب سے ہے اور اس میں کسی ایک حکمت کا علم کافی نہیں جس سے اس وقت اس شئی کی اس حالت کی مناسبت ظاہر ہو کیونکہ تمام احوال میں وہ ہونا جائز ہے جو اس سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ مناسبت کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں پر شک و تردد ہو۔ اور حکمت اس اختیار کو چاہتی ہے جو سب سے زیادہ موافق

ہولہذا اس کی حقیقت پر اطلاع ان تمام احوال غیر متناہیہ کے علم کے بغیر ممکن نہیں خواہ وہ ان احوال کے مناسب ہو یا غیر مناسب، اور یہ کہ بعض مناسبت شدید و دافر ہوتی ہے۔ ہر ہر ذرے، ایک ایک بال اور ایک ایک پتے اور ان کے رنگوں، ان کی مقدار، ان کی وضع، ان کے اوزان، ان کی شکلوں اور ان کے محل وغیرہ میں جو اخذ (لینے) کی حکمتیں ہیں انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم، اللہ کے بتانے سے محیط ہیں اور اس سے علم الہی کی کثرت کے دسویں حصے کے دسویں حصے سے کم بھی نہیں گھٹے گا اور نہ اس کے بعض کے بعض کو کوئی حد محیط ہوگی۔ یہ وہی تفصیلات ہیں جو امام رازی اور نیشاپوری کے کلام میں مذکور ہوئیں۔

لیکن جن چیزوں کو چھوڑ دیا گیا ہے ان کے ترک میں جو حکمتیں ہیں وہ بھی غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی بالفعل کو مخلوق کا علم محیط نہیں ہے مگر اس معنی کے اعتبار سے علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جملہ ماکان و مایکون کو محیط ہونے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ لینے کی حکمتوں میں وجود گردش کرتا ہے اور چھوڑنے کی حکمتوں میں عدم ملحوظ ہے اور جب متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت و تعلق نہیں تو جن حکمتوں کو انبیاء کرام، رب تبارک و تعالیٰ کے پیدا کرنے کے سبب سے جانتے ہیں وہ اسی کے بتانے سے ہے، اس کے باوجود اگر ان حکمتوں کی فہرست لکھی جائے تو اتنے دفاتر تیار ہوں گے جن سے آسمان و زمین کے درمیان کا فاصلہ بھر جائے، یہ سب بھی علم الہی کے مقابلے میں قلیل و کم ہوں گے۔ امام غزالی کے کلام کا یہی مطلب ہے، کلام کو اسی طرح سمجھنا چاہئے، اسی طرح مقصد کو ثابت کرنے کا حق ہے مگر یہ توفیق الہی کے بغیر نہ ہوگا، فالحمد لله ولی الانعام و افضل الصلاة و اکمل السلام علی حبیبہ الکریم و آلہ الکریم عدد حکم الحکیم فی ذرات الانام الی یوم القیام و بعد القیام علی ممر اللیالی و الایام آمین یا ذا الجلال و الاکرام۔

تذیل جلیل و تکمیل جمیل

ہندوستانی وہابیوں وغیرہم کے شبہات کا قلع قمع

پروردگار عالم ہی کے لئے حمد و شکر ہے کہ یہاں تک رسالہ ”غایۃ المامول“ کے بیان کردہ مزعومات و ادہام پر کلام پورا ہو گیا اب یہاں پر وہابیہ ہند اور بعض معاندین و مخالفین کا دوسرا شبہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے رد و ابطال کا حصہ بھی تم کو مل جائے تاکہ مخالف کے پاس اللہ کے حکم سے کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اگر کوئی شبہ باقی رہے تو اسے تباہ و پامال کر دیا جائے اور رد میں اس پر کوئی حجت و دلیل باقی نہ رہے اگر ہو تو اسے حاصل کر لیا جائے اور طویل فاصلے سے مجھے تکدر و ملال کا خوف و تردد ہے اور میں اختصار کو ترجیح دوں گا مگر بیان مقاصد میں کوئی کمی نہیں کروں گا، انشاء اللہ العزیز الغفار۔

آیات ”قل لا یعلم، الایۃ“ ولم نقصصهم، الایۃ وقالوا لا علم لنا“ اور جوابات کی طرف اشارہ

وہابیہ کے متعلق ہم یہ بیان نہیں کریں گے کہ وہ اس آیت کریمہ سے جاہل ہیں
قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل، ۶۵)
 تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (کنز الایمان)
 یا اس آیت سے وہ ناواقف ہیں

”وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ يَنْقُصْ عَلَيْكَ“ (المومن ۷۸)
 اور کسی کے احوال نہ بیان فرمائے۔ (کنز الایمان)

کیا اللہ عزوجل نے یہ فرمایا کہ ”ہم آپ سے کبھی نہ بیان فرمائیں گے؟“
 یا اس آیت مقدسہ سے وہ غافل ہیں

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ قَالَوَا لَا عِلْمَ لَنَا

(المائدہ ۲۰۹)

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں
 گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ (کنز الایمان)

کیونکہ اگر رسولان عظام علیہم الصلاۃ والسلام سے شہادۃ مشہودہ کے علم کی بھی نفی
 نمل ہو جاتی اور انہیں ان لوگوں سے ملا دیا جاتا جنہیں سنایا جاتا اور وہ سختے نہیں اور نہ
 کچھ سمجھتے ہیں نہ وہ ہدایت پاتے ہیں، کیونکہ رسولان کرام نے جب کفار سے عمر بھر

گفتگو کی تو کیا انہیں معلوم نہ ہوگا کہ کفار نے انہیں کیا جواب دیا؟ یہ بات تو ان کے لئے ہے جن کی عقل بلا رسیدہ اور فتور والی ہے یعنی وہ انتہائی غبی، گھٹیا اور اس اور اک سے بھی بہت دور ہے جو ہر کافر و مسلم اور ہر جوان و بچہ کو شامل ہے۔

لہذا استدلال اگر اسے جان کر قبول کر لے تو یہ کفر ہے اور اگر نہ جانے تو بہت بڑا پاگل و دیوانہ ہے۔ اور ایسے کافر کو جواب نہیں دیا جائے گا، پاگل و مجنون کو مخاطب نہیں کیا جائے گا۔ اور ہم نے یہ اس کے لئے بیان کیا ہے جس کا عام لوگوں یا قلیل الاوراک والوں کے نزدیک استمساک و استدلال میں سے کچھ حصہ ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب واسالہ تعالیٰ العون
والصون انه سبحانه قریب مجیب ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وعلی
الحیب والہ السلام والصلاۃ۔

یعنی جس کافر کی عقل بالکل مسلوب ہو چکی ہو اسلامی مسئلے میں اسے اس کے ہدیان و خرافات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ ۱۲ منہ

marfat.com

Marfat.com

آیت کریمہ، فلا تعلم نفس ما اخفی اور پانچ جواب

۷۶۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ
تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔

(سجدہ، ۱۷)

(کنز الایمان)
بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خطرہ و وسوسہ گزرا۔ ابو ہریرہ نے کہا اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو۔ ”فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرۃ اعین“ (بخاری کتاب التفسیر مسلم، کتاب الحجۃ)
اس سے بابائے وہابیہ نے (کہ وہ ان میں سب سے زیادہ علم والا ہے) استدلال کیا اور اس سے احتجاج کیا جس کی زبان میں فصاحت ہے جو فلسفیانہ گفتگو کرتا ہے اور ان میں بہت سخت ہے۔

رسالہ غایۃ المامول کے صفحہ ۵ پر ہے کہ عینہ ماضی سے خفاء کی تعبیر کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ مخفی جو بھی ہو وہ مراد ہے۔ آیت اس بات پر قطعی طور سے دلالت کرتی ہے کہ بعض مخفی شئی کی کسی طرح کی کوئی تفصیل غیر اللہ کو بالکل معلوم نہیں ہے جب تک اس کے اخفاء کا زمانہ حشر میں کسی ایک حد تک منتہی نہ ہو، یہ اس کلام کا خلاصہ ہے جو

بلاوجہ طویل کیا گیا ہے۔

واہول، اولاً: لفظ ”لا تعلم“ میں زمانہ حال کی نفی ہے ”زمانہ“ استقبال کی نفی پر کوئی دلالت و اشارہ نہیں ہے۔ کیا منافقین کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا ”لا تعلمہم“ یعنی منافقین کو آپ نہیں جانتے ہیں، پھر بعد میں ان کے حالات بتادیئے گئے جیسا کہ اس کا بیان گزرا۔ اور ”اخفی لہم“ میں لام نفع کے لئے ہے اور اس کا آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہونا یہ بتاتا ہے کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں تو یہ ان کے لئے وجوب ظہور پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی دخول جنت سے پہلے جو مخفی و پوشیدہ رکھا گیا وہ ظاہر نہیں ہے دخول جنت کے بعد سب کچھ واضح و آشکارا ہو جائے گا اور اس سے پہلے عام مخلوق یا سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ظہور ممتنع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ابتدائی کلام، نزول کریمہ کے وقت نفی علم کے عموم پر دلالت کرتا ہے اور آخری کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے اور رب سے ملاقات کریں گے تو انہیں مخفی باتوں کا علم حاصل ہو جائے گا جبکہ دونوں وقتوں کے درمیان ایک طویل زمانہ ہے۔ اس بحث میں اثبات نفی کسی طور پر کلام کو چھیڑا نہیں گیا ہے اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے زمانہ تک عموم نفی کو مستمر و دائمی قرار دیا ہے۔ یہ محض جنون و پاگل پن ہے اللہ نے اس کے لئے کوئی دلیل و حکم نہیں اتارا۔ اسی سے وہ شبہ زائل ہو جائے گا جو ہم نے اس کتاب (الدواء المسکیت) میں بیان کیا کہ قرآن عزیز اس بات پر شاہد و ناظر ہے کہ یہ حبیب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے ہر چیز کے لئے بیان و واضح بیان ہے مگر اس سے نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بعض اشیاء کے مخفی و پوشیدہ رہنے کی نفی نہیں ہوتی ہے (یعنی نزول قرآن کی تکمیل کے بعد ہر شی حضور پر منکشف و واضح ہو گئی) جبکہ یہ مسئلہ ہماری کتاب ”انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفی“ سے ہماری اس تقریر پر مطلع و آگاہ ہو چکا ہے، پھر اس سے استدلال و احتجاج کے لئے کھڑا ہونا کہ معلوم ہو جائے کہ عصیت ایک دبیز و قوی پردہ ہے۔ فسأل اللہ العافیۃ۔

۴۷۔ ثانیاً: لفظ ”اخفی“ میں ماضی کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اخفاء جو واقع ہوا وہ مخفی کے وجود پر نہیں ہے کیونکہ اخفاء یہاں پر علم کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے اور ظہور علمی اشیاء ثابتہ میں وجود معلوم کو مستلزم نہیں پھر اخفاء کیسے ہوگا؟ کیا یہ آیت کریمہ نہیں دیکھ رہے ہو

” إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أَخْفِيهَا “

(طہ: ۱۵)

بیشک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں۔

(کنز الایمان)

کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ قیامت کو واقع ہونے کے بعد چھپایا گیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ قیامت کے بارے میں کیا کہو گے کیا اس کو ظاہر کیا گیا یا اسے چھپا کر رکھا گیا ہے، جو بھی ہو اس کا وجود ابھی لازم ہے کیونکہ اخفاء کا ماضی مخفی کے وجود کا متقاضی ہے تو اظہار کا ماضی تو بدرجہ اولیٰ اس کا متقاضی ہوگا کہ وہ موجود ہو۔

۱۰ حافظ الحدیث سیدی احمد جلماسی نے ابریز شریف میں ابویحییٰ شریف مشہور بہ ابن ابی عبد اللہ شریف تلمسانی کے رسالہ سے نقل کیا ہے کہ ستر کے کئی درجے ہیں۔ پہلا درجہ جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ شئی کا وجود بالکل نہ ہو اور وہ ظلمت عدم کے پردے میں محجوب و مستور ہو۔

۴۸۔ ثالثاً: لفظ ”ما اخفی“ صادق آنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شئی اسی

حیثیت کی ہو، یہ واجب و ضروری نہیں کہ وہ موجود و حادث ہو۔ اور آنکھوں کی سب

۱۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ موجود تو ہو لیکن ہمارا حاسہ اس کا بالکل ادراک نہ کر سکے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ موجود ہو اور ہمارا حاسہ اس کا ادراک بھی کرے لیکن ہمارے اور اس کے درمیان ایک حجاب حائل ہو۔ تینوں درجوں کی مثال سورج سے دی گئی ہے یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو یہ درجہ اول کی مثال ہے۔ سورج طلوع ہو مگر اسے اندھا نہ دیکھ سکے یہ درجہ دوم کی مثال ہے۔ اور طلوع آفتاب تو ہو مگر وہ بادل کے اندر محجوب ہو یہ درجہ سوم کی مثال ہے۔ اسے ابریز کے باب ثانی کے دائرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آمین غفرلہ

سے بڑی ٹھنڈک جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخفی رکھی گئی وہ ان کے لئے جمال الہی کی تجلی ہے حالانکہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دوبار چشم سر سے دیکھا پھر بھی احاطہ کا امکان نہیں نکاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب کے سردار ہیں جن کے لئے مخفی و پوشیدہ رکھا گیا پھر یہ کہ حضور علیہ السلام وہ جمال الہی دیکھیں گے جو شب معراج نہ دیکھ سکے اور نہ حضور کے قلب شریف پر اس کا خیال و خطرہ گزرا، بلکہ تمام نیک بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات ابد الابد تک ہمیشہ بڑھتے ہی رہیں گے۔ اور متناہی اگرچہ کتنی ہی کثیر ہو اور یہ کہ وہ اس انتہا کو پہنچ جائے کہ ابد تک کسی ایک حد پر نہ ٹھہرے اگرچہ زمانے گزرنے کے بعد، پھر اس پر اور زیادتی ہو پھر بھی وہ متناہی ہی رہے گی تمام خواص عباد اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہمیشہ وہی نسبت رہے گی جو نسبت ابھی ان کے درمیان ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح اب ہیں اسی طرح زمانے گزرنے تک رہیں گے بلکہ بڑھتے رہیں گے حضور کے مدارج و مراتب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ لہذا حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خدام و غلاموں کی طرف جو جمال الہی کے انوار و تجلیات پہنچتے ہیں انہیں ابھی کوئی نہیں جانتا اور نہ ہمارے مخالفین میں انہیں کوئی جانتا ہے کیونکہ ذات و صفات باری تعالیٰ کائنات میں سے نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔

۴۹۔ **دابع:** یہ مستدل ہی اپنے رسالہ (البيان الخائب) میں کہتا ہے کہ ہر موجود یا جو ہونے والا ہے وہ قلم کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں مکتوب و منقوش ہے آسمانوں کی کوئی شئی اس سے غائب و پوشیدہ نہیں۔ لہذا اس نے جو کائنات تھا اسے اس نے خود ہی ادھیڑ دیا۔ یادہ مستدل یہ کہتا ہے کہ قلم کے پاس غیر اللہ کوئی نہیں ہے۔

۵۰۔ **خامس:** شئی کا اس طرح ہونا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے قلب پر خطرہ و خیال گزرا، اس سے خاص بندوں کو اللہ کے اطلاع

کرنے اور بتانے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ تمہیں یہ کہنا چاہئے کہ اس سے وہ شئی جنت کی ہونے سے خارج نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شئی عالم شہادت میں سے نہیں ہے حتیٰ کہ انسان کے حواس و عقل کی رسائی ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اپنے علم شریف سے جواب کے لئے اور اپنی حرمت کی حفاظت اور دیکھ رکھ کے لئے خود کافی ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ کفایت ہے۔

چنانچہ ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردودہ وابن عساکر اور بیہقی و لائل المبوۃ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں شب معراج کے بارے میں حدیث بیان فرمائی، (اور حدیث کو یہاں تک بیان فرمایا) پھر میں کوثر کو دیکھتے ہوئے جنت میں داخل ہوا، جنت میں ایسی چیزیں ہیں جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ و دوسوہ گزرا۔

(جامع البیان، طبری۔ آیت سبحان الذی اسریٰ عبیدہ الایۃ)

آیت کریمہ ”وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ“ اور پانچ جوابات

۵۱۔ شبہات و ہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

”وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ“
(المدثر، ۳۱)

(اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

اقول، اولاً: اور ”ما یعلم“ کیا ”لا تعلم“ کی طرح نہیں ہے اس سے استناد کرنا اسی طرح کی نادانی ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ میں اس کا ذکر چھوڑ دوں لیکن میں یہاں پر ان کے منطق میں ماہر و حاذق کے دعوے کی قلعی کھول دوں گا اور اس کی رفوگری سے ان کا جو مقصد و مدعا ہے اس کا بخیرہ ادھیڑ کر رکھ دوں گا کیونکہ انہوں نے اس کے لئے تنبیہ کی اور جو چیز قابل رد نہیں اس کے رد کرنے کی کوشش کی، لہذا وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی طنبور میں نغمہ کا اضافہ کرے اور شطرنج میں خمر کا۔

انہوں نے کہا کہ ”آیت صیغہ مضارع پر مشتمل ہے اگرچہ وہ حال یعنی موجودہ زمانہ کے لئے ہو لیکن آیت میں جب کوئی ایسی قید نہیں جس سے وہ وقت متعین و مشخص ہو جائے اور خبر ہونے کے سبب سے آیت کا صدق دائمی طور پر استمرار کے لئے ہو تو وہ بالکل منسوخ نہ ہوگی، لامحالہ اس میں مطلقاً وقت حاضر کا اعتبار کیا جائے گا جو اس کے ساتھ دوام و استمرار کے طور پر مشخص ہو کر حاصل ہوگا جس کا بعد میں انفرادی طور پر ذکر کیا گیا ہے لہذا انہی کو دوام حاصل ہو جائے گا اور اللہ کا علم ہر زمانے کو شامل ہے۔“

اقول، یہ چند وجوہ سے ظاہر المہملان ہے

marfat.com

Marfat.com

اول: صیغہ حال زمانہ تکلم پر دلالت کرتا ہے اور کلام قدیم میں صیغہ حال کی دلالت وقت نزول پر ہوتی ہے اور وہ خود ہی متعین ہے کسی دوسرے کو مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جسے عقل و شعور کا کچھ بھی حصہ نصیب ہوا یہاں تک کہ بچے بھی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

ثانی: اس مسکین کو یہ معلوم نہ ہوا کہ فعلیہ کا صدق دائمی ہے اگرچہ نسبت دائمی نہ ہو ورنہ فعلیہ دائمہ ہو جائے گا اور دو دائرہ قضیے متناقض نہیں ہوتے بلکہ کبھی دونوں کاذب ہو جاتے ہیں۔

ثالث: اس سے فرمان باری تعالیٰ ”لا تعلمہم“ کی تکذیب لازم آئے گی جو منافقین کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ لہذا اس کے نزدیک مستمر ہوگی اور وہ اپنی سابقہ روش پر چلے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس کے مفاسد دائرہ حصر سے زیادہ ہیں۔

رسالہ کے ص: ۶ پر ہے ”اسی باریکی کے سبب سے علماء سابقین میں سے کسی نے علم الہی کے اختصاص وعدم اختصاص کے درمیان تعارض دفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اللہ سے علم غیب کا اختصاص اس آیت سے مستفاد ہے

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل، ۶۵)

اور باری تعالیٰ کے علم غیب کا عدم اختصاص اس آیت سے مستفاد ہے

اِلَّا مِّنْ اِزْتٰثٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الحج، ۲۷)

وقت حاضر کو دیکھتے ہوئے اختصاص ہے اور اس کے غیر کو دیکھتے ہوئے عدم

اختصاص۔

اقول: سابقین ہی سبقت لے گئے یہی لوگ اس میں نظر دقیق رکھتے ہیں جس

میں وہابیہ وہم و گمان میں پڑے ہوئے ہیں، اور اگر مطلقاً اختصاص مراد لیا جائے اور

کسی خاص غیب پر نظر نہ ہو جیسے وقت قیامت مثلاً۔ یعنی کوئی شخص غیب کی کوئی شئی نہیں

جانتا نہ ذاتی طور پر نہ عطائی طور پر تو وقت حاضر میں بھی جانتا صادق نہ ہوگا۔ کیونکہ

بہت سارے غیوب یعنی قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ اللہ عزوجل کے بتانے سے موجودہ وقت میں بھی معلوم ہیں اور اس وقت سے پہلے بھی، اگر وقت حاضر میں غیب معلوم ہونے کو صادق نہ مانا جائے تو اس وقت نبوت ہی کا انکار لازم آئے گا جیسا کہ امام قاضی عیاض اور امام قسطلانی کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ ”نبوت غیب پر اطلاع و آگاہی کا نام ہے“ لہذا آیت کو غیب ذاتی یا احاطہ کلیہ کی نفی پر ہی محمول کرنا لازم ہے جیسا کہ ائمہ کرام نے کیا ہے۔

رسالہ مذکورہ کے ص: ۶ پر ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص غیب کا استمرار آیت کریمہ سے ظاہر ہے لہذا اسی پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ اس سے صرف نظر کے لیے وہاں پر کوئی دلیل قطعی نہیں، نہ دلیل قطعی کا کوئی اشارہ موجود ہے“

اقول۔ ظہور کہاں سے ہے اور اس پر دلیل کیا ہے؟ ایسے اصرار و مطالبہ سے بچنا چاہیے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ استمرار پر آیت ظاہر ہے تو صوارف قطعہ اور تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے ادہام و خیالات کو کاٹنے والی تلواریں وہی تلاوت کردہ آیات قرآنیہ ہیں۔ واللہ الحمد۔

۵۲۔ **تأخیر:** ”جنود“ ایسی صفت نہیں جو وجود کا متقاضی ہے۔ اور تمہیں کس نے بتا دیا کہ مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فلاں وقت مخلوق کی تخلیق سے باز رہے گا کہ اس کے بعد کچھ پیدا ہی نہ کرے گا، ہمارا کلام تو اس میں ہے جسے وجود نے روز اول سے یوم آخر تک گھیر رکھا ہے، بیشک اس لفظ کا ورود و استعمال بھی یہی بتا رہا ہے۔

لہذا استدلال نے اس کی اصلاح کا قصد کیا جس کا زمانے نے فساد و عیب ظاہر کیا، اور ص: ۶ پر اپنی طرف سے ”یوم قیامت“ کی قید بڑھادی یعنی جن لشکروں کا وجود ہو

۱۔ بلکہ اگر جنود صفت بھی ہو پھر بھی حال کے ساتھ خاص نہ ہوگا کیونکہ وہ محکوم نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآنی نے شرح تنقیح میں اس کا اقادہ فرمایا، جہاد بن عابدین نے بھی اسی کی طرف رجوع کیا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

چکایا قیامت کے دن تک وجود ہوگا، تاکہ استمرار فرض کرنے کی صورت میں اس کا انکار کر دے جو ان کے خیال میں دونوں یوم (روز اول سے روز آخر تک) کے درمیان بعض وجود کو شامل ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ خالص تحکم و جزاف ہے۔ اور یہ کہاں سے ثابت ہے کہ جو مخلوق پیدا ہوئی یا ہوگی لفظ ”جند“ (لشکر) اس کو شامل ہونے کے باوجود اس مخلوق پر صادق نہیں آئے گا جو قیامت کے بعد پیدا ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے بعد کسی مخلوق کو پیدا ہی نہ کرے گا، اسے دلیل سے واضح کیجیے اگر آپ دیا نندار اور سچے ہیں۔

کیا انہیں معلوم نہیں کہ چار ہزاروں ہزار ہزار اور نو سو ہزار ہزار فرشتے جہنم کو لائیں گے اسے ستر لگام سے کھینچیں گے، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے سب کے سب یوم قیامت سے پہلے پیدا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سب فرشتوں کو یا بعض کو تجلی قہری سے پیدا نہیں کرے گا، وہ دن ایسا ہوگا جس میں رب تعالیٰ ایسا غضب فرمائے گا کہ ایسا غضب نہ اس سے پہلے کبھی فرمایا نہ اس کے بعد کبھی اس کے مثل غضب فرمائے گا، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

لہذا آیت کریمہ سے قطعاً سلب عموم ہی مراد ہے جو بعض کے علم کو یقیناً شامل ہے اور ان کی تفصیل کے علم کا عدم احاطہ صادق آئے گا جو قیامت کے بعد پیدا ہوں گے، اس معنی کے اعتبار سے تمام ماکان و مایکون کے احاطہ علم میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۵۳۔ ثالثاً: بلکہ غیر متناہی حد تک تخلیق کا استمرار ان کے خیال میں قرآن عظیم سے ثابت ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ ہر وقت ہر آن میں مخلوق پیدا فرمائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (القصاص: ۶۸)

اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے۔ (کنز الایمان)

آیت کریمہ صیغہ مضارع پر مشتمل ہے اگرچہ وہ حال کے لیے بھی ہے، اس

شخص کے آخر بیان تک یہ بیان ہے کہ پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ اور یہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہو تو وہ ”ما یشاء“ میں داخل ہیں اور انتہا پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہذا یہ یقینی طور پر ثابت ہو یا اس کا صرف احتمال ہو اللہ کا لشکر کبھی ختم نہ ہوگا۔ متدل نے احتمال کو ختم کر دیا ہے چہ جائیکہ اسے وہ ثابت کرے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مخلوق کا علم غیر متناہی کو محیط نہ ہوگا۔

۵۴۔ واجباً۔ جو کل انہوں نے بتایا، اس کو منہدم کرنے کے لیے وہ خود ہی کافی ہیں کیونکہ ان کا یہ قول گزر چکا کہ ہر موجود قلم کو معلوم ہے۔ الخ۔
اللہ کو پاکی ہے اس شخص سے جو قلم کے لئے ہر موجود کا علم تام محیط حاصل ہونے پر ایمان لائے اور اس بات پر ایمان لائے کہ آسمانوں کا کوئی ذرہ اس سے خارج و جدا نہیں۔ پھر وہ خود ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔

امام بوصیری اور ملا علی قاری قدس سرہما کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ لوح و قلم کے علوم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم اقدس، کا ایک حصہ ہیں، سمندر کی ایک موج یا کتاب کی ایک سطر ہے، اور اگر افراد عالم میں سے کسی فرد کے لئے کوئی فضیلت و بزرگی ثابت ہو تو وہابیہ غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے اور اس کا انکار کرنے کی لا حاصل و بیجا کوشش کرتے ہیں۔

ٹھہرو

حضور علیہ السلام اور انبیاء و اولیاء علیہم و علیہم السلام سے وہابیہ کے بغض و عداوت پر

حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام اور
غلامان مصطفیٰ میں جو اولیاء عظام ہیں ان کے فضائل و مناقب سے وہابیہ غیظ و غضب
میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیا تم نے گردہ وہابیہ کے اس بکو مولوی رشید احمد گنگوہی کو نہیں
دیکھا جو ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے بارے میں کہا کہ زمین کا علم محیط حضور کے لیے ثابت کرنا شرک نہیں تو اس
میں ایمان کا کون سا شائبہ ہے؟ یہ ہے ان کی عادت اور ان کا دین۔ نسائی اللہ
العافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

(براجین قلعہ، رشید احمد گنگوہی، بحث علم الغیب)

۵۵۔ خامصا۔ اس سے پہلے کی پیش کردہ روایات یہ ہیں کہ مولیٰ عزوجل
میں علم کا حصر کرنا علوم عباد کے منافی نہیں ہے جو انہیں اللہ کی عطا و ارشاد سے حاصل
ہوئے، لہذا اس سے استدلال کرنا اسی کے سر پر گرتا ہے۔

آیت کریمہ ”اونسہا“ الایۃ اور پانچ جوابات

۵۶۔ شبہات و ہابیہ میں سے یہ آیت بھی ہے

”مَا تَسْخُفُ مِنْ آيَةٍ اَوْ تُنْصِفُ نَأْتٍ بِغَيْرِ مِثْلِهَا“ (البقرہ: ۱۰۶)

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔
(کنز الایمان)

مستدل نے کہا کہ آیت کا بھلا دیا جانا اس بات میں صریح ہے کہ ہر وجود کی تفصیلات کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم محیط نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ لفظ ہونے کی حیثیت سے کائنات میں سے ہے اگرچہ معنی نفسی کے اعتبار سے کائنات میں سے نہیں۔

اقول۔ اولاً۔ آیت مقدمہ قطعی طور پر اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام حدوث سے بعید ہے، وہ اس سے بلند و بالا ہے بلکہ حادث نزول ہے، جو نازل ہوا وہ قدیم ہے، ہماری قرأت حادث ہے، مقررہ قدیم ہے، ہماری کتابت حادث، مکتوب قدیم ہے، ہم نے جو سنا وہ حادث ہے، اور مسموع قدیم ہے، ہم نے جو یاد کیا وہ حادث ہے اور محفوظ قدیم ہے۔

حمد سلف صالحین کا یہی ایمان و اعتقاد ہے اور تم اس لغزش و غلطی کی پیروی سے اجتناب و احتراز کرو جو بعض متأخرین سے صادر ہوئی۔ ہم نے اس پر فصل ”لیس القرآن بیان کل شئی للامۃ“ میں تنبیہ کی ہے اور اسی مستدل نے اپنے اسی رسالہ (غایۃ المامول) کے اوائل میں کہا اور ہم نے لئے منصب اجتہاد کا دعویٰ بھی کیا

ہے اور وہ ائمہ امجاد کی تقلید سے نکلنے کا بھی دعویدار ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ”ہم ماہرین کے اقوال پر نقض کرنے اور انہیں ادھیڑنے میں نہیں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی قول کی ضرورت نہ پڑے یا مصلحت نہ چاہے تو اسے غباوت کی نشانیاں اور نا سمجھی کا طور و طریقہ سمجھا جاتا ہے بلکہ میں اصول و قواعد کی پیروی کرتا ہوں“

اسی وجہ سے مستدل نے غیب کا ایسا معنی اختراع کیا جس کی طرف ذہن کی رسائی نہیں ہوتی اور جس معنی کی صحابہ و تابعین و تبع و تابعین اور معتد ائمہ دین نے صراحت و وضاحت کی ہے اسے باطل و مردود قرار دیا۔ اور کہا کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے لہذا انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کی اور یہ بدعت ایجاد کی کہ اللہ تعالیٰ سے اشیاء غائب ہو سکتی ہیں اور بھی بہت سارے بدعات و خرافات کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے ہم نے اپنے مختلف رسائل میں ان کا تفصیلی رد کیا ہے، پھر ان سے یہ بات کیسے رہ گئی کہ جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ بعینہ معتزلہ کا مذہب اور قرآن کو حادث کہنے کے مترادف ہے جس پر صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے شدت و سختی سے انکار فرمایا ہے انہوں نے قرآن کریم کو کائنات و حوادث میں سے قرار نہیں دیا مگر وہ کہتے ہیں کہ کلام لفظی حادث ہے کلام نفسی حادث نہیں اور مستدل بھی قرآن کے حادث ہونے پر ایمان رکھتا ہے، لہذا اگر مستدل کو عقل و سمجھ ہوتی تو وہ اس کو لازم کر لیتے جسے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے لازم کر لیا ہے۔

اور مستدل نے ماہرین کے اقوال و آراء پر جمود و توقف سے بیزاری ظاہر کی ہے، بیشک یہ وہی بات ہے جو رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

لَمْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ

(الصف، ۲: ۳)

کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ

(کنز الایمان)

کرو۔

marfat.com

Marfat.com

لہذا جس بات پر ائمہ سلف نے اجماع و اتفاق کیا ہے اسی کو قبول کرنا چاہیے حق یہ ہے کہ اسی پر توقف و جمود کا مظاہرہ کیا جائے لیکن انہوں نے اپنے لئے مقتضائے مصلحت کے پیش نظر استثناء کو باقی رکھا ہے اور انہوں نے اپنی مصلحت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقدس کم کرنے میں دیکھی اس لئے وہ نئی لغزش پر جم گئے اور اسلاف کرام کے عقیدہ سے ہٹ گئے۔ اور متاخرین سے اس سلسلے میں جو لغزشیں ہوئیں ہم نے ان کا عذر بیان کر دیا ہے لیکن اس مجتہد کبیر کے لیے تو کوئی عذر نہیں ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خاطمی ٹھہرایا اور اپنی بدعات و خرافات کے درست و صحیح ہونے کا دعویٰ کیا۔

سوال۔ آیت کے بھلا دینے سے اس کا نزول بھلا دینا لازم ہے اور نزول بلاشبہ کائنات میں سے ہے۔

جواب۔ ہرگز نہیں بلکہ کبھی ایسا ہوا کہ صحابہ کرام آیت اور سورۃ دونوں کو بھول گئے جبکہ انہیں ان کا نزول یاد رہا۔

ابوداؤد "کتاب النسخ و المنسوخ" میں ابن منذر اپنی تفسیر میں، ابن الانباری کتاب المصاحف میں، ابوذر ہرودی کی فضائل قرآن میں ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابوداؤد کتاب النسخ و المنسوخ میں اور بیہقی دلائل النبوة میں دوسرے طریق سے ابو امامہ سے اور طبرانی کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، یہ اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

ایک شخص کو ایک سورۃ یاد تھی وہ رات کو اٹھ کر اس سورہ کو پڑھنا چاہا تو اس کو پڑھنے پر وہ قادر نہ ہوا (دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ بسم اللہ کے سوا کچھ پڑھنے پر قادر نہ ہوا) اسی رات کو ایک دوسرے شخص نے بھی اسی سورہ کو پڑھنا چاہا تو وہ اس کو پڑھ نہ سکا، اور تیسرے شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا (دوسری روایت میں ہے کہ) ایسا ہی واقعہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ پیش آیا جب صبح ہوئی تو سب لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی شب یہ سورہ منسوخ ہوگئی (ایک روایت میں یہ

زیادہ ہے کہ) لوگوں کے سینوں اور جس چیز پر وہ سورہ لکھی ہوئی تھی ان سب سے وہ محو و منسوخ ہو گئی۔
(در منثور سیوطی، البقرة۔ ما منع من آية الایة)

۵۷۔ **ثانیاً۔** اصول مناظرہ کے طور پر یہ بات ہے کہ آیت کریمہ میں انشاء (بھلا دینے) کی نسبت و اضافت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے، لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی تلاوت کو منسوخ کرنا چاہا تو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں اس سورت کو باقی رکھنے سے منع فرما دیا اور مومنوں کے سینوں سے بھی اسے مٹا دیا تاکہ اختلاط و خلل لاحق و طاری نہ ہو۔ جیسا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت اجماع صحابہ سے غیر الفاظ و قرأت کو قرآن سے خارج کر دیا تاکہ فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے اور انہیں میں سے امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی ہیں، انہوں نے کیا ہی عمدہ کام کیا۔ (علی مرتضیٰ کے کام کا ذکر آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

پھر اگر وہ شخص یعنی استدلال ان آثار و مرویات کی طرف گھبرا کر پناہ لے جو ابن عباس و قتادہ وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں تو اس کا استناد ان روایات سے ہو گا نہ کہ آیت کریمہ سے حالانکہ وہ سب خبر واحد ہیں ان میں سے اکثر کی صحت بھی معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں پھر نصوص قرآن ان احادیث کے معارض و منافی کیسے قرار پائیں گے۔

۵۸۔ **ثالثاً۔** اس طریقے پر آیت کریمہ شرطیہ کے معنی میں ہوگی جو اس کی تقدیم کا متقاضی نہیں ہے، اسی طرح مشیت کے استثناء سے اس کا وقوع ثابت نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ تم مجھ سے جو بھی مانگو گے میں تمہیں اس سے منع نہیں کروں گا مگر اللہ جو چاہے، یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ مفہوم خارج سے ظاہر و پیدا ہو رہا ہے پس اگر وہ ہر مانگی ہوئی چیز دے دے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ

لغت و عرف میں ”نسیان و ذہول“ دونوں کا معنی ایک ہے اور دونوں میں فرق کرنا فلاسفہ کی جدید اصطلاح ہے

۵۹۔ واجعا:۔ لغت و عرف میں نسیان، ذہول کو بھی شامل ہے اور قرآن کریم لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور دونوں میں تفریق و امتیاز کرنا نئی اصطلاح ہے، لہذا کلام قدیم کو اس پر محمول نہیں کیا جائے گا اور ذہول علم کے منافی نہیں بلکہ اس کا متقاضی ہے اگرچہ ذہول میں علم کی نفی جائز و مشہور ہے تو یہ عدم حضور کی بناء پر اور تدبر کے احتیاج اور یاد کرنے میں کوشش و دشواری کے ساتھ ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ زید جب تم سے کوئی بات کہے اور اس پر کافی زمانہ گزر جائے اور وہ بات تمہارے ذہن و دماغ سے نکل جائے، پھر تم سے اسی بات کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیا زید نے تم سے کچھ کہا تھا؟ تو تم کہو گے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر اگر کہا جائے کہ ہاں کیوں نہیں زید نے تو تم سے کہا تھا مگر تم بھول گئے ہو۔ پھر جب اس سے کہا جائے کہ تم یاد کرو فلاں دن، فلاں وقت، فلاں مقام پر فلاں مجلس میں یہ بات ہوئی تھی؟ اور تم غور و فکر اور تدبر کرو تو تمہیں وہ بات یاد آ جائے گی۔ یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی بلکہ وہی پرانی بات ہوگی جو تمہیں معلوم تھی اور تمہاری یادداشت کے خزانہ میں محفوظ و باقی تھی لیکن وہ ڈھکی چھپی، مخفی و پوشیدہ اور بھولی ہوئی تھی یہاں تک کہ تمہیں طول و فکر اور یاد کرنے میں مشقت و حیلہ کی ضرورت پڑی، لہذا جب تمہیں وہ بات کسی طرح یاد نہ آتی تو تم سے کہا جاتا کہ درحقیقت وہ بات تم بھول گئے ہو۔ اصطلاح جدید میں اسی کا نام ذہول ہے۔

احمد و بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز بھول جائے یا نماز کے وقت سو یا رہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یاد آنے پر وہ نماز پڑھ لے۔ (مسلم، کتاب المساجد) احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی اور حاکم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز وتر سے جائے یا اسے بھول جائے تو یاد آنے پر اسے پڑھ لے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ) احمد و بخاری و مسلم اور ابن ماجہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو حالت روزہ میں بھول کر کھالے یا پی لے تو وہ روزہ کو پورا کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا۔ یعنی اس کا روزہ اس سے نہیں ٹوٹے گا۔

(مسلم، کتاب الصیام باب اکل الناس، مسند احمد مرویات ابی ہریرہ) اور یہ بات اجماع سے یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ سب احکام ذائل کو شامل ہیں۔ اور جسے بھول کر کھاتے یا پیتے ہوئے خود یاد آ جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور بھولنے کے سبب سے جس کی نماز مؤخر ہو جائے وہ گنہگار نہ ہوگا بلکہ اس پر قضا واجب ہے۔ درمختار میں مسئلہ صوم میں بھولنے والے کی بعض صورتوں کا استثناء کیا گیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جب وہ بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کرے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا مگر جبکہ اسے کوئی یاد دلانے اور اسے یاد نہ آئے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ ذائل کو جب یاد دلایا جائے تو اسے یاد آ جائے گا، مگر یہ ایسا بھولکتو ہے کہ یاد دلانے پر بھی اسے یاد نہ آیا تو روزہ توڑنے والی چیز استعمال کرنے کے سبب سے اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔

(درمختار، کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)

امام ابن الہمام کی ”تحریر“ اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ وقت ضرورت شئی کا یاد نہ آنا نسیان ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہاں نسیان کی تفریق میں علماء کا اختلاف ہے اور

معمد یہ ہے کہ دونوں مترادف ہیں۔ (الاشباہ والنظائر، ثالث، احکام الناس)

امام ابن امیر الحاج ”تقریر و تحبیر“ میں اور حموی غزالیوں میں اور شامی حاشیہ در مختار کے باب مفسدات الصلاة میں فرماتے ہیں کہ فقہاء و اصولیین اور اہل لغت کے نزدیک سہو اور نسیان میں کوئی فرق نہیں ہے اور حکماء کے نزدیک فرق ہے، وہ کہتے ہیں، سہو یہ ہے کہ قوت مدركہ سے صورت زائل ہو جائے اور حافظ میں باقی رہے۔ اور نسیان یہ ہے کہ قوت مدركہ حافظہ دونوں سے ساتھ ساتھ زائل ہو جائے۔ لہذا اس کے حصول میں سبب جدید کی حاجت ہوگی۔

(رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ لیہا)

قاموس میں ہے کہ ذہول، بھول جانے یا غافل ہو جانے کو کہتے ہیں جیسے کسی ممانعت کے سبب سے وعدہ کو چھوڑ دے یا کسی کام کو بھول جائے جس سے حزن اور نسیان پیدا ہو۔ (تاج العروس، زبیدی، فصل الذال من باب اللام)

اللہ تعالیٰ امام زجاج پر رحم فرمائے وہ فرماتے ہیں جیسا کہ تاج العروس میں ہے کہ اگر کوئی آیت کریمہ ”او ننسها“ کو بالکل نسیان سے قرار دے تو یہ بات میرے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے فرمان ”ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک (الاسراء: ۸۶) (اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے) میں خبر دی ہے کہ اس نے یہ نہیں چاہا کہ حضور کی طرف وحی کردہ پیغام کو اٹھا لے۔

نیز امام زجاج فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ”فلاننسی“ یعنی ”آپ نہیں چھوڑتے مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ چھوڑنا چاہے۔ تو آپ ہی کو چھوڑتے ہیں جسے اللہ نے چھوڑنا چاہا اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ”الاما شاء اللہ“ بشریت سے ملحق و متعلق ہو پھر اس کے بعد یاد آ جائے یہ وہ بات نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو حکمت و دانائی دی گئی اس میں سے کسی چیز کو سلب کر لیا گیا ہو۔

(تاج العروس، زبیدی، فصل النون من باب الواو والیا،)

کیا حضور علیہ السلام پر نسیان کا اطلاق جائز ہے

امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں یہود نسیان اور غفلات و فترات کا اطلاق ممنوع و حرام ہے، یہی جماعت متصوفہ و اصحاب علم قلوب اور اہل مقامات کا مذہب ہے۔

(شفا شریف، فصل ہذا حکم ما کون المحالۃ)

پھر امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں وہ سب منع ہے، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو، عہد، قصد، ہوتا تھا تا کہ وہ امت کے لئے سنت ہو جائے۔ اور فرماتے ہیں کہ ہمارے ائمہ میں سے عظیم محقق ابوالمظفر اسفرائینی کا میلان اسی طرف ہے اسے ان کے سوا کسی امام نے پسند نہ کیا اور نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

اقول: بلاشبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سہو کو بالقصد قرار دینا غیر

مرغوب قول ہے جو مقاصد کے متناقض و متنافی ہے طول و طویل کلام سے اس کو آراستہ نہ کیا جائے، کیونکہ یہ بات حیران کن ہے کہ قصد او عہد کسی کام کو کرنے والا کبھی کیسے بھول جائے گا جیسا کہ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ محقق عظیم ابوالمظفر اسفرائینی نے جو پسند کیا ہے اسے کسی نے پسند نہیں کیا، لیکن اسے کسی نے ہاتھ نہ لگایا جس پر ائمہ علم قلوب و مزان ہیں وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد نسیان کی صورت میں ظاہر ہوا بلکہ ان کی بات وہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے

کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشاہدِ ذوالجلال میں محو و مستغرق رہتے ہیں تو کبھی بعض زوائد کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، یہی اصطلاحی ذہول ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری معاملہ یہ رہا کہ ایک شہود دوسرے شہود سے محبوب و مانع نہ ہوا۔ اس کے باوجود اصحاب علم قلوب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ شاذ و نادر بعض اشیاء سے ذہول ممتنع ہے، شہود حق کے سبب سے نہیں بلکہ کسی ناگہانی امر عظیم کے ہجوم کے سبب سے ایسا ہوتا ہے جس کا اثر دل کی گہرائیوں میں ہوتا ہے اور وہ یہ حکم صادر نہیں کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً بشریت کے حکم و دائرہ سے باہر ہیں کہ حضور پر بعض اوقات انسانی عوارض کا شاذ و نادر جاری ہونا ممتنع ہو۔ یہی قول فیصل ہے انشاء اللہ تعالیٰ، اس پر کوئی شکی مذکور وارو نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود ہم نے ان لوگوں پر حجت بیان نہیں کی جو ذی اخلاص عقل و آگہی والوں کے چٹکنے کے دسویں حصہ کو نہیں پہنچ سکے چہ جائیکہ خاص خالص مغز کو پہنچیں۔

۶۰۔ اگر ہم سب کے جواب میں تنزل کے طور پر کہیں تو یہ کہیں گے کہ کسی ایک وقت میں بھولنا اس کے بعد القاء سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن نہیں اور نزول قرآن کی تکمیل کے وقت احاطہ علم کے منافی نہیں لہذا اس شبہ میں بھی وہی طریقہ ہے جو گزرے ہوئے دو شبہات کے دفاع اور ازالے میں بہا گیا کہ یہ تکمیل نزول سے پہلے کی بات ہے۔

آیہ کریمہ ”ولا تقولن لشی انی فاعل“ اور دو جواب

۶۱۔ شبہات و ہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

”وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاۡئٍ ؕ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ عَدَاۤءِۤیۡلَہٗ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ“ (الکہف: ۲۲، ۲۳)

(اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے)

(کنز الایمان)

مستدل نے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا تفصیلی علم ہوتا۔ تو یہ نبی بالکل درست و صحیح نہ ہوتی کیونکہ صورت مذکورہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ حضور کل کیا چیز کرنے والے ہیں تو حضور کی خبر کاذب ہونے کا تصور نہ ہوگا کہ حضور کل کیا کرنے والے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعین کئے بغیر اس کی خبر دینا درست نہیں۔

سوال۔ احکام کی نبی سے اس کا نسخ جائز ہو جائے گا؟

جواب۔ جب تک نسخ موجود نہ ہو تو صرف جواز ضرر نہ دے گا۔

احول۔ اولاً۔ اہل شبہ پر مسکین کے لکھنے سے جرم ثابت ہوا کہ جو بناتا ہے وہی

مستدل نے اس کے بعد یہ کہا کہ ہماری تلاش و جستجو میں نسخ نہیں ملا، جو اس کا دعویٰ کرے اس پر بیان لازم ہے۔ یہ اس کی تنگی داماں اور دینیات میں قلت معلومات کی دلیل ہے، لہذا جو بدیہی ہے اس کے نزدیک اس کا نظری ہونا لازم آئے گا اسے اس بات کا خوف ہے کہ اگر وہاں پر کوئی نسخ ہو تو تم نری کا برتاؤ کرو گے اور جہاں اسے نسخ نہیں ملا تو اس پر دوسرے کے پانے کا خوف غالب ہوا کہ اس کی جہالت ظاہر ہو جائے گی لہذا وہ چپکے سے چلے گئے۔ ۱۲

دھاتا اور جو کاتا ہے وہی ادھیرتا ہے۔ مسئلہ نے اقرار کیا کہ کسی چیز کی خبر سے نبی کا تعلق یہ ہے کہ رب عزوجل کی طرف سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم عطا نہ ہوا کیونکہ اگر علم ملتا تو نبی درست نہ ہوتی، لہذا ان کے اعتراف سے ثابت ہوا کہ عدم علم کی مدت سے حکم مقید ہے اور آیت کریمہ کا نزول بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا تھا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الگ الگ ہر شئی کا تفصیلی علم نہیں دیا گیا تھا جیسا کہ ہم نے اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں بیان کیا ہے۔ لہذا حکم درست و مفید ہے، پھر جب ہر شئی کا علم دے دیا گیا تو وہ حکم خود ہی ٹوٹ گیا کیونکہ جو مقید تھا وہ باقی نہ رہا اور اس میں کسی تاسخ کی بھی ضرورت نہیں اور نہ آیت میں کوئی ایسی دلالت ہی ہے کہ یہ قید یعنی بعض آنے والی باتوں کے عدم علم کی حالت مستمر اور ختمی ہو، لہذا اس سے استناد کرنا ہدیان و بے ہودگی کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا یہ شبہ بھی مدفوع ہونے میں پہلے شبہات کی طرح ہے کہ یہ بات نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی ہے۔

۶۲۔ قلنیا۔ اگر وہ اعتراف نہ کرے پھر بھی بلاشبہ ”غد“ سے مطلقاً آنے والا زمانہ مراد ہے، خاص طور سے تلاوت والادین مراد نہیں، اور مستقبل کی ہر خبر سے روکا گیا ہے، خاص طور سے فعل مخبر سے نہیں اور یہ تعلیم ہی ایک دلالت ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ ”انسی“ میں حکم یعنی اللہ عزوجل کے لئے کنایہ ہے یعنی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں آئندہ کل ایسا کروں گا، تو عبارت یہ ہوگی کہ، ہر موجود اللہ تعالیٰ کی تکوین سے ہے، لہذا معنی یہ ہوگا کہ اس چیز کی خبر نہ دو جو آنے والے وقت میں ہونے والی ہے مگر مشیت ایزدی پر ٹال کر۔ جب تو احادیث میں آنے والی باتوں کی ہزاروں خبریں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی استثناء نہیں ہے مثلاً معاد کے احوال، حساب و کتاب، حوض، بصرہ، شفاعت، موقف حشر کے تمام واقعات، جنت و نار کے واقعات، قیامت صغریٰ و کبریٰ کی علامات و نشانیاں، احادیث میں بغیر استثناء کے ان واقعات کا بیان موجود ہے اور یہ بہت مشہور ہیں انہیں یاد دلانے اور ان کے مزید تذکرہ و بیان کی حاجت نہیں۔ اور

ان کے علاوہ دوسری احادیث و اخبار میں بھی ایسے واقعات بکثرت ہیں جن میں استثناء نہیں کیا گیا اور ان میں بھی فعل متکلم سے بیان کیا گیا ہے بلکہ کہیں کہیں خود لفظ "انسی فاعل" بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

امام بخاری سلیمان بن مرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ جب گروہ کفار میدان سے بھاگ گئے تو حضور نے فرمایا کہ اب ہم غزوہ کریں گے، وہ ہم پر غزوہ نہیں کریں گے، ہم ان کی طرف جائیں گے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق) ابو نعیم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بیہقی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے مثل روایت کی۔

بیہقی حضرت عروہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز احد فرمایا آج کے مثل مشرکین اب ہم پر کبھی نہیں آئیں گے۔

(بیہقی دلائل النبوة، باب ماجری، بعد انقضاء الحرب) ابن سعد نے امام واقدی سے وہ اپنے شیوخ سے اسی معنی کی حدیث روایت کی اس میں یہ زیادہ ہے کہ، یہاں تک کہ ہم رکن کعبہ کا بوسہ لیں گے۔

(طبقات ابن سعد، من قتل المسلمین یوم احد) اور اس کتاب (الدولة المکیہ) میں ہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیخین کی حدیث آئے گی اس میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز خیبر فرمایا کہ میں کل یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ (بخاری، مناقب علی بن ابی طالب)

ترمذی روایت کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قیامت کے دن حضور میری شفاعت فرمائیں، حضور نے فرمایا "انا طاعل" ہاں میں ایسا کروں گا میں نے عرض کی

یا رسول اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا؟ حضور نے فرمایا کہ سب سے پہلے تم مجھے صراط پر تلاش کرو، میں نے عرض کی اگر میں صراط پر آپ کی ملاقات نہ پاؤں؟ فرمایا مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کی اگر میزان کے پاس حضور کو نہ پاؤں، فرمایا پھر تم مجھے حوض کوثر کے پاس تلاش کرنا، میں ان تین مقامات کے سوا کہیں نہیں جاؤں گا۔
(ترمذی، باب ما جاء فی شان الصراط)

ان کے علاوہ لگاتار اور بھی حدیثیں ہیں وہ پیش کی جائیں تو بیان طویل ہو جائے گا۔ یہ تمام احادیث مدنیہ ہیں جیسے علامات قیامت اور معاد کی جملہ حدیثیں مدنیہ

یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ میزان تو صراط سے پہلے ہے پھر سب سے پہلے صراط پر تلاش کرنے کا حکم کیوں ارشاد ہوا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلب و تلاش کرنا تو طلب کرنے والے کے ظن و گمان پر مرتب ہوگا ہو سکتا ہے کہ ہر طرف سے اس کی ابتدا ہو۔ اسی طرح اس کے بیان فرمانے میں بھی ترتیب بتائی گئی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب ذکر، ترتیب زمانی و ترتیب طبعی و ذاتی پر ولایت نہیں کرتی ہے۔ ایک جواب یہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور انور رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں بھی صراط پر تشریف فرما ہوں اور کبھی میزان پر قیام فرما، اور دونوں میں سے ہر ایک پر بار بار وقوف و قیام ہو، اور ایک ہی وقت میں بعض لوگ صراط سے گزر جائیں گے اور بعض کے اعمال وزن ہوں گے۔ یہ جواب لغات سے مخض و ماخوذ ہے۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں یہ تسلیم کرتے ہوئے جان چھڑائی ہے کہ اس میں یہ بتانا ہے کہ میزان صراط کے بعد ہے۔

اقول دوسرا جواب جو نعمات میں دیا گیا وہ درست ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس شفیع روز محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صراط و میزان کے درمیان لگاتار آتے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ امت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ حضور کی رضا پوری فرما دے گا۔ اور صراط کے پاس سب سے پہلے طلب و تلاش کرنے سے یہ لازم نہیں کہ گزرنے والوں کو اولیت حاصل ہوگی، جیسا کہ جواب اول میں پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ اس دوسرے جواب کے ملانے سے پورا ہوگا۔ کیونکہ اگر میزان سے فراغت کے بعد صراط پر حضور کی تشریف آوری ہو تو صراط پر حضور سے ملاقات نہ ہونے کے بعد میزان کے پاس طلب کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔ اور اس سے اوپر جو ترتیب ذکر کی بات کی گئی تو وہ بہت عجیب ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ ”سب سے پہلے تم مجھے صراط پر تلاش کرنا“

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

ہیں، خادم حدیث پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں ہے اور یہ جملہ احادیث نزول نبی کے بعد کی ہیں اور ان کے ساتھ استثناء بھی مذکور نہیں لہذا استدلال کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو وہ کہے کہ وہ منسوخ ہے اگرچہ اسے نسخ کا علم نہیں، یا یہ کہے کہ اس سے نبی کا تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام موجودات کو تفصیلی طور پر یقین سے جانتے ہیں۔ بہر صورت اس کا بھیچہ خراب و زخمی ہونے کے سبب سے اس کا احتجاج ساقط ہو جائے گا۔

بقیہ: یہ صرف ذکر و بیان میں اولیت نہیں ہے۔

ہر صورت میں یہ سوال باقی رہے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے صراط پر تلاش کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر موقوف و منحصر ہے یعنی حضور کو یہ معلوم ہو گیا کہ جب اس مجھے تلاش کریں گے تو میں صراط پر تشریف فرما ہوں گا لہذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صراط پر طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ اور حضرت انس کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ اگر صراط پر حضور کی ملاقات نہ ہوئی تو پھر میں کیا کروں گا اس لئے حضور نے انہیں میزان پر دیکھنے کی ہدایت فرمائی کیونکہ شفیع اللہ بین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم رب کے پورا ہونے تک میزان و صراط کے درمیان آتے جاتے رہیں گے اور جب لوگ میزان سے فارغ ہو کر صراط سے گزر جائیں گے تو ساقی کوڑھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حوض کوثر پر جلوہ فرما ہوں گے۔ اس بیان کو اس لئے پسند کیا گیا تاکہ اس پر حضور کا فرمان ”کہ میں ان تین مقامات کے علاوہ کہیں نہیں جاؤں گا، مرتب ہو جائے، اس میں یہ دلالت ہے کہ اس دن انہیں بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معاملہ امت کے اہتمام کی سعی و کوشش فرمائیں گے۔“

آیت کریمہ

”ما ادری ما یفعل بی ولا بکم“

اور وک جوابات

۶۳۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا قَوْمِ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ
إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا مَا يَؤْتِي

(الاحقاف: ۹)

تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔ (کنز الایمان)

یہ فرمان باری تعالیٰ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی کا ہونا مستثنیٰ کے حکم میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کم ہوتا ہے لہذا ”ما یفعل“ وحی کی بہ نسبت عدد و جہالت میں زیادہ ہوگا اور ماسور بہ کی خبریت سے اس کے صدق کا دوام و استمرار ثابت ہوتا ہے۔

اہول: اس سلسلہ کو دیکھو اس میں تمام حروف مغلطہ ہیں۔

اولا۔ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ عموم سلب پر دلالت کرتا ہے، یہ سلب عموم کے لیے کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لفظ ”ما“ عموم نفی کے لیے ہے، اس پر ”لا“ وارد ہوا ہے جو نفی پر ہے اور نفی پر نفی کے دخول سے اثبات کا قاعدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہذا معنی یہ ہوا کہ جو بھی میرے ساتھ کیا جائے گا وہ مجھے معلوم ہے، نہ کہ جو کیا جائے گا وہ معلوم نہیں، جیسا کہ اس سے پہلے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے حوالے سے گزر چکا

ہے کہ ”جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا وہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمایا، یعنی وہ تمام چیزیں جو حضور کو عطا ہوئیں وہ کسی نبی کو نہیں ملیں، یہ مطلب نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو چیزیں دی گئیں ان میں سے کوئی چیز کسی نبی کو نہیں دی گئی یہاں تک کہ نبوت بھی نہیں دی گئی۔

۶۴۔ ثانیاً: جب یہ سلب عموم کے لیے ہوگا تو استثناء کا کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔

۶۵۔ ثالثاً: اس حدیث کے بارے میں وہ کہتے ہیں جو بخاری و نسائی وغیرہ میں حضرت ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بخدا مجھے معلوم نہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (بخاری، کتاب الجناز)

لہذا اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے اور جبکہ وہ خبر ہے اس کا صدق مستمر ہے اس کا حکم اس وقت یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائمی طور پر وہ کچھ نہیں جانتے ہیں جو حضور کے ساتھ اور امت کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ شفیق و بری بات کون سی ہو سکتی ہے۔

۶۶۔ رابعاً: مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کو وضع کے اعتبار سے مساوی و برابر قرار دینا مستنہج ہے جیسے کسی کی تین بیویاں ہوں اور وہ کہے کہ تم تینوں کو طلاق، مگر اس کو اور اس کو اور اس کو، یا مگر زینب و عمرہ و ہند کو، یہ استثناء باطل و لغو ہو جائے گا اور ان تینوں عورتوں پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر وجود میں برابر و مساوی ہو تو کچھ نقصان و ضرر نہ دے گا جیسے وہ کہے کہ عورتیں مطلقہ ہیں اور باقی ہیں تو ان میں سے کسی پر طلاق واقع نہ ہوگی، بحر الرائق اور در مختار وغیرہ میں اس کی تحقیق کی گئی ہے، اور یہاں پر ”ما یفعل“ وضع کے اعتبار سے عام ہے تو وجود کے اعتبار سے زیادتی واجب نہیں، اور اس جہالت کو دیکھو اور جناب رسالت میں لفظ جہالت کے اطلاق کو دیکھو کہ ”ما یفعل“ اس سے جہالت میں زیادہ ہے جو معلوم ہے ”یہ کتنی عجیب اور افسوسناک بات ہے۔

شفائے قاضی عیاض کی طرف رجوع کرو تو شفاء و بد بختی سے شفا ملے گی۔

۶۷۔ **خلاصہ**۔ وحی سے علم کے ثبوت میں قاعدہ یہ ہے کہ اپنی درایت و معلومات کی نفی کی گئی ہے، لہذا استثناء منقطع ہے اور اس میں زیادتی ضروری نہیں۔

علامہ نیشاپوری آیت مذکورہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے درایت ہی کی نفی کی ہے وحی کے سبب سے جو درایت ہوتی ہے اس کی نفی مقصود نہیں۔ (غرائب القرآن نیشاپوری، سورۃ الاحقاف)

۶۸۔ **خلاصہ**۔ استدلال کے دل و دماغ میں یہ جہالت مرکوز و مرتسم ہو چکی ہے کہ جملہ فعلیہ کے صدق کے استمرار سے اس کی نسبت کا استمرار ثابت ہوتا ہے یعنی جب ”زید قائم“ کہا جائے تو اس کے صدق کے لیے اس کا ہمیشہ کھڑا رہنا ضروری ہے، ورنہ خبر کاذب ہو جائے گی۔ اس کی منطق میں اس سے زیادہ غباوت و بلاوت اور کیا ہو سکتی ہے۔

۶۹۔ **خلاصہ**۔ پھر اس سے دوبارہ فرمان باری تعالیٰ ”لا تعلمہم“ کی تکذیب لازم آئے گی اور اس کی یہ وضاحت کی گئی کہ اس میں فی الحال کی نفی ہے لہذا گزشتہ شبہات کی طرح یہ شبہ بھی اس طرح دفع ہو جائے گا کہ یہ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے کی بات ہے۔

۷۰۔ بخاری و مسلم اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی کے وقت آیا کریم۔ لِيَهْدِيَنَّ لَكَ اللَّهُ مَا تَقْدُمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ (الفتح: ۲)

(تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ کنز الایمان)

نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی جو مجھے روئے زمین کی چیزوں سے زیادہ محبوب و پسند ہے پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے لیے بیان فرما دیا کہ وہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا اور اب یہ معلوم نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
(حتی بلغ) قَوْلُهَا عَظِيمًا (الفتح: ۵)

تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے۔ (کنز الایمان) (ترمذی ابواب التفسیر، الفتح)

ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ راوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وَمَا أَذْهَبَ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ کے بعد اللہ تعالیٰ نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اور لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الْآيَةَ نازل فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ حضور کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ وہ کیا معاملہ فرمائے گا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، آیت قل ما كنت بدعا من الرسل)

ابوداؤد کتاب النسخ میں عکرمہ سے راوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیہ کریمہ وَمَا أَذْهَبَ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسے سورہ فتح کی آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الْآيَةَ) نے منسوخ کر دیا ہے، اور مومنین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو کہ اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا، مگر ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو گا وہ ہمیں معلوم نہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی یہ آیت نازل فرمائی وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنْ اللَّهِ قُضْلًا كَثِيرًا (الاحزاب، ۴۷) (اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کنز الایمان) اور یہ آیت بھی نازل ہوئی لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ الْآيَةَ۔ لہذا اللہ عزوجل نے بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ وہ کیا معاملہ فرمائے گا۔ اور ابن جریر نے عکرمہ و حسن اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔ (درمنثور سیوطی آیت مذکورہ)

۷۱۔ **مفسر:** ذاتی طور پر درایت و معلومات کی نفی کی گئی ہے اور بلاشبہ یہ نفی دائمی و ابدی ہے اور اس سے رب عزوجل کے بتانے سے ہر شئی کے جاننے کی نفی نہیں ہوتی۔

۷۲۔ **عاشورا:** رب تبارک و تعالیٰ ہمیشہ ابد الابد تک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنین پر فضل و ثواب کے خلقوں کی نوازش کرتا رہے گا اور حضور کے دشمنوں پر ذلت و عذاب کے تازیانے اور کوڑے برسارتا رہے گا۔ اور یہ سب کے سب غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی کی تفصیلات کو علم الہی ہی محیط ہو سکتا ہے۔ لہذا آخر تک اس کی بلبلاہٹ باطل ہوگئی۔

علامہ نیشاپوری آیت مذکورہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ تفصیلی درایت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح خود مستدل نے ملا علی قاری کے حوالے سے نقل کی اور اس کی تصحیح کی۔

(غرائب القرآن۔ قل ما كنت بدعا من الرسل)
ترجمان قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم سورہ فتح اور سورہ احزاب کی آیات سے منسوخ ہے، اس پر مستدل نے یہ اعتراض نقل کیا کہ تاخیر مانع کے صحیح ہونے کی صورت پر نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں۔

مناقض: یہ اسلاف کرام کی اصطلاح سے غفلت و عدم معلومات کا نتیجہ و ثمرہ ہے کبھی وہ نسبت فعلیہ کے تغیر پر نسخ کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ وہ مدت حکم کا بیان ہے اور اسی سے اس نسبت کی مدت کی انتہا واضح و آشکارا ہو جاتی ہے۔

اور اس ناقل نے خود اپنے رسالے کے صفحہ ۳۵ پر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صفت ”امیت“ سے متصف فرمایا ہے اور اسے کبھی منسوخ نہیں فرمایا۔

اور ناقل نے اپنے قول ”علی تقدیر صحة التأخیر“ میں جو بات مخفی و پوشیدہ رکھی ہے وہ ذہول سے خالی نہیں کہ سورہ اتحاف مکیہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی

اختلاف نہیں اور نہ اس سے آیت کریمہ کا استثناء ہے۔ اور سورہ فتح و احزاب کا مدنیہ ہونا بدیہات میں سے ہے کہ تقدم و تاخر کا علم، بیان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف راجع ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معلوم ہوتا تو تاخر کی صراحت فرما دیتے، الزام و اتہام کو پسند نہ کرتے۔ وبالله العصمة۔

آیت امیت اور یہ کہ حضور علیہ السلام لکھنا نہیں جانتے تھے

اور دو جواب

۷۳۔ شبہات و ہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے ”الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
الرَّسُولَ النَّبِيَّ (الاعراف، ۱۵۷) (وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب
کی خبریں دینے والے کی۔ کنز الایمان)

رسالہ کے صفحہ ۳۵ پر فرمایا کہ امی وہ ہے جو کتابت، نقوش کتابیہ اور حساب نہ جانتا
ہو۔ معالم المتوہل میں ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ تمہارے نبی
امی ہیں نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔

صفحہ ۳۶ پر ہے کہ بلاشبہ نقوش کتابیہ عالم شہادۃ میں سے ہے اور وہ نقوش کلی
ہونے کی حیثیت سے اور اختلاف اصطلاحات و اختلاف زمانہ کے اعتبار سے بہت
زیادہ مختلف ہیں۔ اور وہ نقوش کے جزئی ہونے کی حیثیت سے ان کی ہر قسم غیر متناہی
ہے کسی ایک حد پر اس کا توقف و انحصار نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو
وصف امی سے تصنف فرمایا جو غیر منسوخ ہے اور ان نقوش کا علم حضور کو نہیں دیا گیا نہ
کتابت کا نہ قرأت کا، حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عز و جل کی خلافت کبریٰ
اور باطنی طور پر غایت اتصال حاصل ہے۔ جب یہ باتیں ہیں تو ثابت ہوا کہ حضور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام افراد شہادۃ کو نہیں جانتے ہیں۔

اقول، اولاً: امی، کی تفسیر اس سے کی گئی جو کتابت نہیں جانتا۔ اور بغوی کے

حوالے سے جو نقل کیا گیا کہ ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ امی وہ ہے جو نہ لکھے۔ (تفسیر بغوی، الذین یجمعون الرسل)

پس اگر علم سے ملکہ مراد ہو یعنی امی وہ جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو تو یہ بات صحیح ہے اور یہ باب قدرت میں سے ہوگا باب علم میں سے نہیں، جس پر بحث گردش کر رہی ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے حالانکہ وہ ان سب کے ملکہ سے بلند و بالا ہے۔ لہذا اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ نہیں لکھ سکتے اور رب تعالیٰ کے بتانے سے حضور کو ہر مکتوب کا علم حاصل ہو تو اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں کوئی خلل ور خنہ نہیں پڑے گا۔

امام قاضی عیاض شفا شریف کے معجزات قاہرہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام علوم و معارف عطا فرمائے اور دین و دنیا کی تمام مصلحتوں پر اطلاع بخشی۔ (بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ) اس کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھتے نہ تھے۔ لیکن حضور کو ہر شئی کا علم دیا گیا یہاں تک کہ آثار و مرویات میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خط کے حروف اور ان کی اچھی شکل و صورت کو پہچانتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کی سین کو کشش دے کر نہ لکھو۔ اسے ابن شعبان نے بطریق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا۔

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھ رہے تھے حضور نے ان سے فرمایا کہ دوات میں روئی ڈال لو، قلم کو تر چھا قط دو، باء کو سیدھا لکھو، سین کو شوشوں کے ساتھ جدا جدا لکھو، میم کو اندھا نہ کرو اس کا دائرہ کھلا رکھو، اللہ کو عمدہ لکھو، رحمن کو کشش دے کر لکھو اور رحیم کو خوبصورت بناؤ۔

یہ روایت اگرچہ صحیح نہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا پھر بھی یہ بعید

نہیں کہ حضور کو کتابت کا علم حاصل تھا مگر حضور کتابت و قرأت سے باز رہے۔

(شفا شریف، فصل من معجزات الباہرۃ)

شارح شفا ملا علی قاری و خفاجی نے نسیم الریاض میں اسے برقرار رکھا ہے کہ امی ہونے کے باوجود حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتابت اور اس کے احوال کو جانتے تھے، یہ حضور کا معجزہ ہے کیونکہ حضور لکھتے نہ تھے۔ اور اس طرف اشارہ فرمایا جو ہم نے بیان کیا ہے، خفاجی فرماتے ہیں کہ تعلم کے بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم خط کا حاصل ہونا اور مصحف کی کتابت و قرأت سے باز رہنا کچھ بعید نہیں۔

(نسیم الریاض فصل من معجزات الباہرۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جسے دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا، نیز انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے تو رحمن کو کشش دے کر لکھے۔

(مسند الفردوس، حدیث ۱۱۶۸)

نیز زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم لکھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سین کو واضح کر کے وندائے دار لکھو۔

(مسند الفردوس، حدیث ۱۰۸۷)

ابن ابی شیبہ اور عمر بن شبہ بطریق یونس بن میسرہ ہبل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اقرع اور عینہ کے لئے فرمان نامہ لکھنے کا حکم فرمایا، عینہ نے کہا کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم متحکم کا صحیفہ لے جائیں؟ (صحیفۃ المتحکم بدینتی کے لئے مثل ہے اس لئے کہ خط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب متحکم آوے تو اس کو قتل کرو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ صحیفہ لے کر اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اس میں وہی لکھا ہے جو تمہارے لئے حکم ہوا۔

(فتح الباری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضا)

ابن ماجہ و ترمذی امام عارف اور ابن ابی حاتم و ابن مردودہ بطریق یزید بن ابی مالک انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے دروازہ جنت پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا ہے۔ میں نے جبریل امین سے کہا کہ قرض کو کیا ہوا کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ جبریل نے عرض کیا کہ سائل سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس کچھ رہتا ہے اور قرض لینے والا ضرورت پر ہی قرض لیتا ہے اس لئے قرض صدقہ سے افضل و بہتر ہے۔

(ابن ماجہ، ابواب الصدقات، باب القرض)

آسمانوں اور عرش پر حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر کے نام مبارک لکھے ہونے کی احادیث

طبرانی وابن قانع وابن مردويه ابو الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج حب مجھے ساتویں آسمان کی سیر کرائی گئی تو میں نے عرش کے داہنے ساق پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(مجمع الزوائد، کتاب المناقب باب جامع فی مناقبہ)

ابن شاہین کتاب السنۃ میں بطریق ابو معاویہ اعمش سے اور خطیب تاریخ میں ابن عباس سے بطریق ابو معاویہ و بطریق اعمش ابو سعید سے، ابن عدی کامل میں بطریق عبد الرحمن بن زید بن اسلم ابو ہریرہ سے، بزار مسند میں بطریق سعید بن ابی سعید ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جس آسمان پر گزرا اس میں لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ، ابو بکر صدیق۔

(خطیب تاریخ بغداد۔ ترجمہ ۲۹۶۶)

ابن عدی و بزار کے لفظ یہ ہیں: کہ جب میں نے آسمانوں کی طرف عروج کیا تو جس آسمان پر گزرا اس میں یہی لکھا ہوا پایا محمد رسول اللہ، اور میرے بعد، ابو بکر صدیق۔

(کشف الاستار، حدیث ۲۳۸۲)

اسے قاسم بن فضل نے تحقیقات میں اور دولابی نے فضائل صدیق میں ابو ہریرہ و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا اور ”الاکتفائی فضل الخلفاء الاربعہ“ میں بھی

یہ روایت موجود ہے۔

خطیب بطریق عبید بن عباس مکی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش اعظم پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، لکھا ہوا دیکھا۔

(خطیب تاریخ بغداد، ترجمہ ۵۳۷۹)

دارقطنی کتاب الافراد میں بطریق محمد بن فضیل ابو دردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش الہی میں ایک سبز نقیص موتی دیکھا اس میں سفید نور سے لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابو بکر صدیق۔

(خطیب تاریخ بغداد، ترجمہ: ۵۹۰۸)

الاكتفاء میں اس حدیث کی نسبت صحیح ابن حبان کی طرف کی گئی ہے۔

دارقطنی کتاب الافراد و کتاب السنن میں، دولابی فضائل الصدیق میں اور ویلی مسند الفردوس میں بطریق عبد الرحمن بن زید بن اسلم ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش کے ارد گرد دیکھا کہ آیۃ الکرسی، محمد رسول اللہ، اس کے بعد، ابو بکر صدیق، چاند و سورج کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے سے مکتوب ہے۔

(مسند الفردوس حدیث ۳۱۸۸)

کتاب الاکتفاء اور ابن سبع شفاء الصدور میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، صاحب دیباج اور حافظ ابو سعید عبد الملک بن عثمان شرف النبوة میں جعفر صاوق ابن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش اعظم پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین مقتول مظلوم۔

(ابو سعید، شرف النبی، در فضیلت صحابہ، تاریخ بغداد ترجمہ عبد الرحمن عن عفا الصوفی)

علامہ ابراہیم بن عبد اللہ یمنی رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو اپنی

کتاب ”الاكتفاء“ میں بھی بیان فرمایا ہے ان سے امام جلال الدین سیوطی نے
 دوسرے طرق سے بیان فرمایا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں خیر کا سوال کیا
 اور کہا کہ اس حدیث پر حسن ہونے کا حکم ہے۔

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں شواہد کے ساتھ اس کے حسن ہونے کا جزم کیا ہے۔
 حضرت اہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے یہاں تک دس احادیث ہیں، پہلی
 حدیث صریح ہے اور ان سب کا ظاہر امام قاضی کے قول کی تائید کر رہا ہے کہ امی ہونے
 کے باوجود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ عمدہ لکھتے نہ پڑھتے تھے حالانکہ رب تعالیٰ
 نے حضور کو ہر شئی کا علم عطا فرمایا، اسی نور الہی سے حضور کے لیے ہر مکتوب منکشف اور
 ہر مکتوم و محبوب متجلی ہو گیا اور اس سے جناب رسالت کی امیت میں کوئی خلل و فرق نہ
 پڑا۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خط کے تعلم اور اس کے اکتساب سے پاک
 ہیں۔ عالم ما کان وما یکون ہونا حضور کا بڑا معجزہ قاہرہ اور امی ہونا دوسرا معجزہ باہرہ
 ہے۔ اور نہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
 کتابت واقع ہوئی نہ اس کے قائل ہیں کہ حضور بعد میں عمدہ لکھتے تھے۔ لہذا ہم پر وہ
 اعتراض وارد نہ ہوگا جو وقوع کتابت کے قائلین پر وارد ہوتا ہے۔

کیا حضور علیہ السلام نے اپنے دست اقدس سے لکھا ہے؟

علماء مذاہب اربعہ و حفاظ حدیث و عظماء علم کلام اور بعض ائمہ تابعین کی ایک جماعت حضور سے وقوع کتابت کی قائل ہے۔ بلکہ اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

وقوع کتابت کے قائلین علماء متقدمین یہ ہیں قاضی ابوالولید باجی، ان کے شیخ جامع صحیح کے راوی حافظ ابو ذر ہروی مالکی، ان کے دوسرے شیخ امام فقیہ حنفی اصولی ابو جعفر سنائی، محدث ابوالفتح غیشا پوری اور دوسرے پانچویں صدی کے علماء افریقہ و صقلیہ وغیرہا ہیں جو ابوالولید باجی کے معاصر و ہم زمان ہیں اور ان کے بعد حافظ ابو الفرج ابن الجوزی ضہلی اور امام قرطبی مالکی ہیں۔

علماء متاخرین میں سے ملا علی قاری مکی ہیں، شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا میلان بھی اسی کی طرف ہے، امام قاضی عیاض مالکی نے اسے ترجیح دیا ہے، امام شیخ الاسلام نووی شافعی نے اسے برقرار رکھا اور ان سے پہلے کے علماء کا بھی یہی خیال ہے، محدث عمر بن شبہ معاصر بخاری و مسلم، امام تابعی ثقہ یونس بن میسرہ، امام تابعی ثقہ عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، امام جلیل ثقہ حفاظ تابعین عامر شعفی اور ان کے علاوہ بڑے بڑے تابعین نے اسے قبول کیا ہے۔ اور یہ عبد اللہ بن عتبہ سے منقول ہے جو سیدنا عبد اللہ بن مسعود کے ابن ارخ اور صغار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں۔

ابن میسرہ، بھل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کرنے کے بعد

کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بعد لکھا۔
(فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء)

ابن ابی شیبہ و ابن شیبہ بطریق مجالد راوی عون بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ حضور نے لکھا اور پڑھا، مجالد کہتے ہیں کہ میں نے شععی سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سچ ہے میں نے بھی کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ (حوالہ مذکور)

تخریج احادیث رافعی میں حافظ ابن حجر کے لفظ وہی ہیں جو نسیم الریاض اور عنایۃ القاضی کے ہیں عامر شععی نے کہا میں نے لوگوں کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال اقدس سے پہلے لکھا۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی، دماکت تلوا من قبلہ الامیۃ)

طبرانی عون کے والد عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ پڑھا اور لکھا۔

(مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوة باب منہ فی الخصائص)

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالحسن یتیمی نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ عبد اللہ بن عتبہ نے پڑھا اور لکھا یعنی وہ حضور کی حیات ظاہری میں سمجھا رہے تھے۔ ان کو لکھنا پڑھنا آ گیا تھا۔

(الخصائص الکبریٰ باب اختصاصہ علیہ السلام تحریم الکتابۃ والشعر)

اقول۔ لیکن اس کا میلان اس پر ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے وہ عون پر موقوف ہے کیونکہ عون اوساط تابعین میں سے ہیں کبار تابعین میں سے نہیں ان کے ادراک و علم میں شک نہیں لیکن ابوالشیخ بطریق مجالد خود بعینہ اس قصہ کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے روایت کرتے ہیں جیسا کہ درمنثور میں ہے، ابوالشیخ کے لفظ میں

ہے: انہوں نے کہا کہ مجھ سے عون بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث روایت کی وہ اپنے باپ عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ پڑھا اور لکھا، پھر میں نے یہ حدیث شععی سے بیان کی انہوں نے کہا کہ وہ سچ ہے میں نے اپنے اصحاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، اس سے شععی کی تصدیق میں بھی شک و شبہ پیدا ہوتا ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم

(در منثور سیوطی، آیت الذین یتبعون الرسول النبی الایہ)

نیم الریاض کے قسم اول کے باب اول کی فصل اول میں حافظ ابن حجر کی تخریج رافعی سے منقول ہے کہ فقہاء شافعیہ نے خط اور شعر کو ان چیزوں میں شمار فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرام فرمادیا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا اور شعر کہنا جانتے تھے تو یہ حرام ہے۔ ایسا اعتقاد و یقین رکھنا جائز نہیں۔ (نیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول)

قلت۔ بلکہ مذہب شافعی کے ایک شیخ امام رافعی نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور اسے خصائص الکبریٰ میں نقل کیا گیا ہے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے جو شیخین کے ثانی ہیں کتاب الروضہ میں اس کا تعاقب کیا اور فرمایا کہ خط اور شعر کی تحریم ممتنع نہیں ہے اگرچہ عمدہ انداز میں نہیں جانتے تھے بلکہ ان کی طرف پہنچنے کے حیلہ کی تحریم مراد ہے۔ (الخصائص الکبریٰ، باب اختصار علیہ السلام تحریم الکتابۃ)

اقول۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جادو کرنا مومن پر حرام ہے حالانکہ اسے بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکتے بلکہ اکثر لوگ صرف اس کا نام ہی جانتے ہیں بوللہ الحمد۔ تعجب تو یہ ہے کہ اس قسم کی بات امام جلیل رافعی اور امام سیوطی جیسے علماء پر مخفی و پوشیدہ رہ گئی کہ انہوں نے خط اور شعر کوئی حضور کے لئے جائز قرار دیا اور ان کی تحریم کو ممتنع نہیں سمجھا۔ عمر بن شبہ اپنی کتاب ”الکتاب“ میں بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن اپنے ہاتھ سے لکھا اور حضور اس سے پہلے لکھنا نہیں

جانتے تھے اور یہ حضور کا عظیم معجزہ ہے کہ حضور نے بروقت لکھنا سیکھا۔ محدثین کی ایک جماعت نے بھی یہ بات کہی ہے، ان محدثین میں ابوذر ہروی، ابو الفتح نیشاپوری، قاضی ابوالولید نجمی، قاضی ابوجعفر سمّانی اصولی، نامور حضرات ہیں قاضی ابوالولید نے فرمایا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ حضور نے بغیر سیکھے لکھا۔

(حوالہ مذکور)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابن وحیہ نے بیان کیا کہ علماء افریقہ وغیرہ کی ایک جماعت نے اس بات میں قاضی ابوالولید باجی کی موافقت و تائید کی ہے۔ (فتح الباری کتاب المغازی باب عمرة القضاء)

نسیم الریاض کے لفظ میں ہے کہ باجی نے حجت و برہان قائم کی اور افریقہ و صقلیہ اور دیگر علمائے آفاق کو اسے لکھا تو سب نے ان کی موافقت و حمایت میں جواب دیا۔

(نسیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول)

عناویہ القاضی کے لفظ میں ہے کہ انہوں نے علماء اطراف و جوانب کو لکھا سب نے انہیں کے موافق جواب دیا اور سب نے ان کی تائید و تصویب کی۔

(عناویہ القاضی، ختاتی۔ وما کنت، تملوا من قبلہ الا یہ)

اس سلسلے میں محدثین کرام نے جس سے استناد کیا وہ معاہدہ حدیبیہ کی حدیث ہے، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور لکھ دیا ”ہذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ“ حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھتا نہیں جانتے تھے۔

اسے بخاری نے کتاب المغازی باب عمرة القضاء میں روایت کیا اور یہ حدیث احمد و نسائی کے یہاں بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء) ملا علی قاری شرح شفا میں قرطبی اپنی مختصر میں حدیث بخاری ”کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لے کر لکھا“ (یہ لفظ بخاری کی کتاب الصلح میں ہے) کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ ظاہر قوی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔
(شرح التتقا علی قاری، فصل من معجزات الباہرۃ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں، کلام اس میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنا اسم شریف لکھا، لہذا اختلاف کی مجال و گنجائش اس میں تنگ ہے اور ظاہر حدیث کا تقاضا یہی ہے اور اسی کی طرف حدیث کا اشارہ ہے۔
(مدارج النبوۃ، غزوہ حدیبیہ)

لفظ حدیث ”فکتب“ کے ترجمہ میں محدث دہلوی فرماتے ہیں، پس حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا پھر دو الگ الگ قول نقل کر کے فرمایا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے نہیں لکھا اور بعض کہتے ہیں کہ لکھا، پھر ثابت کرنے والوں کے دلائل کے لیے فتح الباری کا کلام نقل کیا اور نفی کرنے والوں کے جواب میں جو مذکور ہے اسے حذف کر دیا۔ اور ابن حجر کے کلام میں طویل بحث کے بعد فرمایا، حاصل یہ ہے کہ ابن حجر کا زیادہ میلان اثبات کی طرف ہے بلکہ اسی پر انہوں نے جزم کا افادہ فرمایا اور یہ کہ اس میں اختلاف و تنازع کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کی قوی تائید کتاب المغازی کی یہ روایت ہے ”کہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے“

امام قاضی عیاض فرمان حدیث ”عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے پھر بھی حضور نے تحریر فرمایا“ اس بات پر نص ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود لکھا، اس کے غیر کی طرف عدول کرنا مجاز ہوگا جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور امام نووی نے بھی اسے برقرار رکھا ہے۔
(شرح مسلم، نووی کتاب الجہاد۔ باب صلح الحدیبیہ)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں، مخفی نہ رہے کہ فرمان حدیث ”حضور نے کتاب لے کر لکھا“ جملہ معترضہ (اور حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے) کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکھنے میں صریح ہے اور یہ کہنا منع ہے کہ ”کتب“ کا معنی ”امرو“ ہے یعنی حضور نے لکھا نہیں بلکہ لکھنے کا حکم فرمایا اور ملا علی قاری نے امام نووی و امام

قاضی عیاض اور علماء مذہب کے حوالے سے اثبات کی وجوہ نقل کیں اور اس کے بعد فرمایا کہ اسی پر دار و مدار ہے، اس کے علاوہ دوسری طرف التفات نہ کیا جائے۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الجہاد باب الصلح)

ہاں! آخری یعنی جملہ معترضہ والا جواب بہتر و عمدہ ہے، اور فتح الباری میں ہے کہ اس کے زیادہ کرنے میں نکتہ یہ بیان کرنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کلمہ کی جگہ دکھانے کی ضرورت نہ تھی جسے علی کرم اللہ تعالیٰ جہ نے نہیں مٹایا مگر اس سبب سے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے حضور کو وہ کلمہ دکھانے کی ضرورت پڑی۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

سوال :- بخاری کتاب المغازی کا لفظ بطریق اسرائیل براء رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے جو مروی ہے وہ تم نے سنا اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اس کلمہ کو مٹانے کے لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے زکریا بن ابی زائدہ عن ابی اسحق کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلم کے نزدیک اس حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے کہ "حضور عمدہ کتابت نہیں جانتے تھے" ہاں اس میں یہ لفظ ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ کلمہ مٹانے کا حکم فرمایا، علی نے عرض کیا نہیں قسم خدا کی میں اسے نہیں مٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مجھے وہ جگہ دکھا دو جہاں پر وہ کلمہ ہے، پھر علی نے اس کلمہ کی جگہ دکھا دی اور حضور نے لفظ "رسول اللہ" کو مٹا کر اس کی جگہ پر "ابن عبد اللہ" لکھ دیا۔ لہذا اگر اس کے لیے یہ بات ہوتی تو اس کے ساتھ اسے ذکر کرنا زیادہ لائق و مناسب تھا۔

(مسلم، کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ)

جواب :- یہ راویوں کا تصرف ہے اس کی پوری روایت بخاری کتاب الجہاد

باب المصالحة علی ثلثة ایام، میں بطریق ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس میں یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا ”میں قسم خدا کی محمد بن عبد اللہ ہوں“ میں قسم خدا کی محمد رسول اللہ ہوں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ حضور لکھتے نہیں تھے اس لیے حضرت علی سے فرمایا کہ لفظ ”رسول اللہ“ کو مٹا دو، علی نے عرض کی قسم خدا کی میں اسے کبھی نہیں مٹاؤں گا حضور نے فرمایا اچھا وہ لفظ مجھے دکھا دو، علی نے وہ لفظ حضور کو دکھا دیا پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست اقدس سے مٹا دیا۔ (بخاری، کتاب الجہاد باب المصالحۃ علی ثلاثہ ایام)

اور میری زندگی کی قسم بسا اوقات محدثین کرام اقتصار و اختصار کا راستہ اختیار کرتے اور بعض فوائد و مقاصد کی خاطر کسی خلل و اضطراب کو دور کر دیتے ہیں اس لئے ابو حاتم فرماتے تھے کہ ہمیں حدیث کی معرفت نہیں ہوتی یہاں تک کہ ہم اسے ساٹھ طریقوں سے لکھتے ہیں۔

اور اگر مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ محدثین کو ہر وجہ سے پوری پوری حدیث بیان کرنے کی قدرت عطا فرماتا تو اس میں نفع کثیر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے لیے جو چاہا وہ سراسر خیر ہی خیر ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے پورے قرآن کو اس کے نزول کی ترتیب پر جمع کرنے کا ارادہ کیا مگر ایسا نہ ہو سکا اگرچہ ہمارے ذہن میں یہ بسا ہوا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو اس میں ناسخ و منسوخ جاننے کی سہولت کے لیے کافی علوم ہوتے، معلومات کا خزانہ ہوتا۔

ابن ابی داؤد کتاب النسخ میں روایت کرتے ہیں محمد بن سیرین نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال اقدس ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں تاخیر ہوئی ابو بکر صدیق ان سے ملے اور فرمایا اے علی کیا تم میری امارت و خلافت کو برا جانتے ہو؟ حضرت علی نے کہا نہیں، یہ بات نہیں ہے لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا مگر نماز کے لیے یہاں تک کہ قرآن کو جمع کر لوں۔ صحابہ نے یہ سمجھا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ قرآن کو اس کے نزول کی ترتیب پر جمع کر رہے ہیں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر

کتاب اسی انداز میں مکمل ہو جاتی تو اس میں تائخ و منسوخ کا علم ہوتا۔ اور وہ کتاب انتہائی مفید و کارآمد ہوتی۔ (کنز العمال حدیث ۴۷۹۲)

ابن اثیر کتاب المصاحف میں بطریق آخر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی، حضرت علی نے اپنے مصحف میں تائخ و منسوخ کو لکھا، ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے وہ کتاب تلاش کی اور اہل مدینہ کو بھی لکھا مگر تلاش بسیار کے باوجود میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ (الاتقان، نوع ۱۸ فی جمعہ و ترتیبہ)

پھر قرطبی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور کے لکھنے کا انکار کیا ہے وہ لوگ آیہ کریمہ ”ولا تخطہ بيمينک“ سے تمسک و استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اس میں لکھنے کا انکار نہیں ہے کیونکہ جس کی نفی کی گئی وہ تعلم و اکتساب کے ذریعہ خط کی نفی ہے اور یہ خط تو بطور معجزہ اور خارق عادت کے طور پر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں پر جاری فرمادیا جبکہ یہ صورت اپنے حال پر باقی ہے کہ حضور کسی کتابت عمدہ نہیں جانتے تھے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت نبوت کی مزید اضافی دلیل ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مخفی نہ رہے کہ فرمان الہی ”وما کنت تنزلوا من قبلہ“ (یعنی آپ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے نہ تھے) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے پڑھنے اور لکھنے سے رکے ہوئے تھے۔ اور تحقق رسالت کے بعد بارگاہ عزت سے قرأت و کتابت عطا ہونے کے یہ منافی نہیں بلکہ یہ فضل و کرامت میں زیادتی اور اضافہ ہے۔

(شرح الشفاء علی قاری، فصل من معجزات الباہرۃ)

یہ قاضی ابوالولید باجی کے کلام سے ماخوذ ہے انہوں نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ یہ قرآن عظیم کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کریم کے مفہوم سے ماخوذ و مستفاد ہے کیونکہ نفی کی قید و رد قرآن سے پہلے کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَأَزْتَابِ
الْمُبْطِلُونَ
(الحکوت ۲۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے
یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔
(کنز الایمان)

حضور کی امت متحقق ہونے، اس کے ذریعہ معجزہ ثابت ہونے اور اس سلسلے میں
شک وارتباب سے محفوظ ہونے کے بعد اگر بغیر تعلیم کے حضور لکھنا جان لیں تو کوئی مانع
نہیں ہے، لہذا یہ دوسرا معجزہ ہے۔
(مرقاۃ کتاب الجہاد حدیث ۴۰۴۳)

امام قاضی عیاض کا کلام واضح اور مضبوط و مدلل ہے انہوں نے اس کا قول نقل کیا
جس نے یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مقدس سے لکھا اور
صحابہ کرام سے اس کی تائید و توثیق نقل کی اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصف
امت میں کوئی قدغن و مانع نہیں ہے، پھر اکثر لوگوں سے اس کی منع اور آیت سے ان کا
احتجاج نقل کیا اور فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگوں نے آیت کریمہ کا جواب یہ دیا کہ حضور سید
عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم الہی سے پہلے نہ پڑھنا لکھا، فرمان باری ”مَنْ
قَبْلَهُ“ سے یہی ثابت ہے لہذا جس طرح پڑھنا جائز ہے اسی طرح لکھنا جائز ہے اور یہ
حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ای ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ
صرف ای ہونا ہی حضور کا معجزہ نہیں، معجزہ تو یوں ہی حاصل ہے کہ حضور پہلے ای تھے
پھر قرآن عظیم اور وہ علوم لیکر تشریف لائے جنہیں بے پڑھے لکھے لوگ نہیں جانتے
ہیں۔ (اقول بلکہ نہ اہل کتاب و علماء جانتے ہیں اور نہ کوئی جانتا ہے)

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ وہی بات ہے جو محدثین نے بیان کی ہے کہ وہ
ظاہر ہے اور ہم نے اسے آخر تک پہلے ہی بیان کر دیا ہے کہ فرمان حدیث ”حضور علیہ
الصلاۃ والسلام لکھتا نہ جانتے تھے پھر بھی لکھا“ نص کی طرح ہے اور اس کے غیر کی
طرف عدول کرنا مجاز ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام ابو زکریا نووی نے اسے شرح صحیح مسلم میں بیان کیا اور برقرار رکھا ہے۔

(شرح مسلم، نووی، کتاب الجہاد)

امام ابو محمد بن مفوز نے ایک کتاب لکھی جس میں قاضی ابوالولید باجی کی کتاب کا رد کیا اور آیت سے ان کے استشہاد کو دفع کیا اس سے عنایۃ القاضی میں منقول ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”من قبلہ“ کا لفظ ”ولا تخطہ“ پر مقدم ہونا اس بات میں صریح ہے کہ نزول قرآن سے پہلے کی قید خط سے متعلق نہیں بلکہ صرف تلاوت سے متعلق ہے۔ اور قید کے درمیان میں ہونے سے مابعد کی طرف لوٹنے میں عام نہیں ہے۔ جبکہ مفہوم کے اعتبار سے سمجھ میں آتا ہے جو ہمارے نزدیک حجت نہیں۔

(عنایۃ القاضی، آیت وما کنتم تملکون من قبلہ الا یہ)

اقول:- ان کا شروع کلام متناقض کی طرح ہے نہ کہ عدم تعلق میں صریح کے مثل۔ کیونکہ حکم کے عام نہ ہونے سے شک و تردد کا افادہ ہو رہا ہے ہاں کبھی دل کو سکون حاصل ہو جاتا کہ اگر ”من قبلہ“ قید کا تعلق خط اور تلاوت دونوں سے ہوتا تو وہ قید دونوں پر مقدم ہوتی یا وہ دونوں سے مؤخر ہوتی اور اس قید کو اول کے وسط میں لانے سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسی کے ساتھ خاص ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں معاہدۃ حدیبیہ والی حدیث میں جمہور کی طرف سے پانچ جواب تحریر کیے ہیں۔

۱۔ قصہ صرف ایک ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں (یعنی جیسا کہ بخاری کتاب الصلح^۱ میں بطریق شعبہ ابواسحاق سے ثابت ہے) حافظ ابن حجر نے حدیث مسور میں صراحت کی ہے کہ جس نے لکھا وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

اس میں ابن حجر نے ابن مفوز اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی متابعت و پیروی کی ہے ان کی حدیث امام بخاری نے کتاب الصلح^۱ میں روایت کی ہے اس میں یہ

ہے کہ سہیل نے (جو کفار قریش کا نمائندہ تھا) کہا قسم خدا کی اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم بیت اللہ سے آپ کو نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ و جدال کرتے ہاں آپ ”محمد بن عبد اللہ“ لکھے اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خدا کی بیشک میں ضرور اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، اچھا ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو۔

(بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد)

اقول :- اسی طرح مسلم کے نزدیک انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سہیل نے کہا کہ ہاں آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھو یہ معاہدہ ہے ”محمد بن عبد اللہ“ کی طرف سے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ سہیل نے جو چاہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا اور علی کو حکم فرمایا کہ ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو۔ (مسلم کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ)

اس میں یہ نہیں ہے کہ اس لفظ کو حضرت علی ہی نے لکھا کیونکہ اس کا لکھا لفظ ”رسول اللہ“ کے مٹانے پر مبنی تھا اور حضور نے علی کو اس کے مٹانے کا حکم فرمایا مگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضور کے اجلال و ادب کے پیش نظر اس کے مٹانے سے انکار کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور اس کو اپنے دست اقدس سے مٹا دیا، پھر اس کے بعد حدیث میں ہے کہ حضور ہی نے لکھا۔ لہذا اس پر یہ دلالت کیونکر ہے کہ اس لفظ کو لکھنے والے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں بلکہ ظاہر وہی ہے جو ائمہ و محدثین نے فرمایا کہ اس لفظ کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لکھا۔

۲۔ حدیث کا لفظ ”فکتب“ میں حذف ہے محذوف عبارت یہ ہے کہ حضور نے اس لفظ کو حضرت علی کے لیے مٹا دیا پھر اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن التین نے اسی پر جزم و اعتماد کیا ہے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی باب عمرة القضاء)

اقول: یہ تو صیح ائمہ کے کلام کو نہیں پہنچتی کیونکہ ائمہ کا استدلال ظاہر سے ہے جیسا کہ امام قرطبی اور امام قاضی عیاض سے گزرا ہے اور حذف کا دعویٰ کرنا اس سے عدول و اعراض کرنا ہے کیونکہ معاملہ یہ ہے کہ اس کو ظاہر کیا جاتا ہے جس کا چھوڑنا ضروری ہے۔

۳۔ لفظ ”کتاب“ کا معنی لکھنے کا حکم دینا ہے، یہ بہت زیادہ مستعمل ہے جیسے کتاب الی قیصر، کتاب الی کسریٰ، من موز وغیرہ نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ (حوالہ مذکور) یعنی حضور نے قیصر و کسریٰ کو بذات خود اپنے دست مبارک سے مکتوب گرامی نہیں لکھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھنے کا حکم فرمایا۔

اقول: - کتاب الی قیصر، کتاب الی کسریٰ، فرمان حدیث ”فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الكتاب فکتاب“ کے مثل نہیں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور لکھا۔ اور استناد میں یہی ان کی نظر کا تنزل و انحطاط ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی کے حوالے سے گزرا، لہذا تم پر انصاف و دیانت لازم ہے۔

۴۔ اس کے ظاہر پر محمول کرنے کی صورت میں صلح حدیبیہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف لکھنے سے حضور کا کتابت جاننے والا ہونا اور حضور کا امی ہونے سے خارج ہونا لازم نہیں آتا جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے کیونکہ بہت سارے لوگ عمدہ لکھنا نہیں جانتے مگر بعض کلمات کی شکل پہچانتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو بناتے ہیں بالخصوص اسماء اور ناموں میں ایسا ہوتا ہے اور اس کے سبب سے وہ بے پڑھے لکھے ہونے سے نہیں نکلتے جیسے بہت سارے بادشاہوں کا یہی حال ہے کہ وہ عمدہ انداز میں لکھنا نہیں جانتے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء)

نسیم الریاض میں خفاجی نے اسے رد کر دیا اور فرمایا کہ اس جواب کے بعد کچھ مخفی نہیں اگرچہ ہم شاذ و نادر ہی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(نسیم الریاض، خفاجی، الباب الاول۔ الفصل الاول)

marfat.com

اقول :- حدیث کا لفظ ”فکتب“ اس میں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست کریم سے لکھنے کی تیاری کی، اور جب انہیں یہ ظاہر تسلیم ہو جائے تو پھر بھی معاملہ مشکوک و متردد رہے گا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً خط کی وضع پہچانتے تھے یا صرف اسم مکرم کی صورت معلوم تھی کیونکہ اس وقت صرف اسی کی ضرورت تھی۔ اور شق اول اختیار کرنے میں ان کے ساتھ کچھ ظاہر نہیں ہے حالانکہ وہ مستدل ہیں، اور احتمال سے استدلال قطع ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ظاہر شق ثانی ہو۔ کیونکہ جو چیز ضروری ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت سے پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ جواب دوسری وجہ سے اپنے قریبی جواب کی طرح شنیع اور کمزور ہے جو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ لکھنے کے لیے چل پڑے ہوں اور جو لکھا گیا وہ موافق مراد نکل گیا حالانکہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے تو خاص طور سے یہ اس وقت با دوسرا معجزہ ہے اور اس سے حضور کی امیت میں بھی فرق نہیں پڑتا۔ ابو جعفر سمعانی نے بھی یہی جواب دیا ہے جو اشاعرہ کے ائمہ اصول میں سے ایک امام ہیں اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کی ہے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی)

اقول :- یہ دونوں جواب اگرچہ قاضی ابوالولید باجی کے رد کے لیے کافی ہیں مگر یہ جمہور کی طرف سے جواب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدور کتابت کے قائلین اس وقت آپس میں چار اقوال پر متفرق ہو گئے۔

قول اول :- قاضی ابوالولید باجی کا قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب عز وجل کے قدرت دینے سے کسی کی تعلیم کے بغیر عمدہ لکھتے تھے۔

قول دوم :- اسم مبارک کی شکل وضع عمدہ جانتے تھے جیسے سلاطین و ملوک

اپنے نام کا رسم الخط جانتے ہیں۔

قول سوم۔ اس وقت خاص طور سے اسم مبارک کے رسم الخط کو عمدہ انداز میں لکھا۔

قول چہارم۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگشتان مبارک کو

جاری فرمادیا یہاں تک کہ حضور کے قصد و ارادہ کے بغیر اسم مبارک کی صورت بن گئی۔

● پہلا قول باجی و ابو ذر اور فتح الباری کا اور یونس بن میسرہ کے قول کا ظاہر ہے بلکہ

یہ ان کا بھی قول ہے جن کا اوپر ذکر ہوا اگرچہ پتہ کی تاویل نہ چلے اور خاتم الحفظ امام جلال الدین سیوطی نے اسے ابو جعفر سمائی کا بھی قول قرار دیا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

● دوسرا قول فتح الباری کے جواب کا مفاد ہے جو چوتھے جواب میں مذکور ہوا اور

وہ قول ضائع ہے اس کا قائل معلوم نہیں اور نہ وہ قابل استناد ہے۔

ہاں میں نے امام عینی کی عمدۃ القاری میں باب الصلح دیکھا اس میں انہوں نے ”کتب“ کی تفسیر ”امر“ سے کی ہے پھر لفظ ”قیل“ سے چند اقوال نقل کیے ہیں۔

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ رسم الخط کی طرح ہے کیونکہ بعض لوگ جو لکھنا نہیں جانتے بار بار تکرار کرنے سے وہ اپنے ہاتھ سے رسم بنا سکتے ہیں۔ اور اس سے پہلے لفظ ”قیل“ سے ایک قول نقل کیا کہ یہ لکھنا اسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے بعد ایک قول ہے جس میں یہ ہے کہ حضور نے بغیر قصد و ارادہ کے اتفاقیہ طور پر لکھا، اس کی دلالت اس پر ہے کہ حضور نے اسم مبارک کو اس قول کی بناء پر قصد و اختیار سے لکھا جو اسی مقام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۱۔ اس کے اثبات میں انہوں نے چھ قول نقل کیے۔ چار وہی جو منقول ہوئے، پانچواں یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلم یٰٰز تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وحی کی اور اس نے لکھا۔ چھٹا یہ ہے کہ حضور نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ لکھا۔

اقول۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پر چار احتمالات ہیں، یا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بغیر قصد کے کتابت جاری ہو گئی یہ قول راجح ہے۔ اور قصد کے ساتھ یا مطلقاً عمدہ لکھا یہ قول اول ہے۔ یا صرف اسی لفظ کو لکھا یا تو عمدہ لکھا یہ قول ثانی ہے۔ یا صرف اسی وقت عمدہ لکھا یہ قول ثالث ہے۔ لیکن پانچواں قول، اول و ثالث کو شامل ہے اور چھٹا قول سب کو شامل ہے۔ ۱۲ منہ

● تیسرا قول عمدۃ القاری سے منقول ہے جو اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے یعنی اکثر ایسا ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ نہیں لکھ سکتے پھر جب ایک مرتبہ لکھا تو وہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف اسی وقت خاص طور سے اسم مبارک کو عمدہ اور حسین انداز میں تحریر فرمایا اور دوسرے وقت ایسا نہ ہوا۔

کتاب الکتاب میں عمر بن شبہ کے قول کا عمدہ محمل یہی ہے ان کے قول کی مراد یہ ہوگی کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے معجزہ سے اس وقت صرف اپنے اسم شریف کی کتابت سیکھ لی کیونکہ اسی بات کے لئے ائمہ کرام کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن اپنے دست مبارک سے لکھا۔ مگر خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے اسے بعینہ باجی کا قول قرار دیا اور کتاب کو اس کے عموم پر محمول کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

● چوتھا قول بعینہ فتح الباری کا جواب ہے۔

خامس: میں نے دیکھا کہ اس کی نسبت سمنانی اور ابن جوزی کی طرف کی گئی ہے اور ابو جعفر سے نقل مختلف ہو گئی، خصائص کبریٰ میں اس کی نسبت بعض کی طرف کی گئی ہے اور قرطبی کے قول میں اسی کی طرف میلان ہے کہ حضور کی انگشتان مبارک میں یہ لفظ جاری ہو گیا مگر یہ کہ ان کے شروع کلام میں اسی کی قید ہے اور آخر کلام میں اس خط کی نفی کی گئی ہے جو تعلیمی اور اکتسابی ہو، اس کا میلان بھی باجی کے قول کی طرف ہے اور یہ بات طبری کی سن گھڑت ہے انہوں نے وہی کہا جو مرقاۃ میں ہے کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ اس آیت (وَلَا تَخْطُهُ) کے باوجود اس کتابت کا طریقہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے باوجود فرمان اقدس ”هَلْ اَنْتَ الْاَصْبَعُ دَمِيتَ. وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتَ.“ (یعنی تو تو ایک زخمی انگلی ہے۔ اللہ کی راہ میں تم کو جو ملا ہے۔) کا جو انداز ہے وہ دونوں برابر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(یس: ۶۹)

”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ“

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔ (کنز الایمان)
یعنی کتابت کی تعلیم نہ ہونے اور امی ہونے کے باوجود لکھ لینا حضور کا معجزہ ہے
اور شعر گوئی کا ملکہ نہ ہونے کے باوجود ایسا کلام ارشاد فرما دینا جو وزن شعری پر پورا
اترتا ہو دوسرا معجزہ ہے۔ اس لئے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ وہ کلام ہے جو بغیر
صفت شعر اور بغیر قصد و ارادہ کے با وزن نکل گیا جبکہ اس سے شعر گوئی کی طرف
التفات و توجہ ثابت نہ ہوگی نہ قصد و اختیار سے حضور کا شعر کہنا ثابت ہوگا۔

(مرقاۃ، کتاب الجہاد حدیث: ۴۰۴۹)

حاصل یہ ہے کہ یہ تمام اقوال کتابت کو ثابت و واضح کرتے ہیں اور جمہور مطلقاً
اس کی نفی کرتے ہیں پھر دو مخالف قول کے اختیار کرنے سے ان کو جواب کیونکر دیا
جائے گا؟

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے قول
میں صحیح مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
دست اقدس پر یہ جاری فرما دیا۔ یا تو اس قلم نے حضور کے دست مبارک سے لکھا اور
حضور کو معلوم نہ ہوا کہ قلم کیا لکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضور کو سکھا دیا اور حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا اور اسے معجزات نبوت میں ایک مزید معجزہ قرار دیا گیا۔
کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امی تھے۔ جس طرح حضور جو علوم نہیں
جانتے تھے اللہ عز و جل نے انہیں سکھا دیا اور جو نہیں پڑھتے تھے اسے پڑھنے لگے اور جو
تلاوت نہیں کرتے تھے اس کی تلاوت کرنے لگے، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
لکھتے نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو لکھنا سکھا دیا۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصف
امیت میں کوئی قدغن اور رکاوٹ نہ ہوگی اور ائمہ نے ان آثار و مرویات سے احتجاج و
استدلال کیا جو شععی اور بعض سلف سے منقول ہیں۔ اور قاضی ابوالولید باجی اس کے

جواز کی طرف گئے ہیں اور سمنانی و ابو ذر وغیرہ سے انہوں نے اس کی حکایت کی ہے۔
اور اکثر لوگ اس سب کے منع و انکار کی طرف گئے ہیں۔

(شرح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیث)

لہذا غور کرو کہ جمہور کی طرف مطلقاً منع کی نسبت کیسے کی گئی خواہ وہ کتابت قصد سے ہو یا بغیر ارادہ و اختیار سے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابو جعفر، باجی کے ساتھ متفق ہیں، خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے یہی فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے جو فرمایا ہے وہ اس کا مخالف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عنقریب ان دونوں جواب کا ردِ بلیغ آئے گا، پانچوں جواب میں وہ بات نہیں ہے جو حل مطلب کے لیے کافی اور خلیجانِ قلب کے لیے شافی و دوانی ہو۔
اللہ عز و جل کی توفیق رفیق سے میں کہتا ہوں۔

ہر ایک کا بہتر و عمدہ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ جو بخاری کے باب عمرۃ القضا میں ہے، یعنی، "وللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی (جبکہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے) اور لکھا" یہ معاہدہ سے محمد بن عبد اللہ کا "مکہ میں ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے مگر صرف تلوار میان میں ہوگی، اگر مکہ کا کوئی باشندہ ان کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو نہیں لے جا سکیں گے اور اگر ان کے اصحاب میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو ان کو منع نہیں کریں گے۔ بعینہ یہی الفاظ بخاری کی کتاب الصلح میں بھی ہیں ہاں اس روایت میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ "حضور عمدہ نہیں لکھ سکتے تھے۔"

(بخاری کتاب المغازی، باب عمرۃ القضا، کتاب الصلح)

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنے دستِ مکرم سے نہیں لکھا اور نہ یہ لفظ لکھا کہ "یہ معاہدہ ہے" ہاں صرف اسم مبارک کے لکھنے میں اختلاف ہوا ہے لہذا لفظ "کتب" کو اس معنی پر محمول کرنا واجب و ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امر کتابت کو اسی پر برقرار رکھا۔

اور ایک روایت میں صرف اتنا ہے کہ حضور نے ”ابن عبد اللہ“ تحریر فرمایا۔ اس میں محدثین کی عادت کے مطابق اختصار واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ بطریق ذکر یا مسلم کے حوالے سے گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اس پر قاطع رو ہے جس نے یہ کہا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت واقع ہوئی اگرچہ ایک ہی کلمہ ہو، اگرچہ بغیر قصد و ارادہ کے ہو۔ امام سہلی وغیرہ نے اس کا افادہ کیا ہے، یہ اگرچہ ممکن ہے اور یہ دوسرا معجزہ ہوگا لیکن یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے مناقض و منافی ہے یعنی حضور امی ہونے کے سبب سے نکلتے نہیں تھے، آیت کا مفہوم یہی ہے جس سے حجت قائم ہوئی، منکر خاموش ہوا اور شبہ پاش پاش ہو گیا۔ پھر اگر یہ جائز مان لیا جائے کہ اس کے بعد حضور لکھنے لگے؟ تو شبہ لوٹ آئے گا۔ اور معاند نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ اور اچھا لکھنا جانتے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض معجزہ کا بعض کو دفع کرنا محال ہے یعنی ایک معجزہ سے دوسرے معجزہ کا انکار و نفی لازم آئے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری کتاب المغازی باب عمرة القضاء)

حافظ ابن حجر نے اسے جواب خاس کا تعاقب قرار دیا جس میں یہ ہے کہ اس لفظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ بغیر قصد و ارادہ کے جاری ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے موافق مراد اس کا لکھنا مقدر فرمادیا۔

اقول: جیسا کہ ذکر ہے ہو یہ سب کا رد ہے کیونکہ جو بغیر ارادہ و اختیار کے صدور کتابت کا تعاقب کرے وہ تو دوسرے کی بدرجہا اولیٰ نفی کرے گا، بلکہ ان کا یہ قول زیادہ لائق و مناسب ہوتا کہ ”اگر غیر کے ارادہ سے لکھنا جائز مان لیا جائے“ لیکن حافظ ابن حجر نے اسے اسی پر محمول کیا اور اپنے قول سے اس کا رد کیا ہے۔ اور دعویٰ میں بڑی نظر ہے کہ صرف اسم شریف کا اس صورت (جو جواب خاس میں مذکور ہے) پر لکھنا مناقض معجزہ کو مستلزم ہے اور اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیر امی

ہونا ثابت ہوگا۔ (لہذا ایک مجزے سے دوسرے مجزہ کا نقص ناجائز و محال ہے)

(حوالہ مذکور)

امام قسطلانی نے اگرچہ مواہب لدنیہ میں اس کو برقرار رکھا اور اسے اچھی طرح بیان فرمایا اور اس پر کچھ اضافہ فرمایا ہے، لیکن ارشاد الساری کے باب ^{الصلح} اور کتاب المغازی میں اس سے آگے تجاوز نہ کیا، دونوں کتابوں میں انہوں نے سہیلی کی گفتگو نقل کی اسے برقرار رکھا اور اس پر اعتماد و وثوق کیا۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوة میں فتح الباری کے حوالے سے مواہب کے کلام کا پانچویں جواب تک ترجمہ کیا اور یہ فرمایا کہ ابو جعفر نے اس کا جواب دیا، ابن جوزی نے ان کی پیروی کی اور جب سہیلی کے تعاقب پر آئے تو فرمایا کہ

عبد مسکین عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خود اسم شریف کی کتابت کے خصوص میں کلام ہوتا۔ آخر بیان تک جو مقدم ہو چکا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ثبوت مجزہ کے بعد حصول کتابت میں کوئی حرج نہیں ہے تو یہ محل نظر ہے اس کے بعد شیخ محقق نے بعینہ وہی ذکر کیا جو سہیلی نے بیان کیا ہے اور یہ زیادہ کیا کہ معاند کو قرآن عظیم کا فرمان کیا فائدہ دے گا ”وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُبُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَحْتَفِظُهُ“ (العنکبوت: ۴۸) (اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ کنز الایمان) یعنی جو قرآن کریم پر ایمان نہ رکھے وہ کافر ہے لہذا اس آیت سے اس پر احتجاج نہیں کیا جائے گا، پھر حافظ ابن حجر کی نظر کی طرف کچھ توجہ نہ دی اور اس قول پر محدث دہلوی نے اپنا کلام ختم کر دیا اور فرمایا کہ شیخ ابن حجر نے یہ الحاق کیا کہ ”کتاب“ کا معنی ”عصر“ ہے۔ یہ بات بھی شیخ نے سہیلی سے نقل کی ہے۔ (مدارج النبوة، وصلح نامہ حدیبیہ)

ہاں ملا علی قاری نے مرقاة میں ابن حجر کا پورا کلام بیان کیا اور یہاں پر صرف وجہ نظر کا قول زیادہ کیا اور اللہ عزوجل زیادہ جانتا ہے کہ معاند اس ڈوبنے والے کی طرح

ہے جو ایک گھاس سے بھی چٹ جاتا ہے۔ اور قرآنی معجزہ بکثرت وجود سے ثابت ہے قطع نظر اس سے کہ اس کا لانے والا امی ہے اور ظہور حجت کی تکمیل کے لیے اس میں عدم قرأت و کتابت کا وصف زیادہ کیا گیا ہے (یہاں تک فرمایا) اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر سب سے زیادہ پہلے ہی پڑھے لکھے ہوتے دنیا میں اور کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا اور قرآن عظیم لے آتے تو معجزہ ہوتا، یہ بہت زیادہ واضح و آشکارا ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (مرقاۃ کتاب الجہاد حدیث ۴۰۴۲)

اقول: گویا کہ انہوں نے حاصل نظر سمجھا کہ اگر معاند اس کے حصول سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں شک و شبہ کرے تو اس سے اعجاز قرآن میں کچھ ضرر نہ ہوگا کیونکہ قرآن عظیم بکثرت وجود سے معجز ہے، امیت کا وصف زیادتی کے لیے ہے اعجاز قرآن صرف اسی پر موقوف و منحصر نہیں ہے، یہ قابل ملاحظہ ہے۔ لہذا دوسرے معجزہ کے وجود کے لیے اس میں ایک عظیم معجزہ کو ترک کرنا پڑے گا، پھر حافظ ابن حجر کے کلام میں تخصیص مناسب نہیں ہے کہ بغیر قصد و ارادہ کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست پاک سے اسم اقدس کی صورت جاری ہوگئی، اگر قصد و اختیار سے لکھتے تو یہ حاصل ہو جاتا بلکہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے ہی سے لکھتے ہوتے تو بھی یہ مطلب حاصل ہو جاتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے پھر اس کے جواب کو ان کا یہ قول کافی ہے کہ ”معاند اس ڈوبنے والے کے مثل ہے جو ایک تنکے کا بھی سنہارا لینا چاہتا ہے۔“

اور یہ اس سبب سے ہے کہ اگر بعض آیات پر جاہلیت کی بولی بولنے کا کوئی جواز و راستہ نکلتا تو اس میں معاند کی چار آنکھیں لگتیں جو معجزات کے سوا کچھ نہ دیکھتیں۔ بلکہ نظر کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے کتابت کا صدور امیت کے منافی کیونکر ہے؟ اور امی تو اچھا لکھ سکتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف امیت کے ساتھ اچھا نہیں لکھ سکتے جہاں قصد نہیں فرماتے اور اگر قصد فرماتے تو قادر نہ ہوتے، ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت ایسے تھے (چوں قلم در دست کاتب) جیسے کاتب کے

ہاتھ میں قلم ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ ہی نے حضور کے ہاتھ سے لکھا قلم نے نہیں لکھا۔

اقول: لفظ سہیلی کے ظاہر پر یہ مواخذہ و گرفت ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے منافی و مناقض ہے اور ان کے مقصود سے یہ کوسوں دور ہے، انہوں نے یہ مراد نہیں لیا کہ اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے لکھا تو نفس الامر میں امیت سے نکل گئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی قرار دینا مبطلین کا شک و ریب دور کرنے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَخْطَءُ بِيَمِينِكَ إِذَا لَزِمْتَ ابْنُ الْبَطْلَانِ (الحکبوت: ۳۸)

اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔ (کنز الایمان)

اور اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت صادر ہوتی خصوصاً اس مجلس میں جس میں کفار موجود تھے اس میں کفار کے سامنے صحیفہ صلح کی کتابت جاری تھی، تو باطل والوں کا شک و شبہ پہلے کی طرح لوٹ آتا، اس وقت دیکھنے والوں کے لیے یہ ظاہر تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا اور جیسا چاہتے تھے حروف کی صورت بنائی اور اس کے ذریعہ سے اپنی مراد کو ظاہر فرمایا، کاتب اور کے کہتے ہیں، کاتب کا معنی تو یہی ہے۔ اور کفار کو اس باطنی راز کی خبر نہ ہوتی جو حضور اور رب عزوجل کے درمیان ہے تو وہ لوگ طعن و تشنیع کے لیے کھڑے ہوتے اور کہتے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لکھتے تھے اور چھپاتے تھے آج ہمارے لئے ان کا راز ظاہر ہوا۔ پھر اس بات کو لے کر ان کے سوار چل پڑتے اور ان کے شعراء اس پر بہت کچھ کہتے اور مسلمانوں پر معاملہ تنگ و دشوار ہو جاتا اور طعنہ کرنے والوں کی گردنیں بلند ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اس بات پر مسلط نہیں فرمایا۔ لہذا سہیلی کے قول ”کہ یہ حضور کی امیت کے مناقض ہے“ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس سے کافروں پر احتجاج کے مناقض و منافی ہے بلاشبہ یہ صاف ستھرا حق ہے اس پر کوئی گرد و غبار نہیں ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ یہ جس طرح بھی ہو صدور کتابت کے قول کا رد ہے۔

چوتھا اور پانچواں دونوں جواب باطل ہیں، دوسرا اور تیسرا جواب اسی سے

پورے ہو جاتے ہیں، جہاں تک واضح ہوا اس ظاہر کے ترک میں ضرورت کا ظہور ہے، یہ یقین ہے کہ اس نے سب کو سمیٹ لیا ائمہ نے جو فرمایا اور جس کی طرف وہ مائل و متوجہ ہوئے۔ میں جن قدیم و جدید اقوال پر آگاہ و مطلع ہوا ان کے اعتراضات و جوابات کو ظاہر کیا، فوائد کا اقادہ کیا، ان کی طرف میں نے ہی پہل و سبقت نہیں کی۔ بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی اس پر اقدام کیا۔ واللہ الحمد۔

آفتاب نیروز کی طرح روشن و واضح ہو گیا کہ جن اکابر امت نے کتابت کو ثابت کیا ان کا قول صرف اسی کو دفع کرتا ہے جسے امام سہیلی نے بیان کیا اور ہم نے ان کی تقریر کو واضح کر دیا اور ہم نے جو اختیار کیا اس کو کسی کا ہاتھ نہیں پہنچے گا کیونکہ ہم نہ صدور کتابت کے قائل ہیں نہ اس پر قدرت کے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف امیت پر یقینی طور پر باقی ہیں اور حضور سے کبھی وہ بات صادر نہیں ہوئی جس کی حجت میں اہل باطل شک و تردد میں پڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے کشف و اظہار سے ہر شے کے حصول علم سے صنعت خط کو کسی قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی وضع پر قادر مانا جائے گا لہذا لکھنا امیت حضور کے منافی نہیں جیسا کہ فریقین کے کلام میں اس کا اقرار و اظہار گزرا ہے۔

نیز ظاہر ہو گیا کہ ہم نے جو دس احادیث پیش کیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور کو مکتوب کی معرفت ہے اور ان احادیث میں ثابت کرنے والوں کے لیے حجت نہیں ہے اسی لیے جب پہلی حدیث سے احتجاج کیا جو ابن ماجہ کے بساب القروض والصدقة کی حدیث ہے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ معرفت کتابت کے تقدم کے بغیر اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو قدرت دے دی اور یہ اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے جیسا کہ نسیم الریاض میں ہے۔ (نسیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول) اور یہ بھی ہمارے قول کی تائید میں ہے کہ عطائے اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ کا کتابت کی معرفت عطا فرمانا امیت کے منافی نہیں۔

پورے مصحف شریف کا رسم الخط حضور علیہ السلام سے توقیفی ہے

اگر تیرا دل اولیائے کرام پر ایمان رکھتا ہے یا تو ان لوگوں میں سے ہے جو ان کا کلام دل کی گہرائیوں سے سنتا ہے کیونکہ وہ شہید محبت اور قلیل تنج ابروئے محمد ہیں تو تمہیں وہ کافی ہے جو سید شریف فاطمی قطب ولی امی سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے) نے افادہ فرمایا جبکہ ان کے شاگرد رشید حافظ الحدیث سیدی احمد بن مبارک سبلماسی نے ان سے سوال کیا جو ابرز شریف کے باب اول میں حدیث مبارک ”کہ قرآن عظیم کو سات حروف پر نازل کیا گیا“ کے تحت میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسم قرآن اسی صفت مذکورہ پر باقی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سادات صحابہ سے صادر ہوا ہے؟ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کا رسم الخط حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی صادر ہوا ہے اور حضور نے ہی کاتبین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ اسے اسی ہیئت مذکورہ پر لکھیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو سنا اس میں انہوں نے کسی طرح کی کوئی کمی یا زیادتی نہ کی۔ صحابہ وغیرہم کو رسم قرآن میں ایک بال برابر بھی کسی حذف و اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں، وہ تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توقیفی ہے حضور ہی نے انہیں ہیئت معروفہ پر لکھنے کا حکم فرمایا کہیں پر حروف کی زیادتی اور کہیں پر کم کرنے کا اشارہ فرمایا اس میں وہ راز ہے جہاں عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی

اور یہ رموز الہیہ میں سے ایک راز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کو اس سے خاص فرمایا ہے باقی اور دیگر آسمانی کتابوں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اور جیسا کہ لفظ قرآن معجز ہے اسی طرح رسم قرآن بھی معجز ہے۔

(احمد بن مبارک، امیر شریف، الباب الاول فی الحدیث)

پھر سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے میں طویل مکر نفیس و عمدہ کلام فرمایا اور رسم قرآن کے تو قینی ہونے پر دلائل قائم فرمائے۔

ہر ولی امی جس پر علم کا دروازہ کھولا گیا وہ آدم
علیہ السلام سے قیامت تک کے ہر قلم و خط کو

دنیا میں پہچانتے ہیں

سیدی حافظ جلماسی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو کتابت کی معرفت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ولا تخطہ بيمينک“
(اور آپ لکھتے نہ تھے)

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم اصطلاحی اور لوگوں کی سکھائی ہوئی کتابت نہیں پہچانتے لیکن فتح ربانی اور فیض
یزدانی کے سبب سے کتابت جانتے تھے بلکہ اور بہت کچھ جانتے تھے ایسا کیوں نہ ہو کہ
امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے وہ امی اولیاء جن پر علوم و معارف کا دروازہ کھولا
گیا ہے وہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک کی تمام امتوں اور جملہ گروہ مسلمین
کے خطوط اور تمام زبانوں کے قلموں کو پہچانتے ہیں جبکہ یہ نور نبوت ہی کی برکت و فیض
سے ہے پھر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا
حضور ان چیزوں کو نہیں پہچانتے ہیں؟

سیدی حافظ جلماسی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ امی اولیاء میں سے ہیں میں نے
یہ تمام اسرار و رموز ان سے سنے ہیں (یعنی حروف کی کمی و زیادتی اور رسم قرآن میں غیر
ملفوظ سے حروف کو بدلنا جیسے باید، جاؤ، اور حیا وغیرہ میں ہے اور بھی بہت سارے
الفاظ و حروف شمار کئے)

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ائمہ رسوم کے بیان کردہ حروف والفاظ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا تو حوالوں کو درست و بہتر پایا اور یہ کہ اس میں بڑی محنت کی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نفع عطا فرمائے۔ یہ بحث دو بڑے ورق میں پھیلی ہوئی ہے میں نے یہاں پر اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ (احمد بن مبارک، امیر یزید شریف۔ الباب الاول فی الہدیت)

حاصل یہ کہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی امی ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور کو ہر شئی کا علم عطا فرمایا ہے یعنی یہ علوم وہی ہیں کسی نہیں اور یہ علوم ضرور یہ ہیں کسبیبہ اور نظریہ نہیں دوسری معلومات کے لیے ان میں نظر و فکر کی ضرورت نہیں بلکہ موصل و موصل الیہ سب کچھ حضور کو ابتداء ہی اللہ عزوجل کے کشف و اظہار سے حاصل ہیں۔ لہذا حضور کا علم مکتوب سے نہیں جو نقوش سے مستفاد ہوتا ہے اور نہ حضور کا علم نقوش سے ہے جو کتب و نظر سے حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور کو ملکہ و فضل کے اعتبار سے کتابت کی تصویر سے پاک و صاف فرمایا ہے لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں خلل نہیں آئے گا اور نہ دقیق و جلی چیزوں کے احاطہ علم میں خلل پڑے گا۔ اللہ کا شکر ہے اس نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر فضیلت میں افضل بنایا اور ہر فضل فضیلت عطا فرمائی۔ لیکن تعجب بالائے تعجب اس پر ہے جو پہچاننے کے باوجود منحرف و برگشتہ ہو اور اعتراف و اقرار کے باوجود پھر جائے، وہ یوں کہ اسی مسئلہ نے خود ہی اپنے اسی رسالہ کے ص: ۱۵ پر کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امی ہیں کتابت نہیں جانتے اور نہ مکتوب پڑھتے ہیں مگر معجزہ کے طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

مسئلہ نے پہچانا اور اعتراف کیا کہ طریقہ عادیہ سے مکتوب کی معرفت امیت کے منافی نہیں اور یہ یقین سے معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت و نفی کی گئی ہے اور حضور کا علم طریقہ عادیہ کے مطابق نہیں ہے لہذا مسئلہ نے اس آیت

کریمہ (وما کنت تتلوا الا یہ) کو علم حضور کے منافی قرار دیا، یہ خالص بہتان و جھوٹ ہے نسأل اللہ تعالیٰ العالیہ۔

۷۴۔ ثالثاً: یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی بھی نبی امی ہیں جس طرح پہلے تھے لیکن مستدل نے یہ راستہ اپنایا جس کی طویل گفتگو مزید ارباب نہیں ہے، کیونکہ کسی ایک وصف سے متصف ہونے سے اس کے دوام و بقا کا حکم ہرگز نہیں ہو سکتا ورنہ ہر جملہ فعلیہ، موجبہ دائمہ ہو جائے گا یہی جہالت مستدل کے دل میں مرکوز ہو گئی یہی اس کے لئے دائم و قائم ہے اور ان کے نزدیک یہ بات ہے کہ جو صفت ثابت ہوئی وہ ہمیشہ کے لیے ثابت ہو گئی، پھر تعجب تو یہ ہے کہ اقسام خط کی ہر قسم کو غیر متناہی قرار دیا جو اپنے جزئیات کے حساب سے کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتی۔ اور اسے کس نے کہہ دیا کہ کافروں کے بکثرت خطوط ہمیشہ ابد تک لکھے جاتے رہیں گے۔ کیا جنتی ان خطوط کے ذریعہ آپس میں مراسلت کریں گے یا انہیں فرشتے سکھائیں گے؟ جنتی لوگ ہمیشہ ان خطوط کو مشق و تمرین کے لیے لکھیں گے۔ یا دوزخیوں کو ابد تک کوئی نئی فرصت ملے گی جس میں وہ اپنے بھائیوں کو مراسلے لکھیں گے یا اپنی ہی یادداشت کے لیے لکھیں گے؟ پھر یہ کہ وہ قلم و دوات اور کاغذ کہاں پائیں گے؟ گویا کہ مستدل اپنی قوت منطقیہ سے امکان اور فضیلت کے درمیان فرق و امتیاز نہ کر سکے۔

آیت کریمہ وان تعدوا نعمة الله اور آٹھ جواب

۷۵۔ شبہات و ابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

”قُلْ لَّعَدُوا نِعْمَةً اللّٰهِ لَا تُحْصَوْنَ“ (آئل: ۱۸)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔ (کنز الایمان)

رسالہ علیہ المامول کے ص: ۳۶ پر ہے، ایسا اس لئے ہے کہ یہ عام خطاب ہے جو صراحت کا متقاضی ہے کہ اللہ عز و جل کی نعمتیں اس کثرت کو پہنچی ہوئی ہیں کہ مخلوق کا علم تفصیلی ان کا احاطہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ مخلوق کے لیے ان سب کو شمار کرنا آسان و سہل ہو۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ ان تمام افراد کو نہیں جانتے جو عالم میں موجود ہیں۔

اہول۔ اول۔ سورہ نحل میں اس آیت سے پہلے اسی کے متصل یہ ہے

”أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ“ (آئل: ۱۷)

تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو سبیلے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔ (کنز الایمان)

اور اس کے بعد سورہ ابراہیم میں اسی کے مثل ہے ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقَلْبُومٌ غَفَّارٌ“ (ابراہیم: ۳۳) بیشک آدمی بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔ (کنز الایمان)

ان دونوں خطاب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر محمول کرنے کی کس میں جرأت و ہمت ہے؟ کیا کوئی صاحب ایمان حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان

خطاب کا مخاطب و مصداق قرار دے گا؟

۷۶۔ ضابطہ: امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجوہر کے باب ۳۲ میں فرماتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری مخلوق میں سب سے زیادہ شکر گزار ہیں، یہ اسی وقت ہوگا جبکہ تمام انعامات الہیہ کی معرفت و پہچان حاصل ہو۔

(الیواقیت والجوہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالۃ الخ)

۷۷۔ ضابطہ: جو کسی چیز کو تفصیل سے شمار کرے اسے اس کے ہر فرد اور اس کے تمام کرد و پیش کا لحاظ کرنا ہوگا اور کبھی برسوں کے گزرنے پر بھی یہ گنتی پوری نہیں ہوتی، عموماً نہیں کرتی تو اس کے لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے اور اس کا شمار نہ کر سکتا یہ اس شئی کے عدم علم پر دلیل نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان کا علم احاطہ کر سکتا ہے مگر ان کی کثرت اور ان کے منتشر ہونے کی بنیاد پر انہیں شمار نہیں کر سکتا۔

اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ آسمان میں بادل نہ ہوں اور نہ چاند ہو اس وقت ستاروں کو دیکھا جائے جبکہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی روشن و چمکدار ہو جائیں اور ان کی روشنی سے آسمان جگمگا اٹھے، اسی طرح کسی وسیع ہموار ریگستان کے کنارے پر آدمی کھڑا ہو تو ریت کے اوپر کے ذرے اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ستاروں یا ریت کے ذروں کو شمار کرنا چاہے تو ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔ یہاں پر استطاعت سے قدرت مراد ہے علم نہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کے لیے اپنی تجلی سے یکبارگی منکشف و آشکارا کر دے کہ ایک ایک ستارا اور ریت کا ایک ایک ذرہ دوسرے سے ممتاز و الگ ہو جائے تو اس کا انکار کسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اپنے اس خاص بندے کو ایک بار میں ہی ان سب کی تعداد بتا دے تو اس میں کیا حیرت و تعجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب رب عز و جل نے میرے مونڈھوں کے درمیان اپنا دست اقدس (جو اس کی شان کے لائق ہے) رکھا تو مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔ لہذا گنتی کی نفی کے باوجود عدد

وحدود و سب کا علم حضور کو حاصل ہے۔ (ترمذی ابواب التفسیر، احمد مرویات معاذ بن جبل)
 ۷۸۔ وابعد: بالفرض کسی کو شئی کی تعداد معلوم ہو اور وہ تفصیل سے اسے شمار نہ کر سکے تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس نے شمار کر لیا۔ اس وقت اس تعداد کے جاننے کی نفی ہوگی جو نعمت الہیہ کے مجموعہ کو عارض و لاحق ہے۔ ہم تمام ماکان و مایکون کے جس علم کی بحث میں ہیں اس تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ علم کلام کی کتابوں میں صراحت ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک عدد کا کوئی وجود نہیں ہے، اس کے لئے علم کلام کی کتابیں مقاصد، مواقف، طوابع اور ان کی شروح کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اور فلاسفہ کے نزدیک بھی عدد کا وجود صرف ذہن میں ہے، پھر جب وہ ذہن میں نہ ہو تو خارج میں بھی موجود نہ ہوگا۔ اور اللہ عز و جل کا علم حادث نہیں ہے وہ اس سے پاک و منزہ ہے۔

۷۹۔ خلاصہ: استدلال کی یہ جہالت جو اس میں راسخ ہو چکی ہے ختم نہیں ہوگی کہ ہر جملہ فعلیہ ہدائتہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ”لا تحصوها“ فرمایا کہ تم انہیں شمار نہیں کر سکتے کیا اس نے یہ فرمایا ہے کہ ”انہیں کبھی کوئی شمار نہیں کر سکے گا“ لہذا یہ شبہ بھی دیگر شبہات کے مثل اس طرح سے دور ہو جائے گا کہ یہ بات نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے کی ہے۔

۸۰۔ خلاصہ: یہ اچھا ہوا کہ استدلال نے یہ نہیں سنا کہ اللہ عز و جل نے اپنے بندے اور رسول جناب موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ فرمایا۔ ”ہے کُن تو انسی“ (اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) ورنہ وہ یہ حکم لگا دیتا کہ ”موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کریم کو کبھی نہیں دیکھ سکیں گے یہاں تک کہ جنت میں جانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب کا دیدار نہ ہوگا جبکہ جو ادر کریم کی یہ نعمت کبریٰ ہر کلمہ گو کے لیے عام و تام ہوگی۔ والحمد للہ

۸۱۔ خلاصہ: یہ بات بدیہی ہے کہ ”نعمۃ اللہ“ کی اضافت استغراق کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس پر منحصر و موقوف نہیں کہ وہ صرف یوم آخرت تک ہی ہوں گی بلکہ وہ ابد الابد تک زائل نہ ہوں گی۔ انہیں عداومت و ہیبت کی حاصل ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ
دوزخیوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا کیونکہ اگر وہ دوزخیوں کو آگ سے زیادہ سخت
عذاب دینا چاہتا تو ضرور دیتا۔ (شعب الایمان، تعدید نعمۃ اللہ، حدیث: ۴۵۷۷)

قلت: یہ عذاب تو اہل دوزخ پر دائمی اور ابد تک ہمیشہ ہوگا لہذا دوزخی جس
عذاب میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ کا اس سے اور زیادہ سخت عذاب ان پر نہ کرنا ان پر اللہ کا
عظیم احسان ہے۔

۸۲۔ **خاصیت:** بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہر انسان پر ہر گھڑی ہر لمحہ غیر متناہی بافضل
نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ فاضل مفتی ابوالسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”ارشاد العقول“ میں
اس پر تنبیہ کی اور بہت ہی عمدہ رہنمائی فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ بات معلوم
ہے کہ امور وجود یہ کا وجود جس پر موقوف ہے وہ اس کے علل و شرائط ہیں۔ اور اگر ان کا
متناہی ہونا ضروری ہوتا تو وجود کے ضمن میں جو داخل ہے وہ بھی متناہی ہوتا، لیکن وہ امور
عدمیہ جن کا اس کے وجود میں دخل نہیں وہ ایسے نہیں ہیں، کیونکہ کسی ایک شئی کے لیے
غیر متناہی موانع کا ہونا محال نہیں ہاں ان موانع کا وجود کے ضمن میں ہونا محال ہے۔

لہذا آن وجود میں سے ہر آن میں خود ان کے اپنے وجود کے امکان کے باوجود
غیر متناہی موانع کا ارتقاع یعنی ان کا پردہ عدم میں باقی رہنا حقیقت غیر متناہی ہیں صرف
دعویٰ نہیں ہے، یہی حال اس کے علل قریبہ و بعیدہ اور اس کے شرائط قریبہ و بعیدہ کے
وجود میں ابتدا اور بقا دونوں کا ہے، یہی حال اس کے ان کمالات میں ہے جو اس کے
وجود کے تابع ہیں۔ لہذا واضح و آشکارا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ہر لمحہ مختلف وجوہ سے غیر متناہی نعمتوں کا فیضان فرماتا ہے
سبحانک و سبحانک ما اعظم سلطانک۔

(ارشاد العقول السليم، قاضی ابوسعود، سورۃ ابراہیم)

یہ عجیب و محبوب اور پیارا کلام ہے جس سے عقلمند مومن کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

آیت کریمہ ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ“

اور چار جواب

۸۳۔ شبہات و ہابیہ میں سے یہ آیت بھی ہے

”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ“ (یس: ۶۹)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔ (کنز الایمان)
رسالہ عالیہ المامول کے ص: ۵۲ پر ہے یہ آیت کریمہ اپنے عموم الفاظ کے سبب سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر سے آگاہی نہ تھی حالانکہ علم شعر اولین و آخرین کے علوم میں سے ہے جو علوم قرآن میں داخل ہے۔
اقبول۔ اولاً:- جسے عقل سلیم ہے وہ جانتا ہے (یعنی وہ شخص عقل والا نہیں جو صرف عقل کا مجموعہ ہے) کہ یہاں پر شعر گوئی سے مراد ملکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو شعر بتانے پر قدرت نہ دی، اسی پر ابو داؤد و طبرانی اور بیہقی کی حدیث دلالت کرتی ہے جو عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس سے بے پرواہ نہیں ہوں کہ میں تریاق (وہ دوا جو نافع زہر ہو) پیوں یا جاہلیت کا تعویذ لکھاؤں یا اپنی طرف سے خود شعر کہوں۔
(ابو داؤد، کتاب الطب۔ سنن بیہقی، باب ما جاء فی اکل التریاق)
اور یہ کہ علم کی اضافت و نسبت جب کسی صنعت و فن کی طرف ہو تو اس سے ملکہ راخہ مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں تیر اندازی جانتا ہے، فلاں تیرنا جانتا ہے،

فلاں گھوڑ سواری جانتا ہے، فلاں کتابت کا علم رکھتا ہے، فلاں روٹی وغیرہ پکانا جانتا ہے وغیرہ، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کی تعریف کو جانتا ہے یا ان کے مفاہیم و مطالب کا تصور کر سکتا ہے۔ یا اس نے دوسرے کو تیر پھینکتے ہوئے، تیرتے ہوئے، گھوڑ سواری کرتے ہوئے، کتابت کرتے ہوئے یا روٹی پکاتے ہوئے دیکھا تو ان اوصاف سے متصف ہونے کا حال اس پر منکشف و واضح ہو گیا حالانکہ یہ دونوں طرف سے علم کی فرع ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے وہ ملکہ حاصل ہو جس سے وہ درست و صحیح تیر اندازی کر سکے وغیرہ وغیرہ۔

نسائی جابر بن عبد اللہ اور جابر بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسند حسن راوی حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر اللہ میں داخل نہیں وہ لہو و لعب ہے مگر چار کھیل جائز ہیں (۱) آدمی کا اپنی بیوی سے ملاعت کرنا (۲) گھوڑ سواری کرنا (۳) آدمی کا دونٹاؤں کے درمیان دوڑنا (۴) پانی میں پیرنا سیکھنا۔

(کنز العمال، کتاب اللغو واللعب، حدیث ۴۰۶۱۲)

بیہقی شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کو پیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ اور عورتوں کو روٹی کا تنے کی تعلیم دو۔ (شعب الایمان، حقوق الاولاد، حدیث ۸۶۶۳)

ابن مندہ معرفۃ الصحابہ میں، ابو موسیٰ مدنی کتاب الذیل میں اور دیلمی مسند الفردوس میں بکر بن عبد اللہ بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کو پیرنا اور تیر پھینکنا سکھاؤ۔

(کنز العمال - حدیث: ۴۵۳۳۳)

دیلمی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو تیر اندازی سکھاؤ کیونکہ یہ دشمن کے لیے ذلت و خواری کا سبب ہے۔ (مسند الفردوس، حدیث ۴۰۰۸)

ابوداؤد بسند حسن شفاء بہت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے شفا تو چیونٹیوں کا یہ منتر کیوں نہیں سیکھتی جس طرح تو نے کتابت سیکھی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرقی)

ان تمام احادیث میں جو سیکھنے کا حکم ہے اس سے مراد قدرت ہے علم نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ“ میں جوئی کی گئی ہے وہ ”عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلِمًا“ (الکہف: ۶۵) (اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ کنز الایمان) کے باب سے نہیں ہے بلکہ وہ اس قبیل سے ہے ”وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوبٍ لَّكُمْ لَتَحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ“ (الانبیاء: ۸۰) (اور ہم نے اسے تمہارا ایک پہنا دینا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آج سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔ کنز الایمان) اور مولیٰ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے ”وَالثَّالِثُ الْحَدِيدُ أَنْ أَعْمَلَ سِغْفَرًا وَقَدْ زُرِّي الشُّرُودَ“ (سبا: ۱۱) (اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔ کنز الایمان) اس آیت مبارکہ میں ”اعمل“ صیغہ امر ہے، امر کا بجا لانا واجب ہے، اقتال امر سے فعل واجب ہو جاتا ہے، فعل استطاعت کے بعد ہوتا ہے استطاعت ہی قدرت ہے۔ اور اگر علم صرف تصور کے معنی میں ہوتا تو لوہے کو نرم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور اس پر لباس و پہناوے سے حفاظت و احسان کا حکم مرتب نہ ہوتا۔

لہذا امام مثنیٰ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ“ سے مراد شعر کی صنعت و فن ہے اور یہی شعر گوئی کا آلہ ہے، لیکن لوگوں کے اقوال و اشعار کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفظ اور یاد ہو جانا حضور کے حق میں ممتنع و محال نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الصلوة، بیان اختلاف العلماء فی الزائغ)

حضور علیہ السلام کو شعر اور کتابت کی کامل معرفت تھی لیکن حضور شعر کہنے اور کتابت سے پاک و منزہ تھے

امام بغوی کتاب التہذیب میں، امام ابن حجر عسقلانی تخریج احادیث رافعی میں، شہاب خفاجی عنایۃ القاضی میں فرماتے ہیں، کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ خط جانتے اور لکھتے نہ تھے اور حضور عمدہ شعر گوئی جانتے اور کہتے نہیں تھے؟ صحیح یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر گوئی اور کتابت عمدہ انداز میں نہیں جانتے لیکن اچھے اور خراب شعر کے درمیان فرق و امتیاز کر لیتے تھے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی، العسکبوت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کالغات عرب اور اشعار عرب کو جانتا اور حضور کو ان کا یاد ہو جانا مشہور بات ہے۔

(شفا شریف۔ فصل من معجزات الباہرۃ)

نسیم الریاض میں ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعر نہیں کہتے نہ شعر پڑھتے تھے اور اگر کبھی شاذ و نادر کوئی شعر پڑھتے تو اکثر احوال میں ایسا ہوتا کہ اس کا وزن بگڑ جاتا، مگر جب عرب کے شعراء مفلقون (عجیب کلام کہنے والے شعراء) حضور کی مدحت سرائی کرتے اور حضور کے سامنے اپنا کلام پڑھتے تو حضور انہیں بغور سماعت فرماتے اور ان کے اشعار کو حضور کی طرح کوئی نہیں جانتا۔

نیز نسیم الریاض میں ہے، کتابت کے بعد شعر میں کامل مناسبت ہے کیونکہ حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعر و کتابت دونوں کو کامل طور پر جانتے تھے اور اس میں کسی قسم کا کوئی التباس و اشتباہ نہ ہوتا۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے علوم کی طرح شعر کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا امر مستون ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ شعر کی معرفت فرض کفایہ ہے یہاں تک کہ مولدین (نئے اور بعد کے شعراء) کے اشعار کی معرفت بھی فرض کفایہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے اسے ”منظومۃ المعانی والبیان“ کی شرح میں بیان فرمایا ہے۔ (نیم الریاض، خفاجی، فصل من معجزات الباہرۃ) پھر امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی معلومات کی انتہا یہ تھی کہ وہ نسب، گزرے ہوئے لوگوں کے احوال و اخبار اور شعر و بیان جانتے تھے اور یہ فن تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کے سمندر کا ایک نقطہ ہے۔ محمد دے دین کے لیے ہماری بیان کردہ چیزوں کے انکار کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔

(شفا شریف، فصل من معجزات الباہرۃ)

شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں کہ فن سے مراد وہ علم ہے جسے اہل عرب جانتے اور اس کا اہتمام کرتے تھے۔ (نیم الریاض، خفاجی، فصل من معجزات الباہرۃ) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ فن سے مراد علم کی وہ قسم ہے جو اپنی تمام شاخوں کو اپنے تمام اوقات و ازمان کے ساتھ شامل ہو۔ (شرح الشفا علی قاری، فصل من معجزات الباہرۃ)

۸۴۔ ثانیاً: اس سے یقینی طور پر سلب کلی مراد ہے سلب کلیہ مراد نہیں جو ہر شاعر کو حاصل ہے یہاں تک کہ جاہلیت کے بڑے شاعر امراء القیس کو بھی حاصل ہے، تو پھر یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت و افادیت کیونکر ہوگی؟ نیز اللہ عز و جل فرماتا ہے ”وما ینبغی لہ“ یعنی یہ حضور کی شان کے لائق نہیں بلکہ یہ حضور کے حق میں نقص و عیب ہے، اور یہ یقین سے معلوم ہے کہ نقص حضور سے بالکلیہ منافی ہے اور جو حضور کے لیے مناسب نہیں اسے حضور نے کبھی نہیں کیا، اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا مگر یہ کہ اس کا وزن ساقط ہو گیا،

یعنی حضور جب کوئی شعر پڑھتے تو وہ بے وزن ہو کر بگڑ جاتا۔

عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی شعر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور کے نزدیک سب سے مبعوض و ناپسندیدہ بات شعر گوئی تھی مگر یہ کہ بنو قیس کا کوئی مصرع پڑھتے تو اس کے آخر کو اول اور اس کے اول کو آخر کر دیتے تھے اور ایک بار پڑھنے لگے۔

و یأتیک من لم تزود بالآخبار

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یہ مصرع اس طرح نہیں بلکہ یوں

ہے۔

ستبدی لك الايام ما كنت جاهلا و یأتیک بالآخبار من لم تزود

جسے تم نہیں جانتے ہو گردش ایام اسے تمہارے لئے ظاہر کر دے گی اور تمہارے پاس اس کی خبریں آئیں گی جسے تم نے کوئی سامان دے کر بھیجا بھی نہ تھا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خدا کی بیشک میں نہ شاعر ہوں نہ شاعری میرے لئے مناسب و موزوں ہے۔

(جامع القرآن، طبری۔ سورۃ نیس آیت و ما علمناہ الشعر الا یہ)

ابن سعد طبقات میں، ابن ابی حاتم کتاب التفسیر میں اور مرزبانی معجم الشعراء میں حسن سے راوی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام یہ مصرع پڑھتے تھے۔ ع

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناہیا۔

اس کا پورا شعر یہ ہے

ودع سلیمی ان تجهزت غادیا کفی الشیب والاسلام للمرء ناہیا

سلیمی کو رہنے دو اس نے صبح کا سامان تیار کر لیا۔ آدمی کو روکنے لیے بڑھاپا اور

اسلام کافی ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ عزوجل نے آپ کو علم شعر عطا نہیں فرمایا اور نہ وہ آپ کے لیے مناسب ہے۔
(طبقات ابن سعد۔ ذکر من محاسن اخلاق)

ابن سعد عبد الرحمن بن زناد سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عباس بن مرداس سے فرمایا بتاؤ کیا تمہارا قول یہی ہے؟

اصبح نہی و نہب العید بین الاقصرع و عینہ

میرے اور غلاموں کے لوٹ کا سامان اقصرع اور عینہ کے درمیان تقسیم ہو گیا
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ نہ شاعر ہیں نہ شعر بیان کرنے والے اور نہ آپ کے لیے یہ بہتر ہے شاعر نے یوں کہا ہے۔

بین عینہ و الاقصرع (طبقات ابن سعد۔ ترجمۃ العباس بن مرداس)
بیہمتی سنن میں اور خطیب تاریخ میں راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی شعر پڑھا تو دونوں مصرعوں کو جمع نہیں فرمایا بلکہ صرف ایک مصرع پڑھا

تغاءل بما تھوی بکن فلقلما یقال لشیء کان الا تحقق
تم نے ذل لیا کہ جو بلندی تمہیں مطلوب ہے وہ مل جائے بہت کم کسی چیز کو ہونے کے لیے کہا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شعر میں ”تحققاً“ نہیں فرمایا تا کہ وہ ظاہر ہو کر شعر نہ ہو جائے۔
(تاریخ خطیب بغدادی ترجمہ ۵۳۲۳)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت سارے اشعار کا سننا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت و وارد ہے، جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود منبر رکھتے اس پر کھڑے ہو کر وہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تنازع اور مدافعت کرتے تھے۔ (جیسا کہ جامع صحیح میں ہے) (ترمذی ابواب الادب باب ما جاء فی انشاء الشعر)

اور دیگر شعراء صحابہ کرام میں یہ حضرات ہیں، عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن مالک صاحب توبہ، لبید بن ربیعہ، علی مرتضیٰ، عباس بن عبد المطلب، بلال جب وہ مکہ کے مشتاق تھے، کعب بن زہیر صاحب قصیدہ بابت سعاد، کعب کے بھائی بحیر، عباس بن مرداس، اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، مالک بن نمط، براء بن مالک، انخی انس، ابجہ، بحیر بن بجرہ طائی قصہ اکیدر میں، کلیب بن اسد حضرمی، اسود بن سرلیح، سواد بن قارب، ائشی مازنی، علاء بن یزید حضرمی، عامر بن اکوع، خفاف بن نعلہ، بکر اسدی، عمر بن سالم، زہیر بن صرد حشمی، اسود بن مسعود ثقفی، مالک بن عوف، وہ اعرابی جس نے بارش طلب کی، وہ بوڑھا جس نے اپنے بیٹے کی شکایت کی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے سے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا، ربيع کی شادی میں چھوٹی لڑکیاں، انصار کی عورتیں، بنی النجار کی لڑکیاں۔

غیر صحابہ میں یہ حضرات ہیں، عسکوان بن عوا کر (دوسری جگہ عواکن ہے) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابوطالب، امیہ بن ابی الصامت، ثرید بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش پر ایک ہوا شعار سنائے اور ابوالکبیر ہذلی کے اشعار ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنائے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جتنے اشعار سماعت فرمائے اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہو جائے۔ لہذا یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقدس بعض شعر کو محیط ہے اور یہ آیت کریمہ ”وما علمناہ الشعر“ کے منافی و معارض نہیں ہے لہذا تمام شعر سے علم اقدس کے احاطہ کی نفی ممکن نہیں کہ شعر کا کوئی مصرع اور اولین و آخرین، جن و انس اور پوری مخلوق کے کلام کا کوئی حصہ نہ چھوٹے۔ کیونکہ جس کا احباب جزئی، سلب کلی کے منقض نہیں اس کے ایجاب کلی کی نفی

محال ہے۔ لہذا واضح و آشکارا ہو گیا کہ اس آیت مقدسہ سے عموماً قرآن کا رو کرنا ایک طرح سے ہذیان و خرافات ہے بلکہ قرآن عظیم میں رائے زنی کے مترادف اور اہل طغیان کی طرح بعض کو بعض سے مارنا ہے۔

۸۵۔ **قالہ عجائب میں سے وہ دیز پر وہ ہے جو مستدل کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے جو گمراہ کرنے والے کی دماغی بیماری سے پیدا ہوا ہے، اس نے مدارج النبوة کے حوالے سے استناد کے طور پر شیخ محقق دہلوی کا کلام پیش کیا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض علوم کی تفصیل ہیں، اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ اہل عرب کے علم و معلومات کی انتہا یہ تھی کہ وہ نسب، ماضی کی خبریں، اور شعر و بیان جانتے تھے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں کہ یہ فن حضور کے بحر علم کا ایک قطرہ اور حضور کی کتاب فضل و کمال کا ایک نقطہ ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (یہ قاری کا عربی ترجمہ ہے) (مدارج النبوة مؤصل در جامع جمیع کمالات) اور یہ تمہیں معلوم ہے تم نے دیکھا کہ یہ امام قاضی عیاض کے کلام سے ماخوذ ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے، پھر مستدل نے وہی ذکر کیا جو بیان کیا جا چکا ہے اور اسی کو لیا جو آگے پیچھے بیان ہو چکا ہے۔**

ص: ۱۱۹ پر ہے، سوال۔ شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو علم شعر حاصل ہے، حالانکہ یہ گزرے ہوئے بیان کے خلاف و برعکس ہے۔ جواب۔ شعر جس موزوں کلام کا نام ہے وہ دو طرح ہے۔ شعر حکمت۔ شعر غولیۃ۔ غولیۃ۔ وہ خیالی اشعار جن کی کوئی انتہا نہیں وہ صرف نفس و طبیعت کے انبساط و انقباض کے لیے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی کی مذمت کی ہے اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نے یہی شاعری نہیں سکھائی اور فرمایا ”وما ینبغی لہ“ اور یہ حضور کے لیے مناسب نہیں یعنی یہی دوسری قسم کی شاعری جسے غولیۃ کہتے ہیں حضور کے لیے بہتر نہیں ماسبق میں یہی مراد ہے۔ حضور ایسی شاعری سے پاک و مبرا ہیں۔ پھر اس کی بنیاد و فن پر ہے۔

۱۔ ایک فن اس کے مادہ کی خصوصیت سے متعلق ہے

۲۔ دوسرا فن اس کی مطلق صورت سے متعلق ہے

اور فرد ثانی کی قباحت فن اول سے ہے فن ثانی سے نہیں، کیونکہ فن ثانی فرد اول کی صورت سے بھی متعلق ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ قباحت حقیقہ فرد ثانی کے مادہ کی فعلیت سے متحقق ہوتی ہے۔ اور فن اول قواعد کلیہ ہونے کے سبب سے فرد ثانی کا مادہ اس سے قوۃ سے فعل کے قریب ہے جس سے قباحت حقیقیہ، حقیقہ و بالذات سلب و جدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر فن ثانی بلکہ فن اول بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بحر علم کا ایک قطرہ اور حضور کی کتاب فضل و شرف کا ایک نقطہ ہو تو اصلاً کوئی قباحت لازم نہ آئے گی۔ کیونکہ قاعدہ وہ طریقہ ہے جو مطلوب جزئی تک پہنچا دے مگر وہ مفید یا موجب نہیں، بلکہ مفید موجب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا دونوں کے درمیان مختلف یقینی ہوگا۔ پھر جب ماضی کا حال متعین ہو جائے کہ فرد ثانی کا شعر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں، اور شیخ محقق کا کلام حضور کے لیے دونوں فن کے حصول پر دلالت کرے تو دونوں کے درمیان بالکل تخالف نہ ہوگا۔ فافہم و اغتتم۔

افہول۔ کاش مستدل کو علم بمعنی انجلا اور علم بمعنی ملکہ کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کی سمجھ و ہدایت ملتی تو وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعض موجودات کی نفی نہیں کرتا اور وہ شیخ محقق کے کلام کے پاس نہیں پہنچتا جو اس کے زعم باطل پر قاضی و فیصل ہے اور اسے دونوں قسموں سے اس کے فرق کی رفوگری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور جب اس سے حق و راستی کھو گئی اور شیخ محقق کے کلام نے راستہ بنا لیا تو وہ گھبراہٹ سے بے چین و مضطرب ہو گیا اور اسے کوئی جائے پناہ نہ ملی تو بوڑھے جانور پر سوار ہونے پر مجبور ہو گیا نیز وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس شعر کی نفی کی گئی وہ قبیح و مذہوم شعر ہے اور ”وما علمناہ الشعر“ سے یہی مراد ہے لیکن شعر حسن کے صوری و مادی دونوں فن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

اور مستدل نے جہاں حق و دور سے فرق کو کھودیا تو اس نے سمجھا کہ شعر کہنے کے

لیے اس علم کا حصول، قوت قریبہ کا حصول ہے۔ اور جسے فن شعر کے دونوں جز، حاصل ہوں اس سے اسے جدا نہ کیا۔ لہذا حسن و قبح کو دیکھتے ہوئے وہ قوت مختلف نہیں ہوگی، کیونکہ قواعد کلیات ہیں جو تمام جزیات پر برابر و یکساں صادق آتے ہیں۔ اور وہ اس بات کے اعتراف و اقرار پر مجبور ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر غولیہ بھی حاصل ہے جو قوت سے فعل کے قریب ہے، اب علم کے دونوں معنی (انجلا اور ملکہ) مکمل و تام ہو گئے اور اس کے ہاتھ میں صرف یہ باقی رہا کہ شعر کا خروج امکان قوت سے فعلیت کے میدان کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں فرق ہے، اور اسے مستدل نے مشیت الہیہ پر منحصر کر دیا ہے اور اس کی محنت و کوشش اس پر ٹھہر گئی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کا مادہ اور اس کی صورت حاصل ہے اور اس کی دونوں قسمیں ہدایت و غوایت بھی حاصل ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معصوم ہونے کے سبب سے قبح و مذموم شعر کہنے سے محفوظ رکھا ہے۔ اور یہاں پر اس کا ادھیڑ ٹا مکمل و پورا ہو گیا جو اس نے بنا تھا اور ہزل و بیہودگی سے اس کی محنت تباہ و منہدم ہو گئی، کیونکہ قوت سے فعل کی طرف نکلنا کسی چیز کا کوئی علم نہیں بلکہ فعل سے نکلنا علم ہے لہذا اس سے علم کی نفی پر احتجاج و استدلال کرنا جہالت و لاعلمی کی انتہا ہے۔

۸۶۔ دابعاً:- جب مستدل نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شعر کے دونوں معنی کے اعتبار سے علم شعر ثابت کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ“ ہم نے انہیں شعر گوئی کا علم نہیں دیا، تو تکذیب قرآن کے لزوم سے اسے کوئی ہٹا نہیں سکتا مگر اسے اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ آیت مقدسہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم شعر کی نفی کے لیے نہیں بلکہ کتاب اکرم کی شعریت اور اس کے شعر ہونے کی نفی کے لیے ہے جیسا کہ اس کے بعد اللہ فرماتا ہے

”إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ“ (یس ۶۹)

وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔ (کنز الایمان)

مُشہر و

آیہ کریمہ ”وما علمناہ الشعر“

کے نفیس و عمدہ معنی پر

اگر اولیاء کا کلام پسند ہو تو سنو امام شعرانی قدس سرہ الربانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات کے باب دوم میں زیر آیہ کریمہ ”وما علمناہ الشعر وما ينبغي له“ فرمایا کہ شعر، کمال اجمال ہے، اس میں معنی اور پہلو دار بات ہوتی ہے، رمز و کنایہ اور توریہ کا استعمال ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اشارہ کنایہ سے بات نہیں کی، نہ پہلو دار بات کہی، نہ ایسی چیز سے خطاب کیا جو میری مراد نہ تھی اور نہ ایسا مجمل خطاب کیا جو سمجھ میں نہ آئے۔ شیخ ابن عربی نے اس پر طویل کلام فرمایا ہے۔

(الکبریت الاحمر، امام شعرانی، فی المقدمة)

جو بھی ہو مستدل کو اعتراف و اقرار کے سوا چارہ نہیں، کہ آیت مقدسہ میں وہ بات نہیں جس میں اختلاف ہے یہ وہ بات ہے جس کا تعلق جواب سے ہے، اور جس کا مستدل نے ارتکاب کیا وہ صواب و درستگی کی ضد ہے، جس سے عقلمندوں پر کوئی خوف نہیں، اور ہم اطناب یا طوالت کے خوف سے بعض کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

فاقول - اول :- عرف و اصطلاح میں، بالقصد کلام کو موزوں کرنے کا نام

شعر ہے۔ اس میں کلام ہے۔ اسی سے اس کی تفسیر کی گئی ہے اگرچہ وہ مکمل نہیں،

marfat.com

Marfat.com

مقدمات شعر یہ سے نہ اس کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ مذموم شعر کی۔ مقدمات شعر یہ، منطق کے صناعات خمسہ میں سے ایک ہے۔ اور منطق میں جو مختصات مذکور ہیں وہ موزوں کلام سے مختص نہیں شعر کے علاوہ دوسرے کلام میں بھی منطقی مختصات موجود ہیں، منطقیوں نے شہد کی مثال کڑواہٹ سے اور شراب کی مثال یا قوتیت سے دی ہے اور استدلال نے دونوں اصطلاحات کے درمیان خلط ملط کر دیا ہے۔

ثانی۔ ہر منطقی شعر، مذموم نہیں، ہر مذموم شعر، منطقی شعر نہیں، اس کی تعبیر بعینہ ایسی ہے جیسے حیوان کی تفسیر ابیض سے۔ یعنی ہر حیوان ابیض نہیں اور ہر ابیض حیوان نہیں جیسے برف اور ہاتھی دانت، بلکہ بعض حیوان ابیض اور بعض ابیض حیوان ہے جیسے بلخ۔ اسی طرح بعض منطقی شعر مذموم ہے اور بعض مذموم شعر منطقی نہیں۔

ثالث۔ کسی نسبت کا تصور یا کسی حکایت کی تصویر اور قبض وسط کا قصد، ان میں کوئی ایسی شئی نہیں جس سے مطلقاً غلوۃ ثابت ہو۔ اس سلسلے میں تمہارے لئے قصیدہ بانس سعاد کی تشبیہ کافی ہے جسے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں پڑھا۔ اور کسی خاص مقام محل یا کسی خارجی امور کے سبب سے ذم و برائی طاری ہونے سے شئی فی نفسہ مذموم دبریں نہیں ہوگی۔

رابع۔ یہاں پر تین چیزیں ہیں۔

۱۔ وزن

۲۔ مخیل

۳۔ سامع کے نفس و قلب میں قبض وسط کی تاثیر کا قصد

یہ بات قطع و یقین سے معلوم ہے کہ غلوۃ، صرف وزن ہی پر موقوف نہیں ورنہ کفار و مشرکین کے کلام منشور سے کوئی چیز غلوۃ نہ ہوتی۔ اور اس معتذر نے اقرار و اعتراف کیا کہ غلوۃ کی قباحت مادہ کے سبب سے ہے صورت کے سبب سے نہیں کیونکہ

اشعراء کی اصطلاح میں قصیدے کے اوائل اشعار میں ہاشقانہ مضامین اظہم کرنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ ۱۲ مترجم

marfat.com

صورت، ہدایت کے شعر میں بھی ہوتی ہے۔ اب صرف دو چیزیں باقی رہیں۔
لہذا تخیل سے مراد یا تو بغیر محکی عنہ کی حکایات یعنی خاص طور سے قضایائے کاذبہ
مراد ہیں۔

یا عام حکایات و قضایا مراد ہیں کیونکہ قضایائے تخیلہ کبھی صادق ہوتے ہیں۔ جیسا
کہ قاضی بیضاوی نے طوابع الانوار میں اور قطب شیرازی نے درۃ التاج میں بیان
فرمایا ہے اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے دوسری کتابوں میں بھی بیان کیا ہے۔
پہلا یعنی بغیر محکی عنہ کی حکایت قطعاً باطل ہے ورنہ وہ غولیہ سے نکل جاتا اور
حکمت و ہدایت میں وہ شعر داخل ہو جاتا جس سے طعنہ زنی کرنے والے فحش گو،
مسلمان مردوں اور مسلمہ عورتوں کے خفیہ و مستور عیوب کو بغیر کسی مصلحت شرعیہ کے
کھولتے ہیں حالانکہ یہ قطعاً حرام و ناجائز ہے، شرعی نقطہ نظر سے کبیرہ گناہوں میں
ضمیت ہے اور عرف و اصطلاح کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر رذالت و کمینگی ہے،
لہذا اسے حکمت و ہدایت قرار نہیں دے گا ورنہ جو سفاہت و غواہت میں ڈوبا ہوا ہو۔

”وہ تخیلات جو صرف نفس کی فرحت و سرور اور اس کے انقباض کے لیے ہوتے
ہیں جن کی کوئی غایت نہیں“ سے مراد یا تو مطلقاً اس میں غایۃ کا حصر ہے اس طور سے کہ
وہ تاثر ہی مقصود بالذات ہے نہ دوسری شئی کے ساتھ اور نہ کسی ایسی شئی کے ساتھ جو اس
پر مرتب ہو، یا وہ غایۃ قریبہ مراد ہے جو دوسری غایۃ مقصودہ کی طرف پہنچا دیتی ہے۔

پہلا یعنی غایۃ کا حصر قطعاً باطل ہے ورنہ ظالموں، فاسقوں اور کافروں کی
تعریفات و مدائح نہ ہوتے جن سے بڑی گراں قیمت وصول کی جاتی ہے، جن کے
لئے رب تعالیٰ غضب و غیظ فرماتا اور ان کی غواہت سے عرش الہی ہل جاتا ہے جبکہ ان
مدائح سے مالی منفعت مقصود ہو، اور گمراہ امراء کے دربار میں قربت و نزدیکی حاصل ہو،
جیسا کہ قدیم و جدید مداحوں کی عادت ہے جن کے چہروں پر خاک ڈالنے کا حکم ہوا
ہے۔ بلکہ وہ غولیہ سے نکل جاتا اور حکمت و ہدایت میں داخل ہو جاتا جو مشرکین نے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سب و شتم اور غیظ و غضب سے تشفی کے قصد و ارادہ سے ہجو و برائی کی ہے۔ صرف انبساط نفس و انقباض نفس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا خالص قصد نہ تھا۔

بلکہ اگر تم انصاف سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ محال کے مثل ہے کیونکہ شاعر تو شاعر ہوتا ہے وہ کوئی پاگل و دیوانہ نہیں ہوتا، اور جسے ذرا بھی شعور و ادراک ہو وہ اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کو انتفاع مقصود نہ ہو اور اس میں اس کو کسی فائدہ کی امید و آرزو نہ ہو اگرچہ اس صنعت و فن میں اپنے کمال ہنر کا اظہار ہی مقصود ہو یا کم از کم دل کی گہرائیوں سے لہو و لعب ہی کا قصد ہو۔

لہذا اس سے ظاہر و واضح ہو گیا کہ متدل کے نزدیک غواہی کی بنیاد خیالی قضایا لانے پر ہے جن میں اشیاء کے وصف میں مبالغہ آرائی کی جاتی ہے جس سے نفوس میں فرحت و سرور اور انقباض پیدا ہوتا ہے، یہ بہل و آسانیوں کے لیے ہوتا ہے یا ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے۔ اسی طرح تعظیم و تحقیر اور شوق یا نفرت دلانے کے لیے ہوتا ہے خواہ وہ قضا یا صادق ہوں یا نہ ہوں، وہ عروضی اوزان سے موزوں ہوں یا نہ ہوں اور ان سے مقاصد حسنہ مقصود ہوں یا کوئی اور، میری زندگی کی قسم جب تو منطقی معنی درست و صحیح ہو جائے گا کیونکہ منطقیوں کے نزدیک ان صناعات خمسہ سے یہی مراد ہے، جیسا کہ درۃ التاج وغیرہ میں ہے۔ لیکن یہ اس کی ایمانی خطا ہوگی اور وہ قرآن کو باطل ٹھہرانے والا ہوگا کیونکہ قرآن عظیم کے مقاصد جلیلہ میں سے جنت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کے شدائد و عذاب، قیامت اور اس کے خوف و دہشت کا بلیغ و معجز وجہ سے وصف کرنا ہے جو سامع کے نزدیک محسوسات کو مرنی کے مثل کر دیتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے قیامت کے دن کو آنکھوں سے دیکھنے کی طرح دیکھنا پسند ہو وہ سورہ "اذا الشمس کورت اور اذا السماء

انشقت کو پڑھ لے۔

اس حدیث کو احمد و ترمذی اور ابن منذر و حاکم نے باقائدہ تصحیح اور ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (ترمذی باب الفیہ، مسند احمد، مردیات ابن عمر) قرآن کریم کو شعر قرار دے دینے کے بعد احادیث ترغیب و ترہیب کا کیا حساب و شمار ہوگا، نہ صرف شعر بلکہ شعرا غولیہ قرار دیا اس سے زیادہ خبیث اور کون سا کفر ہوگا؟ یہ اس کا بدلہ ہے جو مستدل نے اپنی اس کتاب میں اولیاء وائمہ پر الحاد و زندقہ کی تہمت لگائی ہے۔

۱۔ تمہیں معلوم ہو چکا کہ منطقی شعروہ نہیں جو عرفی اور مخالطات کے سوا صناعات خسہ کا شعر ہے جن کے لیے شریعت وارد ہوئی ہے لہذا ان صناعات میں سے کسی ایک صنعت کو ایسے لفظ سے موسوم کرنا مناسب نہیں جس سے یہ عذر کرنے والا منطقی، غلط، شنیع اور بد بختی جیسی خرابیوں میں پڑ جائے گا۔ ان کے اس نام رکھنے کی نظیر وہی ہے جیسے ہر موجود قائم بالذات کا ان کا جو ہر نام رکھنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود قائم ہے اور وہ اپنے دشمن کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض۔ تو نام رکھنے ہی میں ان سے گرفت مواخذہ کرنا ہے مگر جو شریعت و منطق دونوں کو نہیں جانتا تو وہ ایک صنعت کو غولیہ قرار دے گا جس کے لئے شرع وارد ہے۔ لہذا وہ یہی ہے جس نے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر کلمہ غولیہ ثابت و صادق ہو گیا۔ نسال اللہ العفو والعافیۃ۔ ۱۲۰

دوسری ذلت و خواری کڑی مصیبت

اور بڑی کڑوی

دیکھو رسالہ کا ص: ۱۲۲، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منع سہو کے مسئلے میں ان کا قول، انہوں نے یہ تہمت لگائی ہے کہ لوگوں کی تعلیم اور بیان جواز کے لیے سہو کی صورت تھی، یہ زندقہ اور الحاد و بیدینی ہے۔ اور ان کا یہ قول دیکھو کہ، اس کا التزام نہیں کرے گا مگر وہ جو غبیث و اخبث یا زندیق ہے۔ حالانکہ اہل سنت میں سے امام ابن الہمام کا قول مسایرہ میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سہو کا اطلاق منع ہے اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ حدیث ذوالیدین میں حضور کا سلام پھیر دینا قصدا تھا اور یہ حضور کے لیے جائز و مباح ہے تاکہ لوگوں کے لئے سہو کا حکم بیان فرما دیں، اور صحیح یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال میں سہو جائز ہے۔

(المسامرة بہامش المسامرة، امام ابن ہمام، مفہوم الایمان)

اور مسامرہ میں علامہ ابن ابی شریف کا قول یہ ہے کہ اسی پر، کثر علماء ہیں، جماعت متصوفہ کا اختلاف ہے اور متکلمین کا ایک گروہ سہو، غفلات اور فترات سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں منع کرتا ہے۔

(المسامرة شرح المسامرة، ابن ابی شریف، مفہوم الایمان)

اور امام قاضی عیاض کا کلام اس سے پہلے گزر چکا ہے انہوں نے بھی یہی فرمایا ہے وہ محققین میں عظیم و جلیل امام ہیں، یہی جماعت متصوفہ، اصحاب علم اور اہل مقامات کا مذہب ہے، یہ ائمہ کرام اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ کو اختلافی قرار دیتے

اور اس کو یوں موسوم کرتے ہیں کہ یہ اکثر کا قول ہے اور اصح بھی ہے، ایسا نہیں کہ یہ اسلام ہے اور اس کے خلاف کفر اور اس کے مخالف کو اہل سنت اور محققین ائمہ میں سے امام عظیم اور اصحاب علم قلوب و صوفیہ میں سے سمجھتے ہیں۔ اس کے مثل اہل الحاد و زندقہ نہیں ہیں۔ اہل سنت کے ان متکلمین و محققین کو اس کا کافر قرار دینا قطعاً ثابت ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کو اس کا کافر قرار دینا ثابت ہے، اگر اولیاء کرام کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ان سے ان اکابر نے نقل کیا ہے۔ اور اگر ان کا مذہب وہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے تحریر کیا تو اس شخص نے ان ائمہ کی بھی تکفیر کی جنہوں نے ان سے یہ زندقہ نقل کیا اور اس کے باوجود امامت و سنیت اور اصحاب علم قلوب و اہل مقامات وغیرہ سے ان کی تعریف و توصیف کی۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

خامس :- جیسا کہ صورت نظمیہ مادہ حسنہ یا قبیحہ سے مختص نہیں اسی طرح مادہ قبیحہ صورت نظمیہ یا نثریہ سے مختص نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بیان میں ہر طرح کی برائی سے پاک و صاف ہیں۔ اور اگر فرمان باری تعالیٰ ”وما ینبغی لہ“ سے اس کلام کی طرف اشارہ ہو جس میں صرف غولیتہ ہے تو حضور سے شعر کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ ہوگی لیکن شعر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وما علمناہ الشعر“ اور بیان کے بارے میں فرماتا ہے ”خلق الانسان علمہ البیان“ (انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یكون کا بیان انہیں سکھایا) انسان اکمل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، ہر گز نہیں بلکہ حق و صواب یہ ہے کہ مطلقاً شعر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مناسب و موزوں نہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مطلقاً ارشاد فرمایا، لہذا اسے جو اپنی طرف سے مقید کرے تو اس نے نہ کلام اللہ کی عزت کی نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام و اکرام کیا۔

سادس :- آیت کریمہ کی یہ تفسیر اسلاف کرام سے ماثور و مروی نہیں بلکہ کسی خلف سے بھی منقول نہیں، نہ یہ نظم قرآن کا قصہ و قضیہ ہے، پس یہ بیمار رائے کی تفسیر

ہے اس پر دردناک عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے۔

سابع. احمد و نسائی، طبرانی و حاکم اور ابو نعیم راوی اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے رب تبارک و تعالیٰ کی حمد و مدح بیان کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب عزوجل تو مدح و ثنا کو پسند فرماتا ہے، لاؤ تم نے اپنے رب کی کیا مدح کی ہے، میں اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنانے لگا اتنے میں ایک لمبا آدمی آیا اور اجازت طلب کی (طبرانی کی روایت میں وہ لمبا آدمی تنگ نتھے اور درمیان سے بلند ناک والا تھا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے مجھے خاموش کر دیا۔ ابو سلمہ نے وہ کیفیت بیان کی جس طرح حضور نے ان کو چپ رہنے کو کہا تھا اور ابو سلمہ نے فرمایا کہ حضور نے ایسا کیا جیسا ملی سے کیا جاتا ہے، وہ شخص آیا اور تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد چلا گیا پھر میں مدح کے اشعار حضور کو سنانے لگا، وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پھر خاموش کر دیا، ابو سلمہ نے اس کی بھی کیفیت بیان کی، حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کون ہے جس کے لئے آپ نے مجھے چپ رہنے کے لئے فرمایا حضور نے فرمایا کہ یہ شخص باطل کو پسند نہیں کرتا ہے یہ عمر بن خطاب ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ طبرانی کی روایت میں ہے یہ عمر بن خطاب ہیں ان کے اندر باطل کی کوئی چیز نہیں ہے۔

(مسند احمد، مرویات اسود بن سریع، معجم کبیر طبرانی، حدیث ۸۴۴۰)

اقول: یہاں پر باطل کا اطلاق اگرچہ رخصت کے طور پر ہو گیا ہے جو عزیمت عظیمہ کے مقابل ہے جو خالص مجاہدہ کبریٰ والوں کے حال کے مناسب ہے مجاہدہ کبریٰ والوں کے سردار عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں لیکن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیان کیا وہ صورت کے لحاظ سے بیان کیا ہے کیونکہ یہاں پر مادہ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا ہے۔

ثامن: ہاں صنعت و فن کا اطلاق قوتِ قریبہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ نہ کرے لہذا سانح و فارس یعنی تیرنے والا اور گھوڑ سواری کرنے والا وہ ہے جو عمدہ تیرنا اور عمدہ انداز میں گھوڑ سواری کر سکتا ہو اگرچہ نہ تیرے اور سوار نہ ہو اور فن شعر اسی پر موقوف نہیں جو کمزور بات، محض ترنم اور بیہودگی پر مشتمل ہو۔ کیا حسان بن ثابت کا حال معلوم نہیں جن کے ساتھ روح القدس علیہ السلام ہوتے تھے اور عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور انہیں کے مثل بارگاہ رسالت کے دیگر شعراء ہیں۔ لہذا اس معتذر مستدل نے اپنے زعم و گمان میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر جو حکم لگایا اس سے حضور کو شعراء میں داخل کر دینا ہے (اللہ تعالیٰ نے اس سے حضور کو پاک فرمایا ہے) زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی انہیں شعراء بارگاہ رسالت کی طرح نیک اور صالح شعراء میں سے ہوں گے۔ یہ تو قرآن عظیم کے صریح منافی و معارض ہے۔

قاسع: بلکہ جب مستدل نے برے اور ممنوع شعر کو شعرِ غولیہ سے خاص کر دیا تو اس نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اشعارِ حسنہ اور قصائدِ حکیمہ مستحسنہ کو جائز قرار دیا، یہ تو خرقِ اجماع ہے۔

عاشر: بلکہ اسے تو فعلیت لازم ہے یعنی یہ کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشعار پڑھے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) وہ یوں کہ مستدل نے شعر کی تعریف کلامِ موزوں سے کی اور قصد کی قید سے غافل ہو گیا۔ اس تعریف پر یہ لازم آئے گا کہ متکلم سے جو کلام موزوں صادر ہو وہ شعر ہو جائے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو ایسا بارہا صادر ہوا، جیسے حضور کا فرمان

انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

جیسا کہ صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(بخاری، کتاب الجہاد باب من قاد ولہ الخ۔ مسلم کتاب الجہاد باب غزوة خین)

وزن عروضی پر تین چہل احادیث کا بیان

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هل انت الا اصبع دعبت وفي سبيل الله ما لقيت

یعنی تو تو ایک زخمی انگلی ہے، اللہ کی راہ میں تم کو جو ملا ہے

اسے بخاری و مسلم نے جندب بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(بخاری کتاب الجہاد، باب من یتکب او یطعن الخ)

حدیث: ابن سعد زہری سے روایت کرتے ہیں، مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هذا الحمال لا حمال خیر هذا ابر ربنا و اظهر

یہ مزدور خیر کے مزدور نہیں ہیں، اسے ہمارے رب نے قبول فرمایا اور پاک و
ستھرا کیا

یہ حدیث زباں زرد اور مشہور ہے۔ (ابن سعد طبقات کبریٰ باب ذکر بناء رسول اللہ الخ)

اقول: اور بعض دوسری احادیث بیت تام کی صورت پر بھی ہیں ان میں سے
چند احادیث یہ ہیں۔

حدیث:

اعتبروا الارض باسمائها واعتبروا اصحاب بالصاحب

زمین کے ناموں سے اس کا اعتبار کرو۔ آدمی کے مصاحب اور اس کے ساتھی
سے اس کا اعتبار کرو۔

اسے ابن عدی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (کنز العمال حدیث ۳۰۷۲۲)

بحر۔ سریع مطوی مکسوف صدر، مکسوف ضرب

وزن۔ مفتعلن مفتعلن فاعلن، دوبار

اسے عجم نے ایجاد کیا اور بکثرت استعمال کیا اور یہ عرب میں استعمال ہونے والی وجہ سے بہت زیادہ لذیذ و محبوب ہے۔

حدیث

طالب العلم طالب الرحمة طالب العلم رکن الاسلام

علم کا طلب گار رحمت کا طلب گار ہے، علم کا متلاشی اسلام کا رکن ہے۔

اسے دیلمی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (مسند الفردوس حدیث نمبر ۳۹۱۵)

بحر۔ خفیف مسدس مجزوء، عجم کے نزدیک، کیونکہ ان کے دائرہ میں مہمن،

حشو، مخبون عروض و ضرب مشعت محذوف ہیں ابتر نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے

۔ مثنویات عجم میں بکثرت مستعمل ہے۔

۱۔ سریع، مستعلن، مستعلن، مفعولات، دوبار، اس کے عروض چار ہیں ضربیں چھ، پہلا عروض

مطوی مکسوف۔ عروض، مصرع اول کا آخری رکن۔ ضرب، مصرع ثانی کا آخری رکن۔ کسف،

ساتویں متحرک کو ساقط کرنا جیسے مفعولات سے مفعولن۔ مصرع اول کو صدر، ثانی کو بحر کہتے ہیں۔ ۱۲

(معین العروض)۔ مترجم

۲۔ خفیف، فاعلاتن، مستعلن فاعلاتن، دوبار۔ اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں پانچ۔ مجزوء، جس

کے ہر مصرع کے اخیر سے ایک جزو حذف ہو۔ حشو، شروع اور آخر کے سلاوہ بقیہ اجزا۔ مخبون، دوسرے

ساکن کو حذف کرنا۔ تشعیث، فاعلاتن کو مفعولن بنا دینا۔ فاعلاتن کر کے یا فاعلاتن کر کے۔ حذف، جزو

کے اخیر سے سبب خفیف گرا دینا جیسے فاعلاتن سے فاعلن۔ ابتر، قطع مع الحذف یعنی قطع کے ساتھ

آخری سبب کو گرا دینا جیسے مفعولن سے فاعل۔ اشباع، دخول کی حرکت جیسے واو، جد اول کی حرکت۔ دخول،

(درج) وہ حرف متحرک جو تالیف اور روی کے درمیان قائل ہو۔ ۱۲ (معین العروض) مترجم

marfat.com

Marfat.com

وزن - فاعلاتن مفاعِلن فعلن، سکون عین کے ساتھ دو بار۔

لفظ اسلام میں درج اور اشباع ہے۔

حدیث - الطاهر النائم كالصائم القائم۔ (مسند الفردوس حدیث نمبر ۳۹۸۱)

باطہارت سونے والا صائم النہار اور قائم اللیل کے مثل ہے۔

ویلہی نے اے عمر بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بحر - یہ دونوں میم کے اشباع کے ساتھ بسیطہ سالم مربع ہے، اسے

متاخرین نے بیان کیا، اگرچہ متقدمین مشن کو مربع نہیں کرتے۔ سکا کی نے یہی کہا

ہے۔ دوسروں نے ان کی مخالفت کی اور جالبیت کا شعر بحر مد مشطور سے بیان کیا

ہے۔ اور ہم نے جو بسیط مشطور کہا وہ محمد بن حسن کا قول ہے

قد لحت بالونر فی عین ولفی اثر

میں بدلہ لینے میں ظاہر ہوں سامنے بھی اور پیچھے بھی۔

وزن - مستفعِلن فعلن، دو بار۔ اور اگر اشباع نہ ہو تو مقطوع العروض اور

مقطوع الضرب ہے۔ اس کا وزن مستفعِلن فعلن، دو بار، عین ساکن ہے اس میں قطع

جائز اور سائع ہے۔

حدیث - البر لا یبلی، والذنب لا ینسی (احمد کتاب الزہد، زہد ابی الدرداء)

نیکی پرانی نہیں ہوتی اور لٹاؤ بھلایا نہیں جاتا۔

۳ بسیط، مستفعِلن فعلن، چار بار۔ اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں چھ ہیں۔

سالم، وہ جز جس میں زحاف جائز ہو مگر بالفتل۔ ملامت رہ گیا ہو۔ مدید، فاعلاتن فعلن، چار بار،

یہ بحر جو باجزو ہے اس لئے استعمال میں صرف چھ رکن ہوتے ہیں۔ اس کے عروض تین ہیں اور

ضربیں چھ ہیں۔ مشطور، جس کا نصف ساقط ہو۔

مقطوع یا قطع، وہ مجموع کے ساکن کو گرا کر اس کے ماقبل کو ساکن کرنا جیسے فاعِلن سے فعلن۔

(معین، عروض) مترجم

امام احمد نے اسے کتاب الزہد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور عبدالرزاق نے اسے ابو قلابہ سے مرسل روایت کیا۔ اس کا بحر اور وزن معلوم ہو چکا۔

حدیث - اذا عملت مئیة، فاحدث عندھا توبة.

(احمد کتاب الزہد، زہد رسول اللہ الخ)

جب کوئی برا کام کرو تو اسی وقت توبہ کرو۔

اسے آئمہ نے کتاب الزہد میں اوپر طبرانی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور احمد نے کتاب الزہد میں عطاء بن یسار سے مرسل روایت کیا۔

بحر - وافر کے مجزوء، اس کا صدر معقول، اس کا عروض سالم، ابتدا اور ضرب دونوں معصوب ہیں۔

وزن - مفاعلتن مفاعلتن، مفاعیلین مفاعیلین۔

حدیث - الدنيا ملعونة ملعون ما فيها الا ذکر الله (ابن ماجہ ابواب الزہد)

دنیا ملعون ہے اور ذکر اللہ کے سوا دنیا میں جو چیز ہے وہ ملعون ہے۔

یہ حدیث مشہور ہے اسے ابن ماجہ و ترمذی اور کثیرا کثیرا حدیث نے ابو ہریرہ اور چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اسم جلالت کے باء کے اشباع کے ساتھ مثلث یعنی تین شطوروں والی ہے۔ پانچ بحر میں سے ایک ہے یا تو متدارک^۱ مخبون مسکن یا متقارب اثلث ہے۔ دونوں مجزوء

۱۔ وافر، مفاعلتن چھ بار، اس کے عروض دو ہیں اور ضربیں تین۔

معقول، پانچویں متحرک کو حذف کرنا جیسے مفاعلتن سے مفاعلتن۔

عصب یا معصوب، پانچویں متحرک کو ساکن کرنا جیسے مفاعلتن سے مفاعیلین۔ ۱۲

(معین العروض)۔ مترجم

۵۔ متدارک، فاعلتن آٹھ بار، اس کے دو عروض ہیں اور ضربیں چار۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی مسدس ہیں۔

وزن - سب کا وزن فعلن سکون عین کے ساتھ، چھ بار۔

یا دوسرے تین بحور ہیں ہر ایک مربع مسکن ہے۔

بحر ہزج اخر ب صدر و ابتداء۔ اس کی اصل مفعول مفاعیلین۔

رجز مطوی۔ اس کی اصل متعلین متعلین۔

رمل مخمون، اس کی اصل فعلا تین فعلا تین، حرکت عین کے ساتھ، اور اول میں میم

ساکن یا دونوں کے اخیر میں عین ساکن۔ ہر شطر میں مفعولن مفعولن۔

حدیث۔ قد اختبأت دعوتی، شفاعۃ لامتی۔ (مسند احمد، مرویات ابن عباس)

میں نے ایک دعا اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھی تھی۔

اسے احمد و ابو یعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ شفیع مشفع

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بحر - رجز مربع مخمون

وزن - مفاعیلین، چار بار۔

حدیث۔ نساء کاسیات، عاریات مائلات (مسلم کتاب الجنۃ، باب جہنم)

عورتیں کپڑوں میں ہوں گی، مائل ہونے والیاں نکلی ہوں گی۔

اسے احمد و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور سید عالم صلی

بقیہ: متقارب، فعولن، آٹھ بار اس کے دو عروض ہیں اور چھ ضربیں۔ اثلثم، فعولن میں کف کے

ساتھ خرم کر کے مفعول بنانا۔ ہزج، مفاعیلین چھ بار، یہ بحر و جوبا بحر و ہے تو استعمال میں صرف چار

بار مفاعیلین ہوگا اس کا عروض ایک ہے اور ضربیں دو۔ اخر ب، مفاعیلین میں کف کے ساتھ خرم

کر کے مشعول بنانا۔ ابتداء، ہر وہ جز و جواول بیت ہو اور اس میں ایسا تغیر ہو سکتا ہو جو اس کے حشو

میں جائز نہیں۔ رجز، مستفعلین چھ بار اس کے عروض چار ہیں اور ضربیں پانچ۔ مطوی۔ چوتھے

ساکن کو حذف کرنا جیسے مستفعلین سے متعلین۔

رمل، فعلا تین چھ بار اس کے عروض دو ہیں اور ضربیں چھ ہیں۔ ۱۲ (معین العروض)۔ مترجم

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

بحر - رمل مجز و مخبون صدر۔

وزن - فعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن فاعلاتن۔

حدیث - عقل اهل الذمة، نصف عقل المسلمين

(نسائی، کتاب البیوع، باب کم دیتہ الکافر)

ذی کی دیت، مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

نسائی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

بحر - تاء کے اشباع کے ساتھ، رمل

وزن - فاعلاتن فاعلن، فاعلاتن فاعلان۔

حدیث - ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیاء

(کنز العمال: حدیث نمبر ۲۲۴۲)

میرے وصال کے بعد میرا علم دنیاوی زندگی کے مثل ہے۔

ابوالقاسم اصہبانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تشبیہ بقاء علم میں ہے مقدار میں نہیں کیونکہ علم اقدس کی زیادتی ختم نہیں ہوگی۔

حدیث - صلوا علی موتا کم باللیل والنهار۔ (ابن ماجہ، کتاب الجنائز)

اپنے مردوں پر نماز پڑھو خواہ رات کو ہو یا دن کو۔

ابن ماجہ بسند حسن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

بحر - رجز مقطوع العروض مخلص الضرب

وزن - مستفعلن مفعولن مستفعلن مفعولن۔

حدیث - ویل للرجال من النساء، ویل للنساء من الرجال

عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کے لیے ویل و خرابی ہے، اور

مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر جہنم کی ویل۔ (مسندک، کتاب الاہوال)

ابن ماجہ اور حاکم بسند صحیح ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بحر - دونوں کے حرف آخر کے اشباع کے ساتھ، وافر اقسام ۱۰ صدر، معصوب الابداء، مقطوف العروض والضرب۔

وزن - مفعولن مفاعلتن فعولن، مفاعیلن مفاعلتن فعولن۔

ہاں یہ فرشتوں کا کلام ہے اس کے آغاز میں یہ ہے کہ روزانہ صبح کو دو فرشتے ندا دیتے ہیں۔

ان تمہیدی قواعد کے لیے تمہیں ائمہ کی تہلید و پیروی کافی ہے، ان بیان کردہ جزئیات ہی پر اختصار نہ کرو کیونکہ ان پر نہ حصر ہے نہ کوئی رکاوٹ و ممانعت، علماء نے بحور جدیدہ ایجاد کئے، بحور قدیمہ میں متعدد اوزان فروع، زحافات، تربعات، تہمینات ہیں، جیسے بحر متدارک کو خلیل نہ پاسکے، اسے اخفش نے پایا۔ پھر علماء نے عریض، غمیق، جدید، قریب اور مشاکل وغیرہا کا اضافہ فرمایا، یہ تو بحور میں ہے چہ جائیکہ زوائد کا اضافہ، بحر وافر و کامل کے مٹمن اس سے بہت زیادہ لذیذ و مرغوب ہیں جو عرب کے لیے دائر اور بناء ہیں۔ اور عجم نے بحر ہزج سے خوب کھیلا اور ہر طرح کا راستہ اپنایا ہے یہاں تک کہ اس سے عجیب دلچسپ رباعی کے اوزان استخراج کیے ہیں، کیونکہ اس کا دار و مدار طبیعتوں کے قبول کرنے اور سماعت کے استحسان و اچھا سمجھنے پر ہے۔ انہیں وارد شدہ اوزان و بحور پر جمود و ٹھہراؤ اور اکتفاء و انحصار نہیں ہے۔

بیت تام کی ہیئت و صورت پر یہ پندرہ احادیث مبارکہ ہیں۔

۱۰- قسم، مفاعلتن میں عصب کے ساتھ خرم کر کے مفعولن بنانا۔

مقطوف، حذف مع العصب یعنی پانچویں متحرک کو ساکن اور آخری سبب خفیف کو ساقط کرنا جیسے

مفاعلتن سے فعولن - ۱۲۔ (معین العروض) مترجم

نوٹ اعروضی اصطلاحات کی مکرر تعریفات سے گریز کیا گیا ہے۔ مترجم

شطور کی صورت میں سواحادیث کا بیان

جواحادیث کریمہ شطور کی صورت پر ہیں وہ میری نظر میں بہت زیادہ ہیں یہ تمام بحور سے مشترک اوزان پر ہونے کے ساتھ عرب و عجم سے مختص ہیں، اگر ان سب کی تفصیل، ان کی تجارت، ان کے اوزان اور ان کا بیان کیا جائے تو کلام طویل ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اس طرز پر جو آیات ہیں بعض ائمہ نے ان سب کو اسی انداز پر بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، جیسا کہ عنقریب تم سنو گے، مگر احادیث میں، میں نے اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں دیکھی لہذا میں یاد دہانی کے طور پر کامل سوجدہ پیش بیان کر رہا ہوں۔ صحاح ستہ کی جس کتاب سے جو حدیث ماخوذ ہوگی میں ان کے رموز سے ان کی طرف اشارہ کروں گا ان کے مشہور و معروف رموز یہ ہیں ”خ م د ت س ق“ اور میرے پیش نظر جو حدیث ہوگی اس پر تصحیح یا تحسین جو بھی حکم ہوگا اسے صحیح یا حسن سے تعبیر کروں گا اور اشباع کے ساتھ جو وزن ہوگا اسے اس کی آخری شکل پر رکھوں گا یہ مطلب نہیں کہ یہ اس حدیث کی کوئی روایت ہوگی (والعیاذ باللہ تعالیٰ) بلکہ اس کے وزن اور پرکھنے کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور ان ائمہ کرام کا ذکر عنقریب آئے گا جنہوں نے آیات قرآنیہ اور اس کے جملوں میں اوزان دکھانے کے لیے اس اشباع پر عمل کیا ہے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ ان ائمہ نے آیات میں کوئی علیحدہ قراءت مراد لی ہو۔

نسأل الله العفو والعافية۔

بحور کی ہیئت و صورت پر جواحادیث ہیں وہ یہ ہیں
بحر طویل!

۱۔ بحر طویل، مقام عین چار بار اس کا عروض ایک ہے اور ضرب میں تین ہیں۔ ۱۲ (معین العروض) مترجم

marfat.com

Marfat.com

۱۔ حدیث اسراء کی طویل حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں
 فقد می جبریل حین امتہم (نسائی کتاب الصلوۃ، فرغ الصلوۃ)
 جبریل نے مجھے آگے بڑھا دیا اس وقت میں نے انبیاء کرام کی امامت کی، علیہم
 الصلوۃ والسلام۔ یہ حدیث نسائی نے روایت کی۔
 بحرید۔

۲۔ حدیث۔ لا زکوۃ فی حجر
 پتھر یعنی موتی یا قوت و زبرد وغیرہ میں زکوۃ نہیں ہے۔
 شطوری و بسیط پر کلام گزر چکا ہے۔

۳۔ حدیث۔ لا تترکوا النار فی بیوتکم
 (بخاری کتاب "استیدان"، باب طول النجی)
 اپنے گھروں میں آگ کو یوں ہی نہ چھوڑو (بلکہ اسے بجھا دو)
 یہ حدیث بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی۔

۴۔ حدیث۔ لا قطع فی ثمر و لا کثر
 (ابوداؤد، باب ما لا قطع فیہ)
 پھل اور شگوفے میں ہاتھ کاٹنا نہیں جائے گا۔ کثر کا معنی درخت خرما کا گودا بھی
 ہوتا ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔
 یہ دونوں حدیثیں مجز و ہیں۔

۵۔ لا تعجزوا فی الدعاء
 (مسند رک، کتاب الدعاء)
 دعا میں عجز نہ ہو جاؤ۔ یہ حدیث صحیح ہے

۶۔ لا یذر فی معصیۃ (ابوداؤد، کتاب الایمان والندو، باب من راى علیہ کفرۃ،
 معصیت میں نذر نہیں ہے، یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن
 ماجہ نے روایت کیا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں مشطور ہیں۔

بحر وافر۔

۷۔ علیکم بالیاض من الثياب۔

(نسائی، کتاب الزینۃ، باب الامر بلبس البیاض من الثياب)

سفید کپڑوں کو لازم کرلو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو نسائی نے روایت کیا۔

۸۔ تجافوا عن عقوبة ذی المروة۔ (مجمع الزوائد، کتاب الحدود)

اہل مروت کو سزا دینے سے دور رہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۹۔ شہید البحر مثل شہید البر۔ (ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب فضل غزو البحر)

سمندر کا شہید خشکی کے شہید کے مثل ہے۔

۱۰۔ اذا کثر الزنا کثر السباء۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۷۵۲)

جب زنا کی کثرت ہوگی تو شراب عام ہو جائے گی۔

یہ مجزوء ہے۔

۱۱۔ اذا استنشقت فانثر۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۶۳۱)

جب ناک میں پانی چڑھاؤ تو اسے منکو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۲۔ ذرونی ماتر کتکم۔ (مسلم، کتاب الفطائل، باب توقیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مجھے چھوڑے، یہ موجب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱۳۔ عجب لطالب الدنيا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۳۸۲۸)

دنیا کے طلبکار پر مجھے تعجب ہے۔

۱۴۔ بلال سابق الحبش۔ (مجمع الزوائد، کتاب المناقب)

حبشہ، ابول میں حضرت بلال سبقت (اولیت) لے گئے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۵۔ علیک باول السوم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۱۷۷۳۱)

پہلی بار کے بھاؤ کو لازم سمجھو۔

بحر کامل ۲

۱۶۔ البر ما سکت الیہ النفس۔ (مسند احمد، مرویات ابی ثعلبہ)

نہی وہ ہے جس سے نفس کو سکون حاصل ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۷۔ ترک السلام علی الضریر خیانة (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۵۳۳۱)

اندھے کو سلام نہ کرنا خیانت ہے۔

۱۸۔ تجب الصلاة علی الغلام اذا عقل (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۵۳۲۶)

بچہ جب سمجھ والا ہو جائے تو اس پر نماز ضروری ہے۔

یہ مجز و ہے۔

۱۹۔ عرضت علی امتی۔ (مسلم، باب النہی عن البصاق فی المسجد فی الصلاة وغیرہا)

مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

۲۰۔ سلمان سابق فارس (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۱۲۳۷۹)

سلمان اہل فارس میں سبقت (اولیت) لے گئے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۲۱۔ جبل الخلیل مقدس (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۵۰۶۳)

جبل خلیل مقدس و محترم ہے۔

۲۲۔ طلب الحلال فريضة (مجمع الزوائد، کتاب الزہد)

رزق حلال طلب کرنا فرض ہے۔

۲۳۔ طلب الحلال جهاد۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۹۲۰۵)

حلال روزی تلاش کرنا ایک نوع کا جہاد ہے۔

بحر ہرنج۔ اہل حرب نے اسے مجز و کی صورت میں استعمال کیا۔

۲۴۔ علیک السمع والطاعة۔ (مسلم، باب وجوب طاعة الامرائی غیر معصیہ)

تم پر سننا اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

۲۔ بحر کامل، متن طبع چہ باراس کے عروض تین ہیں اور غریبیں نو۔ ۱۳۔ (معین العروض) متہ جم

۲۵۔ صہیب سابق الروم۔ (مجمع الزوائد، کتاب المناقب)

صہیب رومیوں میں سبقت لے گئے۔ یہ حدیث حسن ہے

۲۶۔ لا غصب ولا نهيہ۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۳۳، ترجمہ عمر بن عوف بن ملکہ المزنی)
غصب اور لوٹ جائز نہیں۔

عجم کے نزدیک یہ مجز و ہے کیونکہ ان کے دائرہ میں مشن ہے۔

۲۷۔ استوصوا بالنساء خیرا۔ (بخاری کتاب النکاح، باب الرضاۃ بالنساء)
عورتوں کے تعلق سے بھلائی کی وصیت قبول کرو۔

بخاری و مسلم نے یہ حدیث روایت کی۔

۲۸۔ الدنيا کلها متاع (مسلم کتاب النکاح، باب الوصیۃ للنساء)

دنیا سراسر پونجی ہے۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی

۲۹۔ ایاکم والغلو فی الدین۔

دین میں غلو (یعنی بے جا بات) سے اجتناب کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے نسائی و

ترمذی نے روایت کیا۔ (نسائی، کتاب المناقب، باب القاط الحسی)

۳۰۔ ثلاث لا یجوز ان تلعب فیہن

(معجم کبیر، ترجمہ حش من فضالہ بن عبید، حدیث نمبر ۴۸۰)

تین باتوں میں لہو و لعب جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۳۱۔ ان المنشد قین فی النار (معجم کبیر، ترجمہ عفیر بن معدان، حدیث نمبر ۷۶۹۶)

لوگوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والا دوزخ میں ہے۔

۳۲۔ کل ماردت علیک قومک۔ (ابوداؤد، باب فی الصيد)

تیر و مان سے جو شکار کیا جائے اسے کھاؤ۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد و

ابن ماجہ نے روایت کیا اور یہ رباعی کے وزن پر ہے۔

۳۳۔ لا کرب علی ایک بعد الیوم

(بخاری، باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وقت وصال اقدس فرمایا) آج کے بعد تمہارے باپ پر اب موت کی تکلیف کبھی نہ ہوگی۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

بحر ج۲۔

۳۴۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احد کے دن کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا اللہ عزوجل ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔ (بخاری، کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع)

۳۵۔ لا تذکروا اهلکاکم الا بخیر۔ (نسائی کتاب الجناز)

اپنے اموات کو بھلائی ہی سے یاد کیا کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۶۔ لا ترکبوا الخزول النمار۔ (ابوداؤد، باب فی جلود النمر)

ریشم اور چیتے کے چمڑے پر نہ بیٹھو۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۷۔ لا تبطن فاجرا بنعمة (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، باب فضل النعماء)

کسی نعمت کے سبب فاجر و فاسق سے رشک و اغیار نہ کرو۔

۳۸۔ لا تدفنوا موتا کم باللیل۔

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الاوقات التي لا یصلی الخ)

اپنے مردے رات کو دفن نہ کرو۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی۔

۳۹۔ حد الجوار اربعون دارا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۳۸۹۵)

پڑوس کی حد چالیس گھروں تک ہے

۴۰۔ العرش من یاقوتة حمراء (کنز العمال: حدیث نمبر ۱۵۱۹۵)

عرش الہی سرخ یا قوت کا ہے۔

بجزو۔

۴۱۔ عثمان احیا امتی (حلیۃ الاولیاء فی ترجمۃ عثمان)

عثمان ذی النورین میری امت میں سب سے زیادہ حیا دار ہیں۔

۴۲۔ من سب اصحابی جلد۔ (مجمع الزوائد، کتاب الحدود)

جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑا مارنا چاہیے۔

۴۳۔ صلوا علی اطفالکم (ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل)

اپنے چھوٹے بچوں کی نماز جنازہ پڑھو۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے روایت کی۔

۴۴۔ حافظ علی العصرین۔ (ابوداؤد، باب المحافظۃ علی الصلوۃ)

دو بیچ والی نمازوں یعنی فجر و عصر کی محافظت کرو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۴۵۔ لاتذبحن ذات در (ترمذی، باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

دودھ والے جانور کو ذبح نہ کرو۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور یہ

حدیث حسن ہے۔

۴۶۔ لا عقر فی الاسلام۔ (ابوداؤد، باب کراہیۃ الذبح عند القبر)

اسلام میں قبر کے پاس جانور ذبح کرنا منع ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۴۷۔ شفاعتی مباحہ۔ (جامع صغیر، حدیث نمبر ۴۸۹۵)

میری شفاعت مباح ہے۔

بحر مل۔

۴۸۔ معدن التقویٰ قلوب العارفین۔ (تاریخ بغداد، ترجمۃ احمد بن ابراہیم)

اہل عرفان کے دل تقویٰ و پرہیزگاری کے معدن و منبع ہیں۔

۴۹۔ الشباب شعبة من الجنون۔ (درمنثور، تحت آیت ومن اصدق من اللہ فیما)

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

marfat.com

Marfat.com

۵۰۔ کامیات عاریات مائلات۔ (مسلم، کتاب الحجۃ، باب جہنم)
 کپڑے پہننے والیاں جو مائلات ہیں وہ قیامت کے دن ننگی ہوں گی، اسے مسلم
 نے روایت کیا۔

۵۱۔ حاملات والذات مرضعات
 بچے کی پرورش کرنے والیاں رضاعی ماں ہیں۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۸۹۸۵)

۵۲۔ انھن المونسات الغالیات۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۸۵۶)
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بات کمرات کے لیے فرمایا کہ یہ
 غایت درجہ کی محبت کرنے والی ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔
 ۵۳۔ لا یحل الکذب الا فی ثلاث

(ترمذی، باب ماجاء فی اصلاح ذات البین)
 تین باتوں کے سوا جھوٹ بولنا حلال نہیں۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ترمذی نے
 روایت کیا۔
 مجرو میں سے یہ ہیں۔

۵۴۔ ابن اخت القرم منھم (بخاری کتاب الفرائض، باب مولی القوم من انفسہم)
 قوم کی بہن کا بیٹا انہیں میں سے ہے یعنی میراث کا مستحق وہ بھی ہے۔ بخاری
 و مسلم نے یہ حدیث روایت کی۔

۵۵۔ لا غرار فی صلاۃ۔ (ابوداؤد، باب رد السلام فی الصلاۃ)
 نماز میں غصت اور دھوکہ نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱۔ پوری حدیث یہ ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اور لڑائی میں اور لوگوں کے
 درمیان صلح کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اسے ترمذی نے اسما بنت یزید سے اور ابو
 حوانہ نے ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ اور حدیث وجوہ کثیرہ سے معروف ہے۔

۱۲ منہ غفرلہ

۵۶۔ العسيلة الجماع (مسند احمد، مرویات عائشہ)

عسيلة جماع کو کہتے ہیں یعنی جماع میں شہد جیسی لذت ہے۔

۵۷۔ حامل القرآن موقی (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۲۹۲)

قرآن پڑھنے والا محفوظ ہے۔

بحر سراج۔

۵۸۔ لا حبس بعد سورة النساء (سنن کبریٰ، کتاب الوقف)

سورۃ نساء نازل ہونے کے بعد بیواؤں کو نکاح سے نہیں روکا گیا۔ یہ حدیث

حسن ہے۔

اس کے عروض و ضرب مشطور ہیں اور وہ مکسوف مخبون اور حشو مخبون ہے۔

بحر منشرح۔

۵۹۔ طوبی لمن رانی۔ (مسند احمد، مرویات ابی المہدی)

اسے شادمانی ہو جس نے مجھے دیکھا۔

۶۰۔ العلم فی قریش (مجمع الزوائد، باب فی فضائل قریش)

علم قریش میں ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۶۱۔ مظل الغنی ظلم (مسلم، باب تحریم مظل الغنی)

غنی کا مال مظل کرنا ظلم و زیادتی ہے۔ اسے ائمہ صحاح ستہ نے روایت کیا۔

۶۲۔ لا خیر فی الامارة۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۳۵۷۵)

امیر و حاکم بننے میں کوئی بھلائی نہیں ہے یہ حدیث حسن ہے۔

۶۳۔ لا تکر ہوا البنات۔ (مسند احمد، مرویات عقبہ بن عامر)

لڑکیوں کو برانہ جانو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۔ بحر منشرح، مسفعطن، مفعولات، مسفعطن، دوبار اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں بھی تین۔

(معین العروض) مترجم

۶۴۔ لا تفتلوا الضفادع۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۹۹۷۴)

مینڈک کو قتل مت کرو۔ یہ حدیث نسائی نے روایت کی۔

۶۵۔ الر حسن الخلق (مسلم، کتاب البر والصلۃ باب تفسیر البر واللاثم)

نیکی ہے خوش خلقی۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۶۶۔ الیمن حسن الخلق۔ (احاف السادة المتقين، بیان فضیلت حسن الخلق)

برکت ہے خوش خلقی۔

یہ حدیث اول کی غیر ہے، یہ دوسری حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے اور وہ حضرت نو اس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔

۶۷۔ کل ما فری الا ودا ج۔ (ابن ابی شیبہ، کتاب الصید)

جس کی رگ گردن کاٹ دی جائے یعنی ذبح کیا جائے اسے کھاؤ۔

یہ سب منہوک اور ضرب ہیں، شروع کی تین حدیثیں مکسوف اور باقی میں منجنون

بھی ہے۔

بحر خفیف۔

۶۸۔ انتم الیوم خیر اهل الارض۔ (مسلم، کتاب الامارۃ، باب استحباب مباہدۃ الامام)

اہل حدیبیہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم زمین والوں

میں سب سے بہتر ہو۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۶۹۔ خالفوا المشرکین احفوا الشوارب۔

(بخاری، کتاب اللباس، باب تقطیع الاظفار)

مشرکین کی مخالفت کرو مونچھوں کو پست کرو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے

روایت کی۔

۱۔ منہوک، جس کے دو تہائی اجزا ساقط ہوں، مکسوف و منجنون کی تعریف گزر چکی ہے۔

(معین العروض)۔ مترجم

۷۰۔ رحمہ اللہ حارص الحرمین۔ (سنن کبریٰ، باب فضل الحرمین فی سبیل اللہ)
راہ خدا میں پہرہ دینے والوں پر اللہ رحم فرمائے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابن
ماجنہ نے روایت کیا۔

۷۱۔ ذمۃ المسلمین واحدة (متدرک، کتاب قسم الفتنی)
مسلمانوں کا ذمہ صرف ایک ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۷۲۔ طاعة الله طاعة الوالد (الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلۃ)
اللہ عزوجل کی اطاعت ہے والد کی اطاعت۔

۷۳۔ لیلة القدر لیلة بلجة۔ (مجمع الزوائد، باب فی لیلة القدر)
شب قدر روشن و چمکدار رات ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۷۴۔ لیلة القدر لیلة سمحة۔ (ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی لیلة القدر)
شب قدر وسعت و فراخی کی رات ہے۔

یہ حدیث اول کی غیر ہے، یہ دوسری حدیث ہے، کہ ابن عباس سے مروی ہے
اور وہ واثمہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۷۵۔ اطلبوا الخیر دھر کم کله (کنز العمال حدیث نمبر ۳۱۸۹)
ہر زمانے اور ہر وقت بھلائی طلب کرو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۷۶۔ کان داؤد اعبد البشر۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۲۳۲۲)
حضرت داؤد علیہ السلام انسانوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ یہ
حدیث حسن ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۷۷۔ کان ایوب احلم الناس۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۲۳۱۶-۳۲۳۱۹)
حضرت ایوب علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار تھے۔

۷۸۔ خالد بن الولید سیف اللہ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۳۱۲۹)
خالد بن ولید اللہ کی تلوار ہیں۔

۷۹۔ امتی امة مبارکة۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۳۲۵۱)

میری امت مبارک (برکت یافتہ) امت ہے۔

marfat.com

۸۰۔ لا یرد القضاء الا الدعاء۔ (ترمذی، باب ماجاء یرد القدر الالدعاء)
قضا و قدر کو صرف دعائیہ رد کر سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ترمذی نے
روایت کیا۔

۸۱۔ اطلبوا الرزق فی خبايا الارض۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۹۳۰۲)
زمین کی پوشیدہ چیزوں میں روزی تلاش کرو۔

۸۲۔ اکثرُوا من تلاوة القرآن۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۴۱۴۹۶)
تلاوت قرآن بکثرت کرو۔
بحر مضارع۔

۸۳۔ لا تقتلوا الجراد۔ (مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الجراد)
مذی کو قتل مت کرو۔

۸۴۔ طوبی لمن تواضع فی غیر منقصة۔ (سنن کبریٰ، کتاب الزکوٰۃ)
اسے شادمانی ہو جو نقصان والی صورت کے غیر میں تواضع و انکساری کرے۔
بحر مقصب۔

۸۵۔ السواک مطهرة۔ (بخاری، باب السواک)
سواک پاک کرنے والی شئی ہے۔

۸۶۔ اتخذه من ورق۔ (ابوداؤد، کتاب المآثم، باب ماجاء فی خاتم الحدید)
انگوٹھی چاندی کی بناؤ۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد ترمذی و نسائی نے
روایت کیا۔
بحر جث۔

۱۔ بحر مضارع، من عینین فاعل اتن متعین، دوبارہ، یہ بحر و جو با مجز و ہے اس کا عروض ایک ہے اور
ضرب بھی ایک ہے۔

۲۔ بحر مقصب، منعت مستعلن مستعلن دوبارہ، یہ بحر و جو با مجز و ہے، اس کا عروض ایک ہے
ضرب بھی ایک۔

۳۔ بحر جث، مستعلن فاعل اتن فاعل اتن دوبارہ، یہ بحر و جو با مجز و ہے اس کا عروض ایک ہے ضرب بھی
ایک، ذیل جث۔ ۱۲ (معین العروض)۔ مترجم

۸۷۔ اذا اساءت فاحسن۔ (مسند احمد، مرویات ابی ذر)

جب برائی سرزد ہو جائے تو اچھائی اور نیکی کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۸۸۔ لا یتیم بعد احتلام۔ (ابوداؤد، باب ماجاء متی ینقطع الیم)

بلوغ کے بعد بچہ یتیم نہیں رہتا۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔
بحر متقارب۔

۸۹۔ قل آمنت باللہ ثم استقم۔ (مسلم، باب جامع اوصاف الاسلام)

کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت رہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۹۰۔ اقلوا الدخول علی الاغنیاء (مسند رک، کتاب الرقاق)

مالداروں کے پاس آنا جانا کم کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا۔

۹۱۔ اتموا الصفوف فانی اراکم۔ (مسلم، باب تسویۃ الصفوف و اقامتها)

صفوں کو مکمل کرو کیونکہ میں تمہیں دیکھتا ہوں۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

۹۲۔ اقیموا الصلاة واتوا الزکوة (بخاری، باب قول الرجل مرحبا)

نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۹۳۔ عجبت لصبر اخی یوسف۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۱۶۴۰)

مجھے اپنے بھائی یوسف (علیہ السلام) کا صبر بھایا۔

۹۴۔ ردوا السلام و غضوا البصر۔ (مسند احمد، مرویات ابی سعید)

سلام کا جواب دیا کرو اور نگاہ نیچی رکھا کرو۔

۹۵۔ دفن البنات من المکرمات۔ (تاریخ بغداد، ترجمہ احمد بن محمد المزمار)

بچیوں کو دفن کرنا عزت داروں کا طریقہ ہے۔

ان دونوں میں صدر اٹلم ہے، اول کا وزن فعلن فعول فعولن فعل۔ اور ثانی میں

عروضِ فحول ہے۔
 رکض الخیل۔

۹۶۔ حسبی دینی من دنیای۔ (علیہ الاولیاء، جلد ۸)

میری دنیا سے میرا دین کافی ہے۔

۹۷۔ القائم بعدی فی الجنة۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۳۱۰۷)

شب بیداری یعنی رات کو عبادت کرنے والا میرے بعد جنت میں جائے گا۔

۹۸۔ اشتدی ازمة تنفر جی۔

(میزان الاعتدال، ترجمہ حسین بن عبد اللہ نمبر ۲۰۱۳)

تختی و تختی برداشت کرو وسعت و کشادگی آئے گی۔

۹۹۔ لن یغلب عسر یسرین (متدرک، کتاب التفسیر واقعہ شق صدر)

ایک سختی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہ ہوگی۔

۱۰۰۔ استنجوا بالماء البارد۔ (مجمع الزوائد، کتاب الطب)

ٹھنڈے پانی سے استنجا کرو۔

۱۰۱۔ واجعل لی فی نفسی نوراً۔ (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۲۳۳۹)

اللہ میرے نفس میں نور کر دے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

سوا حدیث کا وعدہ تھا مگر میں نے ایک حدیث کا اضافہ کر دیا

واللہ وتر یحب الوتر۔

اللہ عزوجل بے جوڑ ہے وہ بے جوڑ کو پسند فرماتا ہے۔

بعض آیات کے شطوری کی

صورت پر ہونے کا اشارہ

حسادی عشر۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر گوئی آتی تھی تو اس سے قرآن کریم کا شعر ہونا لازم آئے گا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) پھر یہ کہ بہت ساری آیات اور جملے کلام موزوں کی شکل و صورت میں وارد ہوئے ہیں۔ امام قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں آٹھ آیات کہ بیان فرمایا ہے پانچ شعر کی ہیئت پر ہیں اور تین شطر کی صورت پر، اور فرمایا کہ آیت مبارکہ ”وما علمناه الشعر“ میں شعر کہنے کی نفی کی گئی ہے شعر پڑھنے کی نہیں، اور جو تمثیلی طور پر کوئی شعر پڑھے یا بغیر قصد و ارادہ کے اس کی زبان پر موزوں جملے جاری ہو جائیں تو اسے شاعر نہیں کہا جائے گا۔ اور کئی حدیثوں میں اس بات پر دالت موجود ہے کہ بغیر قصد و اختیار کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منظوم کلام کا صادر واقع ہونا جائز ہے، لیکن اس قسم کی باتوں کو شعر نہیں کہیں گے اور نہ اس کے قائل کو شاعر کہا جائے گا، ایسا کلام تو قرآن عظیم میں بکثرت وارد ہوا ہے لیکن غالب اکثریت بیت شطر ہے اور بہت ہی کم بیت تام کے وزن پر ہے۔

علامہ شہاب ابو طیب حجازی نے اپنی کتاب ”قلائد البحور فی جواهر البحور“ میں ان آیات اور جملوں کو بیان فرمایا ہے جو قرآن عزیز میں بالاتفاق بحر کے اوزان پر وارد ہیں۔ اور وہ آیات ان بحر کے اوزان پر ہیں۔

بحر طویل، بحر وافر، بحر کامل، بحر مجز، بحر مل، بحر سرج، بحر خفیف،

بحر مضارع، بحر جث۔

ہم نے علامہ شہاب ابوطیب کے ان آیات کو حذف کر دیا جن کے ضمن میں آیات قرآنیہ موجود ہیں۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی "الاتقان" میں فرماتے ہیں کہ انسجام یہ ہے کہ کلام رکاوٹ سے خالی ہو یعنی اس میں ایسا تسلسل ہو جیسے بہنے والے پانی میں تسلسل ہوتا ہے اور وہ کلام اپنی ترکیب و ترتیب کی سہولت و آسانی اور اپنے الفاظ کی حلاوت و چاشنی سے پانی کی طرح بہے، پورا قرآن کریم ایسا ہی ہے۔ علم بدیع والوں نے فرمایا کہ جب نثر میں انسجام قوی اور عمدہ ہو تو اس کے جملے اور فقرے قوت انسجام کے سبب سے بغیر قصد و ارادہ کے موزوں ہو جائیں گے۔ اور قرآن عظیم میں جو موزوں کلام صادر ہوا اس کے بحور یہ ہیں۔

بحر طویل، بحر مدید، بحر بسیط، بحر افرا، بحر کامل، بحر ہزج، بحر جز، بحر ثل، بحر سریع، بحر منسر، بحر خفیف، بحر مضارع، بحر مقضب، بحر جث، بحر متعارف۔

اور علامہ ابوطیب نے اسے نقل نہیں کیا جو کلام قرآن عزیز میں سے شعر کی ہیئت و صورت پر ہے۔ وہ کلام سات بحور پر مشتمل ہے۔

بحر دافر، بحر کامل، بحر ہزج، بحر جز، بحر ثل، بحر مضارع، بحر جث، اور باقی میں شطر ہے اور وہ کلام ہلکے پندرہ بحور پر ہے جو عرب ماضیہ میں متداول ہیں۔

اور شہاب خفاجی نے علامہ شہاب ابوطیب سے جو نقل کیا ہے اس میں سے بیت دافر کے سوا اس میں کچھ نہ کوثر نہیں، لہذا گیارہ شعر کی ہیئت پر ہیں اور گیارہ شعر کی طرح۔ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس پر وسیع گفتگو فرمائی ہے۔ اور وہ کلام ذکر فرمایا جس سے امام قسطلانی نے اخذ کیا جو گزر چکا ہے پھر جو انہوں نے بیت تمام کی

ہیئت پر شمار کیا وہ چوبیس بلکہ چھبیس ہیں (اس پر تنبیہ ہو چکی ہے) بلکہ میری پرکھ میں ستائیس بلکہ اسی طریقے پر اسیس ہیں۔ اور جو شطر کی صورت پر ہیں وہ انچاس ہیں مگر ایک مکرر ہے، اور چار نکل گئے کیونکہ ان سے دو بیت تام کی ہیئت پر نظم ہو جائے گی، چوالیس باقی رہے۔

اور حافظ ابن حجر نے سورہ توبہ کی آیت کریمہ کو اشرطار کی ہیئت پر شمار کیا ہے
 التَّائِبُونَ الْعَبَدُونَ الْحِمْدُونَ السَّائِبُونَ الرُّكْعُونَ السُّجَّدُونَ

(التوبہ: ۱۱۴)

توبہ والے عبادت والے سراپنے والے، روزے والے رکوع والے سجدہ والے۔

(کنز الایمان)

یعنی اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کی توصیف فرمائی ہے کہ اس کے بندے توبہ والے عبادت والے سراپنے والے، روزے والے رکوع والے سجدہ والے ہیں۔

عجیب چیز یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے آیت مذکورہ کے چھ کلمات میں سے اخیر کے چار کلمات کو بیت تام کی ہیئت پر شمار فرمایا ہے اور پورے چھ کلمات کا مجموعہ۔ اشرطار کی ہیئت پر ہے۔ پاکی ہے اسے جو بھوتا نہیں، اور تم دیکھ رہے ہو کہ یہ آیت بیت تام کی ہیئت پر ہے بلکہ یہ مقفی ہے اس کا بحر یہ ہے، کامل، وافی^۱، ارکان میں اضمار اور اس کے عروض و ضرب یہی ہیں۔ کیونکہ متاخرین کے مسلک نے اگر اجتناب کیا جائے تو شطر بھی درست نہ ہوگا کیونکہ وہ اذالہ^۲ سے خالی نہیں، اور اس میں قدام کے نزدیک بھی اذالہ نہیں ہے اور اہل عرب مٹمن کو نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ اسے شطر قرار دیتے ہیں، عرب نے اسے بحر جز مجز و سے بیت کی ہیئت پر قرار نہیں دیا، اور اس کے عروض مخبول اوائی، وہ ہے جس میں دائرے کے تمام اجزاء کچھ نقص کے ساتھ موجود ہوں جیسے طویل۔

اضمار۔ دوسرے متحرک کو ساکن کرنا جیسے متفاعلن سے مستفعلن۔

۱ اذالہ۔ جس رک کے آخر میں و تہ مجموع ہو اس پر ایک حرف ساکن بڑھانا جیسے فاعلن سے فاعلان۔

۳۰ ہیں یعنی فعلتین، عین کے کسرہ کے ساتھ۔ پھر میں نے حافظ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کو بعینہ مقدم کیا جو بیت تام کی ہیئت پر ہے پھر اشرطار میں اس کا اعادہ فرمایا۔ فسبحان من لا یسی۔

پھر حافظ ابن حجر نے ایک بیت اور دو شطر کے علاوہ ان سب کو جمع کیا جو علامہ شہاب ابو طیب نے بیان کیا ہے اور انہیں جمع کیا جنہیں امام جلال الدین سیوطی نے بیان فرمایا ہے، جیسے دو کے علاوہ ایک بیت، اور دو شطر۔ پھر دونوں کے تین ابیات اور گیارہ شطر باقی رہے، لہذا یہ سب اور حافظ ابن حجر نے جنہیں بیان کیا ہے، سب مل کر ۱۳۲ ابیات، اور ۵۵ شطر ہو گئے ان سب کا مجموعہ ۸۷ ہوتا ہے۔

اور میری نظر میں دونوں قسموں میں کچھ چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے سورۃ صافات میں تین آیات مسلسل ہیں، اسی طرح سورۃ ذاریات میں تین آیات، سورۃ نازعات میں چار آیات لگاتار، اسی طرح سورۃ مرسلات میں پانچ آیات ہیں۔ اور سب مضارع کی ہیئت پر ہیں اور یہ سب مثلث و مربع اور مخمس کی صورت پر ہیں، اگر گزرے ہوئے کے ساتھ سب کو جمع کیا جائے تو سو پر پانچ کا اضافہ ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ یہ ان کے سوا ہیں جو میری نظر میں ابیات و شطر کی ہیئت پر ہیں لیکن قلت حسنات اور کثرت سیئات کی بناء پر میں اس طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

اور امام قسطلانی کے قول نے مجھے فائدہ دیا انہوں نے یہ سب تحریر کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے لئے تو ان سب کا چھوڑ دینا ہی بہتر تھا لیکن اللہ عز و جل کا حکم ہے اس کے مطابق قلم چل گیا، ہم اللہ سے طریق مستقیم اور درست راستے کی ہدایت و رہنمائی کا سوال کرتے ہیں وہ امن و عافیت اور بغیر مشقت و تکلیف کے ہمارا اسلام و سنت پر خاتمہ کرے اور ہمارے درد و کرب کو دور فرمائے۔ اور حقیر فقیر آمین کہتا ہے الہی میرے اور تمام مسلمین و مسلمات کی

سج خبول طی مع انجن یعنی دوسرے اور چوتھے ساکن کو حذف کرنا، جیسے مسفعطن سے فعلتین۔ ۱۳

(معین العروض) مترجم

طرف سے قبول فرما۔ اللھم العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والاخرۃ آمین۔ وصل وسلم وبارک علی الحیب الشفیع العفو الکریم والہ وصحبہ اجمعین۔

اے پروردگار اسی طرح ہر اس شخص سے قبول فرما جس نے اس باب میں کلام کیا اور اس سلسلے میں قرآن عظیم و حدیث مبارکہ میں جو وارد ہوا ہے اسے صاف ستھرا رکھا اور ان ائمہ کرام سے قصد و ارادہ کی قید کے لحاظ سے جو گزرا جس سے یہ معتذر مستدل غافل رہا اسے بھی قبول فرما۔

اس قائل کے لیے یہ رکاوٹ ہے جس نے کہا کہ قرآن کریم حادث ہے کیونکہ ارادۃ الہیہ کے بغیر، حادث کے وجود کا امکان نہیں اور کبھی معنی قدیم کی، لفظ موزوں وغیر موزوں سے تعبیر ممکن ہوتی ہے اور کلام موزوں واقع ہوا تو ارادۃ الہیہ کے بغیر تخصیص نہ ہوئی، لہذا قصد ثابت ہوا اور تعریف صادق ہو گئی اور اس مستدل کے نزدیک قرآن عزیز شعر ہو گیا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ قرآن کریم کو شعر اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر بنانے سے رحمن کی پاکی ہے۔ پھر یہ معتذر کھڑا ہوا اور ”وما علمناہ الشعر“ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اقدس کی نفی پر دلیل دینے لگا۔ اور شعر کی کون سی چیز اس معتذر کے نزدیک باقی رہی یہاں تک کہ آیت سے تصدیق کی جائے، لیکن عقل و فہم کو گراں قیمت پر بھی کبھی فروخت نہیں کیا جاتا۔

نسأل اللہ التوفیق والہدایۃ آمین۔

(مترجم) محمد عیسیٰ رضوی قادری

خلیفہ حضور تاج الشریعہ و

خادم الحدیث والافتاء الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم

گرہائے گنج قنوج (یوپی)

۲۷/ رزی قعدہ ۱۴۲۵ھ / ۹/ جنوری ۲۰۰۵ء

متوطن: کٹم پوسہ پوسٹ ڈمرولہ

وایہ اسلام پور، ضلع اتر دینا پور

(بنگال)

المصادر والمراجع

نمبر شمار	اسماء الكتب	مصنفین	سن وفات
۱	الابرین	عبد العزیز بن مسعود الدباغ	۱۱۳۲ھ
۲	الاتقان	امام عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۳	احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام غزالی	۵۰۵ھ
۴	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۵	ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۶	ارشاد العقل السليم	ابو سعید العمادی	۹۵۱ھ
۷	الارشاد فی الکلام	عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی	۴۷۸ھ
۸	اسنی المفاخر فی مناقب عبد القادر	امام عبد اللہ الیافعی	۷۶۸ھ
۹	الاسماء والصفات	امام احمد بن حسین التیمی	۳۵۸ھ
۱۰	الاستدکار الجامع لمذاهب فقہاء الامصار	حافظ ابو عمر یوسف الشہیر بابن عبد البر	۴۶۳ھ
۱۱	اشعة المنعمات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۲	الاشعة لاشرائط الساعة	امام محمد بن عبد الرسول ابو زنجی	۱۰۳ھ
۱۳	الاشراف	امام نسائی بن ابن الزکی الشافعی	۸۵۲ھ
۱۴	الاصابة فی تمییز الصحابة	امام ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۱۵	اصول الرشاد مع مبانی الفساد	امام تقی علی خان البریلوی	۱۲۹۷ھ
۱۶	اصول المیز و دی	امام فخر الاسلام علی بن محمد المیز و دی	۲۸۲ھ
۱۷	اعجاز القرآن	ابن سراقہ	
۱۸	اعجاز البیان فی کشف بعض اسرار ام القرآن	صدر الدین محمد بن اسحاق القونوی	۶۷۲ھ

۱۹ الاعلام بقواطع الاسلام احمد بن حجر الهيتمي الهي

۲۰ افاضة الانوار على اصول المنار امام محمد بن علي الحسني

۲۱ افضل القرى لقراء ام القرى ابن حجر الهيتمي

۲۲ الاكتفاء في فضل الاربعه الخلفاء امام ابراهيم بن عبد الله الوصالي البصري

۲۳ الافراد امام علي بن عمر الشير بالدارقطني

۲۴ امثال النبي ﷺ امام حسن بن عبد الرحمن الرامهرمزي

۲۵ الاملا على مشكل الاحياء امام محمد بن غزالي

۲۶ انباء المصطفى بحال سروا خفي امام احمد رضا القادري البريلوي

۲۷ النساب السمعاني امام عبد الكريم بن محمد المروزي

۲۸ الانصاف فيما تضمنه الكشاف امام ناصر الدين محمد بن احمد الا

سكندري المالكي

۲۹ انوار التنزيل في اسرار التاويل امام عبد الله بن عمر البيضاوي

۳۰ انوار المنان في توحيد القرآن امام احمد رضا القادري البريلوي

۳۱ الانوار لعمل الابرار امام يوسف بن ابراهيم الارونيلي

☆☆☆

۳۲ بحر الرائق امام زين الدين بن ابراهيم ابن نجم

۳۳ براين قاطعه رشيد احمد گنگوہی

۳۴ البرهان في علوم القرآن امام محمد بن عبد الله الزركشي

۳۵ بجة الاسرار امام يوسف بن جرير نخعي الشطرنوي

☆☆☆

۳۶ تاج العروس شرح القاموس امام محمد مرتضى الزبيدي

۳۷ تاتارخانيه عالم بن العلا بالانصاري الدماوي

۳۸ التاريخ الكامل علي بن محمد ابن الاثير

۳۹ تاريخ دمشق ابن عساكر

۴۰ تاريخ بغداد امام ابو بكر بن علي الخطيب البغدادي

AA

۲۱	التاویلات النجمیه	امام نجم الدین النسفی ۵۵۳۷
۲۲	تبصیر الرحمن	امام علی بن احمد المصنف البندی ۵۸۳۵
۲۳	تجلی الیقین بان عینا سید المرسلین	امام احمد رضا القادری البریلوی ۵۱۳۲۰
۲۴	التحریر والتبصیر	امام محمد بن سلیمان الشیرازی بن الحقیب ۵۶۹۸
۲۵	تجید الحق بقسم الجبر	امام احمد رضا القادری البریلوی ۵۱۳۲۰
۲۶	تحریر الاصول	امام محمد بن عبدالواحد الشیرازی ۵۸۶۱
		بابین الھمام
۲۷	تحفۃ المرید شرح جوہر التوحید	ابراہیم بن محمد الباجوری ۵۱۲۷۶
۲۸	تحقیق شرح المنتخب فی الاصول	عبدالعزیز بن احمد البخاری ۵۷۳۰
۲۹	الذکرۃ فی احوال الموتی والاخرۃ	امام محمد بن احمد القرطبی ۵۶۷۱
۵۰	الترغیب والترہیب	امام عبدالعظیم بن عبدالقوی ۵۶۵۶
		المندری
۵۱	الترغیب والترہیب	امام اسماعیل بن محمد الاصمہانی ۵۵۳۵
۵۲	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمن بن محمد الرازی ۵۳۲۷
۵۳	تفسیر ابن المذہر	امام محمد بن ابراہیم النیسابوری ۵۳۱۸
۵۴	تفسیر الجلالین	الامامین جلال الدین المحلی ۸۶۳-۹۱۱
		والسیوطی
۵۵	تفسیر القرآن العظیم	امام ابن کثیر القرشی ۵۷۷۳
۵۶	التفہیمات الالھیۃ	شاہ ولی اللہ دہلوی ۵۱۷۶
۵۷	تقدیس الوکیل	مولانا غلام دھیر قسوری ۵۱۳۱۵
۵۸	تقریب العہدیب	امام ابن حجر العسقلانی ۵۸۵۲
۵۹	التقریر والتبصیر	امام محمد بن امیر الحاج المحلی ۵۸۷۹
۶۰	تقویۃ الایمان	شاہ اسماعیل دہلوی ۵۱۲۳۶
۶۱	السلوک فی کشف حقائق التفتیح	امام سعد الدین مسعود بن عمر القاری ۵۷۹۲
۶۲	تہذیب تاریخ دمشق الکبیر	شیخ عبدالقادر بدران ۵۱۳۳۶

۶۳ التوقیف علی مہمات التعاريف امام مناوی ۱۰۳۱ھ

۶۴ التوضیح مکمل التشریح بما فی التوضیح

۶۵ التیسیر شرح الجامع الصغیر امام مناوی ۱۰۳۱ھ

☆☆☆

۶۶ الجامع الصغیر امام محمد بن اسماعیل البخاری ۲۵۶ھ

۶۷ الجامع الصغیر امام مسلم بن الحجاج ۲۶۱ھ

۶۸ الجامع الصغیر امام عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی ۹۱۱ھ

۶۹ الجامع الصغیر امام عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی ۹۱۱ھ

۷۰ الجامع لاحکام القرآن امام ابو عبد اللہ محمد القرطبی ۶۷۱ھ

۷۱ الجامع الصغیر امام محمد بن عیسیٰ الترمذی ۲۷۹ھ

۷۲ الجواب والدرر امام عبد الوہاب الشعرانی ۹۷۳ھ

۷۳ جامع البیان امام محمد بن جریر الطبری ۳۱۰ھ

۷۴ جامع بیان العلم وفضلہ امام ابو عمر یوسف بن عبد البر ۴۶۳ھ

۷۵ جمع النہایہ فی بدء الخیر والغنیہ امام عبد اللہ الاندلسی ۶۹۹ھ

۷۶ الجواب المنظم امام ابن حجر المکی ۹۷۳ھ

۷۷ المحسن الحسین امام محمد بن محمد ابن الجزری ۸۴۳ھ

☆☆☆

۷۸ حاشیہ شرح میرزا ابی علی رسالہ تطبیہ مولانا عبد العلی بن نظام الدین ۱۲۲۵ھ

۷۹ حاشیہ علی شرح العقائد احمد بن محمد حفید القفازانی ۹۰۶ھ

۸۰ حاشیہ علی شرح المواقف امام محمد شاہ بن علی الفناری ۹۲۹ھ

۸۱ حاشیہ الکشاف امام القفازانی ۷۹۲ھ

۸۲ حاشیہ فتح المبین امام عبد الغنی النابلسی ۱۳۲۳ھ

۸۳ الحدیث الندیہ امام احمد رضا القادری البریلوی ۱۳۳۰ھ

۸۴ حسام الحرمین امام احمد رضا القادری البریلوی ۱۳۳۰ھ

۸۶ حفظ الايمان اشرف على تهاوي ۱۳۶۲ هـ

۸۷ حلية الاولياء امام احمد بن عبد الله الاصمغاني ۴۳۰ هـ

۸۸ حواشي الكشاف امام الشريف علي بن محمد البحر جاني ۸۱۶ هـ

۸۹ حياة السموات في بيان سماع الاموات امام احمد رضا القادري البريلوي ۱۳۳۰ هـ

☆☆☆

۹۰ الخصائص الكبرى امام السيوطي ۹۱۱ هـ

۹۱ خالص الاعتقاد امام احمد رضا القادري البريلوي ۱۳۳۰ هـ

۹۲ خلاصة المفاتيح امام عبد الله بن اسعد الياقبي السبكي ۷۶۸ هـ

۹۳ الدر المختار امام علاء الدين السبكي ۱۰۸۸ هـ

۹۴ الدر المنثور والجواهر المصنوع شيخ محمد بن علي ابن العربي ۶۳۸ هـ

۹۵ الدر المنثور في تلخيص خلية ابن الاثير امام السيوطي ۹۱۱ هـ

۹۶ دلائل النبوة امام ابو نعيم ۴۳۰ هـ

۹۷ دلائل النبوة امام بيهقي ۲۵۸ هـ

۹۸ در التاج علامه قطب الدين شيرازي ۱۲۳۶ هـ

۹۹ درة القوام في اوصاف اخوان امام ابو محمد القاسم الحريري ۵۱۶ هـ

☆☆☆

۱۰۰ رد المحتار امام محمد امين ابن عابد بن الشامي ۱۲۵۴ هـ

۱۰۱ الرسالة القشيرية في التصوف امام عبد الكريم القشيري ۴۶۵ هـ

۱۰۲ روح البيان امام اسماعيل حقي ۱۱۳۷ هـ

۱۰۳ روض الرياض امام ياقبي السبكي ۷۶۸ هـ

۱۰۴ الروض النضر شرح الجامع الصغير المتناوي ۱۰۳۱ هـ

۱۰۵ روضة الطالبين امام يحيى بن شرف الدين انووي ۶۷۶ هـ

۱۰۶ روضة العلماء امام حسين بن يحيى الاندلسي ۴۰۰ هـ

☆☆☆

۱۰۷	زبدۃ الآثار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۰۸	زبدۃ الاسرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۰۹	الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ	ملا علی قاری	۱۰۱۳ھ
۱۱۰	الزهد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۱۱	الزهد	امام عبداللہ بن مبارک الروزی	۱۸۱ھ
۱۱۲	زوائد الزهد	امام عبداللہ بن امام احمد	۲۹۰ھ
۱۱۳	سکین السیوح عن عیب کذب مقبوح	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۳۰ھ
۱۱۴	سبع سنابل	سید عبدالواحد بکراوی	۱۱۳۳ھ
۱۱۵	السراج المنیر شرح الجامع الصغیر	امام علی بن محمد العزیزی	۱۰۷۰ھ
۱۱۶	سلطۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۳۰ھ
۱۱۷	السنن الکبریٰ	امام بیہقی	۲۵۸ھ
۱۱۸	السنن النسائی	امام احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ
۱۱۹	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ
۱۲۰	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور خراسانی	۲۷۳ھ
۱۲۱	السنن الدارمی	امام عبداللہ بن عبد الرحمن الدارمی	۲۵۵ھ
۱۲۲	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
☆☆☆			
۱۲۳	شرح اربعین النووی	امام ابن حجر المکی	۹۷۳ھ
۱۲۴	شرح البردۃ	امام ابراہیم الباجوری	۱۲۷۶ھ
۱۲۵	شرح جمع الجوامع	امام جلال الدین المکی الشافعی	۸۶۳ھ
۱۲۶	شرح ام البراہین	امام محمد بن یوسف السوسی	۸۹۵ھ
۱۲۷	شرح الترغیب فی علی المواہب	محمد بن عبدالباقی الترغیبانی	۱۱۲۲ھ
۱۲۸	شرح الشفاء	ملا علی قاری	۱۰۱۳ھ
۱۲۹	شرح الصدور	امام السیوطی	۹۱۱ھ
۱۳۰	شرح صحیح مسلم	امام یزید کریانی بن شرف النووی	۶۷۶ھ

AA

۱۳۱	شرح الطحاوی علی مشکوٰۃ الصالح	امام حسین بن محمد الطحاوی	۵۷۳۳
۱۳۲	شرح العقائد	امام سعد الدین مسعود بن عمر	۵۷۹۲
		افتخارانی	
۱۳۳	شرح المقاصد	امام سعد الدین مسعود بن عمر افتخارانی	۵۷۹۲
۱۳۴	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۵۸۱۶
۱۳۵	شرح المہذب	ابو اسحاق ابراہیم بن منصور العراقی	۵۵۹۶
۱۳۶	شرح الحمزۃ	امام شیخ سلیمان الجمل	۵۱۲۰۳
۱۳۷	شرح صلاة سیدی احمد البدوی	امام الطحاوی	
۱۳۸	شرح النبی ﷺ	ابو سعید عبد الملک الواعظ الخروشی	۵۴۰۷
۱۳۹	شعب الایمان	امام السبکی	۵۲۵۸
۱۴۰	اشفا جعفر بن حقوق المصطفیٰ	امام قاضی عیاض بن موسیٰ	۵۵۳۳
۱۴۱	شفاء السقام	امام علی بن عبد الکاظم السبکی	۵۷۵۶
۱۴۲	شفاء الصدور	امام ابن السبع سلیمان السبکی	
۱۴۳	الضعفاء الکبیر	امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقلمی الکفی	۵۳۲۲
۱۴۴	طبقات القراء	امام محمد بن محمد الجزری	۵۸۳۳
۱۴۵	الطبقات الکبریٰ	امام عبد الوہاب الشعرانی	۵۹۷۳
۱۴۶	الطبقات الکبریٰ	امام محمد بن سعد الزہری	۵۲۳۰
۱۴۷	طبقات المترجمین	امام محمد بن احمد الذہبی	۵۷۴۸
۱۴۸	طوالع الانوار	امام عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۵۲۹۶

☆☆☆

۱۴۹	العروس الاسماء الحسنى	امام احمد رضا القادری البریلوی	۵۱۳۴۰
۱۵۰	العقیدۃ الطحاویۃ	امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۵۳۲۱
۱۵۱	العلل الکبریٰ	امام محمد بن عیسیٰ الترمذی	۵۲۷۹
۱۵۲	عمدة القاری	امام بدر الدین محمود بن احمد العینی	۵۸۵۵
۱۵۳	الغنیۃ	امام اکمل الدین محمد بن محمد الباری	۵۷۸۶

۱۵۴	عناية القاضي	امام احمد بن محمد الخفاجي	۱۰۶۹ھ
۱۵۵	غاية المامول	سيد احمد الافندي البرزنجي	
۱۵۶	غرائب القرآن	امام نظام الدين حسن بن محمد	۷۷۲ھ
		النيشاپوري	
۱۵۷	غزيمون البصائر	امام احمد بن محمد الحموي الهكي	۱۰۹۸ھ

☆☆☆

۱۵۸	الفتاوى السراجيه	علامه سراج الدين علي ابن عثمان	۵۷۷ھ
۱۵۹	فتاوى حديثيه	امام احمد بن محمد ابن حجر اشعري	۹۷۴ھ
۱۶۰	فتاوى قاضي خان	امام حسن بن منصور قاضي خان	۵۹۲ھ
۱۶۱	الفتاوى الهنديه	مجلس علماء تحت بادشاہ اورنگزيب	
۱۶۲	فتح الباري	امام ابن حجر العسقلاني	۸۵۲ھ
۱۶۳	فتح العزيز	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۰۰۳ھ
۱۶۴	فتح القدير	امام ابن الھمام	۸۶۱ھ
۱۶۵	الفتوحات الالهيه	امام سليمان الشافعي البجل	۱۲۰۳ھ
۱۶۶	الفتوحات المكيه	امام محي الدين ابن العربي	۶۳۸ھ
۱۶۷	فتوحات معنوي	امام عبدالعلي محمد بن نظام الدين لکھنوی	۱۲۲۵ھ
۱۶۸	فصول البدائع في اصول الشرائع	امام محمد بن حمزة الفخاري	۸۳۳ھ
۱۶۹	فضائل الصديق	امام محمد بن احمد (محقق الدواني)	۹۰۸ھ
۱۷۰	فضائل القرآن	امام محمد بن ضريس البجلي	۲۹۴ھ
۱۷۱	الفقه الاكبر	امام ابو حنيفه نعمان بن ثابت الكوفي	۱۵۰ھ
۱۷۲	فوائح الرحموت	امام عبدالعلي محمد بن نظام الدين لکھنوی	۱۲۲۵ھ
۱۷۳	فيوض الحرمين	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ

☆☆☆

۱۷۴	القاموس المحيط	محمد بن يعقوب فيروز آبادي	۸۱۷ھ
۱۷۵	القرآن الكريم		



۱۹۷	مالی الجیب بعلوم الغیب	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۳۰ھ
۱۹۸	مثنوی معنوی	مولانا جلال الدین محمد بن محمد ہمدانی	۷۷۲ھ
۱۹۹	تجلی الغروس و مراد النقوس	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۳۰ھ
۲۰۰	مجمع بحار الانوار	امام محمد طاہر القسری البندی	۹۸۶ھ
۲۰۱	مجمع التروائد	امام علی بن ابی بکر الشیخی	۷۷۸ھ
۲۰۲	المختارۃ	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۲۳ھ
۲۰۳	المختصر فی الفروع	امام ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ البوطی	۲۳۱ھ
۲۰۴	مدارج النبوة	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۰۵	مدارک التنزیل	امام عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۲۰۶	المدخل	امام ابو عبد اللہ محمد بن الحاج	۷۳۷ھ
۲۰۷	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	ملا علی قاری	۱۰۱۳ھ
۲۰۸	مرقاۃ الوصول	شیخ محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۲۰۹	مرآۃ الجنان	امام عبد اللہ بن اسعد الیافعی	۷۶۸ھ
۲۱۰	المسایرة	امام محمد بن عبد الواحد ابن الھمام	۸۶۱ھ
۲۱۱	المسامرة	محمد بن محمد بن ابی شریف الشافعی	۹۰۶ھ
۲۱۲	المستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم	۳۰۵ھ
۲۱۳	مسند الھزار	امام احمد بن عمرو الھزار	۲۹۲ھ
۲۱۴	مسند ابن حمید	امام ابو بکر عبد اللہ بن زبیر	۲۱۹ھ
۲۱۵	مسند ابی یعلیٰ	امام ابو یعلیٰ احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
۲۱۶	مسند امام ابی عبیدہ	امام ابو عبیدہ	
۲۱۷	مسند امام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۲۱۸	مسند ابن راحویۃ	امام حافظ اسحاق بن راحویۃ	۲۳۸ھ
۲۱۹	مسند طیارسی	امام سلیمان بن داؤد الطیارسی	۲۰۴ھ
۲۲۰	مسند الفردوس	امام شہر دار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۷ھ
۲۲۱	المسند فی احادیث	امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ

۲۲۷	المواهب اللدنیہ	امام احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۲۲۸	الموطا	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۲۲۹	میزان الاعتدال	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۲۸ھ
۲۵۰	میزان الشریعہ الکبریٰ	امام عبد الوہاب شعرانی	۹۷۳ھ

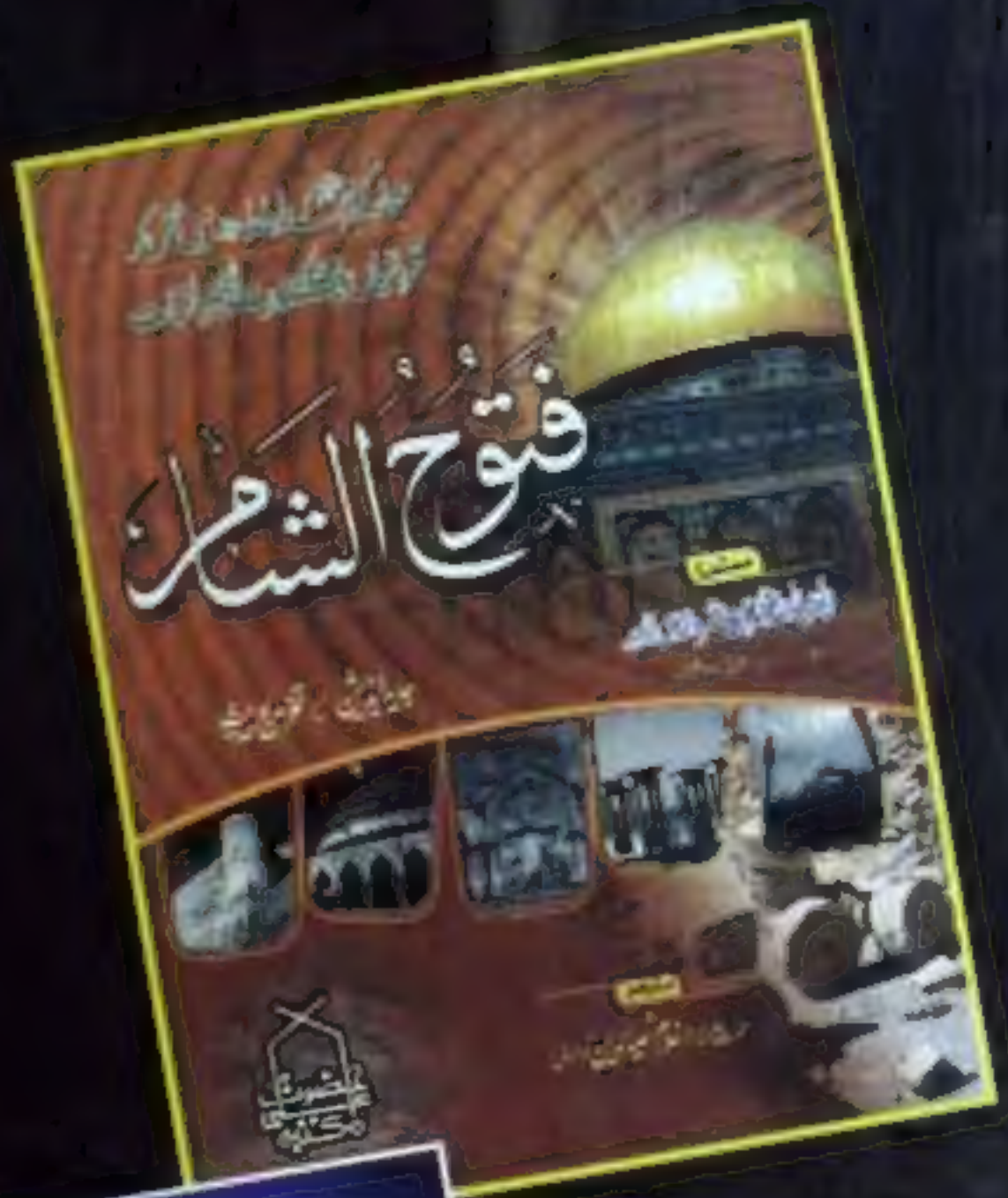


۲۵۱	نسخ القرآن و منسوخہ	امام سلیمان بن اشعث البجستانی	۲۷۵ھ
۲۵۲	نسیم الریاض	امام احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۵۳	نشر المحاسن	الامام الیافعی الیمنی	۷۶۸ھ
۲۵۴	نجات الانس	ملا عبد الرحمن بن احمد الجابی	۸۹۸ھ
۲۵۵	نوادیر الاصول	امام حکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۲۵۶	نور الانوار	احمد بن عبد اللہ ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۲۵۷	النہایہ	مبارک بن محمد ابن الاثیر	۶۰۶ھ



۲۵۸	وفیات الاعیان	امام شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱ھ
۲۵۹	الحدایہ	برهان الدین علی بن ابی بکر	۵۹۳ھ
		المرغینانی	
۲۶۰	الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر	امام عبد الوہاب شعرانی	۹۷۳ھ





د. تاج الدين بن عبد الرحمن بن تاج الدين

042-37247301

0300-8842540

مكتبة علي حشر

